

سِرَاجُ الْحَقَائِقِ

شرح اردو

کنز الدقائق

جلد دوم

شیخ

مولانا عتیق الرحمن قاسمی بہرائچی
استاذ جامعہ عربیہ ہتورا بانڈہ، یوپی

کتاب الحج کتاب النکاح

دار الکتب دیوبند

سراج الحقائق

شرح اردو

کنز الدقائق

(جلد دوم)

شارح

مولانا عتیق الرحمن قاسمی بہراپچی

استاذ جامعہ عربیہ ہتھورا بانڈہ (یوپی)

ناشر

دارالکتاب دیوبند

تفصیلات

نام کتاب.....	سراج الحقائق شرح اردو کنز الدقائق
شارح.....	حضرت مولانا عتیق الرحمن قاسمی بہرائچی
کمپیوٹر کمپوزنگ.....	استاذ جامعہ عربیہ ہتھورا بانڈہ (یو پی) (عبدالرزاق قاسمی، مستقیم سالک قاسمی)
	یاسر ندیم کمپیوٹر دیوبند
صفحات.....	۴۱۲
طباعت.....	یاسر ندیم آفسیٹ پریس دیوبند
سن اشاعت.....	دسمبر ۲۰۰۸ء
تعداد.....	۱۱۰۰
قیمت.....	
باہتمام.....	دعاف حسین مالک دارالکتاب دیوبند

ناشر

دارالکتاب دیوبند

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

﴿کتاب الحج﴾

هُوَ زِيَارَةُ مَكَانٍ مَخْصُوصٍ فِي زَمَانٍ مَخْصُوصٍ بِفِعْلِ مَخْصُوصٍ فَرَضَ مَرَّةً عَلَى
الْفُؤْرِ بِشَرْطِ خُورِيَّةٍ وَبُلُوغٍ وَعَقْلِ وَصِحَّةٍ وَإِسْلَامٍ وَقُدْرَةِ زَادٍ وَرَاحِلَةٍ فَضُلَّتْ عَنْ
مَسْكَنِهِ وَعَنْ مَالٍ بَدَ مِنْهُ وَنَفَقَةِ ذَهَابِهِ وَأَيَّابِهِ وَعِيَالِهِ وَأَمْنِ طَرِيقٍ وَمَحْرَمٍ أَوْ زَوْجٍ
لِامْرَأَةٍ فِي سَفَرٍ فَلَوْ أَحْرَمَ صَبِيٌّ أَوْ عَبْدٌ قَبْلَ أَنْ يُغَيَّرَ لَمْ يَجُزْ عَنْ فَرَضِهِ
وَمَوَاقِيتُ الْإِحْرَامِ ذُو الْحَلِيفَةِ وَذَاتِ عِرْقٍ وَجَحْفَةُ وَقُرُونٍ وَيَلْمَلَمُ لِأَهْلِهَا وَلِمَنْ مَرَّ
بِهَا وَصَحَّ تَقْدِيمُهُ عَلَيْهَا لِأَعْكُفِهِ وَلِدَاخِلِهَا الْحُلَّ وَلِلْمَكِّيِّ الْحَرَمَ لِلْحَجِّ وَالْحُلَّ
لِلْعُمْرَةِ.

ترجمہ: حج مکان مخصوص کی زیارت کرنا زمان مخصوص کے ساتھ فرض کیا گیا، ایک مرتبہ علی الفور
آزادی اور بلوغ اور عقل اور صحت اور اسلام کی شرط کے ساتھ اور زاد و راحلہ کی قدرت کی شرط کے ساتھ جو
زائد ہو اس کے مکان سے اور (زائد ہو) اس کی ضروریات سے اور اس کے حاضری اور واپسی کی مدت کے
خرچہ کی قدرت کی شرط کے ساتھ، اور اس کے بال بچوں کے خرچ کی قدرت کے ساتھ، اور پر امن راستہ کی
شرط کے ساتھ اور محرم یا شوہر کی رفاقت کی شرط کے ساتھ عورت کے لیے سفر میں، پس اگر بچہ یا غلام نے احرام
باندھا پس بچہ بالغ ہو گیا یا غلام آزاد کر دیا گیا پس وہ کرگزار تو نہ کافی ہوگا اس کے حج فرض سے اور احرام کے
مواقیت ذوالحلیفہ اور ذات عرق اور جحفہ اور قرن اور یلملم ہیں ان کے باشندوں کے لیے اور اس آدمی کے لیے
جو یہاں سے گزرے اور احرام کی تقدیم ان مقامات پر درست ہے اس کے برعکس نہیں درست ہے اور ان
حدود کے اندر رہنے والے کے لیے حل ہے، اور مکی کے لیے حرم ہے حج کے لیے اور حل ہے عمرہ کے لیے۔

تشریح: مصنف نے کتاب الحج کا عنوان قائم کیا، حالانکہ اس میں عمرہ کے احکام بھی مذکور
ہوئے ہیں تو ایسا حج کے شرف اور اس کے فریضہ ہونے کی وجہ سے کیا، کیوں کہ حج دو قسموں پر ہے ایک حج اکبر
دوسرا حج اصغر اول حج اسلام دوسرا عمرہ کہلاتا ہے، صحیح بات یہ ہے کہ حج اسلام میں ہی فرض ہوا ہے، نبیؐ نے
ہجرت سے پہلے کئی حج ادا فرمائے، جن کی تعداد معلوم نہیں ہے اور حج فرض ہجرت کے بعد ادا فرمایا
ہے، حضرت ابو بکرؓ نے ۹ھ میں حج کیا اور اسی سنہ میں حج کی فرضیت اتری۔

حج عبادت مالی اور بدنی دونوں ہے جب کہ نماز صرف بدنی اور زکوٰۃ فقط عبادت مالی ہے، چنانچہ جب

عبادت بدنی اور عبادت مالی کے بیان سے فارغ ہو گئے تو اب اس عبادت کا بیان شروع کیا جو دونوں سے مرکب ہے، حجِ حاء کے فتح اور کسرہ کے ساتھ دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔

حج کے لغوی معنی ہیں قصد اور ارادہ کرنا اور اصطلاحی معنی ہیں زیارۃ مکان مخصوص فی زمان مخصوص بفعل مخصوص یعنی مکان مخصوص کی زمانہ مخصوص میں فعل مخصوص کے ساتھ زیارت کرنا، مکان مخصوص کعبۃ اللہ (زادھا اللہ شرفا و کرامۃ) ہے زمانہ مخصوص سے اشہر حج مراد ہیں، فعل مخصوص سے حالت احرام میں طواف، سعی اور وقوف ہے۔

حج کا حکم دنیا میں ذمہ سے واجب کا ساقط ہو جانا ہے اور آخرت میں حصولِ ثواب ہے، حج کی حکمت دوست و احباب گمردوار، بال بچوں کی مفارقت کے ذریعہ نفس کو مارنا اور مردوں کے ساتھ کفن کی طرح دو کپڑے میں ملبوس ہو کر مشابہت پیدا کرنا ہے۔

فرض مرة على الفور: حج زندگی میں ایک مرتبہ علی الفور فرض ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حُجُّ الْبَيْتِ مِنْ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا کہ حج ایسے آدمی پر فرض ہے جو اللہ کے گھر تک پہنچنے کی گنجائش رکھتا ہو، نیز حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں قَالَ خَطَبَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا اَيُّهَا النَّاسُ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْحُجُّ لِقَامِ الْاَقْرَعِ بْنِ حَابِسٍ فَقَالَ اَفْنٰى كُلِّ عَامٍ يَّارَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ لَوْ قُلْتُهَا لَوَجَبَتْ وَلَوْ وَجَبَتْ لَمْ تَعْمَلُوْا بِهَا وَلَمْ تَسْتَطِيعُوْا اَنْ تَعْلَمُوْا بِهَا الْحُجَّ مَرَّةً فَمَنْ زَادَهَا فَهُوَ تَطَوُّعٌ رواه احمد والنسائي کہ رسول اللہ..... ہم کو خطبہ دے رہے تھے پس آپ نے ارشاد فرمایا: اے لوگو! تم پر حج فرض کیا گیا پس حضرت اقرع بن حابسؓ کھڑے ہوئے پس کہا کہ کیا ہر سال اے اللہ کے رسول..... تو آپ..... نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں ہاں کہہ دیتا تو حج کی فرضیت ہر سال ہو جاتی اور اگر حج ہر سال فرض ہو جاتا تو اس پر عمل تمہارے بس سے باہر ہوتا، حج فقط ایک مرتبہ زندگی میں فرض ہے اور جو شخص ایک سے زائد مرتبہ حج کرتا ہے تو وہ نفل عمل کرتا ہے۔

حج کے ایک مرتبہ فرض ہونے کی عقلی وجہ یہ ہے کہ حج کا سبب بیت اللہ ہے، جس میں تکرار نہیں ہے لہذا وجوب بھی مکرر نہیں ہے۔

رہی بات وجوب علی الفور کی تو ایسا اس لیے ضروری ہے کہ حج وقت خاص کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے اور موت و زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہے ایک سال میں ہی موت آسکتی ہے ایسا ہونا نادر نہیں ہے لہذا وجوب میں احتیاطاً تنگی گوارہ کی گئی۔

امام محمد اور امام شافعی کے نزدیک وجوب تراخی کے ساتھ ہے اس لیے کہ حج وظیفہ عمر ہے پس عمر حج میں

ایسے ہی ہے جیسے وقت نماز میں اسی وجہ سے اداء کی نیت کی جاتی ہے، پس حج کے فوت ہونے کا کوئی تصور نہیں ہے، نیز نبی..... نے ارشاد فرمایا، حالاں کہ حج ۶ھ میں فرض ہوا پس اگر حج کا وجوب علی الفور ہوتا تو نبی..... حج فرض کی ادائیگی میں تاخیر نہ فرماتے۔

ہماری دلیل یہ حدیث ہے کہ نبی..... نے ارشاد فرمایا مَنْ أَرَادَ الْحَجَّ فَلْيَتَعَجَّلْ فَإِنَّهُ قَدْ يَمْرُضُ الْمَرِيضُ وَتَضِلُّ الرَّاحِلَةُ وَتَعْرِضُ الْحَاجَةُ (رواہ احمد) کہ جو شخص حج کرنا چاہتا ہے اسے جلدی کرنا چاہئے کیوں کہ بہت بار آدمی بیمار ہو جاتا ہے، سواری گم ہو جاتی ہے، اور ضرورت لاحق ہو جاتی ہے، پس معلوم ہوا علی الفور وجوب حج ہوتا ہے۔

رہی بات اس حکم کی ۶ھ میں نازل ہونے کی تو وہ ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ تُوَاسَّ كَاتِلِقِ ابْتِدَاءِ أَمِيَانٍ وَجُوبٍ سَيَنْبَغُ مِنْكُمْ أَنْ تَعْلَمُوا أَنَّ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لَكُمْ وَجُوبٌ لَكُمْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ قَبْلَ الْإِسْلَامِ اِتِّمَامُ لَزَامٍ هِيَ بَلَى اس آیت میں بغیر ابتداء کیے گئے حج کے ایجاب پر کوئی دلالت نہیں۔

حج کا وجوب تو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ہے وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا جس کا نزول ۹ھ میں ہوا پس ارشاد تک آپ کا حج میں تاخیر کرنا متعدد اسباب سے ہو سکتا ہے، پہلی بات یہ ہے کہ ہو سکتا ہے آپ..... کا حج میں تاخیر کرنا عذر کی وجہ سے ہو اور اس کا بھی احتمال ہے کہ وجوب کے وقت یعنی ایام حج کے نکل جانیکے بعد حج کے وجوب کا حکم نازل ہوا ہو۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اہل مدینہ پر مشرکین کے خوف کی وجہ سے آپ..... نے تاخیر فرمائی ہو یا مشرکین کے ساتھ آپ کو اعمال حج میں اختلاط گوارہ نہ ہوا ہو، کیوں کہ تب تک حسب معاہدہ مشرکین کو حج کی آزادی حاصل تھی گو کہ وہ اپنے اعتبار سے کرتے تھے حتیٰ کہ برہنہ کعبہ کا طواف کرتے تھے، چنانچہ ۹ھ میں حضرت ابو بکرؓ علیؓ کو حج کے موقع پر مکہ بھیجا چنانچہ حضرت ابو بکرؓ نے منادی کی آلا لا یحج بعد العام مشرک ولا یطوف بالبيت عربان کہ خبردار اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کر سکتا ہے اور نہ ہی کسی کو برہنہ طواف کرنے کی اجازت ہے، پھر آپ..... نے حج فرمایا پس بلا عذر تاخیر آپ..... سے ممکن نہیں ہے جب کہ مکہ ۸ھ میں فتح ہو چکا ہے۔

اور بہت اداء اس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ وجوب حج مع التراخي ہے کیا آپ نہیں دیکھتے کہ زکوٰۃ کا وجوب محمد و شافعی کے نزدیک علی الفور ہے اس کے باوجود بھی اگر کسی نے ادائیگی زکوٰۃ کو مؤخر کیا تو اداء کی ہی نیت کرے گا۔

بشرط حرية وبلوغ وعقل: شرائط وجوب حج میں سے آزاد ہونا ہے نیز بالغ ہونا ہے پس اگر کوئی

فحص غلام ہے یا نابالغ ہے تو اس پر حج فرض نہ ہوگا یعنی بچہ اور غلام پر حج فرض نہیں ہے، نبی..... کا ارشاد ہے
 أَيَّمَا صَبِيٍّ حَجَّ بِهِ أَهْلُهُ فَمَاتَ أَجْزَأَتْ عَنْهُ فَإِنْ أَذَرَكَ فَعَلَيْهِ الْحَجُّ وَأَيَّمَا رَجُلٍ مَمْلُوكٍ حَجَّ
 بِأَهْلِهِ فَمَاتَ أَجْزَأَتْ عَنْهُ فَإِنْ أُعْثِقَ فَعَلَيْهِ الْحَجُّ جس بھی بچہ کے ساتھ اس کے گھر والوں نے حج کیا
 پس وہ بچہ مر گیا تو وہ اس کے لیے کافی ہو جائے گا پس اگر بلوغ کے مرحلہ کو پہنچ گیا تو اس پر حج لازم ہوگا اور
 جس بھی غلام آدمی نے اپنے مالک کے ساتھ حج کیا پس وہ مر گیا تو اس کی جانب سے وہ حج کافی ہو جائے گا
 پس اگر آزاد کر دیا گیا تو حج لازم ہوگا اور اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے، معلوم ہوا کہ بچہ اور غلام پر حج فرض نہیں
 ہے، چنانچہ بچپن کا کیا ہوا حج اور غلام ہونے کی حالت کا حج، حج فرض سے سبکدوش نہیں کرتا بلکہ بچہ کو بعد البلوغ
 اور غلام کو بعد الحاق تمام شرائط کے پائے جانے پر حج کرنا ضروری ہوگا۔

اور دلیل عقلی یہ ہے کہ حج عبادت مالی اور بدنی پر مشتمل ہے اور صبی کی نیت میں قصور ہے اس وجہ سے
 اس سے تمام فرائض ساقط ہیں اور عبد کے لیے کوئی مال نہیں ہوتا اور اس لیے بھی کہ وہ خدمت مولیٰ میں مشغول
 ہوتا ہے پس اگر عبد پر حج فرض ہو تو ایک عرصہ طویل تک حق مولیٰ معطل رہے گا جب کہ حق عبد مقدم ہے پس حج
 غلام کے حق میں جہاد کی طرح ہے بخلاف صلوٰۃ اور صوم کے کہ ان دونوں کا وقت چلتا رہتا ہے اور ان دونوں
 میں مال کی ضرورت نہیں رہتی۔

البتہ ظاہریہ کے نزدیک غلام اور باندی پر بھی حج واجب ہے لیکن جمہور علماء نے اس کو قابل اعتناء نہیں
 سمجھا۔

حج کے فرض ہونے کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ عاقل ہو کیوں کہ مجنون احکام شرع کا مکلف نہیں ہوتا، اسی
 طرح اعضاء صحیح سالم ہوں کیوں کہ حج مستطیع پر واجب ہوتا ہے اور استطاعت بغیر صحیحہ جوارح معدوم ہے پس
 اعمیٰ اور پٹھلیا اور مفلوج نیز دونوں پیر کئے ہوئے شخص اور شیخ فانی (جو سواری پر بیٹھ پانے کی تاب و طاقت
 کھو چکا ہو) پر حج فرض نہیں ہے۔

و اسلام: مسلمان ہونا ضروری ہے لہذا کافر پر حج فرض نہ ہوگا، اسی طرح اوسط درجہ کے توشہ راہ اور
 سواری پر قدرت ہو خواہ سواری پر قدرت مالک ہونے کی وجہ سے ہو یا کرایہ پر لینے سے ہو البتہ زاد و راہ حلہ کی
 قدرت اس کے گھر اور اس کے اخراجات سے زائد ہو نیز جملہ ضروریات زندگی مثلاً کپڑے، گھوڑے اور اسلحہ
 گھر کا فرنیچر اور سامان خادم فقہ کی کتابیں اگر عالم و فقیہ ہے سب چیزوں سے فاضل ہو، نیز مکہ آنے جانے کے
 خرچ اور بال بچوں کے اخراجات پر قدرت شرط ہے۔

معلوم ہوا کہ مکہ آنے جانے کے نفقہ پر قدرت سے مراد سوار ہو کر آنے جانے کے نفقہ کی قدرت مراد

ہے امام مالک کا اس میں اختلاف ہے، ان کے نزدیک اگر کوئی شخص پیدل بھی مکہ پہنچنے کی تاب و طاقت رکھتا ہے تو گویا وہ قدرۃ علی المشی کے واسطے مکہ پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہے، لہذا اس پر حج فرض ہوگا ہمارا کہنا یہ ہے کہ استطاعت سے مراد سوار ہو کر مکہ پہنچنے کی قدرت مراد ہے، کیوں کہ نبی نے استطاعت کی تفسیر زادوراحلہ سے کی ہے، لہذا وجوب حج زادوراحلہ کی قدرت سے متعلق ہوگا، پر یہ شرط ان لوگوں کے حق میں ہے جو کعبہ سے دور ہوں اور وہ لوگ جو مکہ میں یا مکہ کے ارد گرد آس پاس رہتے ہوں تو ان کے لیے راحلہ شرط نہیں ہے کیوں کہ ان کو مشی سے کوئی پریشانی نہیں لاحق ہوتی ہے، ان کا کعبہ حاضر ہونے کے لیے چلنا جمعہ کی نماز کے لیے سعی کرنا جیسا ہوا۔

وامن طریق: راستہ کا پر امن ہونا نیز حج کے وجوب کے لیے شرط ہے اعتبار غلبہ سلامتی کا ہے، پس اگر غالب سلامتی ہے تو حج فرض ہوگا اور اگر غالب خوف اور رہزنی ہو تو حج فرض نہیں ہے اور اگر حاجی اور مکہ کے درمیان سمندر پڑتا ہو تو اس میں بھی وہی تفصیل سابق ہے اگر جہاں سے کشتی عموماً چلتی ہے منزل تک پہنچنے میں غلبہ سلامتی ہے تو حج فرض ہے اور بصورت غلبہ خوف فرض نہیں ہے۔

ومحرم او زوج لامرأته: اگر کوئی خاتون حج کا ارادہ رکھتی ہیں اور مکۃ المکرمہ ان کی جائے سکونت سے مسافت مسافت سے کم دوری پر واقع ہے تو وہ بلا محرم کی رفاقت اور شوہر کی رفاقت و اجازت کے حج کے لیے جاسکتی ہیں اور اگر مکہ مسافت سفر پر واقع ہے تو کوئی عورت محرم یعنی جس سے نکاح ابداً اور دایماً حرام ہو کی رفاقت یا شوہر کی رفاقت کے بغیر حج کے لیے نہیں جاسکتی، اور اگر محرم یا شوہر کی رفاقت میسر نہ ہو تو حج اس عورت پر فرض نہیں رہتا، یہ حکم رفاقت عام ہے خواہ عورت جوان ہو یا بوڑھی، کیوں کہ نبی کا ارشاد ہے: لا یحل لامرأة تؤمن بالله والیوم الآخر أن تسافر سفراً یكون ثلاثة ایام مضاعداً إلا ومعها أبوها أو ابنها أو زوجها أو أخوها أو محرم فیہا رواہ مسلم و ابو داود کہ جو عورت اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہے اس کے لیے درست نہیں ہے کہ تنہا سفر کرے جب کہ سفر مدت سفر کی دوری پر واقع ہو ہاں اگر اس کے ساتھ اس کا باپ یا بیٹا یا شوہر یا بھائی یا کوئی اور محرم ہو تو سفر کر سکتی ہے، اسی طرح رسول اللہ نے ارشاد فرمایا لا تسافر المرأة ثلاثاً الا ومعها ذو محرم رواہ مسلم کہ عورت تین دن یا اس سے زائد کا سفر بغیر ذی محرم محرم کے نہیں کر سکتی۔

امام شافعی کے نزدیک بغیر شوہر اور محرم کی رفاقت کے جب کہ عورتوں کی رفاقت میسر ہو تو حج کے لیے جاسکتی ہے۔

امام شافعی کا استدلال وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ کے عموم پر ہے، نیز رسول اللہ کا ارشاد

ہے حجوا بیت ربکم کہ اپنے رب کے گھر کا حج کرو، پس یہ روایت بھی عموم کے لیے ہے، نیز حضرت عدی بن حاتم الطائی نبی..... کا ارشاد نقل کرتے ہیں قَالَ يُوْشِكُ أَنْ تَخْرُجَ الظَّعِينَةُ مِنَ الْحَيْرَةِ تَوْمُ الْبَيْتِ لَا جَوَارَ مَعَهَا لَا تَخَافُ إِلَّا اللَّهَ وَقَالَ عَدِي رَأَيْتُ الظَّعِينَةَ تَرْتَحِلُ مِنَ الْحَيْرَةِ حَتَّى تَطُوفَ بِالْكَعْبَةِ لَا تَخَافُ إِلَّا اللَّهَ تَعَالَى کہ قریب ہے کہ ایسا زمانہ آئے کہ ایک عورت حیرہ سے بیت اللہ کے قصد و ارادہ سے نکلے گی اس کے ساتھ کوئی بھی نہ ہوگا راستہ میں اسے اللہ کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا، حضرت عدی کہتے ہیں کہ میں نے ایک خاتون کو حیرہ سے سفر کرتے ہوئے دیکھا ہے جو سفر کر کے بیت اللہ کا طواف کرتی ہے اور اسے اللہ کے سوا کسی کا خوف دامن گیر نہیں ہوتا۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت بلا محرم اور شوہر کے سفر حج کر سکتی اور اس لیے بھی کہ سفر حج واجب اور ضروری ہے، پس اس کے لیے محرم کی رفاقت شرط نہ ہوگی جیسے کہ ہجرت کرنے والی خاتون اور اس خاتون کے لیے کہ جو کفار کی قید سے خلاصی پا جائے سفر کے لیے ساتھ میں محرم یا شوہر ہونا شرط نہیں ہے۔

احناف کی دلیل یہ حدیث پاک ہے کہ نبی..... نے ارشاد فرمایا: لَا تُسَافِرُ امْرَأَةٌ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ أَوْ تَحِجُّ إِلَّا وَمَعَهَا زَوْجَهَا کہ کوئی عورت تین دن کا سفر یا حج نہ کرے مگر یہ کہ اس کے ساتھ اس کا شوہر ہو، نیز حضرت ابن عباس رسول اللہ..... کا ارشاد نقل کرتے ہیں يَقُولُ لَا يَخْلُونَ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلَّا وَمَعَهَا ذُو مَحْرَمٍ وَلَا تُسَافِرُ الْمَرْأَةُ إِلَّا مَعَ ذِي مَحْرَمٍ فَقَالَ رَجُلٌ لِّقَالَ إِنَّ امْرَأَتِي خَرَجَتْ حَاجَةً وَإِنِّي اكْتَسَبْتُ فِي غَزْوَةٍ كَذَا وَكَذَا فَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَانْطَلِقِي فَحِجِّي مَعَ امْرَأَتِكَ رواه مسلم والبخاری پس حدیث صراحاً اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مرد کسی اجنبیہ کے ساتھ نہ تو بغیر محرم خلوت کر سکتا ہے اور نہ ہی محرم کے بغیر عورت سفر کر سکتی ہے، حتیٰ کہ ایک صحابیہ جو بغیر شوہر کی رفاقت کے سفر حج پر روانہ ہو چکی تھیں تو رسول اللہ..... نے ان کے شوہر کو اپنی بیوی کے ساتھ حج کرنے کا حکم دیا، پس معلوم ہوا کہ عورت محرم یا شوہر کے بغیر حج کے لیے روانہ نہیں ہو سکتی اور شوہر یا محرم کی رفاقت میسر نہ ہونے پر حج واجب نہیں رہتا، البتہ اگر وہ حج کرنا چاہتی ہے تو کسی محرم کو اپنے خرچ پر ساتھ کر لے اور اس کی معیت میں حج کرے۔

تہا سفر کرنے میں ایک تو فتنہ کا اندیشہ ہے دوسرے سوار ہونے اور سواری سے اترنے میں عورت کو سہارا لینے کی ضرورت پڑتی ہے، لہذا اس کو معاون کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ معاون شوہر اور محرم کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا، اور وہ نصوص جو مطلقاً منقول ہیں وہ مختص ہیں ان روایات سے جو ہم نے بیان کی ہیں مہاجرہ اور مأ سورہ یعنی وہ خاتون جو قید کفار میں ہو اس کا مقصد سفر کرنا نہیں ہوتا بلکہ نجات ہوتی ہے، دوسرے

یہ کہ ان کا سفر ضرورت کی وجہ سے ہے جو محظورات کو مباح کر دیتی ہے، رہی بات حدیث عدیٰ کی تو وہ ایک واقعہ کے وقوع پر دلالت کرتی ہے، جو اس سفر بلا محرم یا بلا شوہر پر دلالت نہیں کرتی ہے، کیوں کہ نبی..... کا منشاء راستہ کے پر امن ہونے کو بیان کرنا ہے نہ کہ اس بات کو کہ عورت بلا شوہر یا محرم سفر کر سکتی ہے۔

فلو احرم صبی اور عبد: اگر بچہ نے یا غلام نے حج کا احرام باندھا کہ بچہ بالغ ہو گیا یا غلام آزاد کر دیا گیا پس غلام اور بچہ اپنا اعمال حج پورا کر لیں البتہ حج فرض سے یہ حج کافی نہ ہوگا، اس لیے کہ ان کے احرام کا انعقاد ادائے نفل کے لیے ہوا تھا پس وہ ادائے فرض سے منقلب نہیں ہو سکتا۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جب بچہ اعمال حج اداء کرتا رہا تو وہ فرض حج سے اداء ہو جائے گا، دراصل بچہ کی نماز میں اختلاف تب ہے جب وہ بالغ اثناء صلوٰۃ میں عمر بلوغ کو پہنچنے کی وجہ سے ہو، پس ان کے نزدیک وہ نماز فرض نماز کے طور پر اداء ہو جائے گی۔

اور احناف کے نزدیک نہ ہوگی یہی حکم حج کا ہے کہ دوران حج بلوغ سے امام شافعی کے نزدیک حج نفل فرض حج سے تبدیل ہو جائے گا، اور امام اعظم کے نزدیک ایسا نہیں ہو سکتا، اور اگر بچہ نے بعد الاحرام بلوغ کے بعد وقف عرفہ سے پہلے احرام نفل توڑ کر از سر نو احرام فرض باندھ لیا تو یہ حج فرض سے کافی ہو جائے گا، اور اگر غلام نے ایسا کیا کہ آزاد ہونے کے بعد وقف عرفہ سے پہلے حج فرض کا پھر سے احرام باندھا تو یہ کافی نہ ہوگا، اس لیے کہ بچہ کا احرام اہلیت کے نہ ہونے کی وجہ سے غیر لازم ہے، پس نفلی حج شروع کر کے اس سے لگنا ممکن ہے اور عبد کا احرام لازم ہے پس اس کے لیے حج نفل سے خروج ممکن نہیں، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ بچہ اگر محصر ہو جائے اور حلال ہو جائے تو نہ اس پر قضاء ہے اور نہ دم اور نہ ہی اسے ممنوعات حج کے ارتکاب سے جزاء لازم ہوتی ہے۔

ومواقیت الاحرام: مواقیت جمع ہے میقات کی، میقات کہتے ہیں اس جگہ کو کہ جہاں سے آگے بغیر احرام کے آدمی کے لیے گزرنا حرام ہے، چنانچہ اہل مدینہ کے لیے میقات ذوالحلیفہ ہے، یہاں سے آگے بغیر احرام آگے بڑھنا درست نہیں ہے، اور اہل عراق کے لیے ذات عرق اور اہل شام کے لیے جھہ اور اہل نجد کے لیے قرن اور اہل یمن کے لیے یلملم ہے، پس ان مواقیت میں سے ہر ایک متعلقہ شہروں کے لیے اور جو وہاں کے باشندوں کے علاوہ بھی وہاں سے گزرے تو ان سب کی میقات ہے، عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم وَقَبَّتْ لاهل المَدِیْنَةِ ذَا الْحَلِیْفَةِ و لاهل الشَّامِ الْجَحْفَةَ و لَ اَھْلِ نَجْدٍ قَرْنَ الْمَنَازِلِ و لَ اَھْلِ الْیَمَنِ فَقَالَ هُنَّ لَھُمْ و لِمَنْ اَتٰی عَلَیْھِمْ مِنْ غَیْرِ اَھْلِھِمْ لِمَنْ کَانَ یَرِیْدُ الْحَجَّ و الْعَمْرَةَ فَمَنْ کَانَ دَوْنَهُمْ فَھَلْءُ مِنْ اھْلِهِ و کَذٰلِکَ حَتٰی اَھْلُ

مکہ بھلون منها رواہ البخاری و مسلم حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ..... نے اہل مدینہ کے لیے ذوالحلیفہ اور اہل شام کے لئے جھہ اور اہل نجد کے لیے قرن المنازل اور اہل یمن کے لیے علم کو میقات مقرر فرمایا، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ یہ مقامات ان لوگوں کی میقات ہیں اور ان شہروں کے باشندوں کے علاوہ اس شخص کی بھی جو ان مقامات سے گزرے بشرطیکہ وہ حج یا عمرہ کا ارادہ رکھتا ہو اور وہ شخص جو میقات کے اندر یعنی میقات اور حرم کے درمیان رہتا ہے تو وہ تہلیل پڑھیں گے، یعنی احرام باندھیں گے اسی طرح مکہ سے ہی احرام باندھے گا۔

آفاقی جب مکہ میں داخل ہونے کے ارادہ سے میقات پہنچ گیا تو اب اس پر احرام باندھنا لازم ہو گیا خواہ اس نے حج یا عمرہ کا ارادہ کیا ہو یا نہ کیا ہو، امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص حج یا عمرہ کے ارادہ سے مکہ میں داخل ہو رہا ہو تو اس کے لیے احرام باندھنا ضروری ہوگا ورنہ نہیں بغیر احرام باندھے بھی مکہ آ سکتا ہے عَنْ جَابِرٍ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ دَخَلَ يَوْمَ فَتَحِ مَكَّةَ وَعَلَيْهِ عِمَامَةٌ سَوْدَاءُ بِغَيْرِ إِحْرَامٍ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَالتَّسَائِي حُضْرَتُ جَابِرٌ رَوَايَتُ كَرْتِي هِي كَرُ سُولُ اللّٰهِ..... فَتَحِ مَكَّةَ كَرُ رُوزِ بَغِيرِ اِحْرَامِ كَرُ مَكِّي دَاخِلُ هُوَ اِسْ حَالِ مِي كَرُ اَپْ رُكَالَا اَعْمَامَه تَهَا اُور اِسْ لِيَهِي كَرُ اِحْرَامِ اِدَا اَمْسُكْ كَرُ لِيَهِي مَشْرُوعُ هُوَا هِي لَهَذَا جَبْ اِسْ كِي نِيَتْ كَرِي كَا تُو اِحْرَامِ لَازِمُ هُوَا ورنہ نہیں، احتاف کی دلیل حضرت ابن عباسؓ کی حدیث ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ..... نے ارشاد فرمایا لَا يَدْخُلُ احَدٌ مَكَّةَ اِلَا بِالْاِحْرَامِ كَرُ كُوِي فَخْصُ بَغِيرِ اِحْرَامِ مَكِّي دَاخِلُ نَهْ هُوَا اُور اِسْ لِيَهِي كَرُ اِحْرَامِ اِسْ بَقْعَه شَرِيفَه كِي تَعْظِيْمُ كَرُ لِيَهِي هِي، لَهَذَا اِسْ مِي تَا جَرَا وُر مَحْتَرَمُ بَمَا رِي هِي اُور اِيَا اِسْ لِيَهِي هِي كَرُ اللّٰهُ تَعَالٰی نِيَهِي اِلّٰهُ كُو مَعْظَمُ بَنِيَا هِي اُور مَسْجِدُ حَرَامِ كُو اِسْ كِي فَنَاءُ بَنِيَا هِي، اُور مَكِّي كُو مَسْجِدُ حَرَامِ كِي فَنَاءُ بَنِيَا هِي اُور مِيَقَاتُ كُو حَرَمِ كِي فَنَاءُ بَنِيَا هِي اُور شَرْعُ نِيَهِي اِسْ كِي تَعْظِيْمُ كِي كِيْفِيَتُ كُو بَنِيَا هِي اُور وَهِي مَخْصُوصُ بِيَتِ رُمِيَقَاتُ سِي اِحْرَامِ بَانْدَهْنَا لَهَذَا اِسْ كَا تَرْكُ دَرَسْتُ نَهْ هُوَا، اَبْ جِهَالُ تَكْ حَدِيْثُ جَابِرُ كَا تَعْلُقُ هِي تُو وَهِي فَتَحِ مَكَّةَ كِي اِسْ سَاعَتُ كَرُ سَاْتَهْ مَخْصُوصُ هِي چنانچہ نبی..... نے اِسْ دِنُ ارشاد فرمایا مَكَّةُ حَرَامٌ لَمْ يَحِلْ لَاحِدٌ قَبْلِيْ وَلَا يَحِلْ لَاحِدٌ بَعْدِيْ وَانْمَا اَحَلَّتْ لِيْ سَاعَةٌ مِّنْ نَّهَارٍ ثُمَّ عَادَتْ حَرَامًا كَرُ مَكِّي مَحْتَرَمُ هِي مَجْهٌ سِي پَهْلِي كَبْهِي كِي كَرُ لِيَهِي حَلَالُ نَهْ هُوَا ورنہ میرے بعد ہوگا اُور وَهِي بَلَا شَبْهِ دِنُ كَرُ تَهْوِي دِيرُ كَرُ لِيَهِي حَلَالُ هُوَا تَهَا، پھر اِسْ كِي حَرَمْتُ لُوثُ آئی یعنی آپ..... كَرُ قِتَالُ كَرُ وَاسِطَةُ تَشْرِيفُ آوَرِي كَرُ دِنُ بَلَا اِحْرَامِ دَاخِلَه تَهْوِي دِيرُ كَرُ لِيَهِي حَلَالُ هُوَا تَهَا پھر كَبْهِي حَلْتُ نَهِي آئی، اُور اَبْ قِيَامَتُ تَكْ كَرُ لِيَهِي بَلَا اِحْرَامِ دَاخِلَه ہر كِي كَرُ لِيَهِي مَنَعُ هِي۔

اُور وَهِي فَخْصُ جُو مِيَقَاتُ كَرُ اُنْدَر رِهْتَا هِي تُو وَهِي بَرْنَا نِيَهِي ضَرْوَرْتُ مَكِّي بَغِيرِ اِحْرَامِ كَرُ آ جَا سَكْتَا هِي چوں كَرُ

مکہ میں اس کا آنا جانا لگارتا ہے پس ہر مرتبہ داخلہ کے لیے احرام کے لازم قرار دینے کی صورت میں حرج ہے، لہذا اس کو اہل مکہ کے حکم میں کر دیا چنانچہ مکی کے لیے مکہ سے باہر ضرورہ جانے کے بعد بلا احرام دخول مکہ درست ہے کیوں کہ وہ مسجد حرام کے حاضر باش لوگ ہیں۔

وصح تقدیمہ علیہا لا عکسہ: احرام مواقیت سے پہلے باندھ سکتا ہے، بلکہ افضل ہے البتہ اس کے برعکس درست نہیں ہے یعنی احرام باندھنا مواقیت سے مؤخر کر کے، تقدیم کی فضیلت اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی وجہ سے ہے: وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ اور صحابہ نے اتمام کی تفسیر اس بات سے کی ہے کہ حج و عمرہ کا احرام اپنے الہ کے گھر سے باندھے یعنی حل سے حضرات صحابہ اسی کو پسند کرتے تھے نبی..... کا ارشاد ہے من اهلہ من المسجد الاقصی بعمرۃ او بحجۃ غفر لہ ما تقدم من ذنبہ رواہ احمد یعنی جو شخص مسجد اقصیٰ سے عمرہ یا حج کا احرام باندھے گا تو اس کے تمام اگلے گناہ معاف ہو جائیں گے اور اس لیے بھی کہ مشقت اس میں زیادہ ہے اور بیت اللہ کی تعظیم خوب ہے پس میقات سے پہلے ہی احرام باندھنا افضل ہوا اور میقات تک مؤخر کرنا رخصت ہوا اس لیے کبار صحابہ میقات سے پہلے ہی احرام باندھ لیا کرتے تھے۔

امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ تقدیم افضل ہے بشرطیکہ آدمی مخطورات احرام میں مبتلا ہونے سے اپنے آپ کو مأمون پاتا ہو۔

ولداخلہا الحل: وہ حضرات جو میقات کے اندر یعنی میقات اور حرم کے درمیانی حصہ ارض میں آباد ہیں وہ احرام حل سے باندھا کریں گے کیوں پورا خارج حرم اس کے حق میں مکان واحد کے حکم میں ہے اور حرم اس داخل کے حق میں ایسے ہے جیسے میقات آفاقی کے حق میں لہذا وہ حرم میں بلا احرام داخل نہیں ہو سکتا، بشرطیکہ حج یا عمرہ کا ارادہ کر لیا ہو۔

وللمکی الحرم للحج ومحل للعمرة: مکی کا احرام حرم پاک سے اور عمرہ کا حل سے باندھے گا اس پر لوگوں کا اجماع ہے نبی..... اسی کا حکم کرتے تھے دلیل عقلی یہ ہے کہ اداء حج عرفات میں ہوتا ہے اور میدان عرفات حل میں ہے پس احرام حرم سے ہوگا تا کہ ایک طرح کا سفر متحقق ہو اور اداء عمرہ حرم میں ہوتا ہے پس احرام حل سے ہوگا تا کہ مکان کی تبدیلی سے ایک قسم کا سفر پایا جائے، عمرہ کے لیے تعیم سے احرام افضل ہے کیوں کہ نبی..... نے ام المؤمنین سیدہ عائشہ کو تعیم سے عمرہ کا احرام باندھنے کا حکم فرمایا تھا

باب الاحرام

وَإِذَا أَرَدْتَ أَنْ تُحْرِمَ فَتَوَضَّأْ وَالْفُسْلُ أَحَبُّ وَالْبَسُّ إِذَا رَأَا أَوْ رَدَاءَ الْجَدِيدَيْنِ أَوْ

غَسِيلَيْنِ وَتَطْيِبَ وَصَلَى رَكَعَتَيْنِ وَقُلِ اللَّهُمَّ إِنِّي أُرِيدُ الْحَجَّ فَيَسِّرْهُ لِي وَتَقَبَّلْهُ مِنِّي وَلَبَّ ذُبُرُ صَلَاتِكَ تَنَوَّى بِهَا الْحَجَّ وَهِيَ لَيْتِكَ اللَّهُمَّ لَيْتَكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَيْتَكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَلِلْمَلِكِ لَا شَرِيكَ لَكَ وَزِدْ فِيهَا وَلَا تَنْقُصْ فَإِذَا لَبَّيْتَ نَاوِيًا فَقَدْ أَحْرَمْتَ فَاتَّقِ الرَّفْثَ وَالْفُسُوقَ وَالْجَدَالَ وَقَتْلَ الصَّيْدِ وَالْإِشَارَةَ إِلَيْهِ وَالذَّلَالََةَ عَلَيْهِ وَلَبَسَ الْقَمِيصِ وَالسَّرَاوِيلِ وَالْعِمَامَةِ وَالْقَلَنْسُوَّةَ وَالْقَبَاءَ وَالْخُفَيْنِ إِلَّا أَنْ لَا تَجِدَ نَعْلَيْنِ فَاقْطَعْهُمَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ وَالثَّوبَ الْمَصْبُوغَ بِوَرْسٍ أَوْ زَعْفَرَانٍ أَوْ عُصْفُرٍ إِلَّا أَنْ يَكُونَ غَسِيلًا لَا يَنْقُصُ.

ترجمہ: یہ باب احرام اور اس کے احکام کے بیان میں ہے، جب آپ احرام باندھنا چاہیں تو وضو کریں اور غسل افضل ہے اور ایک لنگی اور چادر پہنیں اس حال میں کہ دونوں نئی ہوں یا دھلی ہوئی ہوں اور خوشبو لگائیں اور دو رکعت نماز پڑھیں اور کہیں اللہم انی ارید الحج فیسره لی وتقبلہ منی اور اپنی نماز کے بعد تلبیہ پڑھیں اس حال میں کہ اس سے حج کی نیت کر رہے ہوں اور تلبیہ یہ ہے لَيْتَكَ لَيْتَكَ اللَّهُمَّ لَيْتَكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَيْتَكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمَلِكِ لَا شَرِيكَ لَكَ اور تلبیہ میں (مناسب کلمات کا) اضافہ کرو اور کمی مت کرو پس جب تم نے نیت کرتے ہوئے تلبیہ پڑھ لیا تو بلاشبہ محرم ہو گئے تو جماع، گناہ اور لڑائی سے بچو اور شکار کے مارنے اور اس کی طرف اشارہ کرنے اور اس کی رہنمائی کرنے اور کرتہ اور پانچجامہ اور پگڑی اور ٹوپی اور جبہ اور موزے پہننے سے بچو مگر یہ کہ تم جوتے نہ پاؤ تو موزوں کو کاٹ دو ٹخنوں کے نیچے سے اور پرہیز کرو ورس یا زعفران میں رنگے ہوئے کپڑوں سے مگر یہ کہ ایسے دھلے ہوں کہ بوندہ آتی ہو۔

تشریح: جب مصنف مواقیت کے تذکرہ سے فارغ ہو گئے کہ جن سے آدمی کا بغیر احرام گذرنا درست نہیں ہے تو احرام کا تذکرہ مناسب ہوا کہ بتایا جائے کہ میقات پر پہنچ کر کیسے احرام باندھا جائے احرام تمہارے قول أَحْرَمَ الرَّجُلُ کا مصدر ہے، یہ تب بولتے ہیں جب آدمی ایسی حرمت میں داخل ہو جائے جس کو پامال نہیں کیا جاتا اور ایسا اس لیے ہے کہ آدمی پر احرام کی وجہ سے جماع، فسق اور لڑائی جھگڑا وغیرہ حرام ہو جاتا ہے اور احرام بانج کی صورت یہ ہے کہ زبان سے تلبیہ پڑھے اور دل سے حج کی نیت کرے اور افضل یہ ہے کہ نیت کو زبان سے دل کے ساتھ ذکر کرے پھر محرم کی چار قسمیں ہیں مفرد بانج اور مفرد بالعمرة، قارن اور متمتع تفصیل آگے انشاء اللہ آئے گی۔

احرام ہمارے نزدیک شرط الاداء ہے حتیٰ کہ حج بغیر نیت کے نہیں اداء ہو سکتا جیسے کہ نماز میں تکبیر تحریمہ

اور امام شافعی کے نزدیک رکن ہے چوں کہ عند الاحتمال نیت حج شرط ہے لہذا اس کی تقدیم اشرع پر درست ہے جیسے تقدیم طہارت وقت صلوٰۃ پر درست ہے۔

وَإِذَا أَرَدْتَ أَنْ تَحْرِمَ الْخَبْرُ: مصنفؒ نے اس فصل کو خطاب کے ساتھ ذکر کیا امور باحرام کے تعلق پر ابھارنے کے لیے اور اہتمام کے لیے کیوں کہ اس کے احکام کی معرفت کی ضرورت زیادہ ہے بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ امام ابو حنیفہؒ کا امام ابو یوسفؒ سے خطاب ہے جسے مصنفؒ نے اسی طرح نقل کر دیا ہے۔

بہر حال جہاں آدمی احرام باندھنا چاہے تو وضو کرے گو غسل کرنا افضل ہے، حضرت زید بن ثابتؓ روایت کرتے ہیں کہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اغتسل لا حراہمہ نبی..... نے احرام کے لیے غسل فرمایا ہے وکان ابن عمر یوضا احیاناً ویغتسل احیاناً حضرت ابن عمرؓ بھی وضو احرام کے لیے کرتے اور کبھی غسل معلوم ہوا کہ برائے احرام وضو درست ہے، البتہ غسل افضل ہے، کیوں کہ نبی..... نے غسل کو پسند فرمایا ہے اور اس لیے بھی کہ غسل تطہیف میں اعم اور ابلغ ہے، اس غسل سے مراد تحصیل نفاذت ہے اور بدبو کا ازالہ ہے تحصیل طہارت مراد نہیں ہے کیوں کہ برائے احرام غسل کا حکم حائض اور نفساء کے لیے بھی ہے حالاں کہ نفساء اور حائض کو طہارت نہیں ہوتی، عن ابن عباس قال قال رسول اللہ..... ان النفساء والحائض تغتسل وتحریم وتقضى المناسک کلھا غیر الھال تطوف بالبيت رواہ ابو داؤد والترمذی کہ ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ..... نے ارشاد فرمایا کہ نفساء اور حائض غسل کرے گی اور احرام باندھے گی اور تمام ارکانوں کو اداء کرے گی سوائے اس کے کہ وہ بیت اللہ کا طواف نہیں کر سکتی۔

والبس اذا اورداءاً: اور ایک نئی لنگی جو کم از کم ناف سے گھٹنے کے نیچے تک ہو پہن لے اور ایک نئی چادر جس کا اضطباع کر لے گا اس کی صورت یہ ہے کہ چادر مونڈھے سے پشت پر ڈال لے اور اس کو داہنی بغل سے نکال کر بائیں مونڈھے پر ڈال لے اور اسے ڈھانک لے اور داہنے مونڈھے کو کھلا ہوا رکھے، پس یہ سنت ہے کیوں کہ نبی..... نے اپنے احرام میں ایک ازار اور ایک چادر اسی طرح پہنی ہے اور صحابہ کو حکم دیا ہے۔

ازار اور چادر کا نیا ہونا یا دھلا ہونا مستحب ہے البتہ جدید یعنی نیا ہونا افضل ہے کیوں کہ نئی چادر وازار اتظف ہے، نیز اولیٰ یہ ہے کہ ازار اور چادر سفید ہوں کیوں کہ نبی..... کا ارشاد ہے کہ سفید کپڑا آپ کے رب کے بندوں کی تزئین ہے۔

وتطیب: احرام پہننے کے بعد خوشبو لگائے، جو خوشبو لگانا سنت ہے البتہ امام محمدؒ اور زقر کے نزدیک

جب کہ اس کا عین باقی ہو تو بعد الاحرام اس کا لگانا مکروہ ہے، امام شافعیؒ بھی اسی کے قائل ہیں ان حضرات کا استدلال اس حدیث سے ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لرجلٍ محرمٍ سألَهُ عَمَّا كَانَ عَلَيْهِ مِنَ الطَّيْبِ اَمَّا الطَّيْبُ الَّذِي بِكَ فَاغْسِلْهُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ وَاَمَّا الْجَبَةُ فَاَنْزِعْهَا لِيَعْنِي نَبِي..... نے ایک محرم شخص سے کہ جس نے خوشبو کی بابت آپ سے پوچھا تھا فرمایا جہاں تک خوشبو کا معاملہ ہے تو جو تم نے جسم پر لگائی ہے تو اسے تین مرتبہ دھو ڈالو اور جو جبہ پہن رکھا ہے تو اسے اتار دو پس اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب تک عین خوشبو باقی ہو تو کراہت اور ناپسندیدگی ہے۔

امام کا استدلال حدیث عائشہؓ سے ہے عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا انہا قالت کنت اُطِيبُ رسولَ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عند احرامہ باطیبٍ ما اجدُ وفي روايةٍ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا ارادَ اَنْ يحرمَ تطيبَ باطیبٍ ما اجد ثم اری وبيصَ الطيبَ في رأسه ولحيته بعد ذلك رواه البخاری حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہؐ کو آپ کے احرام کے وقت سب سے عمدہ خوشبو لگاتی تھی، پس یہ حدیث عند الاحرام خوشبو کے استعمال کی سنیعت پر دلالت کرتی ہے، اور وہ حدیث جسے امام محمد و شافعی نے دلیل میں پیش کیا ہے چوں کہ اس کا تعلق فتح مکہ کے سال سے ہے جب کہ حدیث عائشہؓ کا تعلق حجۃ الوداع سے ہے پس وہ روایت حدیث عائشہؓ سے منسوخ ہوگئی۔

نیز محرم کے لیے احرام کے وقت ناخن کاٹنا، مونچھیں کترانا، موئے زیر ناف کی صفائی کرنا موئے زیر بغل کو اکھاڑنا اور غسل کے بعد سر میں کنگھی کرنا مستحب ہے۔

وصل رکعتین: احرام پہننے اور خوشبو لگانے کے بعد وقت غیر مکروہ میں دو رکعت نماز پڑھنا مستحب ہے، اس لیے کہ نبی..... نے عند الاحرام دو رکعت نفل پڑھا ہے رواہ بخاری و مسلم اور اگر فرض نماز عند الاحرام احرام کے کپڑے پہننے کے بعد پڑھا تو فرض نماز دو رکعت نفل سے کافی ہو جائے گی جیسے تحیۃ المسجد سے فرض نماز کفایت کرتی ہے عن انسؓ انه صلی اللہ علیہ وسلم صلی الظهر ثم ركب علی راحله کہ آپ..... نے ظہر کی نماز پڑھا اور اپنی سواری پر سوار ہو گئے۔

اور نماز کے بعد یہ دعا پڑھے اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُرِیدُ الحجَّ فیسِّرْہ لِیْ وَتَقَبَّلْہ مِنِّیْ کہ پروردگار عالم میں حج کا ارادہ کر رہا ہوں لہذا تو اسے آسان فرما دے اور اسے میرے جانب سے قبول فرما کیوں کہ اداء ارکان حج متفرق اوقات اور الگ الگ جگہوں میں انجام پاتے ہیں پس عادتاً مشقت سے خالی نہیں لہذا بندہ اللہ سے آسانی کا خواستگار رہے، کیوں کہ وہی ہر مشکل کو آسان بنانے والے ہیں اور اللہ سے قبولیت کی

بھیک مانگتا ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم سیدنا اسماعیل نے اس کی دعاء کی تھی رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ اور اسی طرح تمام طاعات میں اللہ سے قبولیت کا طالب ہونا چاہئے کیوں کہ وہی درگاہ کی توفیق عطا کرنے والے ہیں اور وہی ہوتا ہے جو پروردگار عالم چاہتے ہیں۔

وَلَبَّ ذُبُرُ صَلَوَاتِكَ الْخ: اور اپنی نماز کے بعد حج کی نیت سے تلبیہ پڑھے اور وہ یہ ہے لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمَلِكُ لَا شَرِيكَ لَكَ حضرت ابن عمر نے اسی طرح رسول اللہ..... سے نقل کیا ہے۔

یہ تلبیہ ہمارے نزدیک واجب ہے امام شافعی کا اس میں اختلاف ہے حضرت عباس فرماتے ہیں کہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی رکعتین بذی الحلیفۃ و اوجب فی مجلسہ یعنی آپ..... نے دو رکعت نماز ذوالحلیفہ میں پڑھا اور اسی مجلس میں تلبیہ پڑھا وعن جابر ان اہلال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ذی الحلیفۃ حین استوت بہ راحلۃ رواہ البخاری کہ آپ..... کا تلبیہ پڑھنا ذوالحلیفہ سے ہوا ہے جب اونٹنی آپ کو لے کر سیدھی کھڑی ہوگئی ہے وعن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی الظهر ثم ركب راحلته فلما علا على جبل البیداء اهل رواہ ابو داؤد کہ نبی..... نے ظہر کی نماز پڑھی پھر اپنی سواری پر سوار ہوئے پس جب آپ جبل بیداء پر چڑھے تو آپ نے تلبیہ پڑھا۔

عن سعید بن جبیر قال قلت لابن عباس عجباً لاختلاف اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی اہلالہ فقال انی لاعلم الناس بذلك انما كانت منه حجة واحدة فمن هناك اختلفوا خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاجاً فلما صلی فی مسجدہ بذی الحلیفۃ رکعتیه اوجب فی مجلسہ فاهل بالحج حین قرع من رکعتیه فسمع بذلك منه اقوام فحفظوا عنه ثم ركب فمما استقلت به ناقته يهل فقالوا انما اهل حين استقلت به ناقته ثم مضى فلما علا على شرف البیداء اهل فادرك ذلك اقوام فقالوا انما اهل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حین علا على شرف البیداء وایم اللہ لقد اوجبه فی مصلاه، نبی..... نے ذوالحلیفہ پہنچ کر دو رکعت نماز پڑھی اور نماز سے فارغ ہو کر حج کا تلبیہ پڑھا اس تلبیہ کو کچھ لوگوں نے سنا پس انہوں نے اس کو محفوظ کر لیا پھر آپ اونٹنی پر سوار ہو گئے جب اونٹنی چلنے لگی تو آپ تلبیہ پڑھنے لگے تو صحابہ نے کہا کہ جب اونٹنی آپ کو لے کر تیار ہو کر چل پڑی تو آپ نے تلبیہ پڑھا پھر آپ سوار ہو کر چلے پھر جب جبل بیداء پر پہنچ گئے تو آپ نے تلبیہ پڑھا پس کچھ صحابہ کو اس کا علم ہوا تو وہ کہنے لگے کہ

رسول اللہ..... نے جبل بیداء پر پہنچ کر احرام کے بعد تلبیہ پڑھا، حالاں کہ بخدا اپنے مسجد میں تلبیہ پڑھ کر احرام باندھ لیا تھا۔

اس روایت سے سارے اشکالات ختم ہو جاتے ہیں، ایک بات اور سمجھ لیں کہ ہمارے نزدیک دو رکعت نفل کے بعد سے تلبیہ کا آغاز افضل ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک جب سواری لے کر روانہ ہونے لگے تو تلبیہ شروع کرنا افضل ہے، دوسری بات یہ ہے کہ ہمارے نزدیک احکام احرام محض نیت سے شروع نہیں ہوتے تا آنکہ نیت کے ساتھ تلبیہ ملا لے یا ہدی ہنکائے اور امام شافعیؒ کے نزدیک محض نیت سے محرم ہو جاتا ہے، اور احکام احرام شروع ہو جاتے ہیں۔

نیت تمام عبادات میں شرط ہے لہذا حج کے لیے بھی نیت ضروری ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وما أمروا إلا ليعبدوا الله مخلصين له الدين لوگ اللہ کی عبادت کا اخلاص کے ساتھ عبادت کا حکم دیا گیا ہے اور اخلاص نیت سے پیدا ہوتا ہے، پس معلوم ہوا کہ بغیر نیت کے کوئی عمل معتبر نہیں ہے ان چیزوں کا ذکر جو حج یا عمرہ سے حرام قرار پاتی ہیں زبان سے ضروری اور شرط نہیں ہے اور اگر ذکر کر لیا اور کہہ لیا نوبت الحج واحرمث به لله تعالیٰ تو یہ افضل ہو گا دل کے زبان کے موافق ہو جانے کی وجہ سے۔

تلبیہ اللہ کے گھر کے واسطے پکارنے والے کی پکار کا جواب ہے، اب سوال ہے کہ داعی الی البیت کون ہے تو اسکا پہلا جواب تو یہ ہے کہ اللہ رب ذو الجلال خود داعی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے یدعوکم لیغفر لکم من ذنوبکم دوسرا یہ کہ رسول اللہ..... داعی ہیں کیوں کہ نبی..... نے ارشاد فرمایا ان سیدا بنی دارا واتخذ فیہا مادیة وبعث داعیا کہ ایک سردار نے ایک گھر بنایا اور اس میں ایک دسترخوان بچھایا اور ایک داعی کو بھیجا پس نبی..... نے داعی سے خود کمر اڈ لیا ہے۔

اور تیسرا قول یہ ہے کہ نبی..... کے جدا محمد سیدنا حضرت ابراہیم داعی الی البیت ہیں یہ قول اظہر ہے، حضرت مجاہد سے نقل کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم سے کہا گیا وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَى كُلِّ ضَامِرٍ کہ آپ لوگوں میں حج کی صدام لگائیے لوگ آپ کے پاس پیدل اور کمزور لاغر اونٹنیوں پر سوار ہو کر حاضر ہوں گے تو حضرت ابراہیم نے کہا یا رب کیف أقول قال قل يا أيها الناس أجيئوا ربکم فصعد جبل أبي قبيس فنادى يا أيها الناس أجيئوا ربکم فأجابوه لبیک اللهم لیك فی صلب آبائهم وأرحام أمهاتهم فكان ذلك أول تلبية فمن أجاب منهم مرة حج مرة ومن أجاب مرتين حج مرتين وعلى هذا يحجون بعد ما أجابوا ومن لم يجب لم يحج اے میرے رب کیسے پکاروں اور کہو ارشاد ہوا کہو یا ایہا الناس اچیئوا ربکم کہ لوگوں اپنے رب کی پکار

شروع کرنے والا ہوتا مگر تکبیر تحریمہ کے وقت تکبیر تحریمہ بلا نیت سے وہ نماز کا شروع کرنے والا نہیں سمجھا جاتا ہے۔

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ تنہا نیت سے بغیر تلبیہ کے بھی وہ حج شروع کر دینے والا ہو جاتا ہے، امام شافعیؒ بھی اسی کے قائل ہیں کیوں کہ احرام سے حاجی نے محظورات سے پرہیز کا التزام کر لیا ہے لہذا وہ روزہ کی طرح محض نیت سے حج کا شروع کر دینے والا ہو جاتا ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد: لَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ فَلَا رَفْعَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ کہ وہ شخص جس نے شہور حج میں اپنے اوپر حج فرض کر لیا تو حج میں بے حیائی اور بے شرمی کی بات نیز ٹوٹکرار سے گریز لازم ہے، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ فرض الحج الاہلال اہلال کہتے ہیں رفع الصوت بالتلبیہ۔ یعنی باواز بلند تلبیہ کہنا حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں تلبیہ سے آدمی حج کا شروع کرنے والا ہو جاتا ہے، اور ابن مسعودؓ فرماتے ہیں احرام سے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں لا احرام الا لمن اهل ولبی کہ کسی شخص کے احرام کا کوئی اعتبار نہیں مگر یہ کہ بلند آواز سے تلبیہ پڑھے، ان نصوص و آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ نیت کے ساتھ تلبیہ احرام میں داخلہ کے لیے شرط ہے صرف نیت محرم ہونے کے لیے کافی نہیں۔

دلیل عقلی یہ ہے کہ حج چند ارکان پر مشتمل ہے، لہذا ضروری ہے کہ اس کے تحریمہ میں ایسا ذکر شرط ہو جس سے تعظیم مقصود ہوتی ہو جیسے کہ نماز میں ہے بخلاف صوم کے کہ وہ رکن واحد ہے لہذا حج کو صوم پر قیاس کرنا نامناسب ہوگا، اور یہ کہنا کہ احرام محظورات سے کف اور باز رہنے کا التزام ہے صحیح نہیں، بلکہ احرام افعال کا التزام ہے اور کف عن المحظورات یعنی ممنوعات سے باز رہنا اس میں شرط ہے جیسے کہ صلاۃ کہ تحریمہ سے نماز کا شروع کرنے والا ہو جاتا ہے۔

احرام باندھ لینے یعنی دو رکعت نماز پڑھنے اور حج کی نیت کے ساتھ تلبیہ پڑھ لینے کے بعد نبی..... پر درود پڑھے اور جو چاہے دعاء مانگے، عن القاسم بن محمد ابی بکر انه قال کان یستحب للرجل الصلوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد التلبیہ رواہ ابو داؤد والدارقطنی۔ قاسم بن محمد بن ابی بکر کہتے ہیں کہ مستحب ہے آدمی کے لیے کہ وہ تلبیہ کے بعد نبی..... پر درود پڑھے، عن خزیمہ بن ثابت عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انه کان اذا فرغ من التلبیہ سأل رضوانہ والجنة واستعاذ برحمته من النار رواہ الدارقطنی۔ خزیمہ بن ثابت سے روایت ہے کہ رسول اللہ..... جب تلبیہ سے فارغ ہو جاتے تو اللہ کی رضا مندی کے خواستگار ہوتے اور جنت طلب

فرماتے اور اس کی رحمت کے ذریعہ جہنم سے پناہ چاہتے معلوم ہوا کہ بعد الاحرام تلبیہ کے بعد دعاء مستحب ہے۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ تلبیہ کے بعد بندے کے لیے یہ مستحب ہے کہ وہ کہے اللّٰهُمَّ اَعِنِّيْ عَلٰى اَذَاہِ فَرَضِ الْحَجِّ وَتَقَبَّلْهُ مِنِّيْ وَاجْعَلْنِيْ مِنَ الدِّیْنِ اِسْتِجَابُوْا لَكَ وَآمَنُوْا بِوَعْدِكَ وَاتَّبِعُوْا اَمْرَكَ وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَلَدِكَ الدِّیْنِ رَضِیْتَ عَنْهُمْ وَارْتَضِیْتَ وَقَبِلْتَ اللّٰهُمَّ قَدْ اُحْرِمَ لَكَ شَعْرِيْ وَبَشْرِيْ وَلَحْمِيْ وَذَمِّیْ وَمُنْعٰی وَعِظَامِیْ۔

فاتق الرّفث والفسوق الخ: اب رّفث سے دور رہے ممانعت اللہ تعالیٰ کے ارشاد فَمَنْ فَرَضَ فِیْہِہِ الْحَجَّ الخ سے ہے اس میں نفی نفی کے معنی میں ہے اور یہ صیغہ نفی سے ابلغ ہے کہ ایسے لفظ سے ذکر فرمایا کہ جس میں تحلف کا کوئی احتمال نہیں رّفث سے مراد جماع ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے اُحِلَّ لَکُمْ لَیْلَةُ الصَّیَامِ الرّفثُ اِلٰی نَسَائِکُمْ اور ایک قول یہ ہے کہ عورتوں کی موجودگی میں جماع اور مقدمات جماع کا تذکرہ رّفث کہلاتا ہے، اور اگر عورت نہ ہو اور ذکر جماع اور اس کے دوائی کا ہو تو یہ رّفث نہیں ہے حضرت ابن عباس اسی کے قائل ہیں۔

فسوق کہتے ہیں معاصی اور خروج عن طاعة اللہ کو جو حالت احرام میں اشد اور ارجح ہو جاتا ہے، اس لیے کہ حالیہ احرام تضرع اور انابت الی اللہ کی حالت ہے۔

اور جدال کہتے ہیں الخصائم مع الرفقة احباب اور ہم سفرؤں کے ساتھ تو تکرار اور ناشائستہ گفتگو کرنا، بعض حضرات کے نزدیک حج کی تقدیم اور تاخیر میں مشرکین کا لڑائی کرنا جدال کہلاتا ہے اور ایک رائے یہ ہے کہ ایام جاہلیت کے تذکرہ سے فخر و مباہات کرنا جدال کا مصداق ہے، پس بسا اوقات یہ مفہمی الی القتل ہو جاتا تھا۔

وقتل الصيد والاشارة الخ: احرام میں شکار کرنا اس کی طرف اشارہ کرنا، اور شکار کی رہنمائی کرنا سب حرام ہے، ان باتوں سے گریز لازم ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَا تَقْتُلُوا الصَّیْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ کہ شکار مت مارو اس حال میں کہ تم محرم ہو، نیز حدیث ابی قتادہ سے ان باتوں کی ممانعت معلوم ہوتی ہے اِنْ النَّبِیَّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ قَالَ جِئْنَا سَأَلُوْہُ عَنْ لَحْمِ حِمَارٍ وَحَشٍ اِصْطَاَدَ اَبُو قَتَادَةَ هَلْ مِنْکُمْ اَحَدٌ اَمْرٌ اَوْ اَشَارَ اِلَیْہِ فَاَلُوْا لَا قَالَ فَکُلُوْا مَا بَقِیَ مِنْ لَحْمِہِ رَوٰہُ الْبُخَارِیْ وَمُسْلِمٌ۔

نبی..... نے جس وقت کہ صحابہ نے آپ سے ایک نیل گائے کے بارے میں جسے ابو قتادہ نے شکار کیا تھا سوال کیا تھا ارشاد فرمایا کیا تم میں سے کسی نے اس کا حکم دیا یا اس کی طرف اشارہ کیا لوگوں نے عرض کیا

ایسی کوئی بات نہیں تو آپ نے ارشاد فرمایا اس کا مافی گوشت تم کھا سکتے ہو۔

اشارہ اور دلالت میں فرق یہ ہے کہ اشارہ شکار کی موجودگی کا تقاضا کرتا ہے اور دلالت عدم موجودگی اور غیبت کا۔

ولبس القميص: مگر تا اور جو کرتا کے حکم میں ہو اور پانچامہ اور پکڑی اور ٹوپی اور جبہ اور موزے حلیہ احرام میں منع ہیں ان سے محرم کو بچنا چاہئے ہاں اگر محرم کے پاس نعلین نہ ہوں تو خفین کے استعمال کی اجازت ہے، بشرطیکہ تمہ باندھنے کی ہڈی کے نیچے تک کے حصہ کو کاٹ کر استعمال کرے نیز ورس یا زعفران یا عصفر میں رنگا ہوا کپڑا بھی استعمال نہ کرے ہاں اگر وہ کپڑا جوان میں سے کسی سے رنگا ہوا تھا دھلا ہوا ہو کہ رنگ اس سے نہ جھڑتا ہو تو اس کا استعمال حالت احرام میں درست ہے، کیوں کہ منہ عنہ طیب ہے لون نہیں ہے، امام شافعی اور احمد بن حنبل کے نزدیک ان رنگوں میں رنگے ہوئے کپڑے کے استعمال میں کوئی قباحت نہیں ہے، ورس تل کی طرح کوئی پودا ہے جو یمن میں ہوتا ہے، کہتے ہیں کہ بیس سال تک باقی رہتا ہے۔

ان چیزوں کی ممانعت سے متعلق اصل حدیث ابن عمرؓ ہے عن ابن عمرؓ انه قال سئل رسول الله ﷺ ما يلبس المحرم قال لا يلبس القميص ولا العمامة ولا البرنس ولا السراويل ولا ثوباً مسه ورس ولا زعفران ولا الخفين الا ان لا يجد النعلين فليقطعهما حتى يكون اسفل من الكعنين رواه البخاري ومسلم. حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے کہ آپ سے محرم کے لباس کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ محرم قمیص نہیں پہن سکتا اور نہ ہی عمامہ اور جبہ اور پانچامہ اور نہ کوئی ایسا کپڑا جس میں ورس لگا ہو اور نہ زعفران لگا ہوا کپڑا اور نہ خفین پہن سکتا ہے مگر یہ کہ اس کے پاس نعلین نہ ہوں تو انہیں تمہ باندھنے کی ہڈی کے نیچے تک کاٹ کر پہن سکتا ہے۔

کعب سے مراد اس باب میں وہ جوڑ ہے جو وسط قدم تمہ باندھنے کی جگہ میں ہوتا ہے۔

وَسْتَرِ الرَّاسِ وَالْوَجْهَ وَغَسِّلَهُمَا بِالْخِطْمِيِّ وَمَسَّ الطِّيبَ وَحَلَقَ رَأْسَهُ وَقَصَّ شَعْرَهُ وَظَفَرَهُ لَا الْاِغْتِسَالَ وَدُخُولَ الْحَمَّامِ وَالْاِسْطِلَالَ بِالْبَيْتِ وَالْمَحْمَلِ وَشَدَّ الْهَمِيَانَ فِي وَسْطِهِ وَأَكْثَرَ التَّلْبِيَةِ مَتَى صَلَّيْتَ أَوْ عَلَوْتَ شَرْفًا أَوْ هَبَطْتَ وَادِيًا أَوْ لَقِيتَ رَكْبًا وَبِالْأَسْحَارِ رَافِعًا صَوْتَكَ بِهَا وَابْدَأْ بِالْمَسْجِدِ بِدُخُولِ مَكَّةَ وَكَبَّرْ وَهَلِّلْ تِلْقَاءَ الْبَيْتِ ثُمَّ اسْتَقْبَلِ الْحَجَرَ الْأَسْوَدَ مُكَبِّرًا مُهَلِّلًا مُسْتَلِمًا بِلَا إِيْدَاءٍ وَطُفْ مُضْطَبِعًا وَرَاءَ الْحِطِيمِ اخِذًا عَنْ يَمِينِكَ مِمَّا يَلِي الْبَابَ سَبْعَةَ أَشْوَاطٍ تَرْمَلُ فِي الثَّلَاثَةِ الْأُولَى فَقَطِّ

وَأَسْتَلِمَ الْحَجَرَ كُلَّمَا مَرَزَتْ بِهِ إِنْ اسْتَطَعَتْ رَاخِيمَ الطَّوَافِ بِهِ وَبِرَكَعَتَيْنِ فِي الْمَقَامِ
أَوْ حَيْثُ تَيَسَّرَ مِنَ الْمَسْجِدِ لِلْقُدُومِ وَهُوَ سُنَّةٌ بِغَيْرِ الْمَكِيِّ ثُمَّ أَخْرَجَ إِلَى الصَّفَا وَقَمَّ
عَلَيْهِ مُسْتَقْبِلَ الْبَيْتِ مُكَبِّرًا مُهَلِّلًا مُصَلِّيًا عَلَى النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ ذَاعِيًا رَبَّكَ لِحَاجَتِكَ
ثُمَّ أَهْبَطَ نَحْوَ الْمَرُوءَةِ سَاعِيًا بَيْنَ الْمِيلَيْنِ الْأَخْضَرَيْنِ وَافْعَلَ عَلَيْهَا فِعْلَكَ عَلَى الصَّفَا
وَطُفَّ بَيْنَهُمَا سَبْعَةَ أَشْوَاطٍ تَبْدَأُ بِالصَّفَا وَتَخْتِمُ بِالْمَرُوءَةِ ثُمَّ أَقِمَّ بِمَكَّةَ حَرَامًا وَطُفَّ
بِالْبَيْتِ كُلَّمَا بَدَأَ لَكَ.

ترجمہ: اور گریز کرے سر اور چہرہ چھپانے سے اور نیز ان دونوں (سر اور چہرہ) کو عظمیٰ سے
دھونے سے بھی بچے اور خوشبو کے لگانے اور اپنے سر کے موٹہ نے اور اپنے بال اور ناخن کے کترنے سے بچے
نہ کہ غسل کرنے اور حمام میں داخل ہونے سے اور نیز نہیں (بچے گا) بیت اللہ اور کجاہ سے سایہ حاصل کرنے
اور کمر میں ہمیانی باندھنے سے اور تبلیہ کی کثرت کرے گا، جب بھی نماز پڑھے یا کسی اونچی جگہ پر چڑھے یا کسی
وادی میں اترے یا کسی سواری سے ملے اور سحر کے وقت میں (نیز بکثرت تبلیہ پڑھے) اس حال میں کہ اپنی
آواز بلند کرنے والا ہو تبلیہ کے ساتھ اور مکہ میں داخل ہو کر مسجد حرام سے شروع کرے اور اللہ اکبر اور لا
إله إلا الله کہہ کر خانہ کعبہ کو دیکھ کر پھر حجر اسود کے سامنے جا کر اللہ اکبر اور لا إله إلا الله کہتا ہوا اس کو
بوسہ دے کسی کو تکلیف دیئے بغیر اور طواف کرے مضطج ہو کر حطیم سمیت شروع کرتا ہوا اپنی داہنی طرف سے جو
دروازہ کے پاس ہے سات چکر اور رمل کر پہلے تین چکروں میں صرف اور بوسہ دے حجر اسود کو جب بھی اس
کے پاس کو گزرے اگر تم سے ہو سکے اور طواف ختم کر حجر اسود پر اور ختم کر دو رکعتوں کے ساتھ مقام ابراہیم میں یا
جہاں کہیں پوری مسجد حرام میں (تجھ کو) آسانی ہو قدوم کے لیے اور وہ (طواف قدوم) سنت ہے غیر مکی کے
لیے پھر نکل تو صفا کی طرف اور اس پر کعبہ رخ ہو کر کھڑا ہو، اللہ اکبر اور لا إله إلا الله کہتا ہوا اور نبی.....
پر درود پڑھتا ہوا اور اپنی ضرورتوں کے لیے اللہ سے دعاء کرتا ہوا پھر اترے مروہ کی جانب دوڑتا ہوا میلین
اخضرین کے درمیان اور مروہ پر کرے اپنے صفا پر کرنے کی طرح اور ان دونوں کے درمیان سات چکر لگائے
تم صفا سے (سعی) شروع کرو اور مروہ پر ختم کرو پھر مکہ میں محرم ہو کر مقیم رہو اور بیت اللہ کا طواف کرتے رہو
جب تم کو سہولت معلوم ہو۔

تشریح: وستر الرأس والوجه: سر اور چہرہ چھپانا نیز مردوں کے لیے منع ہے عورت کے
لیے صرف ستر وجہ کی ممانعت ہے ستر رأس عورت کے لیے لازم ہے کیوں کہ سر اس کے ستر کا حصہ ہے۔
امام شافعیؒ کے نزدیک مرد وجہ چھپا سکتا ہے، ممانعت صرف عورتوں کے لیے ہے ان کی دلیل نبی..... کا

یہ ارشاد گرامی ہے احرام الرجل فی رأسه وإخراجه المرأة فی وجهها کہ مرد کا احرام اس کے سر میں ہے اور عورت کا احرام اس کے چہرہ میں یعنی احرام کی وجہ سے مرد سر نہیں چھپا سکتا اور عورت چہرہ، پس معلوم ہوا کہ مرد کے لیے تظہیر وجہ کی گنجائش ہے، کیوں کہ اگر مرد کے لیے چہرہ ڈھانپنے کی اجازت نہ ہو تو پھر عورت کے لیے تخصیص وجہ کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ..... نے اس محرم کے بارے میں جو اپنے اونٹ سے گر کر مر گیا تھا ارشاد فرمایا: لَا تُخِمِّرُوا وَجْهَهُ وَلَا رَأْسَهُ رواہ مسلم یعنی اس کا چہرہ اور نہ ہی سر ڈھانپو وکان ابن عمر یقول ما فوق الذقن من الرأس لا یخمره المحرم حضرت ابن عمر فرماتے تھے کہ محرم اپنے ٹھڈی کے اوپر کے حصہ کو نہ چھپائے پس معلوم ہوا کہ مرد کے لیے تظہیر راس کے ساتھ ساتھ تظہیر وجہ بھی منع ہے، دوسرے یہ کہ جب عورت کے نقطہ وجہ عورت ہو کر منع ہے تو مرد کے لیے تظہیر وجہ بدرجہ اولیٰ حرام ہوگا رہی بات امام شافعی کی دلیل نقلی کی تو وہ موقوف ہے جو مرفوع کے معارض نہیں ہو سکتی۔

وغسلها بالخطمی: خطمی سے محرم سر اور چہرہ نہ دھوئے چہرہ سے مراد داڑھی ہے یعنی محل بول کر حال مراد لیا گیا ہے، اور اس کا قرینہ خطمی ہے کیوں کہ عادتاً خطمی سے چہرہ نہیں دھویا جاتا پس معلوم ہوا کہ وجہ سے مراد لحيہ ہے اب ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ امام اعظم کے نزدیک خطمی خوشبو ہے، لہذا خطمی کا استعمال خوشبو کے استعمال کے مانند ہوگا اور صاحبین کے نزدیک خطمی سے بال ملائم اور چمکدار ہوتے ہیں نیز جوئیں خطمی سے مارے جاتے ہیں، ثمرۃ اختلاف خطمی کے استعمال میں یہ ظاہر ہوتا ہے کہ امام اعظم کے نزدیک استعمال خطمی پر دم واجب ہوگا اور صاحبین کے نزدیک صدقہ واجب ہوگا، البتہ اگر صابون کا محرم نے استعمال کیا یا اشنان گھاس کا تو بالاتفاق کچھ محرم پر واجب نہ ہوگا۔

ومس الطیب: اور خوشبو کے استعمال سے محرم بچے کیوں کہ جو ما قبل میں ایک لمبی حدیث گذری ہے جس میں ہے ولا ثوبا مسه ورس ولا زعفران کہ محرم ایسے کپڑوں کے استعمال سے گریز کرے جس میں ورس اور زعفران کی خوشبو بسائی گئی ہو، نیز نبی..... نے اپنی سواری سے گر کر مرنے والے محرم کی بابت ارشاد فرمایا لا تحنطوه کہ انہیں خوشبو مت لگاؤ حضرت ابن عمر فرماتے ہیں قام رجل الى النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال من الحاج يا رسول الله فقال الشعث الضل یعنی ایک شخص نے نبی..... سے پوچھا کہ حاجی کون ہے تو آپ نے ارشاد فرمایا حاجی پراگندہ بال اور کرسیہہ الریح ہوتا ہے، یعنی حاجی ترک طیب کی وجہ سے خوشبودار نہیں رہ جاتا کیوں کہ وہ انقطاع عن الوطن کی حیثیت سے میت کے مشابہ ہوتا ہے نبی..... کا ارشاد ہے ان الله تعالى يباهي على ملائكة يوم عرفة ويقول عبادي جاؤا شعثا غبراء

مِنْ كُلِّ فَرْجٍ عَمِيقٍ يَبْتَغُونَ مَرْضَاتِي وَيَلْتَمِسُونَ نَفْعِي إِشْهَدُوا أَنِّي قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ كَمَا اللَّهُ تَعَالَى بَرَّزْ عَرْفَ فَرَشْتَوْں پر افتخار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میرے بندے پراگندہ بال اور پریشان حال ہر دور دراز علاقے سے آئیں ہیں جو میری رضا مندی کے خواہش مند اور میری بخشش کے خواستگار تھے تم گواہ رہو کہ میں نے ان سب کی مغفرت کر دی۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تیل اور مہندی کا خضاب بھی محرم کے لیے درست نہیں ہے، ہاں امام شافعیؒ کے نزدیک خضاب الحناء درست ہے، کیوں یہ خوشبو کے زمرے میں نہیں آتا، ہماری دلیل یہ حدیث ہے نبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المعتدۃ عن الدهن والخضاب بالحناء وقال الحناء الطیب رواہ النسائی کہ رسول اللہ..... نے معتدہ کو تیل اور مہندی لگانے سے منع کیا ہے اور فرمایا کہ مہندی خوشبو ہے پس معلوم ہوا کہ مہندی اسباب زینت اور خوشبو سے ہے جس کا ترک محرم کے لیے معتدہ کی طرح ضروری ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل حدیث عائشہؓ ہے عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا أَنَّهَا قَالَتْ كَانَ خَلِيلِي لَا يَحِبُّ رِيحَهُ وَكَانَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ يَحِبُّ الطِّيبَ کہ آپ..... بدبو پسند نہیں فرماتے تھے بلکہ آپ کو خوشبو پسند تھی، لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں امام شافعی کے مدعی پر کوئی دلالت نہیں ہے۔

وحلق رأسه وقص شعره الخ: محرم اپنے سر کے موٹہ نے اور بالوں کے کاٹنے اور ناخنوں کے کترنے سے بچے اور دور رہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلَا تَخْلِقُوا رُؤُسَكُمْ کہ اپنے سر کا حلق نہ کرو اور حلق کے معنی ازالہ کے ہیں پس یہ معنی قص میں بھی پائے جاتے ہیں یعنی قص، حلق کے معنی میں ہے پس عبارت النص سے سر موٹہ انا اور دلالت النص سے قص شعر اور قص ظفر کی ممانعت بھی ثابت ہوتی ہے، اور دوسرے اس لیے بھی حلق و قص میں ازالۃ الشعر یعنی پراگندگی دور کرنا ہے جو روج احرام کے منافی ہے۔

لا الاغتسال ودخول الحمام: لا الاغتسال کی تقدیر ہے لا يتقن الاغتسال ودخول الحمام یعنی محرم غسل کرنے اور حمام میں داخل ہونے سے گریز نہیں کرے گا کیوں کہ نبی..... نے حالت احرام میں غسل فرمایا ہے رواہ مسلم۔ حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے رسول اللہ..... کے غسل فرمانے کی حکایت بیان کی ہے متفق علیہ) کَانَ ابْنُ عَمْرٍو يَغْتَسِلُ وَهُوَ مُحْرِمٌ کہ حضرت ابن عمرؓ حالت احرام میں غسل فرماتے تھے پس معلوم ہوا کہ احرام کی حالت میں غسل کر سکتا ہے۔

حمام میں داخل ہونے کے سلسلے میں دلیل نقلی یہ ہے کہ بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے ان

النبي صلى الله عليه وسلم دخل الحمام في الحجفة وقال ما يغني الله بأوسايعنا كه نبي.....
 حجفہ میں (محرم ہو کر) حمام میں داخل ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو ہماری میلوں کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔
 والاستظلال بالبيت والمحمل: محرم کعبۃ اللہ اور کجاوہ نیز دوسری چیزوں کا سایہ لے سکتا
 ہے امام مالکؒ منع فرماتے ہیں ان کا استدلال اس حدیث سے ہے رُوِيَ ان ابن عمر امر رجلاً قد
 رفع ثوباً على عودٍ يستتر من الشمس فقال أضح عن احرمت له پس اس روایت میں
 ابن عمر نے آدمی کو سایہ اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے معلوم ہوا کہ محرم کسی چیز کا سایہ نہیں لے سکتا، یہ اس
 کی شانِ عشق کے خلاف ہے۔

ہمارا متدل حدیث ام الحصین ہے قالت حَبَبْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 حَجَّةَ الْوُدَّاعِ فَرَأَيْتُ اسامَةَ وَبِلَالًا وَاحِدَهُمَا أَخَذَ بِعِطَامِ نَاقَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 وَالْآخَرُ رَافِعَ ثَوْبِهِ يَسْتَرُهُ مِنَ الْحَرِّ حَتَّى رَمَى جَمْرَةَ الْعُقْبَةِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ ام حصین فرماتی ہیں کہ میں
 نے رسول اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حجۃ الوداع کے سال حج پر گئی میں نے اسامہؓ اور بلالؓ کو دیکھا اس حال میں کہ
 ان میں کا ایک ناقۃ رسول کی مہار پکڑے ہوئے ہے اور دوسرا آپ..... کے اوپر گرمی سے بچاؤ کے لیے کپڑے
 سے سایہ کئے ہوئے ہے، پس معلوم ہوا کہ محرم کے لیے سایہ حاصل کرنا منع نہیں ہے حتیٰ کہ اگر آدمی غلاف کعبہ
 کے نیچے گھس جاتا ہے بشرطیکہ اس کا سر اور چہرہ نہ چھپے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

وشد الهميان النخ: ہمیانی اس پٹہ کو کہتے ہیں جس میں روپیہ پیسہ رکھ کر کمر میں بغرض حفاظت باندھ
 لیتے ہیں پس ہمیانی کو کیس الدراہم یعنی درہم و دنانیر کا تھیلا کہنا زیادہ موزوں ہے پس محرم ہمیانی کو بلا کسی
 کراہت کے کمر میں باندھ سکتا ہے، امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر ہمیانی میں دوسروں کے پیسے ہوں تو نہیں
 باندھ سکتا اور اگر محرم نے اس کے باوجود باندھا تو اسے فدیہ دینا پڑے گا ان کا استدلال اثر سیدہ عائشہؓ سے ہے
 انها قالت اوثقي عليك نفقتك بما شئت حين سالت عنه کہ جب آپ سے کسی خاتون نے ہمیانی
 کے کمر میں باندھنے کی بابت پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ آپ جتنا چاہو اپنا خرچ لئے رہ سکتی ہو پس معلوم ہوا کہ
 اپنے پیسے اگر ہمیانی میں ہوں تو محرم ضرورتاً کمر میں باندھ سکتا ہے اور دوسرے کے پیسے اس کو لینے کی کوئی
 ضرورت نہیں ہے، پس ایسی صورت میں شد الہمیان درست بھی نہ ہوگا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ ابن عباسؓ محرم کے لیے مطلقاً ہمیانی کے باندھنے کو روا جانتے تھے دوسرے یہ کہ
 ہمیانی باندھنا سلے ہوئے کپڑے کا پہننا نہیں ہے اور ثوب مخیط کے حکم میں نہیں ہے، لہذا شد الہمیان میں کسی
 طرح کی کوئی کراہت نہ ہوگی یہی حکم پٹکا اور تلوار اور دیگر ہتھیار باندھنے اور انگوٹھی پہننے وغیرہ کا ہے امام ابو

یوسف ریشم کے پٹکے کو مکروہ سمجھتے ہیں۔

واکثر التلبیۃ معی صلیت الخ: جب نماز پڑھے یا کسی بلندی پر چڑھے یا کسی وادی میں اترے یا کسی سواری سے ملاقات ہو تو کثرت سے تلبیہ پڑھے، نیز بوقت سحر بلند آواز سے خوب کثرت سے تلبیہ پڑھے، اسی طرح جب محرم نیند سے بیدار ہو یا سواری پر سوار ہو یا اس سے اترے تو بھی خوب تلبیہ پڑھے روایت ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کَانَ یُتَلِّیْ اِذَا لَقِیَ رَکِبًا اَوْ صَبَعًا اَکْمَةً اَوْ هَبْطًا وَاَدْبًا وَفِیْ اَدْبَارِ الْمَكْتُوبَةِ وَاٰخِرُ الْلَّیْلِ، یعنی نبی..... تلبیہ پڑھتے تھے جب آپ کی کسی سواری سے ملاقات ہوتی یا کسی بلندی پر چڑھتے یا کسی وادی میں اترتے، اور فرض نمازوں کے بعد اور آخری شب میں، نفعی کہتے ہیں کہ پہلی تکبیر شرط ہے اور باقی مسنون جو ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف منتقل ہوتے وقت کہی جاتی ہیں، اسی طرح پہلی تلبیہ شرط ہے اور باقی ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہوتے وقت مستحب ہیں۔ تلبیہ زور سے پڑھنا مستحب ہے حدیث ہے رسول اللہ..... نے ارشاد فرمایا قَالَ اَتَانِیْ جِبْرِیْلُ فَاَمَرَنِیْ اَنْ اَمُرَ اَصْحَابِیْ اَنْ یَّرْفَعُوْا اَصْوَاتَهُمْ بِالَاَهْلَالِ وَالتَّلْبِیَةِ رَوَاهُ ابُو دَاوُدَ کہ جبرئیل میرے پاس آئے تھے اور انہوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اپنے صحابہ کو حکم کروں کہ وہ بلند آواز سے تلبیہ پڑھا کریں، وعن ابن مسعود انه علیه الصلاة والسلام قال الفضل الاعمال العج والنج یعنی رسول اللہ..... نے ارشاد فرمایا کہ افضل ترین عمل تلبیہ بلند آواز سے پڑھنا اور قربانی کرنا ہے وعن ابی ہریرہ الصدیق انه علیه الصلوۃ والسلام سَمِعْتُ اَبِی الْحَجَّ الْفَضْلُ قَالَ الْعَجَّ وَالنَّجَّ حضرت ابوبکر الصدیق بھی یہی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ..... نے تلبیہ بلند آواز سے پڑھنے اور قربانی کو حج میں سب سے افضل عمل قرار دیا ہے۔

جب آدمی حرم میں داخل ہو تو یہ دعاء پڑھے اَللّٰهُمَّ اِنَّ هٰذَا اَمْنُکَ وَحَرَمُکَ الَّذِیْ مِنْ دَخَلْهُ کَانَ اَمْنًا فَحَرِّمْ لِحَمِیْ وَدَمِیْ وَعَظْمِیْ وَبَشْرِیْ عَلَی النَّارِ اَللّٰهُمَّ اَتَّقِ مِنْ عَذَابِکَ یَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَکَ فَاِنَّکَ اَنْتَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ وَاَسْأَلُکَ اَنْ تَصَلِّیَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِهِ۔ محرم تلبیہ پڑھتا ہوا حمد و ثناء میں رطب السان رہے، دل خوف و خشیت الہی سے لبریز ہو، حضرت ابن عمر فرماتے ہیں سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من دَخَلَ متواضعًا لِلّٰہِ عَزَّوَجَلَّ وَاَثَرَ رِضَا اللّٰہِ عَلٰی جَمِیْعِ اَمُوْرِهِ لَمْ یَخْرُجْ مِنَ الدُّنْیَا حَتّٰی یَغْفِرَ لَہٗ کہ میں نے رسول اللہ..... کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص اللہ کے گھر میں اللہ کے لیے متواضع بن کر داخل ہو اس حال میں کہ اللہ کی رضا کو تمام امور دنیا پر مقدم رکھا تو وہ دنیا سے نہیں نکلے گا یہاں تک کہ اللہ اس کی مغفرت فرمادیں۔

مکہ میں داخل ہونے سے پہلے غسل مستحب ہے ان ابن عمر کان لا يقدم مكة إلا بات بدی طوی حتی یصبح ویغتسل ثم یدخل مكة نهارا ویذكر انه علیه الصلاة والسلام فعله، حضرت ابن عمر مکہ میں داخل نہیں ہوتے مگر ذی طوی میں رات گزارتے صبح ہوتی تو نہاتے پھر دن میں مکہ میں داخل ہوتے تھے اور فرماتے کہ نبی..... نے ایسا ہی کیا ہے۔

مکہ میں ثمیۃ العلیا یعنی اعلیٰ مکہ سے داخل ہو اور ثمیۃ السفلی یعنی اسفل مکہ سے نکلے حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یدخل من الثمیۃ العلیا ویخرج من الثمیۃ السفلی یعنی اعلیٰ مکہ سے داخل ہوتے تھے اور اسفل مکہ سے تشریف لے جاتے تھے۔

مکہ میں روز و شب دونوں وقتوں میں بلا قباحۃ داخل ہو سکتا ہے کیوں کہ آپ..... مکہ میں حج کے موقع کے دن میں اور عمرہ کے موقع سے شب میں مکہ میں داخل ہوئے، پس معلوم ہوا کہ مکہ میں داخلہ کا کوئی وقت خاص نہیں ہے اب جہاں تک حضرت ابن عمر کے شب کے وقت مکہ میں ہونے سے منع کرنے کا مسئلہ ہے تو آپ ایسا چوروں کے خوف اور شفقت علی الحاج کے جذبہ سے فرماتے تھے۔

مکہ میں داخل ہوتے وقت یہ دعاء پڑھے اللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ وَاَنَا عَبْدُكَ جِئْتُ لَأُوْدِیْ فَرَاثُصَكَ وَاطْلُبْ رَحْمَتَكَ وَالتَّيْمُسُ رِضَاكَ مَتَبَعًا لِمَرْكَ رَاضِيًا بِقَضَائِكَ أَسْأَلُكَ مَسْئَلَةَ الْمَضْطَرِّينَ إِلَيْكَ الْمَشْفُقِينَ مِنْ عَذَابِكَ الْخَائِفِينَ مِنْ عِقَابِكَ أَنْ تَسْتَقْبِلَنِي الْيَوْمَ بِعَفْوِكَ وَتَحْفَظَنِي بِرَحْمَتِكَ وَتَجَاوِزَ عَنِّي بِمَغْفِرَتِكَ وَتُعِينَنِي عَلَى أَدَاءِ فَرَائِصِكَ اللّٰهُمَّ افْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَأَدْخِلْنِي فِيهَا وَأَعِزَّنِي مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ.

وابدأ بالمسجد بدخول مكة: مکہ میں داخلہ کے بعد سب سے پہلے مسجد حرام میں جائے اور اگر اس پر کوئی فرض نماز فوت شدہ نہیں ہے یا کسی فرض کے فوت ہونے کا اندیشہ نہ ہو یا وتر یا سنت راتبہ یا فرض کی جماعت کے فوت ہونے کا خطرہ نہیں، نیز اثر دہام شدید سے طواف ناممکن نہ ہو گیا ہو تو سب سے پہلے کعبۃ اللہ کا مشاققہ اور بے تابانہ طواف کرے، عن عروة عن عائشة رضي الله عنها أن أول شيء بدأ به رسول الله صلى الله عليه وسلم حين قدم مكة أن توضعاً ثم طاف بالبيت ثم حج أبو بكر فكان أول شيء بدأ به الطواف بالبيت ثم عمر كذلك الخ رواه البخاري ومسلم.

حضرت عروہ حضرت عائشہ سے نقل کرتے ہیں کہ مکہ میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلا عمل رسول اللہ..... یہ فرماتے تھے کہ وضوء کرتے، پھر طواف کعبہ فرماتے، حضرت ابو بکر و عمر نے بھی جب حج کیا تو سب سے پہلے دخول مکہ کے بعد طواف کعبہ فرمایا حضرت عثمان حضرت معاویہ عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر اور

حضرات مہاجرین و انصار بھی کا یہی معمول رہا ہے۔

دوسرے یہ کہ آدمی کے سفر کا مقصد وہی کعبۃ اللہ کی زیارت ہے جو مسجد حرام میں ہے لہذا کسی اور محل کے ساتھ مشغول ہونا غیر مناسب ہے بکیر کہتا ہوا داخل ہو پس جب باب بنی شیبہ پر پہنچ جائے تو مسجد حرام میں داخل ہو جائے، اس لیے کہ نبی..... باب بنی شیبہ سے داخل ہوئے ہیں اور باب بنی مخزوم سے نکلے ہیں اور اس لیے بھی کہ باب بنی شیبہ بیت اللہ کے سامنے ہے آدمی پہلے داہنا پیر داخل کرے اور پڑھے بسم اللہ والحمد للہ والصلاة علی رسول اللہ اللہم افتح لی ابواب رحمتک وادخلنی فیہا اللہم انی اسألك فی مقامی هذا ان تصلى علی محمد عبدک ورسولک وإن ترحمنی وتقبل عتراتی وتغفر ذنبی وتضع غنی ووزری۔

اس خطہ مبارکہ کے جلال کو ملاحظہ کرے اور مزاحمین کے ساتھ لطف و عنایت کا معاملہ رکھے جب بیت اللہ پر نگاہ پڑے تو تین مرتبہ اللہ اکبر اور لا إله إلا اللہ کہے اور یہ دعا پڑھے اللہ انت السلام ومنک السلام فحینا ربنا بالسلام اللہم زد بیتک هذا تعظیماً وتشریفاً وتکریماً ومہابةً وزد من شرفه وعظمه وکرمه ممن حجه او اعتمر تشریفاً وتکریماً وتعظیماً وبراً۔

اور جو چاہے دعاء مانگے حضرت عطاء کہتے ہیں کہ جب نبی..... بیت اللہ کی زیارت فرماتے تو فرماتے اعوذ برب البيت من الذین والفقر ومن ضیق الصدر وعذاب القبر حرم میں داخل ہو کر نماز میں مشغول نہ ہو بلکہ سب سے پہلے حجر اسود کا استیلام کرے اور طواف شروع کرے حدیث پاک ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم دخل المسجد فبدأ بالحجر فاستقبله فکبر وهلل وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعمرؓ یا عمرؓ إنک رجل قوی فلا تزاحم علی الحجر فتو ذی الضعیف ان وجدت خلوة فاستلمه وإلا فاستقبله وهلل وکبر رواہ احمد کہ نبی..... مسجد حرام میں داخل ہوئے پس آغاز حجر اسود سے فرمایا چنانچہ اس کا استیلام فرمایا اللہ اکبر اور لا إله إلا اللہ پڑھا اور حضرت عمر سے ارشاد فرمایا اے عمر تم طاقتور آدمی ہو حجر اسود پر بھیڑ مت کرنا کہ اس سے کسی کمزور کو تکلیف پہنچ جائے اگر خالی پاؤ تو اس کا استیلام کرو ورنہ اس کی طرف رخ کر کے بکیر اور تہلیل کہہ لو۔

دوسرے اس لیے بھی کہ استیلام سنت ہے اور ترک ایذا واجب ہے پس عمل بالواجب اولیٰ اور افضل ہے استیلام کی کیفیت یہ ہے کہ اپنے ہاتھوں کو سنگ اسود پر رکھے اور پتھر کو بلا صوت کسی کو تکلیف پہنچائے بغیر چوے حضرت ابن عمر فرماتے ہیں رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یستلمه ویقبله رواہ مسلم وبخاری کہ میں نے رسول اللہ..... کو سنگ اسود کا بوسہ لیتے ہوئے دیکھا ہے، وعن ابن عمر انه

صلی اللہ علیہ وسلم استقبال الحجر فاستلمه ووضعه شفته علیہ وبکی طویلاً فإذا هو بعمر بن الخطاب فقال یا عمر ههنا تسكب العبرات اخرجہ ابن ماجہ۔ ابن عمر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ..... نے حجر اسود کا رخ کیا پس اس کا استیلام کیا اور اپنے لب مبارک کو اس پر رکھا اور دیر تک روتے رہے پس اچانک حضرت عمر بن الخطاب پہنچ گئے تو ارشاد فرمایا عمر یہ جگہ ہی ایسی کہ جہاں آنسو بہنے لگتے ہیں اگر تقبیل حجر پر قادر نہ ہو تو اپنے ہاتھ ہی حجر اسود پر رکھے اور ہاتھوں کو چوم لے حضرت نافع فرماتے ہیں رایت ابن عمر استلم الحجر بیدہ ثم قبل یدہ وقال ما ترکته منذ رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متفق علیہ کہ میں نے ابن عمر کو حجر اسود کا استیلام کرتے پھر ہاتھوں کو چومتے ہوئے دیکھا ہے اور حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ میں نے اسے تب سے ترک نہیں کیا جب سے ایسا میں نے رسول اللہ کو کرتے دیکھا ہے۔

اگر آدمی اس پر بھی قادر نہ ہو تو حجر اسود کو کسی لکڑی وغیرہ سے چھوئے پھر اس کو چوم لے حضرت عامر بن واثلہ فرماتے ہیں رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم يطوف بالبيت ويستلم الحجر بمحجن معه ويقبل المحجن رواہ مسلم کہ میں نے رسول اللہ..... کو بیت اللہ کا طواف کرتے اور حجر اسود کا چھری سے استیلام کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

اور جب آدمی اس سے بھی عاجز ہو جائے تو اپنے ہاتھوں کو کندھوں کے مقابلہ میں اٹھائے اور ان کے باطن کو حجر کی جانب ان دونوں سے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کرے گویا کہ وہ ہاتھوں کو حجر پر رکھ رہا ہے اور ہاتھوں کے پشت کو اپنے چہرے کی طرف رکھے حدیث ہے إنه علیہ الصلاة والسلام اشار إلیہ شی فی یدہ وکبر استیلام کے بعد یہ دعا پڑھے اَللّٰهُمَّ اِیْمَانًا بِكَ وَتَصْدِیْقًا بِكِتَابِكَ وَوَفَاءًا بِعَهْدِكَ وَاتِّبَاعًا لِسُنَّةِ نَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُمَّ اِلَیْكَ بَسَطْتُ يَدِي وَفَمَا عِنْدَكَ عَظُمْتَ رَغْبَتِيْ فَاقْبَلْ دَعْوَتِيْ وَاقْلِنِيْ عَشْرَتِيْ وَارْحَمْ تَضَرُّعِيْ وَجَذَلِيْ بِمَغْفِرَتِكَ وَاعْزِنِيْ مِنْ فِتْنِ الْفِتَنِ۔

وطف مضطجعا الخ: طواف شروع کرنے کے ارادے سے حجر اسود پر پہنچنے سے پہلے احرام کی چادر داہنے ہاتھ کے نیچے سے نکال کر بائیں موٹھے پر ڈال لے اس طرح کہ داہنا موٹھا کھلا ہوگا اور بایاں ڈھکا ہوا، اس کو اصطلاح میں اضطجاع کہتے ہیں پھر اسی کیفیت کے ساتھ حجر اسود کے استیلام کے بعد اپنے منہ کے سامنے بیت اللہ شریف کے دروازے کی سمت کو چلنا شروع کرے اور حطیم سمیت پورا ایک چکر کاٹ کر حجر اسود پر پہنچے یہ ایک چکر ہوا اسی طرح سات چکر لگائے، اضطجاع طواف کے سلسلے میں حضرت یعلیٰ بن امیہ

روایت کرتے ہیں اَنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم مَصْطَفٰی رَوّٰہُ اَبُو دَاوُدَ کہ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم مَصْطَفٰی طَوَّفَ فَرَمَیَا ہ۔

رہی بات حطیم سمیت طواف کی تو اس لیے کہ حطیم بیت اللہ شریف کا ہی حصہ ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں اَنہَا سَأَلَتْ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم عَنِ الْحَجَرِ اَبْنِ الْبَیْتِ هُوَ قَالَ نَعَمْ قُلْتُ فَمَا لَہُمْ لَمْ یَدْخُلُوْہُ فِی الْبَیْتِ قَالَ اِنْ قَوْمُکَ قَصَرَتْ بِہِمُ النِّفَقَةُ قَالَتْ فَمَا شَأْنُ بَابِہِ مَرْتَفَعًا قَالَ فَعَلْ قَوْمُکَ لَیَدْخُلُوْا مِنْ شَاوَا وَیَمْنَعُوْا مِنْ شَاوَا وَلَوْ لَا اَنْ قَوْمُکَ حَدِیثُوْا عٰہِدًا بِالْجَہَالِیَةِ فَانْخَافَ اَنْ تَنْکُرَ قُلُوْبُہِمُ اِنْ اَدْخَلَ الْحَجَرَ مِنَ الْبَیْتِ وَاَنْ الصَّقِ بَابِہِ بِالْاَرْضِ مَتَّفِقٌ عَلَیْہِ یعنی حضرت عائشہ نے نبی..... سے حطیم کے بارے میں پوچھا کہ کیا حطیم بیت اللہ کا حصہ ہے تو آپ..... نے فرمایا جی ہاں تو میں (عائشہ) نے کہا کہ لوگوں نے اسے بیت اللہ میں کیوں داخل نہیں کر لیا تو رسول اللہ..... نے ارشاد فرمایا تیری قوم کا خرچہ کم پڑ گیا تھا حضرت عائشہ نے کہا بیت اللہ کا دروازہ کیوں اونچا کر دیا ہے تو آپ..... نے ارشاد فرمایا ایسا تیری قوم نے اس لیے کیا ہے تاکہ جس وہ چاہیں کعبہ کے اندر جانے دیں اور جسے چاہیں روک دیں اگر تمہاری قوم غنی غنی مسلمان نہیں ہوئی ہوتی اور ان کے بدکنے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں حطیم کعبہ اللہ میں داخل کر دیتا اور کعبہ اللہ کا دروازہ زمین کے برابر کر دیتا، نیز حضرت عباسؓ فرماتے ہیں مَنْ طَافَ بِالْبَیْتِ فَلِیُطْفَ مِنْ وَرَاءِ الْحَجَرِ مَتَّفِقٌ عَلَیْہِ جو شخص بیت اللہ کا طواف کرے تو اسے چاہئے کہ حطیم سمیت طواف کرے۔

پورا حطیم کعبہ اللہ کا حصہ نہیں ہے بلکہ چھ گز کے بقدر کعبہ اللہ کا حصہ ہے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ..... نے ارشاد فرمایا سَتُ اُفْرَجُ مِنَ الْحَجَرِ مِنَ الْبَیْتِ وَا مَا زَادَ لَیْسَ مِنَ الْبَیْتِ رَوّٰہُ مسلم کہ حطیم کا چھ گز بیت اللہ کا حصہ ہے اور وہ مقدار جو اس سے زیادہ ہو وہ بیت اللہ کا حصہ نہیں ہے۔ حطیم وہ جگہ ہے جو شام کی رخ دیوار کعبہ سے باہر ہے اور میزاب کے نیچے ہے اور جو نصف دائرہ کی شکل میں گھرا ہوا ہے اور بہر حال طواف کرنے والے کا طواف شروع کرنے میں اپنے دائیں جانب سے جو باب کعبہ سے متصل اور قریب ہے شروع کرنا تو اس لیے کہ حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں اَنْ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم لَمَّا قَدِمَ مَکَۃَ اَتٰی الْحَجَرَ فَاسْتَلَمَہُ ثُمَّ مَشٰی عَلٰی یَمِیْنِہِ فَرَمَلَ ثَلَاثًا وَمَشٰی اَرْبَعًا کہ نبی..... جب مکہ تشریف لائے تو حجر اسود کے پاس آئے تو اس کا استیلام کیا پھر اپنے دائیں سمت پر باب کعبہ کی جانب چلے، تین شطوں میں رٹل کر لیا اور باقی چکروں میں اپنی رفتار پر چلتے رہے۔

جب آدمی ملتزم کے سامنے پہنچے یہ باب کعبہ اور حجر اسود کے نیچے کا حصہ ہے تو یہ دعاء پڑھے اللّٰھم

إِنَّ لَكَ حَقَّقًا عَلَى قَتَصَدَقَ بِهَا اور جب باب کعبہ کے سامنے پہنچے تو کہے اللّٰهُمَّ هَذَا الْبَيْتُ بَيْتُكَ وَهَذَا الْحَرَمُ حَرَمُكَ وَهَذَا الْأَمْنُ أَمْنُكَ وَهَذَا مَقَامُ الْعَائِلِينَ بِكَ مِنَ النَّارِ أَعُوذُ بِكَ مِنَ النَّارِ فَأَعْلِنِي فِيهَا. اور جب اپنے داہنے مقام ابراہیم کے محاذات میں پہنچے تو یہ دعاء پڑھے اللّٰهُمَّ إِنَّ هَذَا مَقَامُ إِبْرَاهِيمَ الْعَالِدِ اللَّائِدِ بِكَ مِنَ النَّارِ حَرَمٌ لِحَوْمِنَا وَبِشَرْتِنَا عَلَى النَّارِ اور جب رکن عراقی پر آئے تو پڑھے اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الشَّرِكِ وَالشُّكِّ وَالنَّفَاقِ وَالشَّقَاقِ وَسُوءِ الْأَخْلَاقِ وَسُوءِ الْمَنْقَلَبِ فِي الْمَالِ وَالْأَهْلِ وَالْوَلَدِ اور جب میزاب رحمت کے پاس پہنچے تو کہے اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ إِيْمَانًا لَا يَزُولُ وَبِقِيْنًا لَا يَنْفَدُ وَمُرَافَقَةً نَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَظِلَّنِي تَحْتَ ظِلِّ عَرْشِكَ يَوْمَ لَا ظِلُّ إِلَّا ظِلُّ عَرْشِكَ وَأَسْقِنِي بِكَاسِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَرْبَةً لَا أَظْمَأُ بَعْدَهَا أَبَدًا اور جب رکن شامی پر پہنچے پڑھے اللّٰهُمَّ أَجْعَلْهُ حَجًّا مَبْرورًا وَسَعْيًا مَشْكورًا وَذَنْبًا مَغْفورًا وَتِجَارَةً لَّنْ تَبَوَّرَ يَا عَزِيزُ يَا غَفَّارُ اور جب رکن یمانی پر پہنچے تو یہ دعاء پڑھے اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْكُفْرِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْفَقْرِ وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْخِزْيِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ.

ترممل فی الثلاثة الأول: تین شوطوں میں رمل کرے گا یعنی پہلوانوں کی طرح موٹھوں کو ہلاتے ہوئے کچھ تیز گامی کا مظاہرہ کرے گا ایسا اس حدیث جابرؓ کی وجہ سے کرے گا جو مسلم اور نسائی میں بیان ہوئی ہے اور ابھی جس کا پیچھے تذکرہ گزرا ہے۔

بعض حضرات نے کہا اب طواف میں رمل نہیں ہے کیوں کہ وہ بات جو رمل کا باعث تھی وہ موجود نہیں ہے پس رمل کا حکم بھی ختم ہو گیا اور وہ بات یہ تھی کہ جب مسلمان عمرہ کے لیے آئے تو مشرکین نے کہا کہ مسلمانوں کو یثرب کے بخار نے نڈھال کر دیا ہے پس بوجی الہی رسول اللہ..... کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے صحابہ کو رمل کا حکم دیا جب انہوں نے حضرات صحابہ کو اکڑ کے ساتھ چلنے کا حکم دیا تو کہنے لگے ہولاء الذین زعمتم ان الحمی قد اوهنتهم هولاء أجلدنا کہ اجماعی لوگ یوں کہتے تھے کہ مسلمانوں کو مدینہ کے بخار نے کمزور کر دیا ہے یہ تو ہم سے زیادہ پہلوان معلوم ہوتے ہیں۔ متفق علیہ۔

پس اب یہ علت نہ رہی لہذا حکم رمل بھی ختم ہو گیا لیکن ہمارا جواب یہ ہے کہ اللہ کے رسول..... نے اور آپ کے اصحاب نے حجۃ الوداع میں عمرۃ القضاء کے بعد رمل فرمایا ہے اسی طرح آپ کے بعد خلفائے راشدین نے رمل فرمایا ہے پس معلوم ہوا کہ یہ حکم ختم نہیں ہوا ہے۔

اگر شدت اژدہام کی وجہ سے رمل ممکن نہ ہو تو ٹھہر جائے جب راستہ پائے تو رمل کرے کیوں کہ رمل کا

کوئی بدل نہیں ہے پس بھیڑ بھاڑ میں ٹھہرا رہے گا تا آنکہ طریقہ مسنون کے مطابق رمل کا انجام دینا ممکن ہو جائے لیکن اب کے حالات میں وسعت ہو گئی ہے۔

او استلم کلّما مررت ان استطعت: جب بھی آدمی حجر اسود کے پاس سے گزرے تو حجر اسود کی طرف منہ کرے اور بوسہ دے اور تکبیر کہے اور اگر بوسہ ممکن نہ ہو تو استیلام کرے حدیث میں ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم طاف علی بعیث کلّما اتی علی الرکن اشارَ اِلَیْهِ بِشَیْءٍ فِیْ یَدِهِ وَکَبَّرَ رواہ احمد وبخاری کہ رسول اللہ..... نے اونٹ پر سوار ہو کر طواف فرمایا جب بھی آپ حجر اسود کے پاس پہنچے تو اس کی طرف کسی چیز سے جو آپ کے دست مبارک میں تھی اشارہ فرماتے اور تکبیر کہتے۔ اور دلیل عقلی یہ ہے کہ طواف بمنزلہ رکعات صلوٰۃ ہے اور استیلام بمنزلہ تکبیر ہے پس استیلام سے ہر شوط طواف کو شروع کرے گا جیسے کہ ہر رکعت کو تکبیر سے شروع کیا جاتا ہے اور طواف استیلام پر ہی ختم کرے گا اور اگر ممکن نہ ہو تو استقبال حجر کرے گا۔

رکن یمانی کا استیلام مستحب ہے بوسہ مستحب نہیں ہے امام محمد کے نزدیک حجر اسود کی طرح رکن یمانی کا استیلام مسنون ہے اور بوسہ بھی دے گا۔

دلیل حدیث ابن عمر ہے انه قال لم ارا البنی صلی اللہ علیہ وسلم یمسّ من الارکان الا الیمانیین رواہ الجماعة الا الترمذی لکن فی معناه من رواۃ ابن عباس۔ کہ حضرت ابن عمرؓ نے رسول اللہ..... کی کسی رکن کو چھوتے نہیں دیکھا سوائے رکن یمانی اور حجر اسود کے، وعن ابن عمر انه علیہ الصلوٰۃ والسلام قال ان مسح الرکن یمانی والرکن الاسود یحط الحظایا حطا کہ آپ..... نے ارشاد فرمایا کہ رکن یمانی اور حجر اسود کے چھونے سے گناہ جھڑتے ہیں، وعن ابن عباس انه علیہ الصلوٰۃ والسلام کان یقبل الرکن الیمانی یضع یدہ علیہ رواہ الدارقطنی۔ کہ رسول پاک..... رکن یمانی کا بوسہ دیتے تھے اور اس پر ہاتھ رکھتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول پاک..... ارشاد فرماتے ہیں کہ رکن یمانی کے پاس ستر ہزار فرشتے رہتے ہیں جو شخص اس کے نزدیک دعاء کرتا ہے تو وہ اس پر آمین کہتے ہیں رکن یمانی کے پاس یہ دعاء پڑھنا چاہئے اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَۃَ فِی الدُّنْیَا وَالْآخِرَةِ رَبَّنَا اَتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَفِی الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔

حضرت مجاہد کہتے ہیں کہ جو شخص رکن یمانی پر ہاتھ رکھ کر کوئی دعاء کرتا ہے تو وہ مقبول ہوتی ہے۔

واختتم الطواف به وبرکعتین فی المقام الخ: طواف آدمی استیلام سے ختم کرے گا نیز طواف

کے بعد مقام ابراہیم کے پاس دو رکعتیں پڑھے گا اگر اڑدھام نہ ہو ورنہ پوری مسجد حرام میں جہاں پڑھ سکے دو رکعت نماز پڑھے، یہ نماز احناف کے نزدیک واجب ہے، جب کہ امام شافعی کے نزدیک مسنون ہے کیوں کہ وجوب کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

احناف کی دلیل یہ حدیث ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لما انتہی الی مقام ابراہیم علیہ الصلاة والسلام قرأ واتخذوا من مقام ابراہیم مصلی، فصلى فقرأ فاتحة الكتاب وقُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ وَقُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ثُمَّ عَادَ إِلَى الرُّكْنِ فَاسْتَعْمَلَهُ ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الصَّفَا رَوَاهُ أَحْمَدُ وَمُسْلِمٌ۔ کہ نبی..... جب مقام ابراہیم پر پہنچے تو آپ نے وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى پڑھا، پس آپ..... نے سورۃ فاتحہ پڑھا اور (پہلی رکعت میں) قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ پڑھا اور (دوسری رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد) قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ پڑھا، پھر حجر اسود کے پاس واپس آئے اس کا استیلام کیا اور صفا کے لیے تشریف لے چلے، پس نبی..... نے متنبہ فرمادیا کہ آپ..... کی نماز ابراہیم کی قبیل میں تھی اور امر و وجوب کا فائدہ دیتا ہے، سدی اور قتادہ کہتے ہیں کہ لوگوں کو طواف کے بعد مقام ابراہیم کے پاس نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

لِلْقُدُومِ وَهُوَ سُنْتُ لِعَبْرِ الْمَكِّي: للقُدوم کالام مصنف کے قول طف کے متعلق ہے، یعنی بیت اللہ حاضری کا طواف کیجئے، الحاصل آفاقی یعنی غیر مکی کے لیے طواف قدوم مسنون ہے، امام مالک فرماتے ہیں واجب ہے ان کا استدلال اس حدیث سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مَنْ أَتَى الْبَيْتَ فَلْيُحِجَّهُ بِالطَّوَّافِ کہ جو شخص بیت اللہ کی حاضری دے تو وہ طواف کی بابت شکر اداء کرے پس فَلْيُحِجَّهُ امر ہے جو معنی وجوب پر دلالت کرتا ہے۔

احناف کا کہنا یہ ہے کہ نبی..... نے طواف قدوم کو تحیۃ کے نام سے موسوم فرمایا ہے جو وجوب کا فائدہ نہیں دیتا کیوں کہ تحیۃ لغت میں ایسے اکرام کو کہتے ہیں جسے آدمی بر سبیل تبرع کرتا ہے جیسے کہ لفظ تطوع پس ”فلیحیہ“ کا لفظ گو صیغہ امر کے ساتھ ہو وجوب پر دلالت نہیں کرتا ہے جیسے بولتے ہیں اُكْبِرُوا الشُّهُودَ پس اکرام شہود صیغہ امر کے باوجود وجوب پر دلالت نہیں کرتا ہے۔

اور دلیل عقلی یہ ہے کہ ارکان حج میں تکرار نہیں ہوتا اور طواف زیارت بالاتفاق رکن ہے پس اگر طواف قدوم بھی فرض ہو جائے تو تکرار رکن ہو جائے گا۔

اب یہ مسئلہ کہ طواف قدوم غیر مکی کے لیے ہی کیوں مسنون ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ قدوم مکی کے حق میں متحقق ہی نہیں ہوتا جیسے کہ تحیۃ المسجد کہ اس کی سنیت اس شخص کے حق میں نہیں ہے جو پہلے سے مسجد

میں بیٹھا رہا ہو، بلکہ اس شخص کے لیے ہے جو باہر سے مسجد میں داخل ہوا ہو، بس اسی طرح طواف قدم کی سنت کا بھی معاملہ ہے۔

طواف سے فراغت کے بعد یہ دعاء پڑھے اللھم اھفر للمؤمنین والمؤمنات والھفولی ذنوبی وقنعنی بما رزقننی وبارک لی فیما أعطیننی وأخلف علی کل غالیۃ لی بخیر۔
مقام ابراہیم کے پیچھے اپنی صلوٰۃ الطواف کے بعد اپنی ضروریات دنیا و آخرت کے لیے دعاء کرنا مستحب ہے پھر زمزم کے پاس آکر ماء زمزم آسودہ ہو کر پئے اور باقی ماندہ پانی زمزم کے کنویں میں ڈال دے لیکن اب یہ صورت ممکن نہیں ہے کیوں کہ اس کا منہ بند کر دیا گیا ہے اور مشینوں کے ذریعہ زمزم کے پانی کی سپلائی پورے حرم پاک میں کی جاتی ہے اور حجاج کے پانی حاصل کرنے کے لیے بے شمار ٹوٹیاں لگی ہوئی ہیں۔

اور زمزم کے پینے کے وقت یہ دعاء پڑھے اللھم اِنِّی اَسْئَلُكَ رِزْقًا وَّاسِعًا وَعِلْمًا نَافِعًا وَشِفَاءً مِّنْ کُلِّ دَاءٍ رَّسُولُ اللّٰہِ..... نے ارشاد فرمایا ماء زمزم لما شربَ له وقد جعلہ اللہ تعالیٰ طعامًا لاسمعیل وامنہ کہ آدمی جس مقصد کے ارادہ سے زمزم کا پانی نوش کرتا ہے اللہ اس کی وہ مراد پوری فرماتے ہیں اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ماء زمزم کو حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ کے لیے کھانا بنایا۔

پھر جب صفا اور مروہ کے درمیان سعی کا ارادہ کرے تو حجر اسود کے پاس لوٹ کر آئے اور اس کا استیلام کرے کیوں کہ حدیث ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم استلم الرکن ثم خرج فیما رواہ النسائی کہ آپ..... نے حجر اسود کا استیلام کیا پھر سعی کے لیے نکلے۔

ثم اخرج الی الصفا وقم علیہ الخ: مصنف فرماتے ہیں کہ پھر صفا پہاڑی پر جائے اور اس پر بیت اللہ کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو اور لا اِلهَ اِلاَّ اللہ اور اللہ اکبر اور نبی..... پر درود پڑھ رہا ہو اپنی ضروریات کے لیے رب حق جل مجدہ سے التجائیں کر رہا ہو، حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں انہ علیہ الصلاۃ والسلام بدأ بالصفا فرقی علیہ حتی رأى البیت فاستقبل القبلة ووحده اللہ تعالیٰ وکبرہ وقال لا اِلهَ اِلاَّ اللہ وحده انجز وعده ونصر عبده وهزم الاحزاب وحده ثم دعا بین ذلک فقال مثل هذا ثلاث مرات ثم نزل الی المروۃ حتی انتصبت قدماہ فی بطن الوادی حتی اذا صعدنا ممشی حتی اتی المروۃ ففعل علی المروۃ کما فعل عی الصفا رواہ مسلم۔

کہ آپ..... نے سعی کا آغاز صفا سے کیا پس آپ..... صفا پر چڑھ گئے حتی کہ آپ کو بیت اللہ نظر آنے لگا پس آپ کعبہ رخ ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت بیان کی اور تکبیر کہا اور فرمایا لا اِلهَ اِلاَّ اللہ وحده انجز

وعدہ الخ پھر آپ نے دعاء فرمائی پس آپ نے اس طرح تین مرتبہ ارشاد فرمایا پھر مردہ کے لیے اترے اور وہ پہاڑی پر تشریف لا کر اسی طرح وہی کچھ کیا جس طرح آپ نے جو کچھ صفا پہاڑی پر کیا تھا۔

دعاء سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور نبی پر درود شریف تقریباً اجابت کا باعث ہوتا ہے، صفا پہاڑی پر اتنا چڑھے کہ جس سے بیت اللہ اس کی نگاہ کے سامنے ہو جائے اس لیے کہ بیت اللہ رخ ہونا ہی صفا پر چڑھنے کا مقصود ہے پس اسی قدر چڑھنا کافی ہو جائے گا۔

صفا کے لیے جس دورازہ سے چاہے نکلے کیوں کہ مقصود بہر صورت حاصل ہوگا البتہ نبی باب بنی مخزوم سے صفا کے لیے تشریف لے گئے تھے اور باب بنی مخزوم کا دوسرا نام باب صفا بھی ہے کیوں کہ یہ صفا سے سب دورازوں کی نسبت زیادہ قریب ہے، پس آپ کا باب بنی مخزوم سے تشریف لے جانا اتفاقاً تھا مقصد انہیں تھا۔

مستحب ہے کہ آدمی صلوٰۃ الطواف کے بعد حضرت آدم کی دعا حجر اسود کے پاس مانگے اور وہ یہ ہے اللّٰهُمَّ اِنَّكَ تَعْلَمُ سِرِّي وَعَلَانِيَتِي فَاقْبَلْ مَعْلَدَتِي وَتَعْلَمْ حَاجَتِي فَاعْطِنِي سَوَالِي اللّٰهُمَّ اِنِّي اَسْأَلُكَ اِيْمَانًا يَبَاسِرُ قَلْبِي وَيَقِيْنًا صَادِقًا حَتّٰى اَعْلَمَ اَنَّهُ لَا يَصِيْبُنِي اِلَّا مَا كَتَبْتَ عَلَيَّ وَالرِّضَاءَ بِمَا قَسَمْتَ لِيْ . جب حضرت آدم نے یہ دعاء فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ تمہاری اولاد میں سے جو کوئی بھی تمہاری جیسی دعا کرے گا تو میں اس کے گناہوں کو معاف کروں گا غم و فکر سے بے نیاز کر دوں گا اور فقر کو ان سے دور کر دوں گا اور ان کی دلی مراد بر لاؤں گا۔

جب آدمی صفا پہاڑی کے لیے نکلے تو اپنا بایاں پیر بڑھائے اور یہ دعاء پڑھے بِسْمِ اللّٰهِ وَالصَّلَاةُ عَلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ اللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَاَدْخِلْنِيْ فِيْهَا وَاَعِزَّنِيْ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ پس جب صفا پر چڑھ جائے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھائے اور باطن کف کو آسمان کی طرف کر دے، کیوں کہ حدیث ہے ان الایدی لا ترفع الا فی سبع مواطن اور منجملہ ان مواقع کے صعود علی الصفا بھی ہے اور چڑھ کر تکبیر اور تہلیل کہے گا اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور رسول اللہ پر درود پڑھے اور کہے لا اِلهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ لَا اِلهَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَا نَعْبُدُ اِلَّا اِيَّاهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ اور اسے تین مرتبہ کہے گا۔

ثم اهبط نحو المروة ساعيا الخ: پھر مردہ کی طرف بڑھتا ہوا اترے اور میلین اخضرین یعنی وادی کا وہ حصہ جس میں حضرت ہاجرہ دوڑی تھیں اگر ممکن ہو تیز گامی کے ساتھ چلے اور مردہ پہاڑی پر پہنچ کر

وہی کچھ کرے جو صفا پر اس نے کیا تھا، دلیل حدیث جابرؓ ہے جو پیچھے مذکور ہو چکی ہے۔

مروہ کی طرف اترتے ہوئے یہ دعاء پڑھے اللھم استعملنی بسنة نبیک وتوفنی علی ملتہ واعذنی من مضلات الفتن برحمتک یا ارحم الراحمین اور جب بطن وادی یعنی میلین اخضرین کے درمیان پہونچے تو یہ دعاء پڑھے رَبِّ اغْفِرْ وارحم وتجاوز عَمَّا تعلم انک انت الاعز الاکرم یہ دعاء حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے۔

وطف بینہما سبعة اشواط: اس طرح صفا اور مروہ کے درمیان سات چکر لگائے گا اس لیے کہ نبی نے صفا اور مروہ کے درمیان سات چکر لگائے ہیں۔

سعی کا آغاز صفا سے کرے گا اور اختتام مروہ پر ہوگا، دلیل حضرت جابرؓ کی لمبی روایت ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لما دنا من الصفا قراء ان الصفا والمروة من شعائر اللہ ابدأ بما بدأ اللہ تعالیٰ عزوجل فبدأ بالصفا فرقی علیہ کہ آپ صفا سے قریب ہوئے اور پڑھا اِنَّ الصَّفاَ وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ میں بھی اس سے شروع کرتا ہوں جس سے اللہ تعالیٰ نے شروع فرمایا ہے پس آپ نے صفا سے آغاز فرمایا اور اس پر چڑھے۔

نسائی نے امر کے ساتھ ابدًا دائمًا بدأ اللہ بہ روایت کیا ہے لہذا اگر مروہ سے سعی شروع کی تو اس کا لحاظ و اعتبار نہ ہوگا۔

پھر صفا سے مروہ جانا ایک چکر ہے اور مروہ سے صفا آنا یہ دوسرا چکر ہے، اسی طرح سات چکر لگائے گا۔ بعض شافعیہ کہتے ہیں کہ صفا سے مروہ جانا اور مروہ سے صفا واپس آنا یہ ایک چکر ہوتا ہے یہ حضرات سعی کو طواف پر قیاس کرتے ہیں کہ حجر اسود سے طواف شروع کر کے حجر اسود پر پہونچنا ایک چکر کہلاتا ہے، لہذا اسی طرح صفا سے صفا تک کی سعی ایک چکر ہوگی، لیکن حدیث جابرؓ ان کے خلاف حجت ہے، اس لیے کہ صورت مذکورہ میں سعی کا اختتام بجائے مروہ کے صفا پر ہوگا، جب کہ اختتام سعی مروہ پر ہونا طے ہے۔

سعی اور طواف کے درمیان فرق یہ ہے کہ طواف میں شوط تب تک پورا نہیں ہوتا جب تک وہ حجر اسود تک گھوم کر نہیں پہونچتا جب کہ سعی میں ایک چکر مروہ پر پہونچتے پورا ہو جاتا ہے، پس اس کا مابعد تکرار محض ہوگا، سعی کے بعد دو رکعت نفل مستحب ہے۔

پھر سعی بین الصفا والمروة ہمارے نزدیک واجب ہے رکن نہیں ہے ابن عباس اور ابن زبیرؓ کا بھی یہی مذہب ہے امام مالکؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ حج میں سعی رکن و فرض ہے، دلیل یہ حدیث ہے کہ ایک صحابی فرماتی ہیں کہ رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یطوف بین الصفا والمروة والناس

بین یدیه وهو وراءهم یسعی حتی اری رکبته من شدۃ السعی یدور بہ ازاراً وهو یقول
اسعوا فان الله کتب علیکم السعی رواہ احمد کہ میں نے رسول اللہ..... کو صفا اور مروہ کے
درمیان سعی کرتے دیکھا اس حال میں کہ لوگ آپ کے آگے آگے تھے اور آپ ان کے پیچھے سعی فرما رہے تھے
یہاں تک میں نے تیز دوڑنے کی وجہ سے آپ کے گھٹنے مبارک کو دیکھا کہ جس کی وجہ سے ازار گھوم جا رہا ہے
اور آپ فرماتے جاتے ہیں اسعوا فان الله تعالیٰ کتب علیکم السعی کہ دوڑو واللہ نے سعی تم پر فرض
کر دیا ہے۔

اور ہماری دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ان الصفا والمروة من شعائر الله فمن حج البيت او
اعتمر فلا جناح علیہ ان يطوف بهما ومن تطوع خیراً فان الله شاكر عليم پس جناح کا اٹھا
دینا اور تخیر فرضیت کی نفی کرتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد فلا جناح علیہما ان یترجعا کہ میاں بیوی پر
کوئی گناہ نہیں ہے اگر وہ باہم رجعت کر لیتے ہیں، پس معلوم ہوا کہ رجوع کرنا فرض نہیں ہے اسی طرح اللہ
تعالیٰ کا ارشاد ومن تطوع خیراً اللہ تعالیٰ کے ارشاد فمن تطوع خیراً فهو خیر لہ کی طرح ہے۔

نیز حضرت عائشہؓ نے حضرت عروہؓ سے فرمایا یا ابن اختی طاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم وطاف المسلمون فكانت سنة وانما كان من اهل لمنا الطاغية لا يطوفون بین
الصفا والمروة فلما كان الاسلام سالنا رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم عن ذلك فانزل
الله عز وجل ان الصفا والمروة من شعائر الله الآية فقد نصت علی ان السعی بینہما سنة
رواہ البخاری ومسلم اس روایت سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ سعی فرض نہیں ہے، رہی بات یہ ہے کہ
رسول..... نے ارشاد فرمایا اسعوا فان الله کتب علیکم السعی تو سعی کے مکتوب ہونے سے اس کا
رکن اور فرض ہونا لازم نہیں آتا جیسے کہ قرآن میں ہے کُتِبَ عَلَیْکُمْ اِذَا حَضَرَ احَدُکُمُ الْمَوْتُ اَنْ تَرَکَ
خیراً الوصیۃ الایۃ حالاں کہ اب وصیت ایک استحبابی امر ہے فرض نہیں ہے باوجود اس کے کہ اللہ نے
وصیت کو مکتوب فرمایا ہے، دوسری بات یہ کہ رکنیت خبر واحد سے ثابت نہیں ہوتی بخلاف وجوب کے کہ اس کا
ثبوت خبر واحد سے ہو سکتا ہے صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی مشروعیت کے بارے میں کئی باتیں کہی گئیں ہیں،
ایک قول تو یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل کو کعبہ کے
پاس چھوڑ دیا اور آپ ملک شام واپس تشریف لے آئے تو حضرت اسماعیل پیاسے ہوئے پانی کی تلاش میں
حضرت ہاجرہ صفا پر چڑھیں کہ شاید پانی کا کوئی چشمہ مل جائے پر آپ کو پانی کے دور دور تک آثار نظر نہیں آئے
پس آپ صفا سے اترے اور بطن وادی میں پہنچ کر دوڑ لگائی تاکہ اس سے مروہ کی طرف نکل جائیں کیوں کہ

وادی میں پہونچنے پر حضرت اسماعیل نگاہوں سے روپوش ہو جاتے تھے پس آپ بچے کی محبت میں دوڑ پڑتی تھیں پس اللہ تعالیٰ نے اس سعی کو حج کا ایک مہتم بالشان عمل قرار دے دیا تاکہ اس کے ذریعہ سے حضرت ہاجرہ کا شرف اور ان کے عمل کی عظمت کا اظہار ہو۔

دوسرا قول حضرت ابن عباس کے واسطے سے مروی ہے کہ جب آپ پر مناسک حج کا حکم ہوا تو سعی کے وقت آپ کے سامنے شیطان نمودار ہوا اور آپ سے آگے نکل جانا چاہا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اس سے آگے نکل گئے اس روایت کو امام احمد نے اپنے مسند میں بیان کیا ہے۔

ایک تیسرا قول ہے کہ رسول اللہ..... نے بطن وادی یعنی میلین اخضرین کے درمیان میں ان مشرکین کو بہادری اور قوت دکھانے کے لیے دوڑ لگائی تھی جو وہاں جمع ہو کر آپ کو دیکھ رہے تھے۔

ثم اقم بمكة حرام: طواف قدوم اور سعی کے بعد اب مکہ میں محرم ہو کر مقیم ہو جائے جب کہ حج کا احرام باندھا ہو کیوں کہ اعمال حج کے اداء کرنے سے پہلے حلال نہیں ہو سکتا اور اگر کسی نے صرف عمرہ کا احرام باندھا ہو تو وہ طواف اور سعی کے بعد حلق یا قصر کرنا حلال ہو سکتا ہے، پھر آٹھ ذی الحجہ سے حج کا احرام باندھ کر اعمال حج پورا کرے گا۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں انہا قالت خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فمنا من اهل بالحج ومنا من اهل بالعمرة ومنا من اهل بالحج والعمرة واهل رسول الله صلى الله عليه وسلم بالحج فاما من احرم بالعمرة فاحلوا حين طافوا بالبيت وبالصفاء والمروة واما من اهل بالحج او بالعمرة فلم يحلوا الى يوم النحر متفق عليه کہ ہم لوگ رسول اللہ کے ساتھ حج کے لیے نکلے تو ہم میں سے بعض نے صرف حج کا احرام باندھا اور بعض نے صرف عمرہ کا احرام باندھا اور بعض نے حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھا اور رسول اللہ..... نے صرف حج کا احرام باندھا تھا پس وہ لوگ جنہوں نے صرف عمرہ کا احرام باندھا تھا وہ تو طواف بیت اللہ اور سعی بین الصفا والمروة کے بعد حلال ہو گئے اور وہ لوگ جنہوں نے صرف حج یا حج اور عمرہ دونوں کا ایک ساتھ احرام باندھا تھا وہ دسویں تاریخ تک حلال نہیں ہوئے۔

وطف بالبيت فلما بدأ لك: سعی کے بعد جب بھی موقع لگے طواف کرتا رہے اس لیے کہ طواف بمنزلہ صلوٰۃ ہے نبی..... کا ارشاد ہے الطواف بالبيت صلوٰۃ والصلوة خير موضوع بيت الله کا طواف نماز ہے اور نماز سب سے بہترین عمل ہے پس اسی طرح طواف بہترین عمل ہے۔

طواف بیرونی لوگوں کے لیے نفل نماز سے افضل ہے اور مکہ والوں کے لیے نماز نفل افضل ہے کیوں کہ

غریب الدیار لوگوں کے لیے طواف پر ہر وقت قدرت نہیں ہوتی صرف ایام حج یا حج پر آنے کی وجہ سے اس کا موقع دستیاب ہوتا ہے جب کہ نفل نماز وطن پر بھی پڑھ سکتے ہیں، لہذا ان کے لیے اشتغال بالطواف افضل ہے الا یہ کہ سعی نہیں کریں گے نیز رمل نہیں کریں گے کیوں کہ سعی صرف ایک بار واجب ہوتی ہے اور عطل بال سعی مشروع نہیں ہے اور جس طواف کے بعد سعی نہ ہو تو اس میں رمل بھی نہیں ہوتا۔

ثُمَّ اخْطَبَ قَبْلَ يَوْمِ التَّوْبَةِ يَوْمَ وَعَلَّمَ فِيهَا الْمَنَاسِكَ ثُمَّ رَحَّ يَوْمَ التَّوْبَةِ إِلَى مَنَى ثُمَّ إِلَى عَرَفَاتٍ بَعْدَ صَلَاةِ الْفَجْرِ يَوْمَ عَرَفَةَ ثُمَّ اخْطَبَ ثُمَّ صَلَّى بَعْدَ الزَّوَالِ الظُّهْرِ وَالْعَصْرَ بِأَذَانٍ وَأَقَامَتَيْنِ بِشَرْطِ الْإِمَامِ وَالْإِحْرَامِ ثُمَّ إِلَى الْمَوْقِفِ وَقِفْ بِقُرْبِ الْجَبَلِ وَعَرَفَاتٍ كُلُّهَا مَوْقِفٌ إِلَّا بَطْنَ عُرْنَةَ حَامِدًا مُكَبِّرًا مُهَلِّلًا مُصَلِّيًا دَاعِيًا، ثُمَّ إِلَى مُزْدَلِفَةَ بَعْدَ الْغُرُوبِ وَأَنْزَلَ بِقُرْبِ جَبَلِ قُزَحٍ وَصَلَّ بِالنَّاسِ الْعِشَاءَيْنِ بِأَذَانٍ وَأَقَامَةٍ وَلَمْ يَجْزِ الْمَغْرِبُ فِي الطَّرِيقِ ثُمَّ صَلَّى الْفَجْرَ بَغْلَسٍ ثُمَّ قَفَّ مُكَبِّرًا مُهَلِّلًا، مُصَلِّيًا، مُلَبِّيًا، دَاعِيًا وَهِيَ مَوْقِفٌ إِلَّا بَطْنَ مُحَسِّرٍ ثُمَّ إِلَى مَنَى بَعْدَ مَا أَسْفَرَ فَأَرَمَ جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ مِنْ بَطْنِ الْوَادِي بِسَبْعِ حَصَيَّاتٍ كَحَصَى الْخَذْفِ وَكَبَّرَ بِكُلِّ حَصَاةٍ وَقَطَعَ التَّلْبِيَةَ بِأُولِهَا ثُمَّ أَذْبَحَ ثُمَّ أَحْلَقَ أَوْ قَصَرَ وَالْحَلْقُ أَحَبُّ وَحَلَّ لَكَ غَيْرُ النَّسَاءِ.

ترجمہ: پھر یوم الترویہ سے ایک دن قبل (یعنی ساتویں ذی الحجہ کو) تو خطبہ دے اور لوگوں کو اس میں احکام (حج) سکھلا پھر آٹھویں ذی الحجہ کو منی کے لیے نکل پھر عرفات کے لیے (نکل) نویں ذی الحجہ کی فجر کے بعد پھر خطبہ دے پھر زوال کے بعد ظہر اور عصر کی ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ نماز پڑھ امام اور احرام کی شرط کے ساتھ، پھر موقف کی طرف چل اور جبل الرحمة کے قریب میں وقوف کر، اور (یوں) سارا کا سارا عرفات جائے وقوف ہے سوائے بطن عرنة کے اللہ کی حمد کرتے ہوئے تکبیر کہتے ہوئے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہتے ہوئے تلبیہ پڑھتے ہوئے نبی..... پر درود پڑھتے ہوئے دعا کرتے ہوئے۔

پھر مزدلفہ کے لیے چل غروب کے بعد اور جبل قزح کے قریب پڑاؤ ڈال اور لوگوں کو مغرب و عشاء ایک اذان و اقامت کے ساتھ پڑھا اور مغرب کی نماز راستہ میں پڑھنا درست نہیں ہے پھر نماز فجر غلَس میں پڑھ لے پھر وقوف کر تکبیر و تہلیل کہتا ہوا درود اور تلبیہ پڑھتا ہوا دعاء کرتا ہوا، اور مزدلفہ پورا کا پورا جائے وقوف ہے سوائے بطن عسر کے پھر اسفار کے بعد (طلوع شمس کے ذرا پہلے) منی کے لیے نکل، پس جمرہ عقبہ کی رمی کر بطن وادی کی جانب سے سات کنکری ٹھیکری کے کنکری کی طرح اور ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہہ اور تلبیہ کو ختم کر دے پہلی کنکری مارنے کے ساتھ ہی پھر قربانی ذبح کر پھر حلق کر یا بال کٹوا اور بال مونڈ وانا افضل ہے اور

عورت کے سواء (اب) تیرے لیے ساری چیزیں ملال ہو گئیں۔

تشریح: امام حج سات ذی الحجہ کو خطبہ دے گا اور یہ خطبہ زوال کے بعد اور نماز ظہر کے بعد ہوگا جو فقط ایک خطبہ ہوگا، یوں اگر اس نے زوال سے پہلے بھی خطبہ دے دیا تو درست تو ہوگا لیکن مکروہ ہوگا، خطبہ کا آغاز تکبیر پھر تلبیہ پھر تحمید سے ہوگا۔

معلوم ہو حج میں تین خطبہ ہیں، پہلا خطبہ ساتویں ذی الحجہ کو اور دوسرا عرفات کے دن اور تیسرا گیارہ ذی الحجہ کو منیٰ میں، پس ہر خطبہ کے بعد ایک دن کا ناغہ ہوگا پہلا اور تیسرا خطبہ صرف ایک خطبہ ہوگا چنانچہ ان کے وسط میں امام نہیں بیٹھے گا، اور عرفہ یعنی نویں ذی الحجہ کا خطبہ دوہوں گے وسط خطبہ میں امام بیٹھے گا۔

پہلا اور تیسرا خطبہ زوال اور نماز کے بعد ہوں گے جب کہ دوسرا خطبہ زوال کے بعد اور نماز سے پہلے ہوگا امام زفر کہتے ہیں کہ تینوں خطبے لگاتار دنوں میں ہوں گے پہلا خطبہ آٹھویں ذی الحجہ اور تیسرا یوم النحر یعنی دسویں ذی الحجہ کو ہوگا اس لیے کہ یہ ایام حج کے دن ہیں اور لوگ ان ایام میں اکٹھا رہتے ہیں۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ علیہ الصلاۃ والسلام خطبہ فی الیوم السابع و کذا ابو بکر کہ رسول اللہ..... نے ساتویں ذی الحجہ کو خطبہ دیا اسی طرح صدیق اکبرؓ نے بھی، اور دوسرے اس لیے بھی کہ خطبہ سے مقصود تعلیم ہے اور یوم الترویہ اور یوم النحر یعنی آٹھویں اور دسویں ذی الحجہ افعال حج کے ساتھ مشغولی کا ہے لہذا ہم نے جو بیان کیا ہے وہی النفع ہے اور قلوب میں اثر انداز بھی زیادہ ہے۔

فائدہ: آٹھویں ذی الحجہ کو یوم الترویہ اس لیے کہتے ہیں کہ حجاج اس تاریخ میں آئندہ کے لیے پانی لیتے ہیں اور سیرابی کا سامان کر لیتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ آٹھویں ذی الحجہ کی شب حضرت ابراہیم نے خواب دیکھا کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے ان اللہ بامروک بذبح ابنک هذا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے اس بیٹے کی قربانی کا حکم کر رہے ہیں جب صبح ہوئی تو آپ نے صبح سے شام تک غور و فکر کیا کہ آیا یہ منجانب اللہ حکم ہے یا شیطانی وسوسہ ہے پس اس غور و فکر کی مناسبت سے آٹھویں ذی الحجہ کا نام یوم الترویہ ہو گیا، پس جب نویں ذی الحجہ کی شب وہی خواب پھر دیکھا جو اس سے قبل کی شب میں دیکھا تھا تو اپنے جان لیا کہ یہ حکم منجانب اللہ ہو رہا ہے لہذا اس منشاء الہی کی معرفت کی مناسبت سے نویں ذی الحجہ کو یوم عرفہ کہا جانے لگا، پھر جب دسویں شب پھر ویسا ہی خواب دیکھا تو حضرت اسماعیل کے نحر کو کچھ گئے لہذا اس مناسبت سے اس کا نام یوم النحر پڑ گیا۔

ثم روح یوم الترویہ الی منیٰ: پھر آٹھویں ذی الحجہ کو مکہ سے منیٰ کے لیے نکلے، منیٰ مکہ سے ایک فرسخ کی دوری پر ایک گاؤں ہے بلکہ اب تو مکہ میں داخل ہو کر اس کا ایک محلہ ہو گیا ہے، جو دو پہاڑی سلسلوں کے بیچ

میں واقع ہے، منیٰ کو منیٰ اس لیے کہتے ہیں کہ جب حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام سے جدا ہونا چاہا تو پوچھا مامنی آپ کیا چاہتے ہیں تو حضرت آدم نے فرمایا اتمنی الجنة کہ مجھے جنت کی تمنا ہو رہی ہے، پس اس امدیہ آدم کی وجہ سے اس جگہ اور وادی کا نام وادی منیٰ ہو گیا، منیٰ کے لیے نکلنے کا وقت مصنف نے بیان کیا نہیں اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لیے کہ جس وقت بھی چاہے منیٰ کر سکتا ہے حتیٰ کہ اگر کوئی یوم عرفہ کی فجر پڑھ کر منیٰ ہوتا ہو عرفات پہنچ گیا تو یہ بھی درست ہے البتہ ترک سنت کی وجہ سے برا ہے، مستحب یہی ہے کہ آٹھویں ذی الحجہ کو سورج کے طلوع ہونے کے بعد منیٰ کے لیے نکلے اور زوال سے پہلے پہلے پہنچ جائے حضرت جابر فرماتے ہیں انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام توجہ قبل الصلاة الظهر يوم التروية إلى منى وصلى بها الظهر والعصر والمغرب والعشاء والفجر رواه مسلم کہ آپ آٹھویں ذی الحجہ کو ظہر سے پہلے منیٰ کے لیے روانہ ہوئے اور منیٰ میں آپ نے ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور نوی کی فجر اداء فرمائی۔

حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے طلوع شمس کے بعد خروج کی صراحت ہے چنانچہ فرماتے ہیں انہ علیہ الصلاة والسلام صلى الفجر يوم التروية فلما طلعت الشمس راح إلى منى فصلى بها الظهر والعصر والمغرب والعشاء والصبح يوم عرفة یعنی آپ نے یوم الترویہ کو مکہ میں فجر اداء فرمائی پس جب سورج طلوع ہو گیا تو آپ منیٰ کے لیے روانہ ہوئے اور منیٰ میں ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور نویں کی فجر اداء فرمائی۔

واضح رہے کہ تبلیہ کسی عمل میں ترک نہیں کرے گا نہ مکہ اور نہ مسجد حرام میں اور نہ کسی جگہ مکہ سے تبلیہ پڑھتے اور تحلیل کہتے ہوئے اور اپنی حاجات کے لیے دعاء کرتے ہوئے نکلے گا، اپنی دعاء میں کہے گا:

اللَّهُمَّ إِنَّاكَ أَرْجُو وَلَكَ أَدْعُو وَإِلَيْكَ أَرْغَبُ بَلِّغْنِي صَالِحَ عَمَلٍ وَأَصْلِحْ لِي فِي ذَرَّتِي

جب منیٰ میں داخل ہو جائے تو یہ دعاء پڑھے اللَّهُمَّ هَذَا مِنِّي وَهَذَا مِنَّا ذَلَّلْنَا عَلَيْكَ مِنَ الْمَنَاسِكِ فَمَنْ عَلَيْنَا بِجَوَامِعِ الْخَيْرَاتِ وَبِمَا مَنَنْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ خَلِيلِكَ وَمُحَمَّدَ حَبِيبِكَ وَبِمَا مَنَنْتَ عَلَى أَوْلِيَانِكَ وَأَهْلِ طَاعَتِكَ فَإِنِّي عَبْدُكَ وَنَاصِيَتِي بِيَدِكَ جِئْتُ طَالِبًا مَرْضَاتِكَ.

مستحب ہے کہ آدمی مسجد خیف کے آس پاس قیام کرے۔

ثم إلى عرفات بعد صلاة الفجر يوم عرفة: پھر نویں ذی الحجہ کی صبح طلوع شمس کے بعد میدان عرفات کے لیے روانہ ہو جائے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں انہ علیہ الصلاة والسلام غَدَا مِنْ مِنَى حِينَ طَلَعَ الصُّبْحُ فِي صَبِيحَةِ يَوْمِ عَرَفَةَ حَتَّى أَتَى عَرَفَةَ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَابُو دَاوُدَ.

ایک روایت حضرت جابرؓ کی ہے فرماتے ہیں ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی الصبح
بمئی ثم مکث قليلاً حتى طلعت الشمس ثم صار الى عرفات ان دونوں روایتوں سے معلوم ہوتا
ہے کہ نویں ذی الحجہ کو طلوع شمس کے بعد عرفات کے لیے چل پڑنا مسنون ہے یوں اگر کوئی نویں ذی الحجہ کی فجر
سے پہلے عرفات کے لیے چل پڑے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی نوکی شب مکہ میں گزارے
تو بھی درست ہے۔

عرفات کے لیے نکلتے وقت یہ دعاء پڑھے اللّٰهُمَّ اِلَيْكَ تَوَجَّهْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَوَجْهَكَ
ارَدْتُ فَاجْعَلْ ذَنْبِي مَغْفُورًا وَحَاجَتِي مَهْرُورًا وَارْحَمْنِي وَلَا تُخَيِّبْنِي وَبَارِكْ لِي فِي سَفَرِي
وَأَقْضِ بَعْرَفَاتِ حَاجَتِي اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔

اور تبلیہ پڑھے گا اور تہلیل اور تکبیر کہے گا اور یہ عمل جمرہ عقبہ کی رمی تک رہے گا حضرت ابن مسعود فرماتے
ہیں والدی بعث محمدًا بالحق لقد خرجت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فَمَا تَرَكَ
التَّعْلِيْمَةَ حَتَّى رَمَى جَمْرَةَ الْعَقِبَةِ یعنی قسم ہے اس ذات کی جس نے محمد عربیؐ کو حق کے ساتھ مبعوث
فرمایا، میں رسول اکرمؐ کے ساتھ نکلا پس آپ نے تبلیہ بند نہیں کیا یہاں تک کہ جمرہ عقبہ کی رمی فرمائی۔

پس جب عرفہ سے قریب ہوا اور اس کی نگاہ جبل الرحمة پر پڑے اور اس کا مشاہدہ کرے تو مستحب ہے کہ
یہ دعاء پڑھے اللّٰهُمَّ اِلَيْكَ تَوَجَّهْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَوَجْهَكَ ارَدْتُ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي وَتُبْ عَلَيَّ
وَاعْظِنِي سُوَالِي وَوَجِّهْ اِلَى الْخَيْرِ اِنَّمَا تَوَجَّهْتُ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ
اکبر پھر تبلیہ پڑھتا ہوا عرفات میں داخل ہو جاتے اور لوگوں کے ساتھ جہاں چاہے پڑو ڈالے، البتہ جبل
الرحمة کے قریب ٹھہرنا افضل ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک بطن نمرہ میں پڑاؤ کرنا افضل ہے کیوں کہ نبیؐ نے بطن نمرہ میں نزول فرمایا تھا
ہم کہتے ہیں کہ نمرہ عرفات میں ہی ہے اور نبیؐ کا ارشاد ہے عرفات کُلُّهَا مَوْقِفٌ وَارْتَفِعُوا عَنْ بَطْنِ
عَرَفَةَ کہ پورا کا پورا عرفات جائے وقوف ہے البتہ بطن عرندہ سے ہٹ لیا کرو، یعنی بطن عرندہ عرفات کے حدود
سے خارج ہے، اب جہاں تک نبیؐ کے نزول کا مسئلہ ہے تو آپ نے نمرہ میں قصد انزال نہیں فرمایا، یوں امام
حج کے لیے اتباع نبیؐ میں نمرہ میں ہی اترنا چاہئے نمرہ وہ مسجد ہے جو مسجد ابراہیم کے نام سے مشہور ہے۔

آدمی کو مجمع کے ساتھ وقوف کرنا چاہئے کیوں کہ لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کرنا تجبر ہے جبکہ حال تضرع
اور مسکنت کا حال ہے اور اس لیے بھی کہ مجمع میں اجابت دعاء کی زیادہ امید ہے، نیز چوروں اور اچکوں سے
امن بھی ہے، نیز راستہ پر پڑاؤ نہ ڈالے تاکہ گزرنے والوں کو تنگی نہ ہو۔

ثم اعطى: پھر امام زوال اور اذان کے بعد نماز سے پہلے دو خطبے دے گا اور ان دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھے گا جیسے کہ جمعہ کے خطبہ میں ہوتا ہے، ہنکذا روی من عطیہ علیہ الصلاۃ والسلام نبی سے اسی طرح خطبہ دینا ثابت ہے، اور اگر زوال سے پہلے ہی خطبہ دے دیا تو بھی درست ہے۔

خطبہ میں پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان ہو تہلیل و تکبیر کہے، نبی پر درود بھیجے لوگوں کو وعظ و نصیحت کرے اور امر الہی کا حکم کرے اور منہیات شریعہ سے روکے اور لوگوں کو گیارہ ذی الحجہ کے خطبہ تک پیش آمد اعمال حج سکھائے یعنی وقوف عرفہ اور وقوف مزدلفہ اور عرفہ اور مزدلفہ سے کو حج یوم النحر کو جمرہ عقبہ کی رمی ذبح اور حلق، طواف زیارت۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ یوم عرفہ کو خطبہ امام نماز کے بعد دے گا کیوں کہ یہ خطبہ وعظ ہے جیسے کہ عید میں خطبہ نماز بعد ہوتا ہے، سابق میں بیان کردہ روایت امام مالک کے خلاف حجت ہے، دوسرے یہ کہ خطبہ سے مقصود مناسک کی تعلیم ہے اور جمع بین الصلوٰتین منجملہ مناسک سے ہے۔

ظاہر مذہب میں ہمارے اصحاب سے یہ مروی ہے کہ جب امام منبر پر چڑھ جائے اور اس پر بیٹھ جائے تو مؤذن آذان دے گا جیسا کہ جمعہ میں ہوتا ہے اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ مؤذن آذان کہے گا اور امام خیمہ میں ہی ہوگا پھر وہ خیمہ سے نکل کر خطبہ دے گا۔

امام طحاویؒ نے امام ابو یوسفؒ سے روایت کیا ہے کہ امام اذان سے پہلے خطبہ شروع کر دے گا جب خطبہ کا ابتدائی حصہ ہو چکے گا تو فوراً اذان کہیں گے پھر اس کے بعد امام خطبہ پورا کرے گا جب امام خطبہ سے فارغ ہو جائے گا تو لوگ اقامت کہیں گے اور نماز پڑھی جائے گی، یہ استدلال حدیث جابرؓ سے کرتے ہیں اللہ علیہ الصلاۃ والسلام رآح الی الموقف بعرفۃ فخطب الناس الخطبۃ الاولی ثم اذن بلال ثم أخذ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الخطبۃ الثانیۃ ففرغ من الخطبۃ وبلال من الاذان ثم اقام بلال الحدیث یعنی نبی عرفات میں جائے وقوف۔ کے پاس آئے پس لوگوں کو پہلا خطبہ دیا پھر بلال نے اذان شروع کی اور آپ نے دوسرا خطبہ شروع کیا پس آپ خطبہ سے فارغ ہوئے اور بلال اذان سے پھر بلال نے نماز کے لیے اقامت کہی۔

پس امام ابو یوسفؒ کی تین روایات ہو گئیں، اظہر یہی ہے کہ امام ابو یوسفؒ طرفین کے ساتھ ہیں اور صحیح پہلی والی ہی روایت ہے، اس لیے کہ حدیث ہے لما خرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم واستوی علی ناقته اذن المؤذن بین یدیه ویقیم المؤذن بعد الفراغ من الخطبۃ یعنی جب رسول اللہ وقوف کے لیے نکلے اور اونٹنی پر برابر بیٹھ گئے تو مؤذن نے آپ کے سامنے آذان دیا اور خطبہ سے فراغت

کے بعد اقامت کہی کیوں کہ یہی نماز شروع کرنے کا وقت ہوتا ہے، پس یہ خطبہ، خطبہ جمعہ کے مشابہ ہو گیا۔
وقوف عرفہ حج کا پہلا اور ایسا بنیادی رکن ہے جس کے فوت ہو جانے پر تلافی کی کوئی صورت نہیں ہے،
وقوف کا وقت زوال شمس سے شروع ہوتا ہے اور یوم النحر کی صبح صادق کے قبل تک رہتا ہے، الحجہ بھر کا وقف فرض
اور رکن ہے اور غروب شمس تک واجب ہے اور اگر رات میں وقف کیا تو کچھ واجب نہیں اور اگر کوئی شخص حدود
عرفات سے غروب شمس سے پہلے گزر گیا تو اس پر دم واجب ہوگا۔

مناسب یہ ہے کہ حاجی غسل کرے یہ غسل واجب نہیں البتہ برائے نفاذت مسنون ہے اور وقف امام
کے پیچھے کرے قبلہ رخ ہو کر اور وقف علی الراحۃ کھڑے ہو کر وقف سے افضل ہے اور کھڑے ہو کر وقف بیٹھ
کر وقف سے افضل ہے کوشش کرے کہ دعاء میں ندامت کے آنسو چند ایک قطرے ہی سہی نکل پڑیں کیوں
کہ قطرات آنسو قبولیت کی دلیل ہیں، آدمی اپنے لیے والدین، بھائی بندوں، اہل و عیال، دوست و احباب،
اہل تعلق اور پڑوسیوں غرضیکہ پوری امت کے لیے دعاء خیر کرے دعا کرنے مولیٰ کریم سے مانگنے میں کوئی کسر
نہ چھوڑے، کیوں کہ اس قبولیت کی گھڑی میں اگر کچھ بھی غفلت ہو گئی تو اس کی تلافی ناممکن ہے، خاص طور سے
وہ آدمی جو باہری ہو، جانے پھر زندگی میں موقع ملے یا نہ ملے۔

معلوم ہو کہ افضل ترین دن یوم عرفہ ہے بشرطیکہ وہ یوم جمعہ بھی ہو قال علیہ الصلاۃ والسلام
الفضل الایام یوم عرفۃ إذا وافق جمعة وهو الفضل من سبعین حجة من غیر جمعة (ذکرہ
فی تجرید الصحاح) نبی..... کا ارشاد ہے کہ افضل ترین دن یوم عرفہ ہے جب وہ جمعہ ہو اور اس دن کاج
سترچوں سے افضل ہے، وقف عرفہ کے لیے قیام اور نیت کچھ بھی شرط نہیں ہے، بلکہ اگر کوئی سوتے جاگتے
کسی طرح بھی نویں ذی الحجہ کے زوال کے بعد سے دسویں کے صبح صادق ہونے سے پہلے پہلے میدان
عرفات کے کسی ادنیٰ حصہ سے بھی گزر گیا تو اس کاج ہو جائے گا اور وہ رکن اعظم کا اداء کرنے والا شرعاً
ہو جائے گا۔

ثم بعد الزوال الخ: پھر زوال کے بعد ظہر اور عصر قرأت سری کے ساتھ ایک اذان اور دو اقامتوں
سے پڑھے، بشرطیکہ نماز باجماعت پڑھے اور امام بھی محرم ہو، پہلے ظہر کی اذان کہے گا اور ظہر کے لیے اقامت
کہے گا ظہر کی نماز کے بعد عصر کی اقامت کہے گا اور عصر کی نماز اداء کرے گا، دونوں نمازوں کے درمیان کسی نفل
نماز کے ساتھ مشغول نہیں ہوگا اس جمع بین الصلوٰتین کو جمع تقدیم کہتے ہیں حضرت جابر فرماتے ہیں ان النبی
صلی اللہ علیہ وسلم صلاهما باذان واقامتین کہ آپ..... نے ظہر و عصر (یوم عرفہ) کو ایک اذان
اور دو اقامتوں سے پڑھا۔

معلوم ہو کہ اگر آدمی یوم عرفہ کو تنہا نماز پڑھتا ہے یا اس کا امام غیر محرم ہانچ ہے تو پھر جمع بین الصلوات کی اجازت نہیں ہوگی۔

ثم الى الموقف وقف بقرب الجبل: امام نماز کے بعد جائے وقوف کی طرف چلے اور جبل الرحمة کے قریب اس کے نچلے حصہ میں کالی بڑی چٹانوں کے پاس وقوف کرے جبل الرحمة وہ پہاڑ ہے جو ارض عرفات کے بیچ و بیچ میں ہے جسے ایلان، ہلال کے وزن پر بولا جاتا ہے، نبی..... نے اسی جگہ وقوف فرمایا تھا، اس جبل کا نام جبل الرحمة اور اس موقف کا نام موقف اعظم ہے پس امام حج نبی..... کے وقوف کی جگہ وقوف کرے اور باقی لوگ اس کے پیچھے قبلہ رخ کھڑے ہوں گے مولیٰ کریم کی بارگاہ عالی میں مسکنت، عجز و نیاز کی سراپا تصویر بنے، دست سوال پھیلائے رحمت کی بھیک مانگ رہے ہوں گے۔

وعرفات کلھا موقف: عرفات پورا کا پورا میدان جائے وقوف ہے کسی جگہ وقوف کرنے سے فریضہ وقوف اداء ہو جائے گا صرف بطن عرنہ اس سے مستثنیٰ ہے جہاں وقوف کرنا درست نہیں ہے، رسول اللہ..... کا ارشاد ہے عرفات کلھا موقف وارتفعوا عن بطن عرنہ والمزدلفة کلھا موقف وارتفعوا عن بطن محسر وشعاب مكة کلھا منحرا رواہ البخاری کہ بطن عرنہ کو چھوڑ کر سارا عرفات جائے وقوف ہے، اور بطن محسر کے علاوہ سارا میدان مزدلفہ جائے وقوف ہے اور پورا مکہ قربانی گاہ ہے۔ اسی پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے پس یہ روایت اور اجماع امام مالک کے خلاف حجت ہے کہ ان کے نزدیک بطن عرنہ میں بھی وقوف ہو سکتا ہے البتہ دم واجب ہوگا حالت وقوف میں حاجی اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کرے گا تکبیر و تہلیل کے زمزے بلند کرے گا رہ رہ کر تھوڑی، تھوڑی دیر سے تبلیہ پڑھے گا اور کریم آقا کے سامنے دامن سپار کر آج سب کچھ مانگ لے گا محبوب دو عالم..... نے فرمایا افضل الدعاء دعاء یوم عرفہ والفضل ما قلنہ انا والنبیون من قبلی لا الہ الا اللہ وحده لا شریک له له الملك وله الحمد یحیی ویمیت وھو حی لا یموت بیدہ الخیر وھو علی کل شی قدیر۔ رواہ مالک وترمذی واحمد۔ افضل ترین دعاء عرفہ کے دن کی دعاء ہے۔

ثم الى مزدلفة بعد الغروب: غروب شمس کے بعد مغرب کی نماز پڑھے بغیر وقار اور سکون کے ساتھ مزدلفہ کے لیے چل پڑے حضرت علی فرماتے ہیں انہ علیہ الصلاۃ والسلام دفع حین غابت الشمس رواہ ابو داؤد اور حدیث جابر میں لم یزل واقفا حتی غربت الشمس وذهبت الصفرة قليلا رواہ مسلم۔

حاصل یہ ہے کہ غروب شمس کے بعد عرفات سے کوچ کر دے گا، غروب شمس کے بعد کوچ کرنے میں

مشرکین کی مخالفت کا اظہار ہے اس لیے کہ مشرکین عرفات سے چل دیتے حالانکہ سورج پہاڑوں پر ہوتا تھا، یعنی مشرکین سورج غروب ہونے سے پہلے ہی عرفات سے چل دیتے تھے، پس غروب شمس کے بعد چلنے میں ان کی مخالفت بھی ہے۔

افضل یہ ہے کہ وقار کے ساتھ چلے جب کشادگی ملے تو تیز گامی کا مظاہرہ کرے حضرت اسامہ بن زید روایت کرتے ہیں ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه لما افاض من عرفات کان یسیر العنقی فاذا وجد فجوة نص متفق علیہ کہ جب آپ نے عرفات سے کوچ کیا تو آہستہ آہستہ چل رہے تھے اور جب کچھ کشادگی پائی تو تیز چلنے لگے نیز آپ سے مروی ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لما افاض من عرفات رای اصحابه يتسارعون فی السوق والمشی فقال لیس البر فی ابجاف الخیل ولا فی ابضاع الابل علیکم بالسکنية والوقار نیکی گھوڑا اور اونٹ دوڑنا نہیں ہے بلکہ سکون اور وقار سے چلنا ہے لہذا اسے لازم پکڑو۔

عرفات کا جانا طریق الفب سے ہوا تھا اب واپسی طریق المازین سے ہو یعنی راستہ بدل دے راستہ میں تحمید و ثناء تکبیر و تلیل اور لحظہ بلحظہ تلبیہ پڑھتا رہے، جب عرفات سے نکل رہا ہو تو یہ دعا پڑھے اللہم الیک اقصت ومن عذابک اشفقت والیک رغبت فاخلقنی فیما ترکت وانقضت بما علیمت یا ارحم الراحمین عرفات سے مزدلفہ جاتے ہوئے استغفار کی کثرت رکھے، مستحب ہے کہ مزدلفہ میں پیدل چل کر داخل ہو یا تعظیماً کرے اور مزدلفہ میں داخل ہوتے ہوئے یہ دعا پڑھے اللہم ان هذا جمع أسألك ان ترزقنی فیہ جوامع الخیر کلہ فانہ لا یعطیہا غیرک اللہم رب المشعر الحرام رب زمزم والمقام ورب البیت الحرام ورب البلد الحرام ورب الشهر الحرام ورب الرکن والمقام ورب الحل والحرم والمعجزات العظام أسألك ان تبلغ روح محمد صلی اللہ علیہ وسلم افضل السلام وان تصلح لی دینی وذرتی وتغفر ذنبی وتشرح صدری وتطهر قلبی وترزقنی الخیر الذی سألتک ان تجمعہ لی فی قلبی وان تقینی جوامع الشر انک ولی ذلک القادر علیہ۔

وانزل بقرب جبل قزح: جبل قزح کے پاس نزول کرے کیوں کہ یہی موقف ہے البتہ راستوں پر پڑاؤ نہ ڈالے اور نہ ہی تنہا وقوف کرے پورا کا پورا مزدلفہ جائے وقوف ہے، بطن محسر کو چھوڑ کر رسول اللہ نے ارشاد فرمایا المزلفة کلها موقف وارتفعوا عن بطن محسر۔

پھر امام لوگوں کو مغرب اور عشاء ایک اذان و اقامت سے پڑھائے گا امام زفر فرماتے ہیں کہ ایک اذان

اور دو اقامتوں سے عشاءین پڑھائے گا، امام طحاویؒ نے حدیث جابر الہ علیہ الصلاۃ والسلام صلاہما باذان والاقامتین رواہ مسلم کی وجہ سے اسی کو اختیار کیا ہے، نیز دلیل عقلی یہ ہے کہ مغرب وعشاء دو الگ الگ فرض ہیں جنہیں ایک وقت میں ادا کیا جا رہا ہے، پس ہر ایک نماز کے لیے علیحدہ اقامت کہی جائے گی جمع اول اور قضاء پر قیاس کرتے ہوئے۔

اور ہمارا استدلال ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے ہے کہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذن للمغرب بجمع فاقام ثم صلی العشاء بالاقامة الاولى اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی اذان و اقامت سے دونوں نمازیں پڑھی گئیں۔

جمع اول اور اس جمع کے درمیان فرق یہ ہے کہ عشاء اپنے وقت پر پڑھی جا رہی ہے اور لوگ موجود ہیں لہذا ہر ایک کے لیے الگ الگ اقامت نہیں کہی جائے گی، جب کہ عرفہ میں عصر اپنے وقت میں نہیں پڑھی جا رہی ہے کیوں کہ عصر اپنے وقت پر مقدم ہے لہذا اس کی اطلاع ضروری ہے۔

مغرب وعشاء کے درمیان کوئی نقل نہیں پڑھے گا کیوں کہ ان دو نمازوں کے درمیان بنی..... سے تطوع منقول نہیں ہے، اور اگر تطوع میں مشغول ہو گیا یا کوئی اور شغل اختیار کر لیا تو اسے نوا اقامت کہے گا۔

یہ حکم حدیث مسعود کی وجہ سے ہے عن ابن مسعود ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی الصلاہین کل واحد واحدہا باذان واقامة والعشاء بینہما رواہ البخاری۔

ولم تجز المغرب فی الطريق: مغرب کی نماز راستہ میں پڑھنا درست نہیں ہے حتیٰ کہ اگر مزدلفہ کے راستہ میں پڑھایا عرفات میں ہی پڑھا تو درست نہیں ہے، امام ابو یوسفؒ کے نزدیک درست ہے، اس لیے کہ اس نے مغرب کو اس کے وقت معبود میں ادا کیا ہے۔

اور ہماری دلیل حدیث اسامہ ہے انہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دفع من عرفۃ حتی اذا کان بالشعب نزل فبال وتوضاً ولم یسبغ الوضوء قلت الصلاۃ یا رسول اللہ فقال الصلاۃ امامک فركب فلما جاء المزدلفۃ نزل فتوضاً فأسبغ الوضوء، الحدیث رواہ البخاری و مسلم کہ رسول اللہ..... نے عرفہ سے کوچ کیا یہاں تک کہ جب آپ گھاٹی میں پہونچے تو سواری سے اترے پیشاب فرمایا اور وضوء کیا لیکن کامل وضوء نہیں فرمایا میں نے عرض کیا نماز یا رسول اللہ تو آپ نے ارشاد فرمایا جائے نماز آپ کے سامنے ہے پس آپ سوار ہو گئے، پس جب مزدلفہ تشریف لے آئے تو سواری سے اترے اور وضوء فرمایا اور کامل وضوء فرمایا۔

نیز حضرت ابن زبیرؓ کا اثر ہے حضرت ابن زبیرؓ فرماتے ہیں إذا افاض الامام فلا صلاة إلا بجمع

کہ امام کے کوچ کر لینے کے بعد اب کوئی نماز نہیں ہے، مگر جمع بین الصلواتین، پس یہ اثر بھی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مغرب کا مؤخر کرنا واجب ہے اور مغرب کی تاخیر اسی لیے واجب ہے تاکہ مزدلفہ میں جمع بین الصلواتین ممکن ہو جائے اور اگر آدمی نے مغرب راستہ میں پڑھ لی تھی تو طلوع فجر کے قبل تک اس کا اعادہ واجب ہوگا تاکہ وہ جمع بین الصلواتین کرنے والا ہو جائے، پس جب فجر طلوع ہو جائے تو جمع مذکور ممکن نہیں رہ جاتا، لہذا اعادہ ساقط ہو جاتا ہے۔

یہی حکم عشاء کا ہے اگر راستہ میں عرفہ میں وقت ہو جانے پر پڑھ لیا اور اگر مزدلفہ پہنچنے سے پہلے فجر کے طلوع ہو جانے کا خدشہ ہو تو راستہ میں مغرب و عشاء پڑھنے کی اجازت ہے۔ مناسب ہے کہ آدمی پوری رات نماز، قرأت قرآن، ذکر و دعاء میں گزار دے کیوں کہ یہ شب عید ہے جو تمام زمان و مکان کے انواع فضائل کو جامع ہے نیز ان لوگوں کی حیثیت وفد الہی کی ہے اور یہ اس کے بہترین مؤمن بندے ہیں ان کی صحبت میں بیٹھنے والا بد بخت نہیں ہو سکتا۔

ثم صلى الفجر بغلس: پھر فجر کی نماز غلس میں پڑھ لے گا حضرت ابن مسعود روایت کرتے ہیں انہ علیہ الصلاۃ والسلام صلاھا یومئذ بغلس متفق علیہ کہ نبی..... نے اس دن غلس میں ہی فجر ادا فرمائی۔

ثم قف مكبرا مهللا الخ: پھر آدمی تکبیر، تہلیل کہتا ہوا تلبیہ پڑھتا ہوا نبی..... پر درود و سلام پڑھتا ہوا اپنی ضروریات کا رب ذوالجلال سے سوال کرتا ہوا جبل قزح پر وقوف کرے اور اگر جبل قزح پر وقوف ممکن نہ ہو تو اس کے آس پاس وقوف کرے حضرت جابر روایت کرتے ہیں انہ علیہ الصلاۃ والسلام اتی المزدلفۃ فصلى بها المغرب والعشاء بأذان واحد وإقامتين ولم يُسَبِّحْ بينهما شيئا ثم اضطجع حتى طلع الفجر فصلى الفجر حتى تبين له الصبح بأذان واحد وإقامة ثم ركب القصواء حتى أتى المشعر الحرام فاستقبل القبلة فدعا الله وكبره وهللّه ووحده فلم يزل واقفا حتى أسفر جدا فدفع قبل ان تطلع الشمس حتى أتى بطن محسر فحرك قليلا ثم سلك الطريق الوسطى التي تخرج إلى الجمرۃ الكبرى حتى أتى الجمرة التي عند الشجرة فرماها بسبع حصيات يكبر مع كل حصاة منها مثل حصي الخذف رقى من بطن الوادي ثم انصرف إلى المنحر رواه مسلم.

یعنی نبی..... مزدلفہ تشریف لائے پس مغرب اور عشاء کی نماز ایک اذان اور دو اقامتوں سے پڑھی اور دونوں نمازوں کے درمیان کوئی تسبیح تک نہیں پڑھی پھر لیٹ گئے، یہاں تک کہ صبح صادق طلوع ہو گئی، پس فجر

کی نماز ادا فرمائی یہاں تک کہ صبح ظاہر ہوگئی، ایک اذان و اقامت کے ساتھ پھر قصواء پر سوار ہو کر مشعر حرام تشریف لائے پس قبلہ رخ ہو کر اللہ تعالیٰ سے دعاء شروع کی اللہ کی بکبیر و ہلیل اس کی توحید بیان فرمائی، خوب اجالا پھیل جانے تک کھڑے ہی رہے پس طلوع شمس سے ذرا پہلے چلے تا آنکہ بطن محسر میں پہنچے، پس تھوڑا سا تیز گامی کا مظاہرہ فرمایا پھر اس بیچ والے راستہ پر چلے جو جمرہ عقبہ جاتا ہے، تا آنکہ جمرہ عقبہ تشریف لے آئے اور اس کی سات کنکریوں سے رمی فرمائی ہر کنکری کے ساتھ بکبیر فرماتے، کنکریاں ٹھیکروں کی طرح تھیں، بطن وادی سے آپ نے رمی فرمائی پھر آپ ذبح خانہ تشریف لے گئے، حضرت ابن عباس بن مرداس فرماتے ہیں انہ علیہ السلام دعا لامتہ عشیۃ عرفۃ فأجیب بانی قد غفرت لہم ما خلا المظالم فانی اخذ للمظلوم منه قال ای رب ان شئت آتیت المظلوم من الخیر وغفرت للظالم فلم یجب عشیۃ فلما أصبح بالمزدلفۃ اعاد الدعاء فاجیب الی ما سأل (وفیہ) قال ان عدو اللہ ابلیس لما عَلِمَ ان اللہ قد استجابَ دعائی وَغَفَرَ لَامَتِی أَخَذَ التُّرَابَ فَجَعَلَ یَحْثُو عَلٰی رَاسِهِ وَیَدْعُو بِالْوَبْلِ وَالتُّورِ اَخْرَجَہ ابن ماجہ۔

کہ رسول اللہ..... نے اپنی امت کے لیے عرفہ کی شام دعاء فرمائی پس آپ کی دعاء قبول فرمائی گئی (اور ارشاد باری ہوا) کہ میں نے مظالم کے علاوہ سب کچھ معاف کر دیا پس بیشک میں مظلوم کا حق ظالم سے لے کے رہوں گا تو آپ..... نے عرض کیا، اے رب العالمین اگر آپ چاہیں تو مظلوم کو نو ازشات سے نہال فرمادیں اور ظالم کو بخش دیں تو شام عرفہ کو یہ دعاء قبول نہیں ہوئی، پس جب مزدلفہ میں صبح کی اور دعاء سابق کا اعادہ فرمایا (تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا) جو کچھ محبوب تم نے مانگا سب قبول ہے اسی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ..... نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے دشمن ابلیس کو جب یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے میری دعاء کو قبول فرمایا ہے اور میری امت کی بخشش فرمادی ہے تو اس نے مٹی لیا اور اسے سر پر ڈالنے لگا اور ہائے ہلاکت و ہر بادی پکارنے لگا، مزدلفہ میں دعاؤں کا خوب اہتمام کرے اللہ تعالیٰ مزدلفہ میں مرد مومن کی دعاؤں کو شرف قبولیت عطا فرماتے ہیں جیسا کہ نبی..... کی دعاؤں کو شرف قبولیت سے نوازا۔

وہی موقف الا بطن محسر: پورا کا پورا مزدلفہ جائے وقوف ہے سوائے بطن محسر کے تفصیل اور دلیل پیچھے گزر چکی ہے، مزدلفہ میں وقوف کا وقت طلوع فجر سے لے کر خوب اجالا پھیل جانے کے وقت تک ہے پس سورج کے نکلنے کے ساتھ ہی وقوف مزدلفہ کا وقت ختم ہو جاتا ہے، اگر آدمی نے اس وقت مزدلفہ میں وقوف کیا یا وہ اس وقت میں مزدلفہ سے گزر گیا تو درست ہے جیسا کہ وقوف عرفہ میں ہے اور اگر طلوع فجر سے پہلے طلوع شمس کے بعد وقوف کیا تو درست نہ ہوگا۔

مزدلفہ میں رات گزارنا سنت ہے امام مالک فرماتے ہیں واجب ہے امام شافعی کا بھی یہی ایک قول ہے اور مزدلفہ میں وقوف احناف کے نزدیک واجب ہے جب کہ امام مالک کے نزدیک سنت ہے، اور لیث بن سعد کے نزدیک رکن ہے ان کا استدلال اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی سے ہے: **فَإِذَا أَقَضْتُمْ مِنْ عَرَفَاتٍ فَادْكُرُوا اللَّهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ** کہ جب عرفات سے کوچ کرو تو مشعر حرام کے پاس اللہ تعالیٰ کا خوب ذکر کرو، نیز حدیث عروہ بھی ان کی دلیل ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا: **مَنْ وَقَفَ مَعَنَا هَذَا الْمَوْقِفَ وَقَدْ كَانَ الْفَاضِلُ مِنْ عَرَفَاتٍ قَبْلَ ذَلِكَ فَقَدْ تَمَّ حَجُّهُ** یعنی جس شخص نے ہمارے ساتھ مزدلفہ میں عرفات سے کوچ کرنے کے بعد وقوف کیا تو بلاشبہ اس کا حج پورا ہو گیا، پس حج کی تمامیت کی تعلیق وقوف مزدلفہ کے ساتھ یہ اس وقوف کے رکن حج ہونے کی دلیل ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے ان **سودة استاذن النبي صلى الله عليه وسلم ان تفيض بلبيل فأذن لها متفق عليه** یعنی حضرت سودة نے رسول پاک سے رات میں کوچ کر جانے کی اجازت مانگی پس آپ نے ان کو اجازت دیدی تو اگر وقوف مزدلفہ اور اس میں مییت رکن ہوتا تو آپ اس کی اجازت نہ مرحمت فرماتے، پس معلوم ہوا کہ وقوف مزدلفہ وقوف عرفہ کی طرح نہیں ہے، نیز ابن عباس فرماتے ہیں **أنا ممن قدم النبي صلى الله عليه وسلم ليلة المزدلفة في ضعفة أهله**۔

ابن عمر فرماتے ہیں کہ مشعر حرام ہی پورا مزدلفہ ہے اور حدیث علی و حدیث جابر میں ہے کہ مشعر حرام جبل قزح ہے جو مزدلفہ میں ہے اور اگر مشعر حرام سارا مزدلفہ ہوتا تو ارشاد ہوتا **في المشعر الحرام**، عند المشعر الحرام ارشاد نہ ہوتا۔

مزدلفہ کو مزدلفہ اس لیے کہتے ہیں کہ لوگ اس میں جمع ہوتے ہیں یا منیٰ سے قریب ہو جاتے ہیں پس ازدلاف اجتماع اور اقتراب کے معنی میں آتا ہے اسی مناسبت سے یہ میدان مزدلفہ کہلاتا ہے، بعض حضرات کہتے ہیں کہ حضرت آدم اور حضرت حواء علیہما السلام اسی میدان میں جمع ہوئے تھے۔

بطن محسر اس وادی کو کہتے ہیں جہاں ابرہہ کے ہاتھیوں کو تھکا دیا گیا تھا، جب آدمی مزدلفہ سے چلے تو مستحب ہے کہ یہ دعاء پڑھے **اللهم اليك أقضتُ ومن عذابك أشفقتُ وإليك توجهتُ ومنك رهبْتُ اللهم تقبل نسكِي واعظم أجرِي وأرحم تضرعِي واستجب دعوتي** اور نبی پر درود پڑھے۔

جب بطن محسر میں پہونچے تو پیدل ہونے کی صورت میں تیز چلے اور اگر سوار ہو تو ساری کو مہمیز لگائے اور اسے دوڑائے پتھر کے پھینکنے کے بقدر یعنی پتھر پھینکنے پر جتنی دور جاسکتا ہو اتنی دوری تک سواری کو دوڑائے

اس لیے کہ نبی..... نے ایسا کیا ہے۔

فارم جمرۃ العقبة من بطن الوادی: پھر منی پہنچ کر بطن وادی کی جانب سے ٹھیکریوں کی طرح کنکریوں سے سات کنکری جمرۃ عقبہ کو مارے حدیث جابر میں اسی طرح ہے وعن ابن مسعود انه انتهی الی الجمرۃ الکبریٰ فجعل البیت عن یسارہ ومنی عن یمینہ ورمی بسبع وقال ہکذا رمی من انزلت علیہ سورۃ البقرۃ متفق علیہ کہ ابن مسعود جمرۃ عقبہ کے پاس آئے اور بیت اللہ کو اپنے بائیں جانب اور منی کو دائیں جانب کیا اور سات کنکری ماری اور فرمایا اس ہستی مبارک نے اسی طرح رمی فرمائی ہے جس پر سورۃ بقرہ نازل ہوئی یعنی رسول اللہ.....۔

ابن مسعود سے ہی روایت ہے انه علیہ الصلاۃ والسلام رماھا من بطن الوادی بسبع حصیاتٍ وهو راكبٌ یکبر مع کل حصاةٍ وقال اللہم اجعلہ حجاً مبروراً وذنباً مغفوراً وعملاً مشکوراً۔

پس حاصل یہ ہے کہ آدمی افضل ہے کہ سوار ہو کر بطن وادی کی جانب سے رمی کرے پس اگر اوپری جانب سے رمی کیا تو مکروہ ہوگا اور ہر رمی کے ساتھ تکبیر کہے اور اگر تکبیر کی جگہ سبحان اللہ کہا تو یہ بھی کافی ہو جائے گا، کیوں کہ مقصود حاصل ہے رمی کے آداب میں سے تکبیر ہے اور اس کے پاس رمی کے بعد ٹھہرے گا نہیں کیوں کہ نبی..... نہیں رکے تھے البتہ اولیٰ اور وسطیٰ کی رمی کے بعد ٹھہر کر دعاء کر سکتا ہے یہ ثابت ہے ہر وہ رمی جسکے بعد رمی ہو تو اس کے پاس ٹھہر سکتا ہے اور جس کے بعد رمی نہ ہو تو نہیں ٹھہر سکتا۔

واقطع التلبیۃ: اور اول کنکری کے ساتھ تلبیہ جو، اب تک کہتا رہا ہے ختم کرے دے گا ان اسامۃ کان ردیف النبی صلی اللہ علیہ وسلم من عرفۃ الی المزدلفۃ ثم اردف الفضل من مزدلفۃ الی منی فکلاهما قال لم یزل النبی صلی اللہ علیہ وسلم یلبی حتی رمی جمرۃ العقبة رواہ البخاری ومسلم وغیرہما وعلیہ اجماع الصحابۃ، حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ اسامہ بن زید نبی..... کے عرفات سے مزدلفہ تک ردیف تھے پھر مزدلفہ سے منی تک حضرت الفضل بن عباس کو آپ نے ردیف بنایا پس دونوں صاحبان کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم برابر تلبیہ کہتے رہے یہاں تک کہ جمرۃ عقبہ کی رمی فرمائی، یعنی جمرۃ عقبہ کی رمی شروع فرماتے ہی آپ نے تلبیہ موقوف فرمادیا۔

کنکری مارنے کا طریقہ یہ ہے کہ کنکری کو داہنے ہاتھ کے انگوٹھے کی پشت پر رکھے اور انگشت شہادت سے مدد لے یہ طریقہ افضل ہے باقی سہولت جس طرح ممکن ہو رمی کی گنجائش ہے، رمی کی مقدار یہ ہے کہ رمی اور جمرہ کے بیچ کا فاصلہ پانچ گز ہونا چاہئے کیوں کہ اس سے کم فاصلہ طرح کہلائے گا اور کنکری ڈالی بھی تو یہ بھی

درست ہے مگر خلاف سنت ہے۔

یوم النحر کو رمی کا وقت طلوع شمس سے غروب تک ہے لیکن اب رمی کی اجازت گیارہویں کی شب طلوع صبح صادق تک ہے۔

طلوع شمس سے قبل رمی مکروہ ہے، طلوع شمس کے بعد زوال سے پہلے تک مستحب ہے اور زوال کے بعد سے غروب تک مباح ہے بلکہ طلوع صبح صادق تک اباحت ہے امام شافعیؒ کے نزدیک رات کے نصف اخیر کے بعد سے رمی درست ہے، دلیل یہ ہے کہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم امر سلمة ان تفيضی وتصلی صلوۃ الصبح بمکة فرمت قبل الفجر ثم الفضا یعنی نبیؐ نے حضرت ام سلمہؓ کو مزدلفہ سے کوچ کا حکم دیا اور نماز فجر مکہ میں پڑھنے کا، پس انہوں نے جمرہ عقبہ کی فجر سے پہلی رمی کی اور مکہ کوچ کر گئیں، پس بلاشبہ جب حضرت ام سلمہؓ نے مکہ میں صبح کی نماز پڑھی تو فجر سے پہلے ہی منیٰ سے کوچ کیا ہوگا پس لامحالہ اس سے قبل آپؐ نے رمی فرمائی۔

اور ہماری دلیل حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے ای بنی لا ترموا الجمرۃ حتی تطلع الشمس کہ اے بیٹو طلوع شمس سے پہلے رمی جمرہ مت کرو۔ نیز دوسری حدیث سے رمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضحیٰ متفق علیہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاشت کے وقت رمی فرمائی آپؐ کے ارشاد ولا ترموا الا مضجین کا جواب یہ ہے کہ آپؐ نے اول وقت کے بیان کے لیے فرمایا باقی استحباب طلوع شمس کے بعد ہی ہے۔

ثم اذبح: رمی کے بعد قربانی ذبح کرے، دم شکر مفرد پر نہیں ہے، بلکہ قربانی کا وجوب قارن اور متمتع پر ہے، حدیث جابر میں ہے انه علیہ الصلاة والسلام لما رمی جمرۃ العقبة انصرف إلى المنحر فنحر بیده ثلاثا وستین بدنة وامر علیا فنحر ما غیر کہ جب رسول اللہؐ جمرہ عقبہ کی رمی سے فارغ ہو گئے تو آپؐ ذبح گاہ تشریف لے گئے اور اپنے دست مبارک سے تریسٹھ اونٹ ذبح فرمائے اور بقیہ سینتیس کے ذبح کا حضرت علیؓ کو حکم دیا۔

ثم احلق او قصر: قربانی کے بعد حلق یا قصر کروائے یعنی سر منڈائے یا بال کٹوائے حضرت انسؓ فرماتے ہیں ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتی منیٰ فاتی الجمرۃ فرماها ثم اتی منزله بمنیٰ ونحر ثم قال للحلاق خذوا اشار الی جانبہ الایمن ثم الایسر ثم جعل یعطیہ الناس رواہ مسلم و ابو داؤد و احمد کہ رسول اللہؐ منیٰ تشریف لائے تو جمرہ پر پہنچ کر رمی فرمائی پھر منیٰ میں اپنی قیام گاہ پر تشریف لائے اور قربانی فرمائی پھر حلاق سے بال موٹڈ نے کے لیے حکم فرمایا اوداہنی جانب کا

اشارہ فرمایا پھر بائیں جانب کا اس کے بعد موہائے مبارک لوگوں کو مرحمت فرمائے۔

والخلق اسب: بال کٹوانے کی بھی اجازت ہے البتہ خلق افضل ہے حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں: انه عليه الصلاة والسلام قَالَ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُحَلِّقِينَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَلِلْمَقْصُرِينَ قَالَ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُحَلِّقِينَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَلِلْمَقْصُرِينَ قَالَ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُحَلِّقِينَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَلِلْمَقْصُرِينَ متفق عليه کہ رسول اللہ..... نے ارشاد فرمایا اے اللہ تعالیٰ سرمنڈوانے والوں کی مغفرت فرما لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ اور بال کٹوانے والوں کی بھی ارشاد فرمایا: اے اللہ بال منڈوانے والوں کی مغفرت فرما، لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ اور بال کٹوانے والوں کی ارشاد فرمایا اے اللہ بال منڈوانے والوں کی مغفرت فرما، لوگوں نے عرض کیا اور بال کٹوانے والوں کی ارشاد فرمایا اور بال کٹوانے والوں کی بھی مغفرت فرما، پس اس روایت سے خلق کی فضیلت معلوم ہوتی ہے، کہ آپ نے تین مرتبہ محلقین کے لیے دعائے مغفرت فرمائی اور چوتھی مرتبہ مقصرین کے لیے۔

اگر کسی نے ربع راس خلق کرایا تو یہ بھی کافی ہو سکتا ہے اس لیے کہ ربع کے لیے بہت سے احکام میں کل کا حکم ہوتا ہے، یوں کل کا خلق رسول اللہ..... کی اقتداء کی وجہ سے افضل ہے۔

اور یقصر شعریہ ہے کہ مرد یا عورت چوتھائی سر کے بالوں کے سرے کو بقدر پورے کاٹ لے، خلق چوں کہ اسباب تحلیل میں سے ہے اور اسی طرح ذبح ہمارے نزدیک محصر کے حق میں اسباب تحلیل سے ہے لہذا رمی ذبح اور خلق پر مقدم ہوگی اور ذبح عل سبیل العموم محلل نہیں ہے اور نہ ہی محظورات احرام سے ہے لہذا ذبح خلق پر مقدم ہوگا۔

اگر کوئی شخص گنجا ہے تو استرہ اس کے سر پر پھیرنا واجب ہے، جب آدمی سر منڈائے تو بہتر ہے کہ ناخن اور مونچھوں کو کاٹ لے، کیوں کہ نبی..... نے ناخن تراشے ہیں۔

وحل لك غير النساء: جب آدمی خلق کراے گا تو اب اس کے لیے تمام چیزیں سوائے عورت کے حلال ہو جاتی ہیں، امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ خوشبو بھی عورت کے ساتھ حلال نہیں ہوتی، وہ حضرت عمر کے اس قول سے استدلال کرتے ہیں کہ يحل له كل شيء الا الطيب والنساء کہ خلق کے بعد عورت اور خوشبو کے علاوہ ہر چیز حاجی کے لیے حلال ہو جاتی ہے، دوسرا اس لیے کہ خوشبو دواعی جماع سے ہے لہذا دیگر دواعی قبلہ اور لمس کی طرح خوشبو کی بھی ممانعت باقی رہے گی، اور ہماری دلیل حدیث عائشہؓ ہے وہ فرماتی ہیں طَيِّبُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِحَرَمِهِ حِينَ أَحْرَمَ وَلِحَلِّهِ حِينَ أَحَلَّ عَلَيْهِ قَبْلَ أَنْ يَطُوفَ بِالْبَيْتِ متفق عليه وعنہا انه قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا رميتم وذبحتم

وحلقتم لقد حلّ لكم كل شيء إلا النساء وحلّ لكم الثياب والطيب رواه الدارقطني يعني رمي، ذبح اور حلق کے بعد ہر چیز حلال ہو جاتی ہے سوائے عورت کے اور کپڑا اور خوشبو تمہارے لیے حلال ہو جاتا ہے ان روایتوں سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ طواف زیارت سے پہلے اور حلق کے بعد صرف عورت حرام رہتی ہے باقی کپڑا اور خوشبو کی اجازت ہو جاتی ہے۔

ثم إلى مكة يوم النحر أو غدا أو بعده فطَفَ للركن سَبَّةَ أَشْوَاطٍ بَلَا رَمَلٍ وَسَعْيٍ إِنْ قَدَّمْتَهُمَا وَإِلَّا فَعَلًا وَحَلَّ لَكَ النَّسَاءَ وَكُرَّةَ تَاخِيرِهِ عَنْ أَيَّامِ النَّحْرِ ثُمَّ إِلَى مَنَا فَارُمَ الْجِمَارَ الثَّلَاثَ فِي ثَانِي النَّحْرِ بَعْدَ الزَّوَالِ بَادِيًا بِمَا يَلِي الْمَسْجِدَ ثُمَّ بِمَا يَلِيهَا ثُمَّ بِجَمْرَةِ الْعَقَبَةِ وَوَقَفَ عِنْدَ رَمِي بَعْدِهِ رَمَى ثُمَّ غَدَا كَذَلِكَ ثُمَّ بَعْدَهُ كَذَلِكَ إِنْ مَكَّنْتَ وَلَوْ رَمَيْتَ فِي الْيَوْمِ الرَّابِعِ قَبْلَ الزَّوَالِ صَحَّ وَكُلُّ رَمِي بَعْدَهُ رَمَى فَارُمَ مَاشِيًا وَإِلَّا رَاكِبًا وَكُرَّةَ أَنْ تُقَدَّمَ ثَقَلُكَ إِلَى مَكَّةَ وَتُقِيمَ بِمَنَا لِلرَّمْيِ ثُمَّ إِلَى الْمُحَصَّبِ فَطَفَ لِلصُّدْرِ سَبْعَ أَشْوَاطٍ وَهُوَ وَاجِبٌ إِلَّا عَلَى أَهْلِ مَكَّةَ ثُمَّ اشْرَبْ مِنْ زَمْزَمَ وَالتَّزَمَ الْمُلتَزِمَ وَتَشَبَّثَ بِالْأَسْتَارِ وَالتَّصَبَّقْ بِالْجِدَارِ.

ترجمہ: پھر مکہ کوچ کرے دس ذی الحجہ یا گیارہ یا بارہ کو پس طواف زیارت سات چکر بلا رمل کے کرے اور بغیر سعی کے اگر ان دونوں کو پہلے کر چکا ہو ورنہ دونوں کئے جائیں گے اور (اب) اس کے لیے عورت بھی حلال ہو جائے گی، اور طواف زیارت کا دسویں ذی الحجہ سے مؤخر کرنا مکروہ ہے پھر منی چلا جائے پس گیارہ ذی الحجہ کو تینوں جمرات کی رمی کرے زوال کے بعد اس حال میں کہ شروع کرنے والا ہو اس سے جو مسجد خیف سے قریب ہے پھر اس سے جو اس کے قریب ہے، پھر جمرہ عقبہ کی اور کھڑا ہوگا ہر ایسی رمی کے بعد جس کے بعد رمی ہے پھر کل آئندہ (یعنی بارہ کو) بھی اسی طرح پھر اس کے بعد (یعنی تیرہ ذی الحجہ کو) بھی اسی طرح اگر ٹھہرتا ہے، اور اگر اس نے چوتھے دن (یعنی تیرہ ذی الحجہ کو) زوال سے پہلے رمی کی تو صحیح ہے اور ایسی رمی کہ جس کے بعد رمی ہو تو پیدل رمی کرے ورنہ سوار ہو کر اور مکروہ ہے کہ اپنا سامان مکہ بھیج دے اور خود منی میں ٹھہر رہے، پھر وادی محصب آئے پس طواف صدر (یعنی طواف وداع) کرے سات چکر اور یہ واجب ہے، مگر مکی پر پھر زمزم پئے اور ملتزم سے (سینہ کو چمٹا دے اور غلا سے لپٹ جائے اور دیوار کعبہ سے چمٹ جائے۔

تشریح: ثم الى مكة يوم النحر او غدا الخ: حلق کے بعد آدمی مکہ کو کوچ کرے دسویں کو ہی یا گیارہ یا بارہ ذی الحجہ کو اور طواف زیارت بلا رمل و سعی کے سات چکر طواف کرے بشرطیکہ طواف قدوم میں رمل اور سعی کر چکا ہو پس اگر طواف قدوم میں رمل نہیں کیا اور نہ ہی اس کے بعد صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی تو

طواف زیارت میں تین چکروں میں رٹل کرے گا اور طواف کے بعد صفا اور مروہ کے درمیان سستی بھی کرے گا
عن ابن عمرؓ ان علیہ الصلاة والسلام افاض يوم النحر ثم رجع فصلى الظهر بمنى کہ آپ
..... نے حلق کے بعد مکہ کوچ کیا اور طواف زیارت فرما کر واپس ہوئے اور منی پہنچ کر ظہر کی نماز ادا فرمائی۔

وحل لك النساء: طواف زیارت کے بعد اب عورت بھی حلال ہوگئی امت کے اس پر اجماع
ہونے کی وجہ سے، معلوم ہوا کہ عورت کا حلال ہونا درحقیقت حلق سابق کی وجہ سے ہے طواف کی وجہ سے نہیں
کیوں مجمل حلق ہے طواف نہیں ہے صرف اتنی بات ہوئی کہ حلق کا عمل طواف کے مابعد تک کے لیے مؤخر
ہو گیا، پس جب حاجی نے طواف زیارت کر لیا تو اب حلق نے اپنا پورا اثر دکھایا جیسے طلاق رجعی ہے کہ اس کا اثر
انقضاء عدت تک مؤخر رہتا ہے، عورت کو لوٹا لینے کی ضرورت کی وجہ سے پس جب عدت پوری ہوگی تو طلاق کا
اثر ظاہر ہوگا اور وہ مطلقہ واحدہ رجعیہ باندہ ہو جائے گی، دلیل اس کی یہ ہے کہ اگر حاجی نے طواف زیارت کر
بھی لیا تو جب تک حلق یا قصر نہیں کراتا، اس کے لیے کوئی چیز حلال نہ ہوگی۔

یہ طواف رکن فرض ہے جو اہل عراق کے نزدیک طواف زیارت کہلاتا ہے اور اہل حجاز کے نزدیک
طواف افاضہ اور طواف یوم النحر اور طواف رکن بھی کہلاتا ہے۔

وكره تاخيرہ عن ايام النحر: طواف زیارت کو دس ذی الحجہ اور اس کے بعد گیارہ اور بارہ ذی الحجہ
سے بغیر عذر کے مؤخر اور لیٹ کر ناکروہ ہے کیوں کہ ذی الحجہ ایام النحر کے ساتھ موقت ہے، لہذا طواف زیارت
بھی انہی ایام کے ساتھ موقت ہوگا، پس امام صاحب کے نزدیک اگر ایام النحر سے طواف کو مؤخر کیا تو دم لازم
ہو جائے گا البتہ صاحبین کے نزدیک صرف کراہت ہوگی، دم لازم نہ ہوگا۔

ثم الى منى فارم الجمار الثلاث الخ: طواف زیارت کے بعد منی آجائے اور گیارہ ذی الحجہ اور
زوال کے بعد تینوں جمرہ کی رمی کرے پہلے اس جمرہ کی رمی کرے جو مسجد خیف سے قریب ہے پھر اس کی جو
اس کے بعد ہے اور آخر میں جمرہ عقبہ کی رمی کرے گا، ہر ایسے جمرہ کی رمی کہ جس کے بعد دوسرے جمرہ کی رمی
ہے تو اس کی رمی کے بعد تھوڑی دیر قبلہ رخ ہو کر دعاء کے لیے ٹھہرے، اس طرح بارہ اور تیرہ ذی الحجہ کو بھی رمی
کرے گا اگر تیرہ کو ٹھہرتا ہے البتہ تیرہ کی رمی صبح کے بعد سے کر سکتا ہے، زوال کے انتظار کا پابند نہیں رہتا،
حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں: قالت افاض النبي صلى الله من يومه حين صلى الظهر ثم رجع
إلى منى فمكث لها ليالي أيام التشريق يرمى الجمار إذا زالت الشمس كل جمرة بسبع
حصيات يكبر مع كل حصاة ويقف عند الأولى والثانية فيطيل القيام ويتضرع ويرمي
الثالثة ولا يقف عندها رواه ابو داؤد کہ رسول اللہ..... نے دسویں تاریخ کو مکہ طواف زیارت کے

لیے کوچ کیا پھر طواف زیارت کر کے منیٰ لوٹے پس ایام تشریق کی راتوں میں منیٰ ٹھہرے اور تمام عمرات کی رمی کی جب زوالِ شمس ہو گیا سات، سات کنکریوں کے ساتھ ہر کنکری کے ساتھ نگہبیر کہتے تھے، اور پہلے جمرہ اور دوسرے جمرہ کے پاس ٹھہرتے پس طویل قیام فرماتے اور تضرع کرنے اور تیسرے جمرہ کی رمی فرماتے اور اس کے پاس نہیں ٹھہرتے تھے۔

اور حضرت جابر فرماتے ہیں رايت رسول الله صلى الله عليه وسلم يرمي على راحلته يوم النحر ضحى وأما بعد ذلك فبعد زوال الشمس رواه مسلم وأبو داود کہ میں نے رسول اللہ کو دسویں تاریخ کو سوار ہو کر چاشت کے وقت رمی کرتے دیکھا ہے، اور بہر حال اس کے بعد زوالِ شمس کے بعد رمی فرماتے تھے۔

اور تیرہ تاریخ کو اگر ٹھہر گیا تھا تو تینوں جمرہ کی رمی واجب ہے، البتہ صبح طلوع شمس کے بعد سے ہی آج رمی کر سکتا ہے، باقی اگر بارہ کو ہی منیٰ سے واپس آنا چاہے تو آسکتا ہے، ایسی صورت میں تیرہ ذی الحجہ کی رمی اس پر واجب نہ ہوگی گویا تیرہ کی رمی نہ کرنے کی رخصت ہے بشرطیکہ تیرہ ذی الحجہ کی صبح صادق سے پہلے پہلے حدودِ منیٰ سے باہر آ گیا ہو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا إِنَّهُمْ عَلَيْهِ وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلَا إِنَّهُمْ عَلَيْهِ لَمُنَ التَّقَىٰ.

پس افضل یہی ہے کہ تیرہ کی زوال کے بعد رمی کر کے آئے انہ علیہ الصلاة والسلام صبر حتی رمی الجمار الثلاث فی اليوم الرابع یعنی نبی منیٰ میں تیرہ تک رکے رہے اور تیرہ کو تینوں جمرات کی رمی کر کے واپس مکہ تشریف لائے۔

وکل رمی بعد رمی فارم ماشیا الخ: اور ہر ایسی رمی جس کے بعد دوسری جمرہ کی رمی ہو تو اس کو پیدل رمی کرنا چاہئے ورنہ سوار ہو کر، یہ افضل ہے باقی جواز ہر طرح کا ثابت ہے، کیوں کہ مقصود رمی ہے جو بہر صورت آدمی کو حاصل ہو جاتا ہے، دلیل یہ ہے کہ عن عمرانہ کان یرمی جمرة العقبة يوم النحر راكباً وسائر ذلك ماشياً وینخبہم ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یفعل ذلك کہ حضرت عمر دسویں کو جمرہ عقبہ کی رمی سوار ہو کر کرتے اور باقی دنوں میں سب جمرات کی پیدل رمی فرماتے اور لوگوں سے فرماتے کہ نبی اسی طرح رمی فرمایا کرتے تھے۔

منیٰ میں رات نہ گزارنا مکروہ ہے، کیوں کہ نبی نے ایام رمی کی تمام راتیں منیٰ میں گزاری ہیں سیدنا حضرت عمر تو لوگوں کو منیٰ میں رات گزارنے کے ترک پر تادیب فرمایا کرتے تھے، باقی اگر کسی نے منیٰ میں راتیں نہیں گزاریں تو اس پر کچھ لازم نہ ہوگا، کیوں کہ مہیت یعنی منیٰ میں رات گزارنا رمی میں آسانی کے لیے

ہے، پس راتوں کو منیٰ میں گزارنا واجبات میں سے نہ ہوا۔

وكره ان تقدم ثقلك الى مكة: یہ بات مکروہہ کہ سامان مکہ بھیج دے اور خود منیٰ میں ٹھہرا رہے، کیوں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس طرح کرنے سے منع کرتے تھے اور اس پر تادیب فرماتے تھے اور دوسرے یہ کہ آدمی کا دل عبادت میں نہیں لگے گا اس لیے ایسا کرنا ناپسندیدہ عمل ہے۔

ثم الى المحصب: محصب ایک طرح سے بڑا چوڑا پہاڑی نالا ہے یا وادی کہہ لیجئے جو اس پہاڑ کے درمیان جو مقابر مکہ کے پاس ہے اور اس پہاڑ کے درمیان واقع ہے کہ جس کے مقابلہ میں بائیں جانب مصعد ہے، وادی محصب کو حصباء اور بطحاء نیز خیف بھی کہتے ہیں اس میں چھوٹے چھوٹے کنکر بکثرت ہوتے ہیں، اب تو یہ آباد علاقہ اور کشادہ سڑکوں پر مشتمل ہے، یہاں منیٰ سے واپس آنا اور تھوڑی دیر رکنا مسنون ہے امام شافعیؒ اس کی سنیت کے قائل نہیں ہیں ان کا استدلال حضرت عائشہ کی اس روایت ہے کہ انھا قالت نزول الابطح ليس بنسبة کہ وادی محصب میں اترنا مسنون نہیں ہے، وقال ابن عباس ليس التحصيب بسنة انما هو منزل نزله رسول الله صلى الله عليه وسلم.

ہمارا استدلال رسول اللہ..... کے اس ارشاد سے ہے قَالَ نَحْنُ نَأْزِلُونَ غَدًا بِخَيْفِ بَنِي كِنَانَةَ کہ ہم کل بنی خیف کنانہ میں پڑاؤ ڈالیں گے یعنی وادی محصب میں ابن عمر فرماتے ہیں النزول به سنة کہ وادی محصب میں اترنا سنت ہے، جب ابن عمر سے کہا گیا کہ ایک صاحب تو فرما رہے ہیں کہ وادی محصب میں قیام سنت نہیں تو فرمایا کذب کہ وہ جھوٹا ہے اناخ به رسول الله صلى الله عليه و ابوبکر و عمر و عثمان رواه البخاري و مسلم یعنی رسول اللہ..... اور حضرت ابوبکر و عمر و عثمان نے اس وادی میں اپنی سواری بٹھائی ہے پس اس سے زیادہ اقویٰ اور کون سنت ہوگی کیوں کہ وادی محصب میں نزول آپ..... نے قصداً فرمایا ہے اور آپ کے بعد حضرات خلفائے نے بھی اس روایت کو زندہ رکھا۔

رہی بات حدیث عائشہ اور ابن عباسؓ کی تو وہ کافی ہے جب کہ یہ روایات مثبت ہیں اور مثبت کو باقی پر ترجیح ہوتی ہے۔

فطف للصدر سبعة اشواط: مکہ پہنچ کر طواف صدر سات چکر کرے اس میں رمل اور سعی نہیں ہے البتہ اس طواف کے بعد بھی دو رکعت نفل مقام ابراہیم کے پاس یا جہاں ممکن ہو پڑھے گا اس طواف کو طواف وداع بھی کہتے ہیں کیوں کہ اس کے ذریعہ وہ کعبہ اللہ کو غمناک آنکھوں اور پر حسرت دل کے ساتھ الوداع کہتا ہے اور طواف افاضۃ بھی کہتے ہیں کیوں کہ اسی لیے وہ منیٰ سے مکہ کوچ کرتا ہے، حضرت انس فرماتے ہیں انه عليه الصلاة والسلام صلى الظهر والعصر والمغرب بالمحصب ثم رقد

رقدة ثم ركب الى البيت فطاق به رواه البخاری کہ آپ..... نے ظہر اور عصر اور مغرب وادی
مصب میں پڑھی پھر تھوڑی دیر سوئے پھر سوار ہو کر بیت اللہ شریف آئے پس اس کا طواف کیا۔
وہو واجب الا علی اہل مکہ: طواف وداع آفاقی یعنی غیر مکہ کے لیے واجب ہے امام مالک
کے نزدیک سنت ہے امام شافعی کا بھی یہی ایک قول ہے کیوں کہ اگر طواف وداع واجب ہوتا تو مکہ اور حائض
سے یہ ساقط نہ ہوتا۔

احناف کی دلیل حضرت ابن عباس کی روایت ہے انہ قال کان الناس ينصرفون كل وجه
فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا ينفر احدكم حتى يكون اخر عهده بالبيت رواه
مسلم واحمد وفي رواية آخر الناس ان يكون آخر عهدهم بالبيت الا انه خفف عن المرأة
الحائض متفق عليه ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ طواف وداع واجب ہے کیوں کہ اس کا رسول اللہ
..... نے حکم فرمایا ہے، کہ طواف کے بغیر کوئی کوچ نہ کرے رہی بات اہل مکہ کی تو وہ چوں کہ مکہ سے واپس نہیں
ہوتے لہذا ان پر طواف وداع نہیں ہے، کیوں کہ تو دلچ یہ مفارق کی شان اور حالت ہے، اب جہاں تک حائض
کا مسئلہ ہے تو وہ نص کی وجہ سے طواف وداع کے حکم سے مستثنیٰ ہے۔

یہی حکم ان لوگوں کا بھی ہے جو میقات اور حرم کے درمیان بستے ہیں یعنی ان پر بھی طواف وداع واجب
نہیں ہے عمرہ کے لیے طواف وداع نہیں ہے کیوں کہ اس کے لیے طواف قدوم نہیں ہے۔

ثم اشرب من زمزم: اب طواف اور اس کی صلوٰۃ الشکر سے فراغت کے بعد چاہ زمزم پر آئے اور
خوب سیر ہو کر پئے کئی کئی سانسوں میں پئے البتہ قبلہ رخ ہو کر پئے اور آسودہ ہو کر پئے جب سانس لے تو نگاہ
اٹھا کر ہر مرتبہ بیت اللہ شریف کو دیکھے اور زمزم اپنے چہرے اور جسم پر ملے اور اگر سہولت ہو سکے تو اپنے اوپر
زمزم ڈال بھی لے واقدی نے بیان کیا ہے کہ جب آپ نے زمزم نوش فرمایا تو اپنے سر پر بھی بہا یا رسول اللہ
..... نے ارشاد فرمایا: انھا مبارکۃ انھا طعام طعم وشفاء سقم رواه مسلم وقال ابن عباس
اشربوا من شراب الابرار وصلو فی مصلی الاخیار کہ ابراہار یعنی صلحاء کے مشروب سے پیو اور
برگزیدہ لوگوں کے نماز پر حصے کی جگہ نماز پر جو فرمایا کہ شراب الابرار ماء زمزم ہے اور مصلی الاختیار میزلب
رحمت کا ماتحت ہے۔

زمزم پینے کے وقت ابن عباس سے یہ دعاء منقول ہے: اللّٰهم اسألك علما نافعا ورزقا واسعا
وشفاء من کل داء.

والترم الملتزم ونسب بالاستار الخ: ملتزم باب کعبہ اور حجر اسود کے درمیان کا حصہ ہے،

مستحب یہ ہے کہ مائے زمزم نوش فرمانے کے بعد آدمی سب سے پہلے باب کعبہ پر حاضری دے اور چوکھٹ کو چومے اور بیت اللہ شریف کے اندر برہنہ پا داخل ہو پھر ملتزم پر آئے پس اپنا سر اور سینہ اس پر رکھ دے اور تھوڑی دیر غلاف کعبہ سے چٹا رہے، خوب تضرع اور الحاح کے ساتھ دنیا و آخرت کی صلاح اور فلاح سے متعلق اپنوں اور بیگانوں پوری امت مسلمہ کے لیے دعاء کرے اور یوں کہے اللّٰهُمَّ هَذَا بَيْتُكَ الَّذِي جَعَلْتَهُ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ اللّٰهُمَّ كَمَا هَدَيْتَنِي لَهٗ فَتَقَبَّلْهُ مِنِّي وَلَا تَجْعَلْ هَذَا آخِرَ الْعَهْدِ مِن بَيْتِكَ وَارْزُقْنِي الْعَوْدَ اِلَيْهِ حَتّٰى تَرْضٰى عَنِّي بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ۔

اور مناسب ہے کہ اس طرح واپس ہو کہ پچھڑیا، روتا بلکتا چل رہا ہو اس کی نگاہیں بیت اللہ شریف پر فراق حسرت کے ساتھ پڑ رہی ہوں یہاں تک مسجد حرام سے باہر آ جائے اس میں بیت اللہ شریف کا اہمال اور اس کی تعظیم ہے اور بیت اللہ شریف کی تعظیم ہر فرد بشر پر بقدر امکان و وسعت واجب ہے (تین الحقائق) آج کل شدت اثر دہام کی وجہ سے اس طرح بیت اللہ شریف سے واپس ہونا تقریباً ناممکن سا ہے، کیوں اب مجمع اتنا بڑھ گیا ہے کہ تل رکھنے کی جگہ نہیں ہوتی ہر شخص کے لیے ملتزم اور حجر اسود تک پہنچنا کار مشکل ہے۔

اتنا کرنے کے بعد حج اپنے فرائض اور آداب و مستحبات کے ساتھ اتمام کو پہنچ جاتا ہے اب آدمی اپنے وطن کا رخ کرے عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا قفل من غزوہ او حج یکبر علی کل شرف من الارض ثلاث تکبیرات ثم یقول لا الہ الا اللہ وحده لا شریک لہ ، لہ المملک ولہ الحمد وھو علی کل شی قدیر آئبون تابون عابدون، ساجدون لربنا حامدون صدق اللہ وعده ونصر عبده وهزم الاحزاب وحده متفق علیہ۔

نبی..... جب کسی غزوہ سے یا حج سے واپس ہوتے تو ہر بلند جگہ پہنچنے پر تین مرتبہ تکبیرات کہتے پھر فرماتے لا الہ الا اللہ وحده لا شریک لہ لہ المملک ولہ الحمد وھو علی کل شی قدیر آئبون تابون عابدون ساجدون لربنا حامدون صدق اللہ وعده ونصر عبده وهزم الاحزاب وحده۔

فصل من لم یدخل مکة ووقف بعرفة

سَقَطَ عَنْهُ طَوَافُ الْقُدُومِ وَمَنْ وَقَفَ بِعَرَفَةَ سَاعَةً مِنَ الزَّوَالِ إِلَى فَجْرِ النَّحْرِ فَقَدْ تَمَّ حَجُّهُ وَلَوْ جَاهِلًا أَوْ نَائِمًا أَوْ مُغْمًى عَلَيْهِ وَلَوْ أَهْلَ عَنْهُ رَفِيقُهُ بِأَغْمَائِهِ صَحَّ وَالْمَرَأَةُ كَالرَّجُلِ غَيْرَ أَنَّهَا تَكْشِفُ وَجْهَهَا لَا رَأْسَهَا وَلَا تُلَبِّي جَهْرًا وَلَا تَرْمَلُ وَلَا تَسْعَى بَيْنَ

الْمِيلَيْنِ وَلَا تَحْلِقُ وَتَقْصُرُ وَتَلْبَسُ الْمَخِيطَ وَمَنْ قَلَدَ بَدَنَةً تَطْوَعُ أَوْ نَدِرَ أَوْ جَزَأَ دَيْدٍ وَلَحَوْهَ وَتَوَجَّهَ مَعَهَا يَرِيدُ الْحَجَّ فَقَدْ أَحْرَمَ فَإِنْ بَعَثَ بِهَا ثُمَّ تَوَجَّهَ لَا حَتَّى يَلْحَقَهَا إِلَّا فِي بَدَنَةِ الْمُتَعَةِ فَإِنْ جَلَّلَهَا أَوْ أَشْعَرَهَا أَوْ قَلَدَ شَاةً لَمْ يَكُنْ مُحْرَمًا وَالْبُهْدُنُ مِنَ الْإِبِلِ وَالْبَقَرِ.

ترجمہ: وہ شخص جو مکہ میں نہ داخل ہو اور عرفہ میں (سیدھے) وقوف کرے تو (اس کا حج صحیح ہو جائے گا اور) اس سے طواف قدوم ساقط ہو جائے گا اور وہ شخص جس نے عرفہ میں تھوڑی دیر (کے لیے سہی) وقوف کیا زوال کے وقت سے لے کر دسویں ذی الحجہ کی طلوع فجر تک (کے کسی وقت اور لمحہ میں) تو بلاشبہ اس کا حج پورا ہو گیا اگر وقوف کرنے والا (وقوف کو) نہ جانتا ہو یا سویا ہوا ہو یا بیہوش ہو، اور اگر کسی نے اپنے ساتھی کی جانب سے (بغیر اس کی اجازت کے) احرام باندھ لیا تو یہ (نیابت) صحیح ہو جائے گا، اور عورت (تمام احکام احرام میں) مرد کی طرح ہے مگر یہ کہ عورت اپنا چہرہ کھلا رکھے گی نہ کہ اپنا سر اور نہ زور سے تلبیہ پڑھے گی اور نہ رمل کرے گی اور نہ میلین اخضرین میں سعی کرے گی اور نہ سر کا حلق کرائے گی، (بلکہ) قصر یعنی بال کٹوائے گی اور سلا ہوا کپڑا پہنے گی جس نے پٹا ڈالا نفل یا نذر یا جزاء صید وغیرہ کی قربانی کے گلے میں اور متوجہ ہوا اس کے ساتھ حج کے ارادہ سے تو وہ محرم ہو گیا پس اگر روانہ کر دیا اس کو پھر متوجہ ہوا تو محرم نہ ہوگا، جب تک اس سے مل نہ جائے، مگر بدتہ تمتع میں پھر اگر اس پر جھول ڈالا یا زخم لگائے یا بکری کے گلے میں پٹہ ڈالے تو محرم نہ ہوگا، اور بدنہ اونٹ اور گائے کا معتبر ہے۔

تشریح: وہ شخص جو مکہ میں داخل ہوئے بغیر سیدھا میدان عرفات پہنچ گیا تو اس سے طواف قدوم جو کہ سنت ہے ساقط ہو جاتا ہے اس لیے کہ طواف زیارت، طواف قدوم سے بے نیاز کر دیتا ہے، جیسا کہ نماز فرض، تحیۃ المسجد سے بے نیاز بنا دیتی ہے، اسی وجہ سے عمرہ میں طواف قدوم نہیں ہے، کیوں کہ طواف عمرہ طواف قدوم سے بے نیاز کر دیتا ہے اور طواف قدوم کے ترک پر دم واجب نہیں ہوتا ہے، کیوں کہ وہ سنت ہے۔

وَمَنْ وَقَفَ بِعَفْرَةِ النَّخْلِ: زوال کے بعد سے لے کر یوم النحر کی صبح صادق ہونے تک کے اس عرصہ میں اگر کسی نے لمحہ بھر کے لیے بھی عرفات میں وقوف کر لیا چاہے بے جانے میں یعنی اسے معلوم نہیں کہ وہ کہاں ہے اور کیوں ہے پس اس کے قدم اس میدان میں چلے گئے اور نکل آیا گو غروب شمس تک رہنا واجب ہے تو بھی اس کا حج ہو گیا اسی طرح اگر کوئی دوران وقوف سویا رہا یا بیہوش رہا تب بھی رکن حج اداء ہو جائے گا، کیوں کہ نبی نے زوال کے بعد وقوف یوم عرفہ کو فرمایا ہے اور یہ وقوف کے اول وقت کا بیان ہے اور آپ نے ارشاد فرمایا: مَنْ أَذْرَكَ عَرَفَةَ بَلِيلٍ فَقَدْ أَذْرَكَ الْحَجَّ وَمَنْ فَاتَهُ عَرَفَةُ بَلِيلٍ فَقَدْ فَاتَهُ الْحَجَّ کہ جس نے

رات یعنی یوم النحر کی رات میں وقوف عرفہ کر لیا پس بلاشبہ وہ حج پا گیا اور وہ شخص جس کا وقوف عرفہ یوم النحر کی شب کا بھی فوت ہو گیا تو بلاشبہ اس کا حج فوت ہو گیا، پس یہ ارشاد گرامی وقوف عرفہ کی رکیت کے آخر وقت کا بیان ہے، اس میں کچھ شرط نہیں کہ اسے وقوف عرفہ معلوم ہے یا نہیں بس حاضری وقوف عرفہ میں شرط ہے اب وہ چاہے جتنی مدت کے لیے ہو اور چاہے جس طرح ہو۔

امام مالکؒ کے نزدیک صرف دن کا وقوف کافی نہ ہوگا بلکہ وقوف رات کے بھی کچھ نہ کچھ حصہ تک مہر ہونا چاہئے یعنی وقوف رات کے بھی کسی جز کو شامل ہو، استدلال اس روایت سے ہے جو ابھی اوپر مذکور ہوئی، ہمارا استدلال نبی..... کے اس ارشاد سے ہے قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحَجَّ عَرَفَةَ لَمَنْ وَقَفَ بِعَرَفَةَ سَاعَةً مِنْ لَيْلٍ أَوْ نَهَارٍ فَقَدْ تَمَّ حَجُّهُ (روہ بمعناہ ابوداؤد) کہ حج تو وقوف عرفہ ہے پس جس شخص نے عرفہ میں رات اور دن سے ایک لمحہ بھر کے لیے بھی وقوف کر لیا تو اس کا حج پورا ہو جاتا ہے۔

ولو أهل عنه رفيقه باعماله جاز: کسی نے حج کا احرام باندھا یعنی احرام کے پڑے پہن لیے اور ابھی لبیک نہیں کہہ پایا تھا کہ بیہوش ہو گیا اور رفقہ سفر میں سے کسی نے اس کی اجازت کے بغیر اس کی طرف سے لبیک کہہ دیا اور یہی اصل احرام ہے پس ہوش آنے پر اس نے حج کے افعال اداء کر لیے تو امام اعظم کے نزدیک اس کا حج ہو گیا کیوں کہ رفیق کے اس کی جانب سے لبیک کہہ لینے سے وہ محرم ہو گیا پس افعال حج کا ادا کرنا درست ہوگا۔

البتہ صاحبین کے نزدیک حج محرم نہ ہونے کی وجہ سے نہیں ہوگا، کیوں کہ اس نے نہ خود لبیک پڑھا یعنی احرام نہ باندھا اور نہ کسی کو حکم کیا، امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ اس نے رفقہ کے ساتھ عقد مراقت کر کے اپنے ہم سفر سے ہر اس چیز میں اعانت طلب کی ہے جس سے وہ عاجز ہو جائے اور اس سفر حج کا مقصد احرام ہے جس سے وہ عاجز ہو گیا پس یہاں صراحۃً نہ سہی دلالت احرام کی اجازت موجود ہے۔

والمرأة كالرجل: عورت تمام احکام حج میں جو مذکور ہوئے ہیں مرد کی طرح ہے یعنی احکام حج میں مرد اور عورت کے درمیان کچھ فرق نہیں ہے، اس لیے کہ اوامر شرع تمام مکلفین کے لیے عام ہیں اور مرد کی طرح عورت بھی مکلف ہے، الا یہ کہ کوئی دلیل خصوص قائم ہو، پس عورت مرد کے مساوی ہے جملہ احکام حج میں بجز ان چند باتوں کے جو ذکر کی جا رہی ہیں کہ عورت سر نہیں کھول سکتی جب کہ مرد سر نہیں چھپائے گا، عورت کے لیے ستر ہونے کی وجہ سے اس کا کشف درست نہیں ہے البتہ چہرہ مرد کی طرح کھلا رہے گا کیوں کہ وہ داخل ستر نہیں ہے، البتہ عورت اپنے چہرہ پر ایسی چیز لگا سکتی ہے کہ جو چہرہ سے مس کیے بغیر پردہ کا فائدہ دے رہی ہو، چنانچہ حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں انہا قالت كان الركب ان يمشون بنا ونحن مع رسول الله

بسمی اللہ علیہ وسلم محرمانہ فاذا حاذونا سَدَلْتُ اِحْدَانَا جَلْبَابَهَا مِنْ رَاسِهَا عَلٰی وَجْهِهَا
 بِذَا جَاوَزُوْنَ كَشَفْنَا رِوَاهُ اَحْمَدُ وَابُو دَاوُدَ۔ فرماتی ہیں کہ قافلے ہمارے پاس سے گزرتے تھے اور
 ہم رسول اللہ..... کے ساتھ حالت احرام میں ہوتیں پس جب مرد لوگ ہمارے سامنے آئے تو ہم میں کی ایک
 اپنی چادروں کو سر سے چہرہ پر لٹکا لیتی پس جب وہ گزر جاتے تو ہم چہرہ کھول لیتے۔

ولا تلبی جھرا: عورت باتفاق علماء زور سے تلبیہ نہیں پڑھے گی بلکہ اتنی آہستہ کہے گی کہ خود سن لے
 اس لیے کہ عورت کی آواز بھی ستر میں داخل ہے دوسرے فتنہ کا بھی خدشہ ہے۔

ولا ترمل ولا تسعی: عورت طواف میں نہ ترمل کرے گی اور نہ سعی میں میلین اخضرین کے
 درمیان دوڑے گی، کیوں کہ رمل اور سعی بین المیلین ستر عورت میں نخل ہیں اور اس لیے بھی کہ عورتوں سے شرعاً
 اظہار قوت مقصود نہیں ہے۔

ولا تحلق راسها الخ: عورت سر نہیں منڈوائے گی بلکہ وہ بال کتروائے گی نبی..... کا ارشاد ہے
 ليس على النساء الحلق إنما على النساء التقصير رواه ابو داود کہ عورتوں پر حلق نہیں ہے بلکہ
 ان پر بال کتروانا ہے اور اس لیے بھی کہ عورتوں کے سر کا حلق ان کے حق میں ایک طرح سے مثلہ ہے جیسے
 داڑھی منڈانا مردوں کے حق میں مثلہ ہے۔

وتلبس المخيط: عورت سلا ہوا کپڑا پہن سکتی ہے کیوں کہ نبی..... نے پانچاھے اور کرتے محرمہ
 عورتوں کے لیے مباح قرار دیا ہے رواہ ابو داود اور اس لیے بھی کہ غیر سلے ہوئے کپڑوں میں کشف عورت کا
 خطرہ ہے۔

عورت اضطجاع نہیں کرے گی اور بھیڑ بھاڑ میں استیلام حجر اسود بھی نہیں کرے گی، کیوں کہ مردوں سے
 اس کا اختلاط درست نہیں ہے ہاں اگر حجر اسود کو بھیڑ بھاڑ سے خالی پائے تو مانع کے نہ ہونے کی وجہ سے
 استیلام کی اجازت ہے، موزے اور دستانے پہن سکتی ہے، حیض کے عذر کی وجہ سے طواف وداع چھوڑ دے
 گی، اور طواف زیارت میں عذر حیض کی وجہ سے دم واجب نہ ہوگا اور عورت بغیر محرم کے حج نہیں کرے گی اور
 بعض نے ذکر کیا ہے کہ عورت اپنے سر کے بالوں سے بوقت حلال ہونے حسب خواہش بالوں کو کتر واکتہ
 ہے، چوتھائی سر کے بقدر ہونا ضروری نہیں ہے، جب کہ مرد کے لیے چوتھائی سے کم منڈوانے یا کترانے کے
 بغیر حلال ہونے کا کوئی سوال نہیں۔

خفی مشکل ان تمام مذکورہ مسائل میں عورت کی طرح احتیاطاً ہے، وہ نہ عورت کے ساتھ خلوت کر سکتا
 ہے کیوں کہ اس کے مرد ہونے کا احتمال ہے اور نہ مرد کے ساتھ کیونکہ اس کے عورت ہونے کا احتمال ہے۔

ومن قللہ بدنہ تطوعاً الخ: وہ شخص جس نے کسی بدنہ کے تطوعاً یعنی نفلی طور پر پٹے ڈال دیا یا منت کے طور پر یا کسی شکار کے جزاء کے طور پر پٹہ لٹکا دیا یعنی نفل قربانی یا منت کی قربانی یا کوئی شکار کیا تھا اور اس کی جزاء کے طور پر کسی قربانی کے گلے میں پٹہ ڈال دیا اور اب اس کے ساتھ بارادہ حج متوجہ ہوا تو وہ اس عمل کی وجہ سے محرم ہو جائے گا پس محظورات احرام سے گریز اور اعمال حج کی انجام دہی لازم ہو جائے گی، حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں إذا قلل الرجل هدية فقد أحرم کہ آدمی نے جب اپنی قربانی کے گلے میں پٹہ ڈال دیا تو وہ محرم ہو گیا، اور اثر اس جیسے معاملات میں مثل حدیث مرفوع کے ہے، ابن عمرؓ کے اس اثر کا مطلب یہ ہے کہ قربانی کے جانور کے گلے میں پٹہ ڈال کر اسے بیت اللہ کی جانب ہٹا دیا تو اب یہ ہٹکانا تلبیہ کے قائم مقام ہے لہذا وہ اس طرح پٹہ جانور کے گلے میں ڈالنے کے بعد ہٹکانے سے محرم ہو جائے گا، پس اگر صرف قلاوہ ڈالا وہ اور ہٹکانا نہ ہو تو وہ محرم نہ ہوگا، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کن قتلت قلائد بدن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم اشعرها وقلدها ثم بعث بها فما حرم علیہ شیء کان حلالاً متفق علیہ پس یہ صریح ہے اس بارے میں کہ محض تقلید الہدی یعنی ہدی کے گلے میں پٹہ ڈالنے سے کوئی محرم نہ ہوگا جب تک ہٹکانے نہیں کیوں کہ ہٹکانا قلاوہ پہنانے کے بعد تلبیہ کے حکم میں ہے کیوں کہ ایسا وہی کرتا ہے جس کا واقعہ حج کا ارادہ کرنا ہو۔

فان بعث بها ثم توجه الخ: پس اگر ہدی کو بھیج دیا پھر کچھ وقفہ کے بعد خود چلا تو جب تک ہدی کے ساتھ جا ملتا نہیں ہے اتنے سے محرم نہ ہوگا اس حدیث کی وجہ سے جو اوپر مذکور ہے، نیز جب وہ اپنی ہدی کے ساتھ خود نہیں چلا تو نیت بلا عمل پائی گئی لہذا محرم نہ ہوگا البتہ جب ہدی سے مل گیا تو اب نیت کا عمل سے اقرار ہو گیا لہذا اب محرم ہو جائے گا۔

إلا فی بدنة المتعة: البتہ اگر حج تمتع کی قربانی بھیجی اور خود کچھ وقفہ کر کے چلا تو محض استسنا متوجہ ہونے اور چلنے سے محرم ہو جائے گا خواہ ہدی تک پہنچا ہو یا نہ پہنچا ہو، اس لیے کہ ہدی شروع سے ہی بطور ایک نسک کے مناسک حج میں سے مشروع ہوئی ہے یہی وجہ ہے کہ دم تمتع مکہ کے ساتھ مخصوص ہے جس کا وجوب دوار کانوں حج اور عمرہ کے جمع کرنے کی وجہ سے بطور تشکر ہوتا ہے۔

ایک وجہ اور ہے اور وہ یہ ہے کہ ہدی تمتع کے لیے اس کا سبب ایک طرح کا بقائے احرام کے ساتھ اختصاص ہے کیوں کہ تمتع نے جب ہدی ہٹکا دی تو اب عمل پورا کرنے سے پہلے اس کے لیے حلال ہونے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

تقلید کا طریقہ یہ ہے کہ قربانی کے اونٹ یا گائے کی گردن میں جوتے کا ٹکڑا یا اس کا تسمہ یا چمڑے کا ٹکڑا

وغیرہ لٹکا دیا جائے جو اس بات کی علامت ہو کہ یہ جانور قربانی کا ہے۔

فَإِنْ جَلَّلَهَا أَوْ أَشْعَرَهَا أَوْ قَلَّدَ شَاةً لَمْ يَكُنْ مُحَرَّمًا: پس اگر قربانی کے جانور کو جھول پہنا دیا یا اس کو زخم لگائے یا بکری کو پٹہ پہنا دیا تو اس عمل کی وجہ سے محرم نہ ہوگا، گو ان کو بیت اللہ شریف کے لیے ہنگامے کیوں کہ یہ حج کے خصائص میں سے نہیں ہے، کیوں کہ جھول پہنانا سردی اور گرمی سے حفاظت کے لیے ہوتا ہے اور زخم لگانا امام اعظمؒ کے نزدیک مکروہ ہے پس یہ از قبیلہ نسک نہ ہوگا اور صاحبین کے نزدیک اشعار یعنی زخم لگانا جیسے کوہان کا زخمی کر دینا گواچھا ہے لیکن یہ معالجہ بھی کیا جاتا ہے بخلاف تقلید ہدی کے کہ وہ یعنی پٹہ لٹکانا پس وہ حج کے قربانی کے جانور کے ساتھ مخصوص ہے۔

تجلیل حسن ہے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہدایا مقلدہ اور مجملہ تھے یعنی ان کے گلے میں قلادہ اور پشت پر جھول تھی البتہ تقلید، تجلیل سے افضل ہے کیوں کہ اس کا تذکرہ قرآن میں ہے اور یہی سنت رسول..... ہے۔

تقلید الشاة غیر متعارف ہے اور سنت بھی نہیں ہے۔

البدن من الابل والبقر: بدنہ جب اعمال حج میں کسی پر واجب ہو تو اسے اختیار ہے کہ چاہے اونٹ کی قربانی کر کے صدقہ کر دے اور چاہے گائے کی۔ بھینس بھی اسی حکم میں ہے یعنی وہ جانور جو سات لوگوں کی طرف سے ذبح ہو سکتا ہو تو وہ اونٹ اور گائے اصولی طور پر ہیں بدنہ کا مصداق اونٹ اور گائے ہوئے، امام شافعیؒ کے نزدیک بدنہ صرف اونٹ ہوتا ہے ان کا استدلال اس حدیث سے ہے عن ابی ہریرۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من اغتسل يوم الجمعة غسل الجنابة ثم راح فی الساعة الاولى فکأنما قرب بدنۃ ومن راح فی الساعة الثانية فکأنما قرب بقرة پس اس حدیث میں بدنہ پر بقرة کا عطف کیا گیا ہے جو مغایرت کا تقاضا کرتا ہے پس معلوم ہوا کہ بدنہ اونٹ کے ساتھ مخصوص ہے اسی طرح حدیث جابر میں ہے نحرنا البدنة عن سبعة والبقرة عن سبعة رواہ مسلم اور مغرب میں ہے البدنة فی اللغة من الابل خاصة کہ بدنہ لفظ اونٹ کے ساتھ مخصوص ہے۔

ہماری دلیل خلیل کا قول ہے وہ فرماتے ہیں البدنة ناقة او بقرة مہدی الی مکة کہ بدنہ خواہ اونٹ ہو یا گائے جسے بطور قربانی مکہ لے جایا جائے، نووی کہتے ہیں اور یہی اکثر اہل لغت کا قول ہے کہ بدنہ، بدانت سے ماخوذ ہے جو ضخامت کے معنی میں ہے اور اس مفہوم و معنی میں اونٹ اور گائے دونوں شریک ہیں لہذا دونوں اس کا مصداق قرار پائیں گے جوہری نے کہا البدنة ناقة او بقرة ابن الاثیر نے کہا البدنة تقع علی الجمل والناقة والبقرة یعنی بدنہ کا لفظ اونٹ اونٹنی اور گائے سب پر بولا جاتا ہے، پس ال زبان

کے عرف سے معلوم ہوا کہ بدنہ کا مصداق اونٹ اور گائے دونوں ہے، حدیث جابر میں کہا کنا ننحر البدن عن سبعة فقیل له والبقرة فقال وهل هي الا من البدن ذكره مسلم في صحيحه کہ ہم بدنہ کی سات لوگوں کی جانب سے قربانی کرتے تھے پس ان سے پوچھا گیا اور گائے تو فرمایا گائے بدنہ ہی تو ہے۔

یعنی بات حدیث ابو ہریرہ کی تو اس کا جواب یہ ہے کہ تخصیص باسم خاص یہ اسم عام میں داخل ہونے کی نفی نہیں کرتا نیز یہ حدیث مسارعة میں تفاوت کے اجر کے فرق کو بتانے کے لیے ہے یہ اس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ شرع میں بدنہ بطور خاص اونٹ ہی ہے۔

باب القران

هُوَ الْفَضْلُ ثُمَّ التَّمَتُّعُ ثُمَّ الْاِفْرَادُ وَهُوَ اِنْ يُهْلَ بِالْعُمْرَةِ وَالْحَجِّ مِنَ الْمِيقَاتِ وَيَقُولُ
اللّٰهُمَّ اِنِّىْ اُرِيدُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ فَيَسِّرْهُمَا لِيْ وَتَقَبَّلْهُمَا مِنِّىْ وَيَطُوفُ وَيَسْعَى لَهَا ثُمَّ
يَحُجُّ كَمَا مَرَّ فَاِنْ طَافَ لَهَا طَوَافَيْنِ وَسَعَى سَعَتَيْنِ جَازَ وَاسَاءَ وَاِذَا رَمَى يَوْمَ النُّحْرِ
ذَبْحَ شَاةٍ اَوْ بَدْنَةٍ اَوْ سُبُعَهَا وَصَامَ الْعَاجِزُ عَنْهُ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ يَوْمَ عَرَفَةَ وَسَبْعَةً اِذَا فَرَغَ
وَلَوْ بِمَكَّةَ فَاِنْ لَمْ يَصُمْ اِلَى يَوْمِ النُّحْرِ تَعَيَّنَ الدَّمُ وَاِنْ لَمْ يَدْخُلْ مَكَّةَ وَوَقَّفَ بِعَرَفَةَ
فَعَلَيْهِ دَمٌ لِّرَفْضِ الْعُمْرَةِ وَقَضَائِهَا.

ترجمہ: یہ باب قران کے احکام کے بیان میں ہے القران سب سے افضل ہے پھر تمتع پھر ارادہ اور قران وہ یہ ہے کہ آدمی حج اور عمرہ کا (ساتھ میں) میقات سے احرام باندھے اور کہے اللہم انی اريد الحج والعمرة فیسرہما لی و تقبلہما منی اور طواف کرے گا عمرہ کے لیے اور سعی پھر حج کے افعال کرے گا جیسا کہ گذرا پس اگر اس نے حج اور عمرہ دونوں کے دو طواف کیا اور سعی کیا (یکے بعد دیگرے) از جائز ہے اور برا ہے (پسندیدہ نہیں ہے) اور جب یوم النحر کو رمی کر لیا تو ایک بکری یا بدنہ یا اس کا ساتواں حصہ ذبح کرے اور وہ شخص جو قربانی سے عاجز ہو (یعنی فقیر) تین روزہ رکھے گا اس کا آخری دن عرفہ کا دن ہوگا اور سات روزہ رکھے گا جب (حج سے) فارغ ہو جائے خواہ مکہ میں ہی (روزہ رکھے) پس اگر دسویں تاریخ تک روزہ نہیں رکھا تو دم متعین ہو جائے گا اور اگر قارن مکہ میں داخل نہیں ہوا اور (سیدھے) عرفہ میں وقوف جا کر کیا تو اس کے پر ایک دم ہوگا عمرہ چھوڑنے کا اور اس کی قضاء ہوگی۔

تشریح: القران قرنت کا مصدر ہے جب آپ دو چیزوں کو ایک ساتھ جمع کریں قرنت البعر بولا جاتا ہے، جب آپ دونوں کو ایک رسی میں جمع کر لیں، قارن کہتے ہیں حج و عمرہ ایک ساتھ کرنے والے کو

یعنی دونوں کی ایک ساتھ نیت کرنے والے کو۔

حج کی تین قسمیں ہیں افراد، تمتع، قرآن، سب سے افضل قرآن ہے پھر تمتع پھر افراد، امام شافعیؒ کے نزدیک افراد افضل ہے پھر تمتع پھر قرآن، فورانی نے یہی قول امام مالکؒ کا بھی نقل کیا ہے، امام احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں تمتع افضل ہے پھر افراد پھر قرآن امام احمد بن حنبلؒ کی دلیل حدیث ابن عمرؓ ہے انہ علیہ الصلاة والسلام تَمَتَّعَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ وَاهْدَى فِسَاقٌ مَعَ الْهَدْيِ مِنْ ذِي الْحُلَيْفَةِ وَتَمَتَّعَ النَّاسُ مَعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَلَمَّا قَدِمَ مَكَّةَ قَالَ لِلنَّاسِ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ أَهْدَى لَا يَحِلُّ مِنْ شَيْءٍ حَرَمَ مِنْهُ حَتَّى يَقْضَى حَجُّهُ وَمَنْ لَمْ يَكُنْ أَهْدَى فَلْيُطْفِئْ بِالْبَيْتِ وَبِالصَّفَا وَالْمَرَّةِ وَلْيَقْصِرْ وَيَحْلِلْ ثُمَّ يَهْلُ بِالْحَجِّ وَلْيَهْدُوْا لَمْ يَحِلَّ لَهُ مِنْ شَيْءٍ حَرَمَ مِنْهُ حَتَّى يَقْضَى حَجُّهُ وَنَحَرَ هَدْيَهُ يَوْمَ النُّحْرِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَمُسْلِمٌ.

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم..... نے حج تمتع فرمایا ہے، وعن عائشة انہ صلی اللہ علیہ وسلم تَمَتَّعَ بِالْحَجِّ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ بِمِثْلِ حَدِيثِ ابْنِ عُمَرَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ حضرت عائشہؓ بھی آپ کے حج تمتع کو روایت کرتی ہیں وعن عمران بن الحصین تَمَتَّعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَمَتَّنَا مَعَهُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ کہ نبی..... نے حج تمتع کیا اور ہم (صحابہ) نے بھی تمتع کیا پس معلوم ہوا کہ تمتع افضل ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل حدیث جابرؓ ہے قَالَ أَهْلَلْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْحَجِّ خَالِصًا لَا يُخَالِطُهُ شَيْءٌ فَقَدِمْنَا مَكَّةَ لِأَرْبَعِ لَيَالٍ نَخْلُوكُ مِنْ ذِي الْحِجَّةِ وَطُفْنَا وَسَعَيْنَا ثُمَّ أَمَرَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَحْلُوقَ وَقَالَ لَوْلَا هَدْيٌ لَحَلَلْتُ ثُمَّ قَامَ سَرَاقَهُ بْنُ مَالِكٍ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَرَأَيْتَ مَتَعْنَا هَذِهِ نَعَامَنَا هَذَا أَمْ لِلْأَبْدِ فَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ بَلْ لِلْأَبَدِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَمُسْلِمٌ فَقَالَتْ عَائِشَةُ أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَفْرَدَ الْحَجَّ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَابُو دَاوُدَ پس ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ..... نے حج افراد فرمایا، نیز خلفائے راشدین نے حج افراد فرمایا نیز عہد اہل میں تمتع اور قرآن کی کراہیت میں اختلاف کا ہونا حج افراد کی افضلیت پر دلالت کرتا ہے۔

اور احناف کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد وَأَتَمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ ہے یعنی حج اور عمرہ کو اللہ کے لیے پورا کرو پس ان دونوں کا اتمام یہ ہے کہ حج اور عمرہ کا اپنے گھر سے ساتھ میں احترام باندھے، نیز حدیث انسؓ میں ہے کہ وہ فرماتے ہیں: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَبِيكَ عُمْرَةً وَحَجًّا لَبِيكَ عُمْرَةً وَحَجًّا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ یعنی میں نے رسول اللہ..... کو لَبِيكَ عُمْرَةً وَحَجًّا لَبِيكَ عُمْرَةً

و حجتاً فرماتے ہوئے سنا ہے۔

پس تکرار ہر قرآن کی تاکید کے لیے ہے، وعن عمران بن الحصین انه قال جمع رسول الله صلى الله عليه وسلم بين حجة وعمره ثم لم ينة عنه حتى مات رواه مسلم واحمد وقال سراقه قرن رسول الله صلى الله عليه وسلم رواه احمد پس ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ..... نے حج قرآن فرمایا ہے قال الہرماس بن زیاد الباہلی رأیت رسول الله صلى الله عليه وسلم لبیک بحجة وعمره وعن علی قال أتیت النبی صلى الله عليه وسلم فقال کیف أہللت قلت أہل باہلک فقال إني سقت الہدی وقرئت رواه ابو داؤد والنسائی۔

ابن حزم نے اپنی کتاب حجة الوداع میں سولہ صحابہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ..... اپنے آخری حج میں قارن تھے پس معلوم ہوا کہ قرآن افضل ہے۔

چوں کہ قارن حج اور عمرہ دونوں کا ایک ساتھ تلبیہ پڑھ سکتا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ وہ حج و عمرہ میں سے کسی کا بھی علی الانفراد تلبیہ پڑھے پس ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ آپ کبھی دونوں کے ساتھ تلبیہ پڑھتے تھے اور کبھی صرف حج اور کبھی صرف عمرہ پس جس نے جو سنا اس کی روایت کر دی اور جس نے صرف تلبیہ بانحج سنا اس نے خیال کیا کہ آپ..... مفرد ہیں اور جس نے تلبیہ بالعرہ سنا اس نے خیال کیا کہ آپ متتبع ہیں اور جس نے دونوں کی حقیقت حال کو جانا تو اسے یقین ہو گیا کہ آپ قارن ہیں اور یہی بات صحیح بھی ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ امام شافعیؒ جو روایت کرتے ہیں وہ صرف آپ کے حج کے احرام کو ثابت کرتی ہے اور امام احمد کی روایت صرف آپ..... کے عمرہ کے احرام کو ثابت کرتی ہے اور ہم حج و عمرہ دونوں کے ساتھ ساتھ احرام کو ثابت کرتے ہیں پس کوئی منافات نہیں مزید یہ کہ مثبت اولیٰ ہے کافی سے، تیسری بات یہ ہے کہ بعض روایات میں صراحت ہے کہ آپ..... نے حج و عمرہ دونوں کا ایک ساتھ احرام باندھا ہے اور بعض روایات میں راوی اس بات کی صراحت کرتا ہے إنه علیہ الصلاة والسلام سمعته یلبی بہما پس یہ مفسر ہوئی جس میں تاویل کا احتمال نہیں ہے، پس معلوم ہوا کہ حج قرآن افضل ہے مزید تفصیل مطولات میں دیکھ لی جائے۔

وہو ان یہل بالعمرة والحج من المیقات الخ: حج قرآن کہتے ہیں کہ میقات سے حج اور عمرہ دونوں کا ایک ساتھ احرام باندھا جائے اور یوں کہے اللہم انی اريد العمرة والحج فیسرہما لی وتقبلہما منی کہ اے مولائے کریم میں عمرہ اور حج کرنا چاہتا ہوں پس اسے تو آسان بنادے اور میری جانب سے دونوں کو قبول فرما۔

میقات سے دونوں کا احرام لزوماً باندھا جائے گا اور اگر کسی نے عمرہ اور حج کا احرام گھریا گھر سے نکلنے کے بعد اپنے شہر سے میقات سے پہلے پہلے باندھ لیا تو یہ بھی درست ہے اور اس طرح کرنے والا قارن ہو جائے گا اور اگر کسی نے میقات کے بعد دونوں کا احرام باندھا یا پہلے عمرہ کا احرام باندھ لیا پھر عمرہ کے لیے طواف کے چار چکر لگانے سے پہلے حج کا بھی احرام باندھ لیا تو بھی قارن ہو جائے گا، جمع بین العمرۃ والحج کے پائے جانے کی وجہ سے۔

ویطوف ویسعی: پہلے برائے عمرہ بیت اللہ شریف کا طواف اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرے گا، طواف کے تین چکروں میں رمل کرے گا اور سعی میں میلین اخضرین کے درمیان دوڑے گا اور طواف کے بعد دو رکعت نفل پڑھے گا البتہ یہ صلوٰۃ الطواف امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک واجب ہے، یہ افعال عمرہ ہوئے۔

ثم یحج کما مر: پھر افعال حج بجالائے گا یعنی طواف قدوم کرے گا پس تین چکروں میں رمل کرے گا اور طواف کے بعد صفا اور مروہ کی سعی کرے گا، یعنی وہ تمام افعال کرے گا جو مفرد باحج کرتا ہے۔

عمرہ کے افعال، حج کے افعال سے پہلے کیے جائیں گے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ کہ جس شخص نے حج کے ساتھ عمرہ سے بھی فائدہ اٹھایا، اس آیت میں الی انتہائے غایت کے لیے ہے لہذا عمرہ کو مقدم کر دیا گیا تا کہ انتہاء باحج ہو جائے فَإِنْ طَافَ لَهُمَا طَوَافَيْنِ النخ یعنی اگر حج اور عمرہ کے لیے دو طواف لگاتا رہی سعی کرنے سے پہلے کر لیے پھر دونوں کی لگاتار کیے بعد دیگرے سعی کر لی تو درست ہے، اس لیے کہ جو کرنا تھا وہی کیا البتہ اچھا نہیں ہوا کیوں کہ عمرہ کی سعی طواف قدوم سے مؤخر ہو گئی اور طواف قدوم عمرہ کی سعی پر مقدم ہو گیا، اس لیے پسندیدہ تو نہیں ہے لیکن اس سے اس پر کچھ لازم بھی نہ ہوگا۔

صاحبین کے نزدیک تو اس لیے کہ نسک کی تقدیم اور تاخیر سے دم واجب نہیں ہوتا اور امام اعظمؒ کے نزدیک اس لیے کہ طواف قدوم سنت ہے، پس اس کا ترک تلافی کو واجب نہیں کرتا تو اس طرح اس کی تقدیم بھی کسی چیز کے وجوب کا باعث نہیں ہوگی، بلکہ بدرجہ اولیٰ نہ ہوگا، کیوں کہ تقدیم ترک سے اہوں ہے اور سعی کی تاخیر کسی دوسرے عمل مثلاً اکل و نوم کی وجہ سے کسی چیز کے وجوب کا باعث نہیں ہوتی، پس اسی طرح تاخیر سعی اشتغال بالطواف سے نیز کسی چیز کے وجوب کا باعث نہیں ہو سکتی۔

وَإِذَا رَمَى يَوْمَ النُّحْرِ ذَبْحَ شَاةِ النَّحْرِ: اور جب دسویں ذی الحجہ کو حجرہ عقبہ کی رمی کر لی تو دم شکر کے طور پر ایک بکری یا بید نہ یعنی اونٹ یا گائے یا اس کا ساتواں حصہ ذبح کرے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ واضح ہو کہ قرآن بایں اعتبار تمتع کا ہم معنی ہے کہ دونوں میں دو، دو نسکوں کی ادائیگی ایک سفر سے متعلق ہوتی ہے، پس اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو شخص ایک

سفر سے فائدہ اٹھا کر عمرہ اور حج دونوں کرے تو اسے دم شکر بارگاہ رب صد میں پیش کرنا چاہئے، نیز حدیث ہے کان علیہ الصلاة والسلام قارنا وذبح الهدایا کہ آپ..... قارن تھے اور آپ نے قربانی کے جانور یوم النحر کو رمی جمرہ کے بعد ذبح فرمایا، وقال جابرٌ حججنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فَتَحَرَّنا البعيرَ عن سبعةِ والبقرة عن سبعةِ رواه البخاری و مسلم حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ..... کے ساتھ حج کیا تو ہم نے اونٹ سات لوگوں کی جانب سے اور گائے سات لوگوں کی جانب سے ذبح کیا۔ یہ روایت امام مالک کے خلاف حجت ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ بدنہ بجائے سات لوگوں کی طرف سے ہونے کے ایک شخص کی جانب سے فقط ہوگا۔

وصام العاجز عنه ثلاثة ايام الخ: اگر کوئی قارن ایسا ہے جو دم شکر پیش کرنے سے اپنے آپ کو عاجز پاتا ہے یعنی اس کی استطاعت نہیں ہے تو اسے حج سے پہلے تین روزے جس کا آخری دن یوم عرفہ ہو رکھنا چاہئے، اور حج سے فارغ ہونے کے بعد سات روزے رکھنا چاہئے وطن واپس آ کر رکھے اور چاہے تو مکہ میں ہی رکھ لے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتَ تِلْكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ الْاَيَّةُ کہ وہ شخص جو دم شکر کی استطاعت نہیں رکھتا تو اسے موسم حج میں تین روزہ رکھنا چاہئے اور سات روزے جب وہ وطن واپس لوٹے یہ مکمل دس روزے ہوئے۔

یہ تین روزے حج سے پہلے اشہر حج کی کسی بھی تاریخوں میں رکھ سکتا ہے، البتہ افضل یہ ہے کہ انہیں مؤخر کریں تا آنکہ تین روزے ساتویں ذی الحجہ، آٹھویں ذی الحجہ اور نویں ذی الحجہ کو رکھے حضرت علیؓ سے اسی طرح منقول ہے دوسرے اس لیے بھی کہ روزے ہدی کا بدل ہیں پس تاخیر مستحب ہے اس احتمال پر کہ ہو سکتا ہے آخر وقتوں میں اصل یعنی ہدی پر قادر ہو جائے۔

ولو بمكة: یعنی اس کے لیے سات روزے رکھنا افعال حج سے فارغ ہونے کے بعد مکہ میں بھی درست ہے، بشرطیکہ یہ روزے ایام تشریق کے گزرنے کے بعد رکھے جائیں کیوں کہ ایام تشریق میں روزوں کی ممانعت ہے، امام شافعی کے نزدیک مکہ میں یہ سات روزے رکھنا درست نہیں مگر یہ اقامت کی نیت کرے کیوں کہ یہ روزے گھر واپسی کے ساتھ معلق ہیں اور معلق بالشی اس شی سے پہلے درست نہیں ہوتی ہے، ہاں جب اقامت کی وجہ سے مکہ سے لوٹنا مستعذر ہو جائے تو پھر گنجائش پیدا ہو جائے گی۔

ہمارا کہنا یہ ہے کہ قیاس تو یہی ہے کہ مکہ میں ہی یہ سات روزے رکھے جائیں کیوں کہ یہ بدل دم ہیں اور دم مکہ میں پیش ہوتا ہے لہذا اس کا بدل بھی مکہ میں ہی بخضور رب کائنات پیش ہو مگر اس نص نے روزے کو برائے سہولت واپسی کے ساتھ معلق کر دیا ہے، کیوں کہ روزہ وطن میں زیادہ آسان ہوتا ہے لہذا اگر اس کے

باوجود کہ میں ہی رکھ لیا تو روزے دست ہوں گے، جیسے کہ مسافر کہ اگر اس کے لیے سفر میں روزہ سے رخصت ہے، لیکن اگر وہ سفر میں ہی روزہ رکھ لیتا ہے تو بالکل درست ہے۔

فَإِنْ لَمْ يَصُمْ إِلَى يَوْمِ النَّحْرِ تَعِينِ اللَّهُ: اب اگر اس نے یوم النحر تک یعنی نویں ذی الحجہ تک روزہ نہیں رکھا تو اب دم شکر متعین ہو جائے گا یعنی اگر دسویں سے پہلے تین روزے نہیں رکھے تو اب نہ تین اور نہ سات کسی روزے کی گنجائش نہیں، امام شافعی کے نزدیک ایام تشریق کے بعد دسویں سے قبل فوت ہونے کی صورت میں روزے رکھ سکتا ہے کیوں کہ وہ صوم موقت ہے لہذا وقت متعین کے فوت ہونے کے بعد اس کی قضاء کی جاسکتی ہے، جیسے صوم رمضان کی قضاء فوت ہونے کی صورت میں بعد رمضان ہوتی ہے۔

اگر کوئی آدمی روزہ بھی نہ رکھ سکا اور دم پر بھی قدرت نہیں تو اب وہ حلق کے ذریعہ حلال ہو جائے گا اور اس پر دو دم واجب ہوں گے ایک دم شکر یعنی دم قرآن اور دوسرا ذبح سے پہلے حلال ہونے کا دم، اور اگر تین روزے رکھ لینے کے بعد دم قرآن پر قدرت ہوگئی تو روزے باطل ہو جائیں گے اور ذبح اس پر واجب ہو جائے گا، اور اگر دم قرآن پر قدرت حلال ہونے کے بعد ہوئی تو مقصد کے حاصل ہو جانے کی وجہ سے اب اس پر ذبح نہ ہوگا جیسے کہ متمم جب نماز پڑھنے کے بعد پانی پر قادر ہو تو نماز کا اعادہ واجب نہ ہوگا۔

اس روزے کے صحت کی دو شرطیں ہیں ایک تو احرام دوسرے اشہرج کا ہونا کیوں اس کا متمتع ہونا شرط بالخص ہے اور احرام سے پہلے سبب منعقد نہیں ہوتا ہے پس یہ درست نہ ہوگا۔

وَأَنْ لَمْ يَدْخُلْ مَكَّةَ وَوَقَفَ بِعَرَفَةَ الْخ: اگر کوئی تارن مکہ میں نہ جا کر سیدھے عرفہ پہونچا تو اس کے اوپر دم لازم ہوگا کیوں کہ سیدھے عرفات پہونچنے کی وجہ سے عمرہ فوت ہو گیا لہذا ترک عمرہ کی وجہ سے دم لازم ہوگا اور قضاء بھی لازم ہوگی کیوں کہ صورت مذکور میں ادائیگی عمرہ کی کوئی شکل ممکن نہیں ہے اگر وہ عمرہ وقوف عرفہ کے بعد ادا کرتا ہے تو افعال عمرہ کا افعال حج پر بنیاد رکھنے والا ہوگا جو خلاف مشروع ہے۔

باب التمتع

هُوَ أَنْ يَحْرِمَ بِعُمْرَةٍ مِنَ الْمِيقَاتِ فَيَطُوفَ لَهَا وَيَسْعَى وَيَحْلِقُ أَوْ يَقْصُرُ وَقَدْ حَلَّ مِنْهَا وَيَقْطَعُ التَّلْبِيَةَ بِأَوَّلِ الطَّوَافِ ثُمَّ يُحْرِمُ بِالْحَجِّ يَوْمَ التَّرْوِيَةِ مِنَ الْحَرَمِ وَيُحْجُّ وَيَذْبَحُ فَإِنْ عَجَزَ فَقَدْ مَرَّ وَأَنْ صَامَ ثَلَاثَةً مِنْ شَوَالٍ فَاعْتَمَرَ لَمْ يَجْزِ عَنْهُ الثَّلَاثَةُ وَصَحَّ لَوْ بَعْدَ مَا أَحْرَمَ قَبْلَ أَنْ يَطُوفَ فَإِنْ ارْتَدَّ سَوَّقَ الْهَدْيِ أَحْرَمَ وَسَاقَ وَقَلَّدَ بَدَنَتَهُ بِمَزَادَةٍ أَوْ نَعْلٍ وَلَا يُشَعِّرُ وَلَا يَتَحَلَّلُ بَعْدَ عُمَرَتِهِ وَيَحْرِمُ بِالْحَجِّ يَوْمَ التَّرْوِيَةِ وَقَبْلَهُ أَحَبُّ فَإِذَا حَلَقَ

يَوْمَ النَّحْرِ حَلٌّ مِنْ إِحْرَامِهِ وَلَا تَمْتَعُ وَلَا قِرَانٌ لِمَكِّيٍّ وَمَنْ يَلِيهَا فَإِنْ عَادَ الْمَتَمِّعُ إِلَى بَلَدِهِ بَعْدَ الْعُمْرَةِ وَلَمْ يَسُقِ الْهَدْيَ بَطُلَ تَمْتَعُهُ وَإِنْ سَاقَ لَا وَمَنْ طَافَ أَقْلَ أَشْوَاطِ الْعُمْرَةِ قَبْلَ أَشْهُرِ الْحَجِّ وَاتَّمَهَا فِيهَا وَحَجٌّ كَانَ مَتَمِّعًا وَبَعَكْسِهِ لَا وَهِيَ شَوَالٌ وَذُو الْعَقْدَةِ وَعَشْرُ ذِي الْحِجَّةِ وَصَحَّ الْإِحْرَامُ بِهِ قَبْلَهَا وَكُرِّهَ وَلَوْ اعْتَمَرَ تَكْوَفِي فِيهَا وَأَقَامَ بِمَكَّةَ أَوْ بَصْرَةَ وَحَجٌّ صَحَّ تَمْتَعُهُ وَلَوْ أَفْسَدَهَا لِقَامَ بِمَكَّةَ وَقَضَى وَحَجٌّ لَا إِلَّا أَنْ يَعُودَ إِلَى أَهْلِهِ وَآيَهُمَا أَفْسَدَ مَضَى فِيهِ وَلَا دَمَ وَلَوْ تَمْتَعَ فَضَحَى لَمْ تَجْزُ عَنِ الْمَتَعَةِ وَلَوْ حَاضَتْ عِنْدَ الْإِحْرَامِ أَتَتْ بِغَيْرِ الطَّوَافِ وَلَوْ عِنْدَ الصَّدْرِ تَرَكْتَهُ كَمَنْ أَقَامَ بِمَكَّةَ.

ترجمہ: یہ باب تمتع کے احکام کے بیان میں ہے، تمتع یہ ہے کہ آدمی میقات سے عمرہ کا احرام باندھے پس وہ عمرہ کا طواف کرے اور سعی کرے گا اور بال مند وایا کتروالے گا اور بلاشبہ حلال ہو گیا (بشرطیکہ اپنے ساتھ ہدی نہ لایا ہو) اور تلبیہ طواف کے شروع کرتے ہی ختم کر دے گا، پھر آٹھویں ذی الحجہ سے احرام باندھے گا حرم شریف سے اور حج کرے گا اور (دم شکر) ذبح کرے گا پس اگر وہ ذبح (یعنی دم شکر) سے عاجز ہو تو بلاشبہ (اس کا حکم قرآن میں) گذر چکا ہے، اور اگر شوال سے تین دن روزہ رکھا پس عمرہ کا احرام باندھ لیا تو یہ روزہ کافی نہ ہوگا (ان) تین روزوں سے اور صحیح ہو جائے گا اگر (اس نے روزہ رکھا) عمرہ کا احرام باندھنے کے بعد طواف کرنے سے پہلے پس اگر لیجانا چاہے قربانی تو احرام باندھے اور ہانکتا چلے اور قربانی کے گلے میں توشہ دان یا جوتی ڈال دے اور زخم نہ لگائے اور نہ حلال ہو عمرہ کے بعد اور احرام باندھے حج کا آٹھویں تاریخ کو اور اس سے پہلے (احرام باندھنا) پسندیدہ ہے پھر جب دسویں کو بال مند وائے تو حلال ہو گیا دونوں احراموں سے اور نہیں ہے تمتع اور نہیں ہے، قرآن اہل مکہ کے لیے اور مکہ کے آس پاس والوں کے لیے، پس اگر لوٹ آیا تمتع اپنے شہر کی طرف عمرہ کے بعد اور نہیں روانہ کی قربانی تو باطل ہو جائے گا اس کا تمتع اور اگر روانہ کر چکا ہو تو باطل نہ ہوگا، جس نے عمرہ کا کتر طواف کیا اشہر حج سے قبل اور باقی پورا کیا اشہر حج میں تو وہ تمتع ہو جائے گا اور اس کے عکس میں نہ ہوگا۔

اور اشہر حج شوال، ذی قعدہ اور ذی الحجہ کے دس روز ہیں اور صحیح ہے حج کا احرام باندھنا ان سے قبل مکر مکہ ہے اگر عمرہ کیا تو کوئی نے اشہر حج میں اور ٹھہر گیا مکہ یا بصرہ میں اور حج کر لیا تو صحیح ہوگا اس کا تمتع اور اگر عمرہ کو فاسد کیا اور مکہ میں ٹھہر گیا پھر قضاء کر کے حج کیا تو صحیح نہ ہوگا الا یہ کہ لوٹ آئے اپنے اہل کی طرف اور ان میں سے جس کو فاسد کر دے تو اس کے افعال کرتا رہے، اس پر ذبح کرنا لازم نہیں اگر تمتع کیا اور ذبح کیا تو کافی

نہ ہوگا دم تمتع کی طرف سے، اگر عورت حائضہ ہوگئی احرام کے وقت تو طواف کے علاوہ ارکان اداء کرے اور اگر طواف صدر کے وقت ہوئی تو اس کو چھوڑ دے مثل اسکے جو مکہ میں مقیم ہو جائے۔

تشریح: اب حج تمتع سے متعلق مسائل اور تفصیل بیان فرمانا چاہتے ہیں، تمتع کہتے ہیں کہ میقات سے عمرہ کا احرام باندھے اور اگر کمر سے احرام باندھ لیا تو بھی عمرہ درست ہوگا اور یہ شخص تمتع ہو جائے گا۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ میقات کی قید مکہ سے احتراز کے لیے ہے، کیوں کہ اہل مکہ کے لیے تمتع اور قرآن نہیں ہے، عمرہ کا آغاز بیت اللہ سے کرے گا، پس سات چکر کعبۃ اللہ کے طواف کے لیے لگائے گا اور صفا و مروہ کے درمیان سات دفعہ سعی کرے گا اور اگر ہدی ساتھ نہ لے گیا ہو تو بالوں کا حلق یا قصر کروالے گا اور حلال ہو جائے گا، البتہ اگر ہدی لے گیا ہو تو اعمال حج سے فارغ ہونے سے پہلے حلال نہ ہوگا معلوم ہو کہ عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد حلق واجب نہیں ہے بلکہ اگر وہ ہدی ساتھ نہ لے جانے کے باوجود حلق کو اعمال حج سے فراغت تک مؤخر کرنا چاہے تو وہ شرعاً اس کا اختیار رکھتا ہے اور منی میں اعمال حج سے فراغت پر حلق کرائے تو بھی وہ تمتع ہوگا۔

تمتع کی شرط یہ نہیں ہے کہ عمرہ کا احرام اشہر حج میں پایا جائے بلکہ عمرہ کی ادائیگی یا کم از کم عمرہ کے طواف کے اکثر شوط اشہر حج میں پائے جانے شرط ہیں۔

امام مالکؒ کے نزدیک عمرہ سے فراغت کے لیے حلق یا تو واجب نہیں ہے کیوں کہ عمرہ کے اعمال سے فراغت کے ساتھ ہی تحلل بلا حلق و قصر حاصل ہو جاتا ہے، خواہ وہ ہدی لے گیا ہو یا نہ لے گیا ہو، البتہ ہمارے نزدیک عمرہ سے تحلل بغیر حلق یا قصر کے حاصل نہیں ہو سکتا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے مُحَلِّقِينَ رُؤُسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ یہ آیت عمرۃ القضاء کے بارے میں نازل ہوئی، نیز نبیؐ نے عمرۃ القضاء میں حلق کروایا ہے، دوسرے یہ کہ جب عمرہ کی تحریم تلبیہ سے ہوتی ہے تو اس کا تحلل، حلق یا قصر سے ہوگا، جیسے کہ حج میں ہوتا ہے۔

اگر معتمر اپنے ساتھ ہدی لے گیا تو اعمال حج سے جب فارغ ہو جائے گا تبھی حلال ہوگا، فقط اعمال عمرہ پورا کر لینے سے حلال نہ ہوگا، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اِنَّهٗ قَالَ تَمْتَعُ النَّاسُ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَلَمَّا قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ قَالَ لِلنَّاسِ مَنْ كَانَ مَعَهُ هَدًى فَلَا يَحِلُّ مِنْ شَيْءٍ حَرَمَ مِنْهُ حَتّٰى يَقْضٰى حَجُّهُ وَمَنْ لَمْ يَكُنْ مِنْكُمْ اَهْدٰى فَلْيَطْفِ بِالْبَيْتِ وَبِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ فَلْيَقْرَ وَلْيَتَحَلَّلْ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. اس روایت سے صراحت معلوم ہوتا ہے کہ اگر معتمر

اپنے ساتھ ہدی نہیں لے گیا ہے تب تو افعال عمرہ سے فراغت کے بعد حلق یا قصر کے ذریعہ حلال ہو سکتا ہے اور اگر ساتھ میں اس کے ہدی ہے تو افعال حج کے بعد ہی حلال ہونے کی نوبت آئے گی۔

ويقطع التلبية باول الطواف: طواف شروع کرتے ہی تلبیہ ختم کر دے گا یعنی جب طواف کے ارادہ سے حجر اسود کا استیلام کرے گا تبھی تلبیہ موقوف کر دے گا، امام مالکؒ فرماتے ہیں جہاں حاجی اور معتمر کو مکہ کے گھر اور مکانات نظر آنے لگیں تو وہیں سے تلبیہ ختم کر دے گا اور ایک روایت امام مالکؒ سے یہ ہے کہ جب اس کی نگاہیں پیکر جلال و جبروت کعبۃ اللہ (زادہا اللہ شرفاً و کرامۃً) پر پڑیں تو تلبیہ ختم کر دے، کیوں کہ عمرہ بیت اللہ کی زیارت کا نام ہے جو دیدار کعبہ سے پورا ہو جاتا ہے۔

ہماری دلیل وہ حدیث ہے جسے ابو داؤد نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے عن ابن عباس انه عليه الصلاة والسلام كان يمسك عن التلبية في العمرة إذا استلم الحجر کہ رسول اللہ..... عمرہ میں تلبیہ روک دیتے تھے جب حجر اسود کا استیلام فرماتے تھے، اور اس لیے بھی کہ مقصود بیت اللہ کا طواف ہے، بیت اللہ کا دیدار اور مکہ کا دیدار نہیں ہے، پس قطع تلبیہ افتتاح طواف سے ہوگا اور طواف کا افتتاح حجر اسود کے استیلام سے ہوتا ہے۔

ثم يحرم بالحج يوم التروية من الحرم: پھر وہ حرم سے آٹھویں ذی الحجہ کو حج کا احرام باندھے گا کیوں کہ متمتع مکی کے حکم میں ہے اور اہل مکہ کی میقات حج میں حرم ہے، یعنی افضل مسجد حرام ہے پھر مکہ پھر پورا حد و حرم ہے۔

اگر متمتع نے یوم الترویہ سے پہلے احرام حج باندھ لیا تو نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ افضل بھی ہے بنی..... کا ارشاد گرامی ہے مَنْ أَرَادَ الْحَجَّ فَلْيَتَعَجَّلْ کہ جو حج کا ارادہ کرے اسے جلدی کرنا چاہئے، افضلیت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس میں خیر کی طرف مسابقہ ہے اور مشقت میں زیادتی ہے پس یہ بہتر ہوگا۔

ويحج: اور اس سال حج کرے کیوں کہ جس سال اشہر حج میں عمرہ کیا اگر اسی سال حج کرتا ہے تو متمتع ہوگا ورنہ نہیں اور حج میں متمتع وہ تمام افعال حج اداء کرے گا جس کی تفصیل حج افراد کے بیان میں گذر چکی ہے البتہ متمتع طواف زیارت میں رمل کرے گا اور طواف زیارت کے بعد سعی کرے گا کیوں کہ یہ اس کا حج میں پہلا طواف ہے اور یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ ہر وہ طواف جس کے بعد سعی ہو تو اس میں رمل کیا جائے گا، بخلاف مفرد بانج کے کہ وہ طواف قدوم کے بعد سعی کر چکا ہے، لہذا اسے طواف زیارت کے بعد سعی نہیں کرنا ہے، پس رمل بھی اس کے ذمہ نہیں ہے ہاں اگر مفرد بانج نے طواف قدوم میں سعی نہ کیا ہو تو وہ طواف زیارت سے رمل بھی کرے گا اور اس کے بعد سعی بھی۔

اسی طرح اگر متمتع نے حج کا احرام باندھ لینے کے بعد منیٰ جانے سے پہلے طواف سعی کر لیا تو اب اسے بھی طواف زیارت میں نہ رٹل کرنا ہوگا اور نہ اس کے بعد سعی۔

ویذبح: مزدلفہ سے واپسی اور رمی جمرۃ العقبہ کے بعد دسویں کو دم شکر پیش کرے گا جیسا کہ قرآن میں فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ہے اور اگر کوئی شخص دم شکر پیش کرنے سے عاجز ہے تو اس کی تفصیل باب القران میں گزر چکی ہے ملاحظہ فرمائیں۔

فَإِنْ صَامَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ مِنْ شَوَّالٍ وَاعْتَمَرَ لَمْ يَجْزِهِ عَنِ الثَّلَاثَةِ: اس کا مطلب یہ ہے کہ شوال میں عمرہ کا احرام باندھنے سے پہلے کسی نے تین روزے بجائے دم شکر کے رکھے پھر روزہ رکھ لینے کے بعد عمرہ کا احرام باندھا تو یہ روزے ان تین روزوں سے کفایت نہ کر سکیں گے، جو دم شکر کی جگہ مجبور و معذور کو رکھنا ہے کیوں کہ اس روزے کے وجوب کا سبب تمتع ہے، کیوں یہ روزہ قربانی کا بدل ہے اور یہ شخص بحالت موجودہ غیر متمتع ہے پس اس کی ادائیگی سبب کے پائے جانے سے پہلے درست نہ ہوگی۔

وصَحَّ لَوْ بَعْدَ مَا أَحْرَمَ بِهَا قَبْلَ أَنْ يَطُوفَ: یعنی اس کے تین دن کے روزے درست ہوں گے یعنی دم شکر کے بجائے کافی ہو جائیں گے اگر اس نے عمرہ کا احرام باندھنے کے بعد اور اس کا طواف کرنے سے پہلے رکھا، امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ وہ روزے جو احرام بانج سے پہلے رکھے جائیں تو عمرہ کے احرام کے بعد سعی اس کا روزہ حج میں نہ ہوگا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ فی الحج سے مراد وقت الحج یعنی حج کا وقت اور زمانہ ہے کیوں کہ حج، صوم کے ظرف بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا اور صورت مذکورہ میں متمتع نے بلاشبہ حج کے وقت میں روزہ رکھا ہے روزہ کے سبب یعنی تمتع کے ثابت ہو جانے کے بعد اس لیے کہ یہی اس کا طریقہ ہے لہذا یہ روزے درست اور کافی عن دم التمتع ہوں گے، مناسب تو یہ تھا کہ یہ روزے وقت حج میں ہونے کی وجہ سے بلا احرام عمرہ کافی ہوتے، لیکن ہم نے عمرہ کے احرام کو شرط قرار دیا تا کہ سبب متحقق ہو جائے ان روزوں کا ساتھ ذی الحجہ تک مؤخر کرنا افضل ہے اس طرح کہ تیسرا روزہ نو ذی الحجہ کو ہو۔

فَإِنْ أَرَادَ سَوْقَ الْهَدْيِ أَحْرَمَ وَسَاقَ: اگر متمتع کو اپنے ساتھ قربانی کا جانور لے جانے کا ارادہ ہو تو افضل صورت یہی ہے کہ پہلے عمرہ کا احرام تلبیہ سے باندھے پس قربانی کے جانوروں کو قلاذہ پہنانے اور ہنکانے سے پہلے تلبیہ پڑھے تا کہ اس کا محرم ہونا قربانی کے جانوروں کے ہنکانے کی وجہ سے نہ ہو نبیؐ نے پہلے ذوالحلیفہ میں احرام باندھا اس کے بعد ہدایا یعنی قربانی کے جانوروں کو ہنکایا۔

وَقَلَّدَ بَدَنَهُ بِمَزَادَةٍ أَوْ نَعْلٍ: بدنہ یعنی قربانی کے اونٹ یا گائے بیل وغیرہ کو توشہ دان کا قلاذہ یا جوتی

کا قلابہ پہنادے کیوں کہ نبی..... نے اونٹ کو قلابہ پہنایا تھا پس تقلید جہول پہنانے سے افضل ہے کیوں کہ قلابہ کا تذکرہ قرآن کریم میں ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے وَلَا الْهَدَى وَلَا الْقَلْبَدِ دوسری ایک وجہ یہ بھی ہے کہ تقلید سے صرف تقرب ہی مقصود ہوتا ہے، جب کہ تجلیل یعنی جہول اوڑھانا کبھی غیر تقرب مثلاً زینت یا گرمی اور سردی سے حفاظت کے لیے ہوتا ہے اور قربانی کے اونٹوں اور جانوروں کا پیچھے سے ہنکانا ان کو آگ سے کھینچنے کے مقابلہ میں افضل ہے، نبی..... کی اقتداء میں البتہ جب پیچھے کے ہنکانے پر نہ چلتے ہوں تو ضرور ہا ان کی رسی پکڑ کر کھینچ کر چلایا جائے گا۔

وَلَا يَشْعُرُ: اونٹ کے زخم نہیں لگایا جائے گا امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک، اور صاحبین فرماتے ہیں کہ حج تمتع کی قربانی کے اونٹ کے زخم لگائے جائیں گے، اور اشعار کی صورت یہ ہے کہ اونٹ کی کوہان کے کسی جانب چیر لگادی جاتی پس جو خون نکلے اس میں اس کی کوہان لت پت کر دے یوں لغت کے اعتبار سے اشعار اداء یعنی خون بہانے کو کہتے ہیں۔

امام ابو یوسفؒ کے نزدیک احسن یہ ہے کہ کوہان کے بائیں جانب چیر لگائی جائے اور امام شافعیؒ کے نزدیک داہنی جانب زخم لگانا احسن ہے، دونوں طریقے نبی..... سے منقول ہیں اس لیے کہ نبی..... دو اونٹوں کے درمیان داخل ہوتے، پس دونوں کو زخمی کرتے پس ایک کے زخم بائیں کوہان پر اور دوسرے کے داہنی کوہان پر لگتا پر مقصود بائیں جانب ہوتا، اس لیے کہ بدنہ کے کوہان کے بائیں جانب زخم لگانا اشد ہے۔

اشعار امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مکروہ ہے صاحبین کے نزدیک حسن ہے امام شافعیؒ کے نزدیک سنت ہے کیوں کہ اشعار نبی..... اور صحابہ نے کیا ہے، صاحبین فرماتے ہیں اشعار سے مقصود قربانی کے جانور ہونے کا اعلام اور اعلان ہے تاکہ گم ہونے پر اور راستہ بھٹک جانے پر اونٹوں کو واپس کر دیا جائے اور صحیح رخ پر ڈال دیا جائے، مباح چراگاہوں اور پانی کی چشموں سے بھگایا نہ جائے اور کوئی شخص ان جانوروں سے چھیڑ چھاڑ نہ کرے، اور یہ بات اشعار میں بدرجہ اتم ہے کیوں کہ یہ الزم ہے ختم اور مٹنے والی چیز نہیں ہے اور قلابہ کبھی گرج بھی سکتا ہے، پس اس وجہ سے اس کو سنت ہونا چاہئیں تھا مگر یہ کہ کراہت کی دلیل اس کے معارض ہو گئی اور وہ ہے اس کا مشلہ ہونا، لہذا ہم اس کے حسن ہونے کے قائل ہو گئے پس اگر کسی نے اشعار ترک کیا تو اس پر بھی کوئی حرج نہ ہوگا۔

امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ اشعار ایک طرح سے مشلہ ہے اور اس میں گوشت یا کھال کا کٹنا ہوتا ہے اور حدیث عمران بن حصین میں ہے مَا قَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِينَا خَطِيئًا إِلَّا خُتْنَا

علی الصدقة ونهانا عن المثلة کہ رسول اللہ..... ہم میں جب بھی خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے تو ہمیں صدقہ پر ابھارا اور ہمیں مثلہ سے منع کیا، پس مثلہ واجب القتل کا حرام ہے یعنی مرتد اور حربی کا پس آپ کا کیا خیال ہے اس کا مثلہ کے سلسلے میں جس کو عقوبت دینا حلال نہیں ہے۔ رہی بات نبی..... کے اشعار کی تو آپ نے ایسا بدلوں کی حفاظت کے لیے کیا تھا تا کہ ان قربانی کے اونٹوں سے بیت اللہ کے احترام میں کفار تعرض نہ کریں کیوں کہ وہ حرم میں ذبح ہونے والے قربانی کے جانوروں کا خیال رکھتے اور ان پر دست درازی نہیں کرتے تھے، یہ تاویل حضرت اماں عائشہؓ اور ابن عباسؓ سے بھی منقول ہے اور اب چونکہ یہ خطرہ نہیں رہا، لہذا اشعار کا کوئی فائدہ نہیں رہا، اس کی نظیر موقوفہ قلوب کو صدقہ دینا ہے جو پہلے درست ہے اور اب باجماع امت منع ہے۔

ولا يتحلل بعد عمرته: جب آدمی اپنے ساتھ ہدی بھی لایا ہو تو عمرہ کے بعد وہ حلال نہیں ہو جاتا کیوں کہ ہدی کا لانا حلال ہونے سے مانع ہے، جیسا کہ حدیث میں منقول ہے دوسرے اس لیے کہ سوق الہدی کے لیے جب ابتداء احرام کے اثبات میں تاثیر ہے تو یہ احرام کے باقی رکھنے میں تو بدرجہ اولیٰ مؤثر ہوگا ہاں اگر متمتع اپنے ساتھ ہدی نہ لایا ہو تو عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد حلال ہونے سے کوئی مانع نہیں ہے۔

ویحرم بالحج يوم التروية وقبله احب: اس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے ملاحظہ فرمائی جائے۔
فإذا حلق يوم النحر حل من احراميه: جب متمتع نے دسویں ذی الحجہ کو حلق کر لیا تو اب وہ حج اور عمرہ دونوں کے احرام سے حلال ہو جائے گا اور دونوں احرام کھل جائیں گے کیوں کہ حج میں حلق کی وہی حیثیت ہے جو نماز میں سلام کی، مصنف کا قول حل من احراميه یہ اس بات کی صراحت ہے کہ عمرہ کا احرام وقوف عرفہ کے بعد بھی باقی رہتا ہے۔

ولا تمتع ولا قران لمکی ومن يليها: حج قران اور تمتع مکہ والوں اور اطراف مکہ یعنی وہ لوگ جو حل کے ہیں کے لیے نہیں ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَمَنْ لَمْ يَكُنْ اَهْلًا حَاضِرًا الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اور امام شافعیؒ کے نزدیک مکی اور میقات کے اندر یعنی حل کے رہنے والے سبھی لوگوں کے لیے قران اور تمتع کی بھی گنجائش ہے، جب کہ ہمارے نزدیک مکی اور حل والوں کے لیے صرف حج افراد ہے، جیسا کہ آیت سابقہ سے بھی معلوم ہوتا ہے، امام شافعیؒ کا استدلال فَمَنْ قَمَعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ کی آیت سے ہے، وہ فرماتے ہیں کہ من عموم کے لیے ہے جس میں آفاقی اور مکی سبھی داخل ہیں، لہذا سب کو سفر حج سے عمرہ کی ادائیگی کی گنجائش ملنی چاہئے، رہی بات اللہ تعالیٰ کے ارشاد لَمَنْ لَمْ يَكُنْ اَهْلًا حَاضِرًا الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کی تو اس کا تعلق ہدی اور صوم سے ہے یعنی دم شکر، اور اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو اس کی جگہ میں روزہ کا وجوب

صرف آفاقی پر ہے، اہل مکہ بوجہ قرب قرآن اور تمتع کی صورت میں دم شکر سے مستثنیٰ ہیں لہذا وہ قرآن اور تمتع کریں گے لیکن ان پر دم شکر واجب نہیں ہوگا۔

ہمارا جواب یہ ہے کہ اگر آیت کا مطلب وہ ہوتا ہے جو امام شافعیؒ فرماتے ہیں تو یوں فرمایا جاتا ذلک علی من لم یکن اہلہ حاضری المسجد الحرام کیوں کہ لام کا استعمال اس نقطہ نظر کے لیے ہوتا ہے جو ہمارا ہے نہ کہ اس کے لیے جو ہمارے نقطہ نظر کے خلاف ہو، دوسری بات یہ ہے کہ تمتع میں ہمیں اختیار ہے چاہے تو ہم حج تمتع کریں اور چاہے نہ کریں، جب کہ ہدی ہمارے اختیار کے بغیر واجب ہے، تیسری بات یہ ہے کہ اہل مکہ کی میقات حج میں حرم ہے اور عمرہ میں حل ہے لہذا اہل مکہ کے لیے دونوں کا جمع کرنا متصور نہیں ہے لہذا اہل مکہ کے حق میں قرآن شروع نہ ہوگا، نیز تمتع کہتے ہیں کہ سفر واحد سے حج و عمرہ دونوں کا فائدہ بغیر اہل خانہ کی طرف واپس آئے اٹھانا اور اہل مکہ کے لیے ممکن نہیں کہ وہ گھر واپس نہ آئے نیز سفر کا اس کے حق میں تحقق ہی نہیں ہوتا۔

حلی یعنی میقات اور حرم کے درمیان کارہنے والا اہل مکہ کے حکم میں ہے البتہ امام مالکؒ کے نزدیک حل کارہنے والا اہل مکہ کے حکم میں نہیں ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک مسافت قصر کے اندر اندر رہنے والا اہل مکہ کے حکم میں ہے۔

فإن عاد المتمتع الى بلده بعد العمرة الخ: عمرہ کرنے کے بعد اگر تمتع اپنے شہر لوٹ آیا اور ہدی اپنے ساتھ نہیں لے گیا تھا تو اس کا تمتع باطل ہو جائے گا اس لیے کہ دونوں کے درمیان اپنے اہل خانہ کے پاس واپس آ گیا اور اس سے تمتع باطل ہو جاتا ہے، کیوں کہ تمتع کہتے ہیں الترفق باسقاط احد السفرین پس جب حج و عمرہ دونوں کے لیے الگ الگ سفر کیا تو یہ معنی تمتع مفقود ہو گئے۔

وإن ساق لا: ہاں اگر صورت مذکورہ میں اپنے ساتھ ہدی بھی لایا تھا تو رجوع الی الابل کی وجہ سے تمتع باطل نہیں ہوگا کیوں کہ اہل مکہ کے ساتھ امام صحیح نہیں پایا گیا بلکہ ہدی کے ہنکانے کی وجہ سے امام فاسد ہے جو تمتع کے لیے مہطل نہیں ہوتا، البتہ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں بھی تمتع باطل ہو جائے گا، کیوں کہ دونوں کے درمیان اس کا عود الی الابل پایا گیا اور دو سفر کے ساتھ حج و عمرہ کی ادائیگی میں یہ ایسے ہو گیا جیسے کہ ہدی ساتھ نہ لے گیا ہوتا تو حج تمتع باطل ہو جاتا، اسی طرح اس صورت میں امام باہلہ کی وجہ سے تمتع باطل ہو جائے گا۔

ومن طاف اقل اشواط العمرة قبل اشهر الحج واتمها فيها وحج الخ: یعنی اگر کسی نے اشہر حج سے پہلے عمرہ کے تین چکر لگائے اور چار چکر اشہر حج میں لگائے یعنی عمرہ کے تین شوط ہی پورا کر پایا تھا کہ

اشہرج شروع ہو گئے، اور باقی چار شوط اشہرج میں پورے ہوئے پھر اسی سال اسی موسم حج میں حج کیا تو وہ متمتع ہو جائے گا کیوں کہ قاعدہ ہے للاکثر حکم الكل تو اب یہی سمجھا جائے گا کہ عمرہ کے سارے شوط اشہرج میں پورے کئے گئے ہیں، اور اس کے عکس کی صورت میں متمتع نہیں ہوگا یعنی اگر اشہرج سے قبل عمرہ کے چار شوط پورے کر لیے باقی تین شوط اشہرج میں پورے کیے تو متمتع نہیں ہوگا، کیوں کہ اس صورت میں جمع بین العمرۃ والحج فی سفر واحد نہیں پایا گیا۔

وہی شوال وذوالقعدة النخ: اشہرج ماہ شوال، ذوالقعدة اور ذی الحجہ کے دس یوم ہیں اسی طرح عبادۃ ثلاثہ سے منقول ہے امام ابوسف فرماتے ہیں کہ ماہ شوال وذوالقعدة کے ساتھ ذوالحجہ کے دس شب اور نو دن اشہرج میں ہیں، یوم الآخر ایام الحج سے نہیں ہے، کیوں کہ یوم الآخر کے طلوع فجر کے ساتھ ہی حج فوت ہو جاتا ہے، اور یوم الآخر کے ایام حج سے ہونے کی صورت میں حج کو فوت نہیں ہونا چاہئے، ہماری دلیل یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ..... نے ارشاد فرمایا یوم الحج الاکبر ہو یوم النحر کہ حج اکبر کا دن دسویں تاریخ ہے پس اگر یوم الآخر ایام حج سے نہ ہوتا تو آپ اسے حج اکبر کا دن قرار نہ دیتے اور اس لیے بھی کہ رکن یعنی طواف زیارت کا وقت یوم الآخر کی طلوع فجر سے داخل ہوتا ہے، پس بر تقدیر امام ابی یوسف حج کے رکن کا وقت، حج کے وقت کے نکل جانے کے بعد کیسے داخل ہوگا، اور وقف عرفہ کا یوم الآخر کی فجر کے طلوع ہونے سے فوت ہو جانا اس کے موقت بالنص ہونے کی وجہ سے ہے پس اس کے غیر میں درست نہ ہوگا۔

امام مالکؒ کے نزدیک پورا ذی الحجہ اشہرج سے ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے الحج اشہر معلومات جمع کے لفظ کے ساتھ اور اقل جمع تین فرد ہوتے ہیں، ہمارا کہنا یہ ہے کہ لفظ جمع کا اطلاق ما دون الثلاث پر بھی درست ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وان کان لہ اخوة فلامہ السدس پس دو بھائی بھی ماں کے حصہ کو ثلث سے سدس پہونچا دیتے ہیں۔

اشہرج کے ساتھ توقیت کا فائدہ یہ ہے کہ کچھ افعال حج ایسے ہیں جو انہیں مہینوں میں ہی درست ہوتے ہیں جیسے متمتع اور قارن کا ہدی کے بدلے روزہ رکھنا پس یہ تین روزے اشہرج سے پہلے درست نہیں، اسی طرح طواف قدوم کے بعد صفا مروہ کے درمیان سعی کی یہ بھی اشہرج سے پہلے درست نہیں ہے۔

وصح الاحرام بہ قبلہا وکروہ: اشہرج سے پہلے حج کا احرام درست ہے البتہ کراہت ہے امام شافعیؒ کے نزدیک قول جدید کے اعتبار سے اشہرج سے قبل حج کا احرام درست نہیں اور اگر کسی نے اس سے قبل حج کا احرام باندھ بھی لیا تو وہ عمرہ ہو جائے گا جیسے پنج وقتہ نمازوں میں سے کسی نماز کی تحریمہ اس کے وقت سے پہلی کی تو وہ نماز نفل ہو جاتی ہے اور فریضہ وقت ادا نہیں ہوتا۔

دوسرے یہ کہ ان کے نزدیک رکن ہے لہذا وہ وقت سے پہلے درست نہ ہوگا جیسے کہ دیگر ارکان وقت سے پہلے ان کی ادائیگی درست نہیں ہے ہمارا یہ ہے کہنا کہ احرام رکن حج نہیں بلکہ حج کے لیے شرط ہے کیا آپ نہیں دیکھتے کہ احرام حلق ہونے تک مسلسل رہتا ہے اور حاجی ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے، اور وہ تمام ارکان حج کے ساتھ جمع ہوتا ہے اور اگر احرام رکن ہوتا تو ایسا نہ ہوتا، لہذا احرام کی تقدیم اشہر حج پر ایسے ہی درست ہے جیسے طہارت کی نماز میں اور ایسا اس لیے ہے کہ احرام کے ساتھ ادائیگی متصل نہیں ہوتی، اسی وجہ سے احرام تو میقات سے لازم ہوتا ہے اور افعال حج مکہ سے شروع ہوتے ہیں، اور اسی طرح اگر احرام اشہر حج کے ابتداء میں باندھ لیا تو بھی درست ہے، جب کہ افعال کی ادائیگی افعال مؤخر ہو اور یہ سب شرط ہونے کی دلیل و علامت ہے، لہذا احرام کی تقدیم اشہر حج پر درست ہے، بخلاف نماز کے کیوں کہ ادائیگی نماز میں تحریم سے متصل ہوتی ہے لہذا نماز کی تقدیم وقت پر درست نہ ہوگی تاکہ ادائیگی کا وقت سے پہلے ہونا لازم نہ آئے، اور حج میں ادائیگی احرام منفصل ہے پس تقدیم احرام سے کوئی مانع نہیں ہے، نیز اگر احرام رکن ہوتا تو اس کے لیے بھی کوئی وقت معلوم اور مکان معلوم ہوتا جیسے کہ دیگر ارکان کے لیے ہوتا ہے۔

ولو اعتمر کوفی فیہا: اگر کوئی آفاقی مثلاً کوئی اشہر حج میں عمرہ کر کے مکہ یا بصرہ میں مقیم ہو گیا یعنی گھر واپس نہیں گیا اور پھر اس موسم میں وقت ہونے پر حج کر لیا تو یہ متمتع ہو جائے گا، مکہ میں مقیم ہونے کی صورت میں تو اس لیے کہ حج و عمرہ دونوں کیا اور دوسروں میں سے ایک کے اسقاط کے ساتھ متمتع ہوا، اور یہی حقیقت متمتع ہے اور بہر حال جب بصرہ میں مقیم ہوا تو یہ امام اعظمؒ کے نزدیک متمتع ہوگا صاحبین کے نزدیک اس آخری صورت میں متمتع نہیں ہوگا کیوں کہ متمتع وہ ہوتا ہے جس کا عمرہ میقاتی ہو اور حج مکہ کی ہو یعنی عمرہ کا احرام میقات اور حج کا احرام حرم سے بندھا ہو، جب کہ صورت مذکور میں دونوں حج و عمرہ میقاتی ہیں، یعنی دونوں کا احرام دو میقاتوں سے بندھا ہے پس یہ ایسے ہو گیا جیسے وہ عمرہ کر کے گھر لوٹ گیا ہو۔

امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں اَنْ قَوْمًا سَالُوْهُ فَقَالُوْا اَعْتَمَرْنَا فِیْ اَشْهَرِ الْحَجِّ ثُمَّ زَرْنَا قَبْرَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثُمَّ حَجَّجْنَا فَقَالَ اَنْتُمْ مَّتَمِّعُونَ یعنی حضرت ابن عباسؓ سے لوگوں نے پوچھا کہ ہملوگوں نے اشہر حج میں عمرہ کیا پھر نبیؐ کی آخری آرام گاہ کی زیارت کے لیے حاضر ہوئے پھر ہم سب نے حج کیا تو ابن عباسؓ نے فرمایا تم سب حج متمتع کرنے والے ہو، دوسرے اس لیے بھی کہ سفر اول اس وقت تک قائم ہے جب تک وہ اپنے وطن لوٹ نہیں جاتا، اور اس کے لیے اس سفر میں دونسک جمع ہیں لہذا وہ متمتع ہوگا، اب جہاں تک قیام بصرہ کا تعلق ہے تو بصرہ میں قیام ایسے ہے جیسے وہ مکہ میں ہی مقیم ہو یعنی دونوں صورتوں میں وہ وطن سے باہر ہے۔

ولو افسدها فاقام بمكة وقضى وحج الخ: اگر کوئی نے اپنے عمرہ کو فاسد کر دیا اور مکہ میں مقیم ہو گیا اب عمرہ کی قضاء کی اور اسی سال حج کیا تو یہ تمتع نہیں اس لیے کہ اس کا سفر فاسد کرنے سے ختم ہو گیا اور اس کا عمرہ صحیحہ کی یعنی مکہ سے ہو گیا اور اہل مکہ کے لیے تمتع نہیں ہے۔

ہاں اگر وہ عمرہ فاسد کرنے کے بعد اپنے وطن لوٹ جائے اور آ کر پھر اس عمرہ کی قضاء کرے اور اسی سال حج کرے تو تمتع ہوگا کیوں کہ اب اس کا عمرہ میقاتی اور حج مکہ کی ہوگا جب کہ خود آفاقی ہے۔

وايهما افسد مضى فيه ولا دم عليه: اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی عمرہ کے احرام کے ساتھ مکہ آیا پھر اس سال حج کیا تو حج اور عمرہ میں سے جس بھی نسک کو فاسد کر دے تو اس کے اعمال کرتار ہے کیوں کہ احرام کے عہدہ سے نکلنا بغیر افعال حج کے ممکن نہیں البتہ دم شکر ساقط ہو جائے گا اس لیے کہ اس نے ایک سفر میں دو صحیح نسکوں کی ادائیگی کا نفع نہیں پایا۔

ولو تمتع وضحي لم يعجزى عن المتعة: اگر آدمی نے حج تمتع کیا اور دم شکر کرنے کے بجائے اضحیہ کیا تو یہ اضحیہ دم شکر کے وظیفہ کا بدل نہیں ہو سکتا، کیوں کہ خلاف واجب عمل کیا، واجب دم شکر ہے، اضحیہ یعنی قربانی حاجی پر واجب نہیں کیوں کہ وہ مسافر ہے اور مسافر پر اضحیہ نہیں واجب ہوتی، پس جب دم شکر اضحیہ کا غیر ہے لہذا ان میں سے کوئی ایک دوسرے کا قائم مقام نہیں ہو سکتا۔

اور اگر حلال ہو گیا تو اس کے اوپر دو دم واجب ہوں گے ایک دم شکر اور دوسرا ذبح سے پہلے

حلال ہونے کا دم۔

ولو حاضت عند الاحرام امت بغير الطواف: اگر کوئی خاتون احرام کے وقت حائضہ ہو گئی تو وہ نہا کر احرام باندھ لے اور ماسوائے طواف تمام اعمال حج اداء کرتی رہے حضرت عائشہؓ کی روایت ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قالت لعائشة حين حاضت بسرفٍ افعلى ما يفعل الحاج غير ان لا تطوفى بالبيت حتى تطهري متفق عليه یعنی جب حضرت عائشہؓ مقام ”سرف“ میں ماہواری سے ہو گئیں تو تو رسول اللہ..... نے ان سے ارشاد فرمایا جو اعمال حج حاجی کرتے ہیں تم بھی وہی کرتی رہو سوائے اس کے کہ پاک ہونے تک بیت اللہ شریف کا طواف نہ کرو، دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ طواف مسجد حرام میں ہوتا ہے کیوں کہ بیت اللہ شریف عین مسجد حرام میں ہے اور حائضہ کو مسجد میں داخل ہونا منع ہے پس اتمام اس کے لیے ممکن نہیں رہا پس حائضہ عورت ماسوائے طواف باقی تمام اعمال حج وقوف عرفہ، وقوف مزدلفہ، رمی جمار وغیرہ انجام دیتی رہے گی۔

ولو عند الصدر تركته الخ: اگر عورت نے تمام اعمال حج پورے کر لیے صرف طواف وداع باقی رہ

گیا تھا کہ حیض شروع ہو گیا تو وہ طواف و داع کو چھوڑ دے اور اس کے ترک کی وجہ سے اس پر کچھ واجب نہ ہوگا۔
حائضہ کے لیے طواف و داع کا ترک ایسے ہی روا ہے جیسے کہ وہ شخص جو تمام اعمال حج پورے کرنے کے بعد مکہ میں مقیم ہو جائے تو اس سے مکی میں مل جانے کی وجہ سے طواف و داع کا وجوب ختم ہو جاتا ہے۔

حائضہ کے لیے طوافِ صدر سے رخصت کی دلیل حضرت ابن عباسؓ کی حدیث ہے عن ابن عباسؓ
انہ علیہ الصلاة والسلام امر الناس ان يكون آخر عہدہم بالبيت الا انہ خفف علی المرأة الحائض متفق علیہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی سب سے آخر میں طوافِ بیت اللہ کر کے بیت اللہ سے رخصت ہوا البتہ حائضہ عورت کے لیے تخفیف ہے یعنی وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔

نیز ذکرت عائشہؓ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان صفیۃ بنت حی حاضت بعد ما طافت بعد الافاضة فقال فلتنوا اذا متفق علیہ۔ اس روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ام المؤمنین حضرت صفیہ کے ماہواری میں مبتلا ہو جانے کی صورت میں بغیر طواف و داع کے کوچ کا حکم فرما دیا۔

اگر کوئی عورت جو طواف و داع سے پہلے حائضہ ہو گئی ابھی مکہ سے نہیں نکلی تھی کہ پاک ہو گئی تو اس کو طواف و داع لازم ہو جائے گا کیوں کہ وہ اس کے وقت پر اہل ہو گئی، اور اگر بیوت مکہ سے گزر جانے کے بعد پاک ہوئی تو اب اس کے لیے لوٹنا پھر طواف و داع کرنا لازم نہیں ہے، نفساء کا وہی حکم ہے جو حائض کا ہے۔

باب الجنایات

تَجِبُ شَاةٌ اِنْ طَيَّبَ مُحْرَمٌ عَضْوًا وَاِلَّا تَصَدَّقَ اَوْ خَصَبَ رَاسَهُ بِجَنَائٍ اَوْ اَذْهَنَ بِزَيْتٍ اَوْ لَبَسَ مَخِيطًا اَوْ غَطَّى رَاسَهُ يَوْمًا وَاِلَّا تَصَدَّقَ اَوْ حَلَقَ رُبْعَ رَاسِهِ اَوْ لَحِيتِهِ وَاِلَّا تَصَدَّقَ كَالْحَالِقِ اَوْ رَقَبَتَهُ اَوْ اَبْطِيهٖ اَوْ اَحَدَهُمَا اَوْ مَحْجَمَهُ وَفِي اَخْذِ شَارِبِهِ حَكْمَةَ عَذَلٍ وَفِي سَارِبٍ حَلَالٍ اَوْ قَلَمٍ اَظْفَارِهِ طَعَامٌ اَوْ قَصُّ اَظْفَارِ يَدَيْهِ وَرِجْلَيْهِ فِي مَجْلِسٍ اَوْ يَدٍ اَوْ رِجْلًا وَاِلَّا تَصَدَّقَ كَخُمْسَةِ مُتَفَرِّقَةٍ وَلَا شَيْءٌ بِاَخْذِ ظَفْرِ مُنْكَسِرٍ وَاِنْ تَطَيَّبَ اَوْ لَبَسَ اَوْ حَلَقَ بِعُذْرٍ ذَبَحَ شَاةً اَوْ تَصَدَّقَ بِثَلَاثَةِ اَصْوَعٍ عَلٰى سِتَّةِ مَسَاكِينٍ اَوْ صَامَ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ.

ترجمہ: ایک بکری واجب ہوتی ہے اگر خوشبو لگا کر محرم نے پورے ایک عضو میں ورنہ صدقہ کرے گا یا اپنے سر کو ہندی سے رنگا یا زیتون کا تیل لگایا یا پہن لیا سلا ہوا کپڑا، یا پورے دن اپنے سر کو چھپائے رکھا ورنہ صدقہ کرے گا یا اپنا چوتھائی سر یا داڑھی مونڈ اور نہ صدقہ کرے گا مونڈنے والے کی طرح یا اپنی گردن

موٹا یا اپنی دو بظلوں کو (موٹا) یا ایک (بغل) کو، یا پچھنا لگانے کی جگہ کو (موٹا) اپنی موٹھ موٹھ لینے میں ایک عادل کا حکم ہے اور حلال کی موٹھ موٹھ نے اور اس کے ناخن کترنے میں کھانا ہے، یا ایک مجلس میں اپنے دونوں ہاتھوں اور پاؤں کے ناخن کاٹا، یا ایک ہاتھ اور پاؤں کے، ورنہ صدقہ کرے مثل پانچ متفرق ناخنوں کے، اور کچھ نہیں ٹوٹے ہوئے ناخن کے دور کرنے میں، اگر خوشبو لگائی یا پہنا، یا موٹھ اعذر کی وجہ سے تو ذبح کرے ایک بکری یا تین صاع چھ مسکینوں پر صدقہ کرے یا تین روزے رکھے۔

تفسیر: جنایات جنایہ کی جمع ہے، جنایہ ہر ایسے فعل کو کہتے ہیں جو شرعاً حرام ہو، اور فقہاء کی اصطلاح میں یطلق علی ما یلکون فی النفوس والاطراف جنایہ جنی الشمر سے مشتق ہے جو درخت سے پھل توڑنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، پھر جنایت شر کے معنی میں استعمال ہونے لگا اور اب اسی معنی میں مستعمل ہے۔

جب شاة ان طیب محرم عضواً: اگر کسی محرم نے ایک پورے عضو پر خوشبو لگایا جیسے سر ہے، ران ہے، پنڈلی ہے، تو بکری واجب ہوگی، کیوں کہ جنایت کمال نفع کی وجہ سے کامل ہے لہذا اس پر کمال موجب مرتب ہوگا۔

اگر کسی نے بہت سی خوشبو کھالیا تو اس پر امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دم واجب ہوگا اور صاحبین کے نزدیک صدقہ واجب ہوگا، کیوں کہ اس نے اس کو خوشبو کی طرح استعمال نہیں کیا لہذا بجائے دم صدقہ واجب ہوگا، اور امام صاحب کا کہنا ہے کہ جب اس نے زیادہ خوشبو کا استعمال کیا تو وہ اس کے اکثر منہ یا پورے میں چپک اور لگ جائے گی اور منہ عضو کامل ہے لہذا اس پر دم واجب ہوگا۔

والا تصدق: اور اگر ایک عضو مکمل پر خوشبو نہیں ملا تھا تو جنایت کے ناقص ہونے کی وجہ سے اس پر صدقہ واجب ہوگا، امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ بقدر جنایت دم کا حصہ واجب ہوگا، اور منقی میں ہے کہ جس نے چوتھائی عضو پر خوشبو لیا تو حلق پر قیاس کرتے ہوئے اس پر دم واجب ہوگا۔

لیکن ظاہر کے مطابق دونوں میں فرق یہ ہے کہ سر کے کچھ حصہ کا حلق معتاد ہے یعنی اس کی لوگوں میں عادت ہے، لہذا نفع اٹھانا پورا پایا جائے گا، لہذا جنایت بھی کامل ہو جائے گی، جب کہ جزء عضو پر خوشبو ملنا خلاف عادت ہے، پس کمال نفع معدوم ہوا، لہذا جنایت ناقص ہوگی۔

أو خضب رأسه بحناء: نیز بکری واجب ہوگی اگر پورے سر پر مہندی کا خضاب کیا، کیوں کہ مہندی از قبیل خوشبو ہے، کیوں کہ نبی..... نے ارشاد فرمایا: الحناء طیب (رواہ البیہقی) یہ روایت امام شافعی کے خلاف حجت ہے کیوں کہ امام شافعیؒ کے نزدیک مسئلہ مذکور میں کچھ واجب نہیں ہوتا۔

خلاصہ کلام جب حناء خوشبو ہے جسے اس نے ایک کامل عضو پر لگایا ہے لہذا دم واجب ہوگا یہ حکم تب ہے جب حناء سیال ہو اور اگر حناء غیر سیال ہو یعنی پتوں کو پیس کر سر پر جمائی گئی ہو تو اس پر دو دم لازم ہوں گے ایک دم خوشبو لگانے کا اور دوسرا تنطیہء راس یعنی سر ڈھانکنے کا کیوں کہ مہندی جمانے کی وجہ سے سر چھپ گیا تھا۔ اگر ستمہ سے سر رنگا تو کچھ نہ ہوگا وہ خوشبو نہیں ہے، دسمہ کے استعمال سے صرف بالوں کا رنگ بدلتا ہے اور اس میں زینت ہے امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ اس پر صدقہ لازم ہوگا اسے حسن نے امام اعظم سے روایت کیا ہے۔

او ذہن بزیت: اگر زیتون کا تیل لگایا تو بھی بکری واجب ہوگی یہ رائے امام ابو حنیفہ کی ہے، امام شافعی فرماتے ہیں اگر زیتون کا تیل سر میں لگایا تو اس پر دم ہوگا، کیوں کہ زیتون پر انگنڈگی کو مٹا دیتا ہے اور اگر سر کے علاوہ لگایا تو کچھ لازم نہ ہوگا۔

امام ابو یوسف و محمد فرماتے ہیں کہ اس پر صدقہ واجب ہوگا کیوں کہ زیتون کا تیل اطعمہ میں سے ہے مگر چوں کہ اس میں ایک طرح کا انتفاع ہے کہ جوئیں مر جاتے ہیں اور پر انگنڈگی دور ہو جاتی ہے جو کہ جنایت قاصرہ ہے۔

امام اعظم کی دلیل یہ ہے کہ زیتون کا تیل ہی عطورات کی اصل اور جڑ ہے کیوں کہ خوشبوئیں اس تیل میں ڈالی اور عطورات تیار کی جاتی ہیں، لہذا جو خوشبو کے استعمال سے واجب ہوتا ہے، وہی خوشبوؤں کی اصل کے استعمال سے بھی واجب ہوگا جیسے کہ انڈے کہ وہ صید کی اصل ہیں لہذا جس طرح صید کی قیمت واجب ہوتی ہے اسی طرح حالت احرام میں پرندوں کے انڈوں کو توڑنے سے بھی قیمت واجب ہوتی ہے۔

حاصل یہ کہ جب زیتون کا تیل خوشبو کی اصل ہے، پس وہ بالکلیہ خوشبو سے خالی نہ ہوگا، دوسرے یہ کہ اس تیل سے جوئیں مرتے ہیں پر انگنڈگی دور ہوتی ہے، بال ملائم اور نرم ہوتے ہیں، لہذا اس مجموعے سے جنایت کامل ہو جاتی ہے، رہی بات اس کے ماکول ہونے کی تو یہ وجوب دم کے منافی نہیں ہے جیسے زعفران۔ واضح ہو یہ اختلاف زیتون کے تیل خالص میں ہے بہر حال وہ زیتون جس میں خوشبو کی ملاوٹ ہوتی ہے تو بالاتفاق اس تیل کا استعمال دم کو واجب کرتا ہے۔

او لبس مخیط الخ: اور پورے دن سلا ہوا کپڑا پہنے رہا یا سر ڈھنکے رہا تو ان دونوں صورتوں میں دم واجب ہوگا امام شافعی کے نزدیک محض پہننے سے دم واجب ہو جائے گا خواہ پورے دن پہنتا ہو یا نہ ہو کیوں کہ حالت احرام میں سلا ہوا کپڑا پہننا ممنوع ہے پس پورے دن پہننا وجوب دم کی شرط نہ ہوگا جیسے کہ دیگر تمام محظورات کہ محض ان کے ارتکاب سے وجوب دم ہوتا ہے۔

ہمارا کہنا یہ ہے کہ ٹوب خیط سے کامل نفع بغیر دوام کے حاصل نہیں ہوتا، کیوں کہ سلعے کپڑے پہننے سے مقصود گرمی اور سردی کا دور کرنا ہوتا ہے، اور یوم کامل ان دونوں پر مشتمل ہوتا ہے لہذا ہم نے وجوب دم کے لیے پورے دن کا پہننا معیار قرار دیا۔

او حلق ربع رأسه او لحيته والا تصدق الخ: اگر چوتھائی سر کا حلق کرالیا یا چوتھائی داڑھی موٹڈ ڈالی تو دم واجب ہوگا ورنہ صدقہ لازم ہوگا، یعنی اگر چوتھائی سر اور چوتھائی داڑھی سے کم موٹڈ اتو دم واجب نہ ہوگا، بلکہ صدقہ دینا ہوگا، جیسے کہ وہ شخص جو دوسرے کے بال موٹڈ دے تو اس پر صدقہ واجب ہوتا ہے اسی طرح وہ آدمی جس نے گردن کے بال یا دونوں بغل یا ان دونوں میں سے کسی ایک کا بال یا پچھنا لگوانے کی جگہ کا بال موٹڈ ڈالا تو دم واجب ہوگا۔

چوتھائی سر اور چوتھائی داڑھی موٹڈ کرنے کی صورت میں وجوب صدقہ اس لیے ہے کہ ان کے بعض کا حلق بھی مقصود ہوتا ہے، کیوں کہ بعض لوگ صرف چوتھائی سر اسی طرح چوتھائی داڑھی ہی موٹڈ کرتے ہیں پس اس سے نفع اٹھانا علی وجہ الکمال پایا گیا پس دم واجب ہوگا اور اگر ربع رأس سے کم موٹڈ ہے تو چوں کہ جنایت ناقص ہے اس لیے بجائے دم واجب ہونے کے صدقہ واجب ہوگا۔

اور رقبہ اور موضع حجامت کے حلق کی صورت میں وجوب دم اس لیے ہے کہ یہ سب اعضاء کاملہ ہیں پس ان کے حلق کی حالت میں ارتفاق کامل ہوتا ہے۔

البتہ صاحبین فرماتے ہیں کہ ان مواضع کے حلق کی صورت میں صدقہ ہوگا ان کا استدلال حدیث ابن عباس سے ہے انه عليه الصلاة والسلام احتج وهو محرم متفق عليه کہ آپ..... کے حالت احرام میں پچھنا لگوا یا تھا پس اگر موضع پچھنا کے حلق کی صورت میں دم واجب ہوتا تو آپ..... کبھی بھی حالت موجودہ میں پچھنا نہ لگواتے، دوسرے یہ کہ یہ قلیل ہے جو وجوب دم کا باعث نہیں ہو سکتا۔

امام صاحب کا کہنا ہے کہ موضع پچھنا کا حلق مقصود ہوتا ہے اور اعتبار مقصودیت کا ہی ہے۔

دوسرے صاحبین کی روایت سے ان کا مقصود ثابت نہیں ہوتا کیوں کہ ہو سکتا ہے آپ..... نے عذر کی وجہ سے موضع پچھنا کا حلق کرایا ہو، دوسرے اس بات کا بھی احتمال ہے کہ آپ..... نے ایسی جگہ پچھنا لگوا یا ہو جہاں بال نہ رہے ہوں پس حلق کی نوبت ہی نہ آئی ہو۔

وفي اخذ شابه حكومة عدل: اور محرم کی مونچھوں کو کاٹنے میں ایک عادل کا فیصلہ ہے یعنی دیکھا جائے گا کہ کتری گئی مونچھ کا ربعہ لحيہ سے کیا نسبت ہے پس اس پر اسی کے حساب سے غلہ واجب ہوگا۔
اخذ في الشارب، قص یعنی کترنے کے معنی میں ہے پس مونچھیں اتنی کترنی چاہئے جس سے کہ اوپر کے

ہونٹوں کے کنارے کی سرخی نمودار ہو جائے، پس کترنا مسنون ہے، امام طحاویؒ نے بیان کیا ہے کہ مونچھیں مونڈنا امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک مسنون ہے اولاً وہ نبیؐ کے ارشاد اھلو الشارب وأعفو اللہی (رواہ مسلم) سے استدلال کرتے ہیں۔

وفی شارب حلال او قلم اظفارہ طعام: محرم نے کسی غیر محرم کی مونچھیں کتری یا ناخن تراشے تو محرم پر صدقہ واجب ہوگا، نیز اگر غیر محرم کا سر مونڈا تو بھی یہی حکم ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں مونڈنے والے محرم پر کچھ واجب نہیں ہوگا کیوں کہ محرم کے لیے حصول راحت کے لیے اپنے سے میل کچیل دور کرنا ممنوع ہے اور یہ بات دوسرے کے سر کے مونڈنے میں نہیں پائی جاتی ہماری دلیل یہ ہے کہ انسانی بدن سے بڑھنے اور پنپنے والی چیز کا ازالہ احرام کے ممنوعات میں سے ہے اس لیے کہ اس کو امان کا استحقاق ہو جاتا ہے، جیسے کہ حرم کے نبات کو استحقاق امن حاصل ہوتا ہے، لہذا اپنے غیر کے بدن سے انکا ازالہ ایسے ہی ممنوع ہے، جیسے کہ اپنے بدن سے البتہ اتنا ضروری ہے کہ کمال جنایت اپنے میل و کچیل اور بدنی صفائی ستھرائی میں ہے، لہذا اگر اپنے بال وغیرہ مونڈے تو دم واجب ہوگا، اور اس کا اپنے غیر کے تقش یعنی میل کچیل سے بے چین ہونا خود اپنے میل کچیل کے الم رساں ہونے سے کم تر ہے، لہذا اس پر صدقہ واجب ہوگا۔

او قَصَّ اظفار یدیه ورجلیہ بمجلس الخ: نیز دم واجب ہوگا اگر محرم نے اپنے دونوں ہاتھوں اور پیروں کے مجلس واحد میں یا ایک پیر یا ایک ہاتھ کے ناخن کاٹے پس دونوں صورتوں میں چوں کہ جنایت کاملہ ہے آخری صورت میں تو اس لیے پانچ ناخنوں کا لگا تار کاٹنا لازم آئے گا لہذا وجوب دم ہوگا۔ اور اگر ایک ہاتھ یا ایک پیر کے مکمل ناخن نہیں کاٹے تو صدقہ لازم ہوگا اور اس کا حکم بعینہ ویسا ہی ہے کہ کوئی پانچ ناخن متفرق طور پر ہاتھوں اور پیروں سے کاٹے تو صدقہ واجب ہوتا ہے، وجوب دم نہیں ہوتا اور اگر ہر ہاتھ اور پیر کے ناخن الگ الگ مجلسوں میں کاٹے مثلاً چار مجلسوں میں دونوں ہاتھ اور پیروں کے ناخن کاٹے تو صاحبینؒ کے نزدیک چار دم واجب ہوں گے۔

ولا شیء باخذ ظفر منکسر: اگر ٹوٹا ہوا ناخن اکھاڑ لیا تو محرم پر کچھ نہ ہوگا اس لیے کہ ناخن ٹوٹنے کے بعد نہیں بڑھا کرتا لہذا یہ شجرۃ یا بس کے مشابہ ہو گیا اور حرم کے سوکھے درخت اور خشک گھاس کے توڑنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

وان تطیب او لیس الخ: اگر محرم نے خوشبو لگالیا یا سلعے ہوئے کپڑے پہن لیے یا عذری وجہ سے سر منڈا لا تو بکری ذبح کر کے فقراء کو صدقہ کر دے یا تین صاع غلہ چھ مسکینوں پر صدقہ کر دے یا تین روزے

رکے عن کعب بن عجرہ انه قال کان بی اذی من راسی فحملتُ إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم والقمل يتأثر على وجهي فقال ما كنت أرى أن الجهد بلغ فيك ما أرى أن تجد شاة قلت لا فنزلت الآية ففدية من من صيام أو صدقة أو نسك قال هو صوم ثلاثة ايام أو اطعام ستة مساكين نصف صاع طعاماً لكل مسكين متفق عليه. وفسر النسك عليه الصلاة والسلام بالشاة (فيما روا ابو داود)

حضرت کعب بن عجرہ کہتے ہیں کہ میں سر کی تکلیف میں مبتلا تھا پس رسول اللہ..... کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اس حال میں کہ میرے سر سے جوئیں جھڑ رہے تھے جو میرے رخسار پر گر رہے تھے تو آپ..... نے ارشاد فرمایا کہ کیا بات ہے کہ میں تم سے مشقت کو انتہاء پر پہنچا ہوا دیکھ رہا ہوں، یعنی تم آخری درجہ کی مشقت میں ہو کیا تم کوئی بکری نہیں پاتے (کہ حلق کرا کر اسے صدقہ کر دو) تو میں نے عرض کیا نہیں پس یہ آیت نازل ہوئی فمن كان منكم مريضاً او به اذى من راسه ففدية من صيام او صدقة او نسك. رسول اللہ..... نے ارشاد فرمایا کہ فدیہ تین روزہ ہے یا چھ مسکینوں کو نصف صاع کے حساب سے ہر مسکین کو نصف صاع کھانا دینا ہے، اور نسک بکری ذبح کرنا یعنی دم دینا ہے۔

فصل

وَلَا شَيْءَ أَنْ نَظَرَ إِلَى فَرْجِ امْرَأَةٍ بِشَهْوَةٍ فَأَمْنَى وَتَجِبُ شَاةٌ إِنْ قَبْلَ أَوْ لَمَسَ بِشَهْوَةٍ أَوْ اِفْسَدَ حَبَّةَ بِجَمَاعٍ فِي أَحَدِ السَّيْلَيْنِ قَبْلَ الْوُقُوفِ بِعَرَفَةَ وَيَمْضِي وَيَقْضِي وَلَمْ يَفْتَرِقَا فِيهِ وَبَدَنَةً لَوْ بَعْدَهُ وَلَا فُسَادَ أَوْ جَمَاعَ بَعْدَ الْحَلْقِ أَوْ فِي الْعِمْرَةِ قَبْلَ أَنْ يَطُوفَ الْأَكْثَرُ وَتَفْسِدُوا يَقْضِي وَيَقْضِ أَوْ بَعْدَ طَوَافِ الْأَكْثَرِ وَلَا فُسَادَ وَجَمَاعِ النَّاسِ كَالْعَامِدِ أَوْ طَافَ لِلرُّكْنِ مُحَدَّثًا وَبَدَنَةً لَوْ جُنْبًا وَتَعَيَّدَهُ وَصَدَقَةً لَوْ مُحَدَّثًا لِلْقُدُومِ وَالصُّدْرِ أَوْ تَرَكَ أَقْلَ طَوَافِ الرُّكْنِ وَلَوْ تَرَكَ أَكْثَرَهُ بَقِيَ مُحَرَّمًا. أَوْ تَرَكَ أَكْثَرَ الصُّدْرِ أَوْ طَافَهُ جُنْبًا وَصَدَقَةً بِتَرْكِ أَقْلِهِ أَوْ طَافَ لِلرُّكْنِ مُحَدَّثًا وَلِلصُّدْرِ طَاهِرًا فِي آخِرِ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ وَدَمَانَ لَوْ طَافَ لِلرُّكْنِ جُنْبًا أَوْ طَافَ لِعِمْرَتِهِ وَسَعَى مُحَدَّثًا وَلَمْ يَعُدْ أَوْ تَرَكَ السَّعْيَ أَوْ أَقَاضَ مِنْ عَرَافَاتٍ قَبْلَ الْإِمَامِ فِي الْحَلِّ وَدَمَانَ لَوْ حَلَقَ الْقَارِئُ قَبْلَ الذَّبْحِ.

ترجمہ: اور محرم پر کوئی چیز لازم نہ ہوگی اگر اس نے کسی عورت کی شرمگاہ شہوت کے ساتھ دیکھا اور منی نکل گئی اور بکری واجب ہوگی اگر (عورت کو) بوسہ دیا یا (شہوت کے ساتھ) ہاتھ لگایا یا اپنے جج کو

سبیلین میں سے کسی میں جماع کی وجہ سے فاسد کر لیا و قوف عرفہ سے پہلے اور (اعمال حج) کرتا جائے اور (سال آئندہ قضاء کرے) اور قضاء میں دونوں علیحدہ نہیں رہیں گے اور بد نہ واجب ہوگا اگر اس کے بعد (جماع کیا ہو) اور کوئی فساد نہیں ہے (اس کے حج کے لیے) یا اس نے جماع کر لیا حلق کے بعد یا عمرہ میں اکثر طواف کرنے سے پہلے اور (وہ عمرہ) فاسد ہو جائے گا اور اس کے اعمال کرتا رہے اور آئندہ سال اس کی قضاء کرے گا یا (جماع کیا) اکثر طواف کرنے کے بعد، اور اس کے عمرہ کے لیے فساد نہیں ہے اور بھول کر جماع کرنے والا (شرعاً) جان بوجھ کر جماع کرنے والے کی طرح ہے یا طواف زیارت بے وضوء کیا (تو بھی بکری واجب ہوگی) اور بد نہ (واجب ہوگا) اگر جنابت کی حالت میں (طواف کیا) اور طواف کا اعادہ کرے گا (جو اس نے جنابت یا حدیث کی حالت میں کیا) اور صدقہ (واجب ہوگا) اگر طواف قدوم اور طواف وداع بے وضوء کیا یا چھوڑ دیا طواف زیارت کا کم از کم حصہ اور اگر اس کا اکثر حصہ (یعنی اکثر چکر) چھوڑ دیا تو محرم ہو کر باقی رہے گا یا طواف وداع کے اکثر شوط چھوڑ دیئے یا طواف وداع حالت جنابت میں کیا، اور صدقہ واجب ہوگا طواف وداع کے اقل حصہ چھوڑنے پر یا طواف زیارت بے وضوء کیا اور طواف وداع حالت طہارت میں ایام تشریق کے آخر میں کیا، اور دو دم واجب ہوں گے اگر طواف زیارت جنابت کی حالت میں کیا یا طواف کیا اپنے عمرہ کے لیے اور سعی بے وضوء کیا اور نہیں اعادہ کرے گا یا سعی کو چھوڑ دیا یا عرفات کے امام کے کوچ کرنے سے پہلے کوچ کیا یا مزدلفہ کا قوف چھوڑ دیا، یا تمام جمرات کی (تمام ایام میں رمی) چھوڑ دیا یا کسی ایک دن کی رمی کو چھوڑ دیا یا حلق کو اس کے وقت سے مؤخر کر دیا، یا طواف زیارت کو مؤخر کیا یا حلق کیا حل میں اور دو دم واجب ہوں اگر قارن نے ذبح سے پہلے حلق کرایا۔

تشریح: ولا شیء ان نظر الی فرج امرأة الخ: اگر کسی محرم نے کسی عورت کی شرمگاہ خواہش کے ساتھ (خواہ وہ اپنی بیوی ہو یا اجنبیہ) دیکھا گوئی مرتبہ اس پر اس کی نگاہ پڑی اور منی بھی اس کے دیکھنے کی وجہ سے نکل آئی یعنی دیکھنے والے کو انزال ہو گیا تو بھی اس پر کچھ لازم نہ ہوگا کیوں کہ حرام حالت احرام میں جماع ہے جو نہ صورت پایا گیا اور نہ معنی صورتا تو اس لیے کہ واقعہ مذکورہ میں شرمگاہ کا شرمگاہ میں ادخال نہیں: یا گیا اور معنی اس لیے نہیں کہ قضاء شہوت محل مشتبہ میں بدرجہ کمال نہیں پائی گئی، پس یہ ایسے ہو گیا جیسے اس نے کسی عورت کے بارے میں سوچا اور اس تفکر کے نتیجہ میں محرم کو انزال ہو گیا تو اس پر کچھ لازم نہیں ہوتا۔

وتجب شاة الخ: اگر محرم نے شہوت کے ساتھ اپنی بیوی کو چوم لیا یا شہوت کے ساتھ چھوا خواہ انزال ہو یا نہیں ہو اسی طرح اگر فرج کے علاوہ میں جماع کیا تو حج فاسد نہ ہوگا، البتہ دم یعنی بکری واجب ہوگی۔

امام شافعیؒ کے نزدیک اگر انزال ہو گیا تو ان نماہ صورتوں میں احرام فاسد ہو جائے گا۔
 ہماری دلیل یہ ہے کہ فساد احرام ایسا حکم ہے جس کا تعلق عین جماع سے ہے کیا آپ نہیں دیکھتے کہ تمام
 محظورات احرام کا ارتکاب احرام کو فاسد نہیں کرتا، اور جس حکم کا تعلق جماع سے ہے اس کا غیر جماع سے نہیں
 ہے، جیسے کہ حد کہ اس کا تعلق فقط جماع سے ہے، مگر چوں کہ تقبیل عورت اور مس مرأۃ وغیرہ میں جب کہ شہوت
 کے ساتھ ہو ایک طرح سے عورت کے ساتھ استمتاع کے معنی پائے جاتے ہیں، جو منہی عنہ ہے، لہذا جب کسی
 محرم نے اس پر اقدام کیا تو بلاشبہ اس نے محظورات احرام کا ارتکاب کیا، لہذا اس پر دم لازم ہوگا۔

اذا فسَدَ حَجُّهُ بِجَمَاعٍ فِي أَحَدِ السَّبِيلَيْنِ الْخ: اگر محرم نے وقوف عرفہ سے پہلے سبیلین میں
 سے کسی میں مجامعت کے عمل سے اپنا حج فاسد کر ڈالا تو دم واجب ہوگا۔

دیکھئے یہاں دو باتیں ہیں ایک تو وقوف عرفہ سے پہلے اس طرح کے عمل سے حج کا حکم کیا ہوتا ہے؟
 دوسرے وجوب دم کا کیا معاملہ ہے؟ تو جہاں تک فساد حج کا معاملہ ہے تو بالاتفاق اس طرح کے معاملہ سے حج
 فاسد ہو جاتا ہے اور دم کا معاملہ مختلف فیہ ہے اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دم واجب ہوگا یعنی بکری وغیرہ اور امام
 شافعیؒ کے نزدیک بدنہ واجب ہوگا۔

امام شافعیؒ اس مسئلہ کو اس پر قیاس کرتے ہیں کہ اگر کسی نے وقوف عرفہ کے بعد جماع کیا تو اس پر بدنہ
 واجب ہوتا ہے لہذا شکل مذکور میں تو بدرجہ اولیٰ وجوب بدنہ ہوگا، کیوں کہ اس شکل میں جنایت وقوف عرفہ سے
 پہلے مطلق احرام کی حالت میں بطریق اکمل موجود ہے، لہذا اس کی جزاء اقلظ ہونی چاہئے۔

اور ہماری دلیل یہ روایت ہے روى يزيد بن نعيم الاسلمى التابعى ان رجلاً جامعَ
 امرأته وهما محرمان فسأل رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال لهما اقصيا
 نُسُكُكُمَا وَأَهْدِيَا هَدْيَا رواه البيهقي حضرت يزيد بن نعيم اسلمی فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی
 بیوی سے جماع کر لیا حالانکہ وہ دونوں محرم تھے پس اس آدمی نے رسول اللہ..... سے مسئلہ دریافت کیا تو
 آپ..... نے ان دونوں سے کہا اپنے فریضہ کی قضاء کرو اور ہدی ذبح کرو، اور ہدی بکری کو شامل ہے لہذا
 مسئلہ مذکور میں بکری کا وجوب ہوگا۔

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ جب قضاء کا وجوب ہو گیا تو نفوت شدہ کی اس کے ذریعہ تلافی: تی ہے، پس
 جنایت میں ہلکا پن پیدا ہو جاتا ہے، لہذا بکری کے ساتھ کفایت درست ہوگی، بخلاف وقوف عرفہ کے بعد
 جماع کے کہ اس میں قضاء کا حکم نہیں ہے پس وجوب بدنہ ہی مکمل بھر پائی ہے لہذا جزاء سخت ہوگی۔
 امام ابو حنیفہؒ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ وقوف سے پہلے دبر میں جماع سے حج فاسد نہ ہوگا کیوں کہ

اس میں خلافِ فطرت ہونے کی وجہ سے معنی جماع کی کمی ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کے نزدیک اس کی وجہ سے حد واجب نہیں ہوتی ہے، البتہ صاحبینؒ کے نزدیک قبل اور در میں مجامعت کے حکم میں کوئی فرق نہیں ہے۔

معلوم ہونا چاہئے کہ صورت مذکورہ میں اس لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے کہ مجامعت کرنے والا عابد ہو یا ناسی بخوشی اس کا ارتکاب کیا یا باکرارہ اور اگر قارن تھا تو اس کا حج و عمرہ دونوں فاسد ہو جائیں گے بشرطیکہ اس نے عمرہ کا طواف کرنے سے پہلے بایں عمل فاسد کر لیا ہو تو دونوں کی قضاء اور دم واجب ہوں گے، البتہ دم قرآن ساقط ہو جائے گا۔

ویمضی وبقضی: اور یہ شخص صورت مذکورہ میں اعمال حج کرتا رہے جس طرح وہ شخص کہ جس کا حج فاسد نہ ہوا ہو تو وہ اعمال حج کرتا رہے گا البتہ قضاء سال آئندہ کرنا ضروری ہوگا، حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ سے اس طرح کے مسئلہ میں یہی منقول ہے کہ میاں بیوی اعمال حج کرتے جائیں اور آئندہ سال آکر قضاء کریں۔

ولم یفترقا فیہ: اور قضاء میں میاں بیوی الگ الگ نہیں رہیں گے بلکہ ساتھ ساتھ رہ کر قضاء کی اجازت ہے۔

امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اور حضرت زقرؒ اس بات کے قائل ہیں کہ دونوں علیحدہ علیحدہ رہیں گے، کیوں کہ حضرات صحابہ نے اس موقع سے میاں بیوی کا افتراق ضروری قرار دیا ہے، البتہ موقع افتراق میں ان حضرات کا نظریہ الگ الگ ہو جاتا ہے، امام مالکؒ کے نزدیک میاں بیوی دونوں گھر سے ہی الگ الگ چلیں گے یعنی پورے قضاے حج و عمرہ میں ایک ساتھ نہ ہوں گے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک وہ مقام جہاں مجامعت ہوئی تھی جب وہاں دونوں پہنچ جائیں گے تو اب علیحدہ علیحدہ ہو جائیں گے ایسا اس لیے کہ اس جگہ پہنچ کر ان دونوں کو وہ عمل جماع یاد آ جائے گا پس اس میں دوبارہ مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہو جاتا ہے۔

اور امام زقرؒ کے نزدیک تو احرام باندھنے کے ساتھ ہی وہ ایک دوسرے سے برہنائے احتیاط علیحدہ رہیں، کیوں کہ افساد کا خوف احرام کے وقت سے پایا جانے لگتا ہے، کیوں کہ احرام کے بعد جماع سے گریز ضروری ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ دونوں میں باہم افتراق جب اداء حج میں کوئی نسیک نہیں ہے تو اسی طرح قضاء میں بھی، کیوں کہ قضاء اداء کی حکایت کرتا ہے۔

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ میاں بیوی میں جامع نکاح ہے جو موجود ہے لہذا احرام سے قبل افتراق کا کوئی

مطلب نہیں، کیوں کہ احرام سے قبل جماع مباح ہے اسی طرح احرام کے بعد بھی افتراق بین الزوجین بے معنی ہے، کیوں کہ تھوڑی سی لذت کی وجہ سے جو دونوں کو مشقت جھیلنی پڑ رہی ہے اس کے یاد کرنے کے بعد دونوں کی شرمندگی میں اضافہ ہوگا اور حالت احرام میں جماع سے گریز بھی بڑھ جائے گا، پس افتراق بے مطلب کا ہوگا، دیکھئے حالت حیض میں فراش میں مفارقت ضروری نہیں ہے نیز روزے میں علیحدہ رہنا واجب نہیں ہے، پس جماعت سے دور رہنا مطلوب ہے۔

رہی بات حضرات صحابہ سے افتراق کا منقول ہونا تو یہ برہنائے ندب و استحباب ہے، وجوہاً نہیں ہے۔
وبدنة لو بعده ولا فساد: اگر وقوف عرفہ کے بعد جماع کیا تو بدنة واجب ہوگا البتہ حج فاسد نہ ہوگا، امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر وقوف کے بعد رمی جمار سے پہلے جماع کر لیا تو حج فاسد ہو جائے گا ایسے ہی جیسے کہا اگر وہ وقوف عرفہ سے پہلے جماعت کر لیتا تو حج فاسد ہو جاتا، دونوں میں جامع یہ ہے کہ دونوں جماع حلال ہونے سے پہلے ہیں لہذا جیسے پہلی صورت میں حج فاسد ہو جاتا ہے اسی طرح دوسری صورت میں حج فاسد ہو جائے گا۔

ہماری دلیل یہ حدیث ہے قال رسول الله صلى الله عليه وسلم مَنْ وَقَفَ بعرفة فقد تَمَّ حَجُّهُ کہ رسول اللہ..... نے ارشاد فرمایا جس شخص نے عرفہ میں وقوف کیا تو اس کا حج پورا ہو گیا، پس اس حدیث میں حقیقت تمام ہونا مراد نہیں ہے، کیوں کہ وقوف عرفہ کے بعد طواف زیارت باقی رہ جاتا ہے، حالاں کہ وہ رکن حج ہے لہذا اتمام ہونا حکماً متعین ہو گیا یعنی وقوف عرفہ کے بعد حج فساد سے مامون ہو جاتا ہے۔
ووجوب بدنة حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے جسے لازماً حضرت ابن عباسؓ نے سنا ہوگا اگر جماع کرنے والا قارن ہو تو اس پر احرام حج کا بدنة اور احرام عمرہ کی بکری واجب ہوگی۔

او جامع بعد الحلق: اگر حاجی نے حلق کے بعد طواف زیارت سے پہلے جماع کر لیا تو بکری واجب ہوگی کیوں کہ عورت کے علاوہ کے حق میں حلت کے پائے جانے کی وجہ سے جنایت ہلکی ہو گئی۔

او فی العمرة قبل ان يطوف لها الاكثر النخ: اگر معتمر نے عمرہ کے اکثر طواف یعنی چار شوط مکمل کرنے سے پہلے جماعت کر لی تو اس کا عمرہ فاسد ہو جائے گا اور بکری اس پر واجب ہوگی، البتہ بقیہ اعمال عمرہ کرتا جائے اور پھر اس کی قضاء کرے جیسے کہ حاجی عرفہ سے قبل جماع کی صورت میں سالِ آئندہ قضاء کا پابند ہوتا ہے۔

او بعد طواف الاكثر والافساد: اگر عمرہ کا اکثر طواف یعنی چار شوط کم از کم طواف کر لینے کے بعد جماع کر لیا تو عمرہ فاسد نہ ہوگا البتہ اس حرکت کی وجہ سے بکری اس پر واجب ہوگی۔

امام شافعی کے نزدیک دونوں صورتوں میں عمرہ فاسد ہو جائے گا اور معتمر پر بدستہ واجب ہوگا، حج پر قیاس کرتے ہوئے کیوں کہ وہ امام شافعی کے نزدیک حج کی طرح فرض ہے اور ہمارے نزدیک عمرہ سنت ہے پس عمرہ حج کے مقابلہ میں کم رتبہ ہوا، لہذا عمرہ میں بکری واجب ہوگی اور حج میں بدستہ واجب ہوتا ہے دونوں میں فرق ظاہر کرنے کے لیے۔ عمرہ کا طواف رکن ہوتا ہے لہذا طواف عمرہ، وقوف عرفہ کی طرح ہو گیا، اور اگر طواف پورے مکمل طواف کے قائم مقام ہوتا ہے۔

وجماع الناسی كالعدم من بھول کر جماع کرنے والا حکم میں قصد اجماع کرنے والے کے ہے اسی طرح نائمہ اور مکرمہ کا جماع نیز مفسد حج والعمرة ہوتا۔

أو طاف للركن محدثنا: اگر حاجی نے طواف زیارت بے وضوء کیا تو اس پر بکری واجب ہوگی، اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ بے وضوء طواف کا اعتبار نہیں ہے کیوں کہ طہارت طواف کی شرط ہے کیوں کہ طواف بمنزلہ صلاۃ ہے اور صلوٰۃ بلا وضوء درست نہیں پس یہی حکم طواف کا بھی ہے، اس کی تائید حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت سے ہوتی ہے، عن ابن عباس انه صلى الله عليه وسلم قال الطواف بالبيت صلاة الا انكم تتكلمون فيه فمن تكلم لا يتكلم الا بخير رواه الترمذی کہ رسول اللہ... نے ارشاد فرمایا بیت اللہ کا طواف نماز ہے بس اتنا فرق ہے کہ نماز میں گفتگو منع ہے اور طواف میں بات کرنا مباح ہے، پس جو شخص طواف میں بات کرے تو اسے چاہئے کہ بہتر چیز کا ہی انتخاب کرے۔

اور ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد وليطوفوا بالبيت العتيق ہے جو بلا اجازت کی قید کے ہے، لہذا طواف میں طہارت کی شرط لگانا نص پر زیادتی ہے جو ایک طرح سے نسخ ہے، لہذا طہارت کا شرط ہونا خبر واحد سے ثابت نہیں ہو سکتا، اور حدیث سے مراد ثواب میں طواف کو نماز کے ساتھ تشبیہ دینا ہے حکم میں نہیں جیسے کہ ارشاد نبوی ہے المنتظر للصلاة هو في الصلاة کہ نماز کا انتظار کرنے والا گویا نماز میں ہے پس اس روایت میں انتظار صلوٰۃ کو ثواب کہنا باعتبار ثواب کے ہے۔

وبدنة لو جنبنا: اگر طواف زیارت حالت جنابت میں کیا تو بدنہ واجب ہوگا، حضرت ابن عباسؓ سے اسی طرح منقول ہے دوسرے یہ کہ طواف فی الجنابة کی جنایت، طواف فی الحدث سے اغلط ہے، لہذا اس کے نقصان کی تلافی بدستہ سے ہوگی تاکہ جنایت فی الجنابة اور جنایت فی الحدث کے درمیان کا فرق واضح ہو جائے۔

ويعيد: وہ طواف جو حاجی نے جنابت یا حدث کی حالت میں کیا ہے تو اس کا اعادہ کرے گا تاکہ طواف بطریق کمال انجام پا جائے۔

اب ایک بات ہے کہ اعادہ طواف مذکور واجب ہے یا مستحب مصنف نے اس کو بیان نہیں کیا، ہدایہ میں ہے کہ جب تک حاجی مکہ میں مقیم ہے تو اعادہ طواف افضل ہے، اور بعض نسخوں میں وعلیہ ان یعید عبارت ہے یعنی حاجی پر طواف مذکورہ کا اعادہ لازم اور واجب ہے۔ اور اصح یہ ہے کہ حدث میں اعادہ کا استحباباً حکم دیا جائیگا اور جنابت میں ایجاباً اعادہ کا حکم ہوگا نقصان فاحش کی وجہ سے برہائے جنابت۔

و صدقة لو محدثاً للقدم: اگر آدمی نے طواف قدوم بے وضو کیا تو صدقہ واجب ہوگا، کیوں کہ ترک طہارت کی وجہ سے اس طواف قدوم میں نقص داخل ہو گیا، لہذا اس کی تلافی صدقہ سے ہوگی، یہی حکم ہر طواف نقلی کا ہے کہ صدقہ واجب ہوگا دم واجب نہ ہوگا۔

والصدر: اگر طواف وداع بے طہارت کے کیا تو بھی صدقہ واجب ہوگا ایسا اس لیے ہے کہ یہ طواف واجب ہے، پس یہ طواف زیارت سے کم تر ہوا لہذا بلا وضو طواف وداع کرنے کی صورت میں صدقہ ہوگا اور اگر طواف وداع جنابت کی حالت میں کیا تو دم واجب ہوگا کیوں کہ یہ نقص کبیر ہے، اور چوں کہ یہ طواف زیارت سے کم تر ہے، لہذا طواف زیارت حالت جنابت میں کرنے کی صورت میں بدنہ واجب ہوتا ہے، لہذا طواف وداع حالت جنابت میں انجام دینے کی صورت میں دم واجب ہوگا۔

او ترك اقل طواف الوکن: اگر طواف زیارت کا کم از کم حصہ یعنی تین شوط یا اس سے بھی کم ترک کر دیا اور نہیں کیا تو دم واجب ہوگا اور حج درست ہو جائے گا، اور جب حلق کرا لے گا تو حلال ہو جائے گا اس لیے کہ نقصان معمولی ہے جس کی تلافی دم سے ہو جاتی ہے، اور اگر آدمی وطن لوٹ آیا ہو تو لوٹ کر مکہ نہ جانا درست ہے اور وطن سے ہی کوئی دم یعنی بکری حرم میں ذبح کے لیے بھیج دے۔

ولو ترك اكثره بقى محوماً: اور اگر طواف زیارت کے اکثر شوط چھوڑ دیئے یعنی چار یا اس سے بھی زیادہ شوط تو وہ محرم ہی رہے گا تا وقتیکہ وہ پورا طواف زیارت نہ کر لے، کیوں کہ مشہور ضابطہ ہے للاكثر حکم الكل یعنی گویا صورت مذکورہ میں اس نے طواف زیارت کیا ہی نہیں، لہذا اس طواف کے کر لینے تک وہ محرم ہی رہے گا۔

او ترك اكثر الصدر او طافه جنباً الخ: اگر طواف وداع کے اکثر شوط چھوڑ دیئے، یعنی چار یا اس سے بھی زائد چکر ترک کر دیئے یا حالت جنابت میں طواف وداع کیا تو ان دونوں صورتوں میں دم یعنی بکری واجب ہوگی اس لیے کہ طواف وداع واجب ہے لہذا اس کا ترک باعیت وجوب دم ہوگا، پس یہی حکم اکثر طواف کے ترک کا بھی ہے کیوں کہ مشہور بات ہے للاكثر حکم الكل۔ البتہ طواف زیارت اور طواف عمرہ اس میں اقل طواف کے ترک پر بھی دم واجب ہوتا ہے، کیوں کہ یہ طواف فرض ہیں، یہی وجہ ہے کہ طواف زیارت اور طواف عمرہ کے ترک کی تلافی دم سے نہیں ہو پاتی، اور طواف وداع اس کی ترک پر تلافی دم سے

ہو جاتی ہے۔

اور اگر طواف وداع کے اقل حصہ یعنی تین یا اس سے بھی کم شوط چھوڑے تو فی شوط ایک مسکین کا کھانا یعنی نصف صاع گیتھوں صدقہ واجب ہوگا، اکثر طواف اور اقل طواف کے ترک کے مابین فرق واضح کرنے کے لیے۔

او طاف للركن محدثا وللصدر طاهر الخ: اگر طواف زیارت بے وضوء کیا اور طواف وداع ایام تشریق کے آخر میں با وضوء کیا تو ایک دم واجب ہوگا، کیوں کہ طواف وداع، طواف زیارت کی طرح منتقل نہیں ہوگا کیوں کہ وہ واجب ہے اور طواف زیارت کا اعادہ بوجہ حدث غیر واجب ہے البتہ مستحب ہے پس طواف وداع طواف زیارت کی طرف منتقل نہ ہوگا، لہذا طواف زیارت میں حدث کی وجہ سے دم واجب ہوگا۔ اور اگر اس نے اسی صورت میں طواف زیارت حالت جنابت میں کیا تو دو دم واجب ہوں گے، امام ابو حنیفہ کے نزدیک، اس لیے کہ طواف وداع طواف زیارت کی طرف منتقل ہو گیا یعنی طواف زیارت سے بدل گیا کیوں کہ حالت جنابت میں کرنے کی وجہ سے طواف زیارت واجب الا عاده ہوتا ہے، لہذا صورت مذکورہ میں حاجی طواف وداع کا ترک کرنے والا اور طواف زیارت کا ایام النحر سے مؤخر کرنے والا ہو گیا، لہذا ترک طواف وداع کی وجہ سے بالاتفاق ایک دم واجب ہوگا اور طواف زیارت میں تاخیر کی وجہ سے دوسرا دم البتہ صاحبین کے نزدیک مذکورہ بالا مسئلہ میں صرف ایک دم واجب ہوگا، یعنی دم ترک طواف وداع۔

او طاف لعمركه وسعی محدثا ولم يعد: اگر معتمر نے عمرہ کا طواف اور سعی بے وضوء کیا اور وطن واپسی تک طواف سعی کا اعادہ نہیں کیا تو ایسے معتمر پر دم واجب ہوگا، کیوں کہ اس نے طواف فرض میں طہارت کو نظر انداز کیا اور اس کے ترک کا مرتکب ہوا البتہ مکہ واپسی کا حکم نہیں ہوگا کیوں کہ ادایہ رکن کے ساتھ حلال ہو گیا ہے اور نقصان بھی معمولی ہے، اور سعی بلا وضوء میں کچھ لازم نہیں ہے۔

اگر آدمی نے اس صورت میں مکہ میں رہتے ہوئے نقصان کی تلافی کے لیے طواف کا اعادہ کر لیا اور طواف کی اتباع میں سعی بھی دوبارہ کر لی تو اعادہ سے نقصان کی تلافی ہو جانے کی وجہ سے اس پر کچھ لازم نہ ہوگا اور اگر صرف طواف کا اعادہ کیا اور سعی کا اعادہ نہیں کیا تو اس پر کچھ لازم نہ ہوگا۔

او ترك السعی: اگر سعی چھوڑ دیا تو چوں کہ سعی واجب ہے اور ترک واجب پر دم واجب ہوتا ہے، لہذا اس صورت میں بھی دم واجب ہوگا البتہ حج فاسد ہوگا، کیوں کہ ترک واجب کی تلافی دم سے ممکن ہوتی ہے۔

او افاض من عرفات قبل الامام: نیز اگر حاجی نے امام کے کوچ کرنے سے پہلے عرفات سے کوچ کر دیا یعنی غروب شمس سے پہلے کوچ کیا تو دم واجب ہوگا، کیوں کہ غروب شمس تک عرفات کا قیام واجب ہے پس اگر غروب شمس کے بعد امام سے پہلے کوچ گیا تو کچھ لازم نہ ہوگا۔

ہاں امام شافعیؒ کے نزدیک دن میں عرفات سے مزدلفہ کے لیے نکل پڑنے پر کچھ واجب نہیں ہوتا کیوں کہ رکن تو اصل وقوف ہے لہذا ترک استدامت سے اس کو کچھ لازم نہ ہوگا۔

ہمارا کہنا یہ ہے کہ نفس وقوف رکن حج ہے اور اس کا غروب شمس تک میدان عرفات میں رہنا واجب ہے، کیوں کہ نبی..... کا ارشاد فادفعوا بعد غروب الشمس امر ہے جو کہ وجوب کے لیے ہوتا ہے اور ترک واجب سے دم واجب ہو جاتا ہے۔

او ترك الوقوف بالمزدلفة: اگر کسی شخص نے مزدلفہ کا وقوف چھوڑ دیا تو اس پر بھی دم واجب ہوگا، کیوں کہ مزدلفہ کا وقوف واجب ہے، جس کا ترک باصط وجوب دم ہوتا ہے۔

او في الجمار كلها او رمى يوم: اگر کسی شخص نے تمام ایام میں رمی جمرات کو چھوڑ دیا یا کسی ایک یوم میں رمی جمرات نہیں کیا تو دم واجب ہوگا اور وہ ایک دم ہوگا وجوب دم تو اس لیے ہوگا کہ رمی جمرات واجبات میں سے ہے اور ایک ہی دم اس لیے واجب ہوگا کہ جنس متحد ہے جیسے کہ حلق میں ہوتا ہے، حتیٰ کہ اگر وہ تمام بدن کا حلق کرا ڈالے تو بھی دم واحد کافی ہو جاتا ہے اگرچہ علی الانفراد ہر عضو کے حلق پر وجوب دم ہوتا ہو۔

ترک رمی جمار کا تحقق رمی کے ایام کے آخری دن کے غروب شمس سے ہوگا اور رمی جمار کا آخری دن ایام التشریق کا آخری یوم ہوگا، پس جب تک ایام تشریق باقی ہیں رمی جمرات کی قضاء ممکن ہے پھر ہر یوم کی رمی کی تاخیر کے سبب امام اعظمؒ کے نزدیک دم واجب ہوگا، قضاء کے ساتھ۔ البتہ صاحبین کا اختلاف ہے۔

اور اگر رات تک کسی دن کی رمی کو مؤخر کیا پس اگلے دن کی صبح صادق ہونے سے قبل اس نے رمی کر لی تو اس پر کچھ واجب نہ ہوگا۔

او آخر الحلق او طواف الوكن: اگر حلق یا طواف زیارت کو اس کے وقت یعنی ایام النحر سے مؤخر کیا تو امام صاحب کے نزدیک دم واجب ہوگا، اور صاحبین کے نزدیک دونوں صورتوں میں کچھ نہ ہوگا، صاحبین کا استدلال اس حدیث سے ہے انه عليه الصلاة والسلام سأل رجل فقال يا رسول الله لم أشعر حلق قبل ان اذبح فقال اذبح ولا حرج وقال آخر يا رسول الله لم أشعر نحوت قبل ان أرمي فقال ارم ولا حرج فما سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن شيء قدم أو أخر إلا قال الفعل ولا حرج یعنی ایک صحابیؓ رسول اللہ..... کے پاس آئے اور کہا کہ ہم جان نہیں پائے اور میں نے ذبح سے پہلے حلق کر لیا تو آپ..... نے فرمایا ذبح کرو کوئی حرج نہیں ہے۔

اور ایک دوسرے صحابیؓ آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ لا شعوری میں رمی سے پہلے میں نے قربانی ذبح کر ڈالی تو آپ..... نے فرمایا کہ رمی کرو اور کوئی مضائقہ نہیں، پس آپ..... سے کسی بھی عمل کے مقدم یا مؤخر ہو جانے کے متعلق استفسار کیا گیا تو آپ..... نے بس یہی ارشاد فرمایا کہ عمل کرو اور کوئی بات نہیں۔

اور دلیل عقلی یہ ہے کہ جو چیز فوت ہوتی ہے تو اس کی تلائی قضاء سے ہو جاتی ہے اور قضاء کے ساتھ کوئی دوسری چیز واجب نہیں ہوتی۔

امام اعظمؒ کی دلیل یہ قول ابن عباسؓ ہے من قدم نسكاً على نسك فعليه الدم کہ وہ شخص جس نے ایک عمل حج کو دوسرے عمل حج پر مقدم کیا تو اس پر دم واجب ہوگا، اور عقلی دلیل یہ ہے کہ وہ اعمال جو موقت بالمكان ہیں تو ان میں سے کسی عمل کو اس کی جگہ سے مؤخر کرنا یہ وجوب دم کا سبب ہوتا ہے، جیسے کہ احرام پس اسی طرح وہ اعمال جو موقت بالزمان ہوتے ہیں اگر ان میں سے کسی عمل کو اس وقت اور زمانہ سے مؤخر کر دیا تو یہ تاخیر نیز وجوب دم کا سبب ہوگی، رہی بات حدیث کی جسے صاحبین نے روایت کیا ہے تو اس میں حرج سے مراد گناہ کی نفی ہے لا حرج سے فدیہ کی نفی نہیں ہوتی، نیز سائل کا قول لم اشعر خود اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ وہ حضرات ناواقفیت کی وجہ سے یا لسیان کے سبب معذور ہیں پس یہ حدیث صاحبین کے لیے حجت نہیں ہو سکتی۔

أو حلق فی الحل: یعنی اگر کسی حاجی نے ایام النحر میں حرم کے علاوہ۔ حل میں کسی جگہ حلق کرایا تو امام صاحب کے نزدیک اس پر دم واجب ہوگا اور اگر ایام النحر کے گذر جانے کے بعد غیر حرم میں حلق کرایا تو امام صاحبؒ کے نزدیک دو دم واجب ہوں گے اور امام محمدؒ کے نزدیک غیر حرم میں حلق کی صورت میں فقط ایک دم واجب ہوگا خواہ حج ہو یا عمرہ، امام زفر کے نزدیک اگر حج کا حلق ایام النحر میں غیر حرم میں کرایا تو کچھ لازم نہ ہوگا اور اگر ایام النحر کے بعد حلق کرایا تو اس پر دم ہوگا۔

اصل اختلاف حلق کے متعین ہونے نہ ہونے میں ہے پس امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک حج کا حلق متعین بالزمان والمكان دونوں ہوتا یعنی ایام النحر اور حرم میں حلق ہونا چاہئے، امام ابو یوسف کے نزدیک حلق دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ بھی متعین نہیں ہوتا یعنی حلق کے لیے ایام النحر اور نہ ہی حرم ضروری اور شرط ہے، امام محمدؒ کے نزدیک متعین بالمكان ہوتا ہے متعین بالزمان نہیں یعنی حلق حرم میں تو شرط ہے البتہ ایام النحر میں ہونا ضروری نہیں ہے، اور امام زفرؒ کے نزدیک متعین بالزمان ہوتا ہے، متعین بالمكان نہیں، یعنی حلق ایام النحر میں شرط ہے حرم میں ہونا ضروری نہیں ہے۔

البتہ عمرہ میں حلق متعین بالزمان بالاتفاق نہیں ہوتا، اس لیے کہ افعال عمرہ کسی زمانہ کے ساتھ مختص نہیں ہوتے ہاں امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک متعین بالمكان یعنی حرم میں ہونا ضروری ہے، امام ابو یوسف کے نزدیک عمرہ میں حلق جیسے متعین بالزمان نہیں اسی طرح متعین بالمكان بھی نہیں۔

امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہؐ..... اور صحابہ حدیبیہ میں محصر ہو گئے تھے آپ..... اور صحابہؓ نے حدیبیہ یعنی غیر حرم میں حلق کرایا پس معلوم ہوا کہ عمرہ کا حلق متعین بالمكان بھی نہیں ہوتا۔

طرفین کی دلیل یہ ہے کہ خلق کے تعین بالکان کے ساتھ تعین بالزمان کے بھی اس لیے قائل ہیں کہ خلق کا قربت اور عبادت ہونا ایام النحر میں ہی معلوم ہوتا ہے، پس جب آدمی نے اس وقت سے تاخیر کیا تو نقصان پیدا ہو گیا جس کی تلافی کے لیے دم ضروری ہے۔

رہی بات واقعہ حدیبیہ سے متعلق روایت کی تو وہ امام ابو یوسف کی دلیل نہیں ہو سکتی اس لیے کہ مہر پر خلق واجب نہیں ہوتا، دوسرے یہ کہ حدیبیہ کا کچھ حصہ داخل حرم ہے پس ہو سکتا ہے کہ صحابہ نے رسول اللہ..... کے ساتھ اسی حصہ حرم میں خلق کرایا ہو۔

ودمان لو خلق القارن قبل الذبح: اگر قارن نے ذبح سے پہلے خلق کرایا تو اس پر دودم واجب ہوں گے، اس مسئلہ میں مشائخ کی عبارتیں مختلف ہیں، پس فخر الاسلام کی عبارت ہے قارن خلق قبل ان یذبح فعليه دمان وقال ليس عليه الا دم القوان یعنی امام صاحب کے نزدیک اگر قارن نے ذبح سے پہلے خلق کرایا تو اس پر دودم ہوں گے البتہ صاحبین کے نزدیک صرف قرآن کا دم ہوگا یعنی ایک دم واجب ہوگا، امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ نسک کو اس کے وقت سے مؤخر کرنا دم کے وجوب کا باعث ہوتا ہے اور مسئلہ مذکورہ بالا میں چوں کہ جب ذبح سے پہلے خلق کرایا تو خلق کی تقدیم اور ذبح کی تاخیر کی وجہ سے وہ ترتیب کا تارک ہوا اور یہ ایک خیانت ہے اور دوسرا دم، قرآن کا ہے اور صاحبین کے نزدیک نسک کی تاخیر سے دم واجب نہیں ہوتا پس فقط دم قرآن ہوگا۔

امام محمد کی عبارت جامع الصغیر میں یوں ہے قارن ذبح قبل الحلق عليه دمان دم للحلق قبل الذبح ودم للقوان اسی طرح عبارت شارح سے ہے لیکن درست عبارت ہے قارن خلق قبل الذبح یعنی امام اعظم کے نزدیک اگر قارن نے ذبح سے پہلے خلق کرایا تو اس پر دودم ہوں گے ایک دم خلق قبل الذبح اور دوسرا دم قرآن البتہ صاحبین کے نزدیک صرف دم قرآن ہوگا۔

قاضی امام فخر الدین کہتے ہیں کہ لوگوں کا اس پر ایک دم یعنی دم قرآن کے وجوب پر بھی علماء کا اتفاق ہے کیوں کہ اس کا سبب متحقق ہے البتہ دوسرے دم سے متعلق امام اعظم اور صاحبین کا اختلاف ہے کہ امام اعظم کے نزدیک خلق سے ذبح کے مؤخر ہو جانے کی وجہ سے دوسرا دم واجب ہوگا اور صاحب کے نزدیک کسی نسک کے اس کے وقت سے مؤخر ہو جانے کی وجہ سے کوئی دم واجب نہیں ہوتا۔

بعض حضرات کہتے ہیں مسئلہ مذکور میں دودم بالاتفاق واجب ہوں گے دم قرآن اور دم بسبب الجملیۃ علی الاحرام کیوں کہ خلق کی حلت ذبح کے بعد ہے لہذا جب ذبح سے قبل خلق کرایا تو وہ اپنے احرام پر جنایت کرنے والا ہو گیا اور دوسرا دم تاخیر ذبح کی وجہ سے ہوگا امام صاحب کے نزدیک صاحبین کا اس بابت اختلاف ہے، صاحب ہدایہ اسی طرف میلان رکھتے ہیں۔

فصل

إِنْ قَتَلَ مُحْرَمٌ صَيْدًا أَوْ ذَلَّ عَلَيْهِ مِنْ قَتَلَهُ فَعَلَيْهِ الْجَزَاءُ وَهُوَ قِيَمَةُ الصَّيْدِ بِتَقْوِيمِ
عَدْلَيْنِ لِي مَقْتَلِهِ أَوْ أَقْرَبِ مَوْضِعٍ مِنْهُ فَيَشْتَرِي بِهَا هَدِيًّا وَذَبْحَهُ إِنْ بَلَغَتْ هَدِيًّا أَوْ
طَعَامًا وَتَصَدَّقَ بِهِ كَالْفِطْرَةِ أَوْ صَامَ عَنْ طَعَامِ كُلِّ مُسْكِينٍ يَوْمًا وَلَوْ فَضْلَ أَقْلٍ مِنْ
نَصْفِ صَاعٍ تَصَدَّقَ بِهِ أَوْ صَامَ يَوْمًا وَإِنْ جَرَحَهُ أَوْ قَطَعَ غُضْرَهُ أَوْ نَتَفَ شَعْرَهُ ضَمِنَ
مَا لَقَصَ مِنْهُ وَتَجِبُ الْقِيَمَةُ بِتَنَفِ رِيْشِهِ وَقَطْعِ قَوَائِمِهِ وَحَلْبِهِ وَكُسْرِ بَيْضِهِ وَخُرُوجِ
فَرْخٍ مَيِّتٍ بِهِ وَلَا شَيْءَ بِقَتْلِ غُرَابٍ وَخِدَاةٍ وَذَنْبٍ وَحَيَّةٍ وَعَقْرَبٍ وَفَارَةٍ وَكَلْبٍ عَقُورٍ
وَبَعُوضٍ وَنَمَلٍ وَبُرْغُوثٍ وَفَرَادٍ وَسُلْحَفَةٍ وَبَقْتَلِ قَمَلَةٍ وَجَرَادَةٍ تَصَدَّقَ بِمَا شَاءَ وَلَا
يُجَاوِزُ عَنْ شَاةٍ بِقَتْلِ السَّبْعِ وَإِنْ صَالَ لَا شَيْءَ بِقَتْلِهِ بِخِلَافِ الْمُضْطَرِّ وَلِلْمُحْرَمِ ذَبْحُ
شَاةٍ وَبَقْرَةٍ وَبَعِيرٍ وَذَبَابَةٍ وَبَطِّ أَهْلِيٍّ وَعَلَيْهِ الْجَزَاءُ بِذَبْحِ حَمَامٍ مُسْرُولٍ وَطَبِيٍّ
مُسْتَأْنَسٍ وَلَوْ ذَبَحَ مُحْرَمٌ صَيْدًا حَرُمَ وَغَرَمَ بَاكِلَهُ لَا مُحْرَمٌ آخَرُ.

ترجمہ: اگر کسی محرم نے کسی شکار کو مار ڈالا یا مارنے والے کو شکار کی رہنمائی کی پس محرم پر جزاء لازم ہے اور جزاء شکار کی قیمت ہے جو قتل گاہ یا اس کے قریب کے (علاقہ کے) دو عادل آدمیوں نے ٹھہرائی ہو پس اس قیمت سے ہدی خریدے اور اس کو ذبح کرے اگر (اس کی) قیمت ہدی کو پہونچ گئی ہو یا غلہ خریدے اور فطرہ کی طرح اسے صدقہ کر دے یا ہر مسکین کے کھانا کے عوض ایک یوم کا روزہ رکھے اور اگر نصف صاع سے کم بچ رہے تو اس کو صدقہ کر دے یا ایک یوم کا روزہ رکھے اور اگر شکار کو زخمی کر دیا یا اس کا کوئی عضو کاٹ ڈالا یا اس کے بال اکھاڑ لیا تو وہ اس کا ضامن دار ہوگا جو اس کی وجہ سے (قیمت میں) کمی آئی اور شکار کی قیمت واجب ہوتی ہے اس کے پتکھ اکھاڑنے اور اس کے پیروں کے کاٹنے اور دودھ دوہنے اور شکار کا انڈا توڑنے اور اس کی وجہ سے مرے ہوئے چوزوں کے نکلنے کی وجہ سے، اور کچھ لازم نہیں ہوتا کسی کو بے اور چیل اور بھڑیا اور سانپ اور بکھو اور چوہا اور پاگل کتا اور مچھر اور چیونٹی اور پشوا اور بندر اور کھجوا کے مارنے سے اور جوئیں اور مڈی کے مار ڈالنے سے جو چاہے صدقہ کرے اور نہیں آگے بڑھایا جائے گا بکری سے درندے کے قتل کی وجہ سے اور اگر درندہ حملہ کرے تو اس کے قتل پر کچھ نہ ہوگا بخلاف اس شخص کے جو اس کے لئے مجبور ہو جائے۔

اور محرم کے لئے درست ہے بکری اور گائے اور اونٹ اور مرغی اور پالتو بلیخ کا ذبح کرنا اور محرم پر جزاء لازم ہوگی ایسے کبوتر کے ذبح سے جس کے پیروں میں پتکھنے ہوں اور مانوس ہرن کے ذبح سے اور اگر محرم نے

کسی شکار کو ذبح کیا تو (اس کا کھانا) حرام ہوگا اور ذبح کرنے والا محرم اس کے کھانے کی وجہ سے تاوان بھرے گا نہ کہ دوسرا محرم (جس نے ذبح نہ کیا ہو پس وہ کھانے پر تاوان نہیں بھرے گا)۔

تشریح: چوں کہ صید کے متعلق جنایت علی الاحرام سابقہ جنایات سے مختلف ہے اس لئے مصنفؒ نے اس کو علیحدہ فصل میں بیان کیا، صید کہتے ہیں الحيوان الممتنع المتوحش باصل الخلقة یعنی ایسا جانور جو اصل خلقت کے لحاظ سے خود اپنی حفاظت کرتا ہو اور آدمی سے بدکتا ہو اور اس کا پکڑنا آسان نہ ہو۔

صید کی دو قسمیں ہیں بری اور بحری، بری کہتے ہیں جس شکار کا توالد و تناسل خشکی میں ہوتا ہو اور صید بحری کہتے ہیں جس کا توالد و تناسل پانی میں ہوتا ہو اس لئے کہ مولد ہی اصل ہے اور قییش اس کے بعد عارض ہوتا ہے، لہذا قییش کے حکم میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی، یعنی اعتبار پیدائش کا ہے کہ پیدا کہاں ہوتا ہے رہتا کہاں ہے اس کا اعتبار نہیں ہے۔

اب جہاں تک حرمت کا تعلق ہے تو محرم پر صید بری حرام ہے بحری نہیں اس لئے کہ نصوص قرآن سے صید بحری کی حلت صاف صاف معلوم ہوتی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرْمٌ اور ارشاد ہے أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ کہ تمہارے لئے دریائی شکار احرام میں حلال ہیں، البتہ کچھ بحری شکار ہیں جن کا حدیث میں حرمت سے استثناء ہے تفصیل آگے آئے گی۔

ان قَتَلَ مُحْرِمٌ صَيْدًا الْخ: اگر محرم نے کسی شکار کو مار ڈالا خواہ عمداً ایسا کیا ہو یا خطاء کیوں کہ خطاء عمد کے ساتھ اس باب میں ملحق ہے یا اس نے شکار کی بابت اس شخص کی رہنمائی کی جس نے شکار مارا تو محرم پر اس کی پاداش میں جزاء لازم ہوگی وجوب جزاء قتل صید کی وجہ سے تو اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرْمٌ وَمَنْ قَتَلَهُ مِنْكُمْ مُتَعَمِّدًا فَجَزَاءُ مِثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ پس یہ آیت پاک وجوب جزاء پر نص صریح ہے، اور دلالت کی وجہ سے وجوب جزاء تو حدیث ابی قتادہ کی وجہ سے ہے، حضرت عطاء کہتے ہیں أَجْمَعَ النَّاسُ عَلَى أَنَّ عَلَى الدَّالِّ الْجَزَاءَ کہ لوگوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ رہنمائی کرنے والے پر جزاء ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ دلالت کرنے والے محرم پر جزاء نہیں ہے کیوں کہ جزاء قتل سے متعلق ہے اور دلالت قتل نہیں ہے لہذا محرم کی دلالت حلال کے دلالت جیسی ہوئی اور چوں کہ حلال کی دلالت پر کوئی جزاء نہیں ہے لہذا محرم کی دلالت سے اس پر بھی کچھ نہ ہوگا۔

احنافؒ کہتے ہیں کہ عطاء کی بات امام شافعیؒ کے خلاف حجت ہے دوسرے اس لئے بھی کہ دلالت علی

الصید احرام کے محظورات میں سے ہے اور اس لئے بھی کہ محرم نے اپنے احرام کی وجہ سے شکار سے چھیز خانی سے باز رہنے کا التزام کیا تھا لہذا یہ دلالت علی الصید کی وجہ سے اس چیز کے ترک کا مرتکب ہوا جس کا التزام کیا تھا لہذا یہ ضامن ہوگا، جیسا کہ مودع جب وہ چور کی ودیعت پر رہنمائی کر دے تو وہ ضامن ہوگا۔
 برخلاف حلال یعنی غیر محرم کے کہ اس کی جانب سے شکار سے باز رہنے کا کوئی التزام نہیں ہے لہذا وہ دلالت علی الصید کی وجہ سے ضامن نہیں ہوگا، جیسے کہ جب اجنبی آدمی چور کی کسی مال سے متعلق رہنمائی کر دے تو مودع ضامن نہیں ہوتا۔

وهو قيمة بصيد الخ: جزاء صيد شكار کی قیمت ہے یعنی جس جگہ محرم نے شکار مارا ہے وہاں کے دو عادل آدمی یا اگر اس جگہ کوئی آبادی نہیں ہے بلکہ ویرانہ اور جنگل ہے تو اس جگہ سے قریب آبادی کے دو عادل آدمی اس شکار کی قیمت طے کر دیں وہی قیمت صید اس کی جزاء ہے اب اگر ان کی طے کردہ قیمت قربانی کے جانور یعنی بکری کے بقدر ہو جاتی ہے تو اس قیمت صید سے بکری خرید کر ذبح کر دے اور اگر بقدر بکری نہ ہو تو غلہ خرید کر صدقہ فطر کی طرح یعنی گیارہون نصف صاع یا جو وغیرہ ہو تو ایک صاع فی مسکین کو صدقہ کر دے اور یا ہر مسکین کے حصہ طعام کے بدلہ ایک ایک روزہ رکھ لے یہ رائے امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کی ہے۔
 امام محمدؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ وہ شکار جس کی نظیر ہے تو اس میں بجائے جزائے صید کے اس کی نظیر واجب ہوگی، چنانچہ ہرن کا شکار کرنے میں بکری واجب ہوگی کیوں کہ بکری ہرن کی نظیر ہے، اسی طرح بچو کے مارنے پر بکری واجب ہوگی خرگوش کے مارنے پر عناق یعنی ولادت سے لے کر ایک سال تک کا بکری کا بچہ اور شتر مرغ کے قتل پر اونٹ واجب ہوگا۔

اور وہ جانور جس کی نظیر نہیں ہے تو امام محمدؒ کے نزدیک اس میں اس کی قیمت واجب ہوگی حضرات شیخینؒ کی بھی یہی رائے ہے۔

ولو فضل اقل من نصف صاع تصدق به او صام يوماً: اگر آدمی نے شکار کی قیمت سے جو بقدر ہدی نہیں تھی غلہ خریدا اور ہر مسکین کے کھانے کے عوض ایک یوم کا روزہ رکھا لیکن اس غلہ سے اس عمل کے بعد کچھ ایسا غلہ بچ جا رہا ہے جو نصف صاع سے کم ہے یعنی ہر نصف صاع کے عوض تو روزہ رکھ لیا ہے اور کچھ مقدار طعام ایسی ہے جو نصف صاع سے کم ہے تو اب کیا کرے تو اس کے متعلق شرع کا حکم یہ ہے کہ چاہے صدقہ کر دے اور چاہے تو اس نصف صاع سے کم غلہ کے عوض بھی ایک یوم کا روزہ رکھے کیوں کہ روزہ ایک یوم سے کم غیر مشروع ہے۔

وہی حکم اس صورت کا بھی ہے جب شروع سے ہی واجب ہونے والی قیمت نصف صاع سے کم ہو یعنی

صيد مقتول کی قیمت نصف صاع سے کم ہو تو چاہے صدقہ کر دے اور چاہے تو ایک یوم کا روزہ رکھ لے۔
نیز جزائے صید یعنی اس کی قیمت ہدی خریدنے کے بعد بھی کچھ بچ رہی ہے جو نصف صاع سے کم ہے تو اس کا بھی یہی مذکورہ بالا حکم ہے اور یہ شکل ولو فضل اقل من نصف صاع میں داخل بھی ہے۔

وان جرحه أو قطع عضوه: اگر محرم آدمی نے شکار کو زخمی کر دیا یا اس کا کوئی عضو کاٹ دیا یا اس کے بال اکھاڑ دیئے تو جزاء کو کل پر قیاس کرتے ہوئے وہ اس نقصان کا ضامن ہوگا جو اس کے زخم وغیرہ کے نتیجہ میں پیدا ہوا ہے بشرطیکہ زخم اچھا ہونے کے بعد اس کا نشان باقی رہ جائے اور اگر زخم کے اچھا ہونے کے بعد نشانات محو ہو جائیں تو چوں کہ موجب ضمان ختم ہو گیا لہذا ضمان بھی ختم ہو جائے گا البتہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جارح کو جانور کو تکلیف پہنچانے کا صدقہ لازم ہوگا۔

یہی حکم اس کا بھی ہے کہ جب محرم نے شکار کے دانت اکھاڑ لئے یا اس کی آنکھ پر مارا پس اس کی آنکھ سفید ہوگئی لیکن بعد میں نئے دانت نکل آئے اور آنکھوں کی سفیدی جاتی رہی تو امام صاحب کے نزدیک کچھ محرم پر نہ ہوگا اور قاضی امام ابو یوسفؒ کے نزدیک پھر بھی صدقہ لازم رہے گا۔

وتجب القيمة بنتف ريشه وقطع قوائمه الخ: اگر شکار کے پتکھ اکھاڑ لیا یا اس کے پیر کاٹ لئے یا شکار کا دودھ دودھ لیا یا اس کے انڈے توڑ دیئے اور انڈے سے مرے ہوئے چوزوں کو نکال باہر کیا تو ان تمام صورتوں میں قیمت واجب ہوگی، نینف ریشہ اور قطع قوائمہ کی وجہ سے وجوب قیمت اس لئے ہے کہ محرم نے نینف ریش اور قطع قوائم سے شکار کا امن تہہ وبالا کر دیا کیوں اس نے اس کے آلہ حفاظت پتکھ کو اکھاڑ ڈالا اور پیروں کو کاٹ پھینکا لہذا محرم شکار کی قیمت کا ضامن ہوگا ایسے ہی جیسے کوئی کسی غلام کی دونوں آنکھیں پھوڑ دے یا اس کے پیر کاٹ ڈالے تو ایسا کرنے والا غلام کی قیمت کا تاوان دار ہوتا ہے۔

رہی بات دودھ دوہنے سے وجوب قیمت یعنی دودھ کی قیمت کے وجوب کی تو اس لئے کہ دودھ شکار کا جزء ہے لہذا اسے کل صید پر قیاس کیا جائے گا۔

اور وجوب قیمت شکار کے انڈے توڑ دینے سے تو اس لئے ہے کہ انڈے شکار کی اصل ہے لہذا انڈے کو شکار کا حکم محرم پر ایجاب جزاء کے باب میں دے دیا گیا، لہذا انڈے توڑنے پر محرم کے اوپر انڈے کی قیمت لازم ہوگی۔

ایک وجہ یہ بھی ہے کہ باعتبار انجام کے شکار ہے گوئی الحال شکار نہیں ہے، لہذا حال کا اعتبار وجوب جزاء سے مانع ہے اور انجام و مال کا اعتبار جزاء کے وجوب کا باعث ہے لہذا ہم نے بر بنائے احتیاط صورت مذکورہ میں جزاء واجب قرار دے دی بشرطیکہ انڈے خراب نہ ہوا ہو کیوں کہ اگر شکار کا انڈا خراب ہو چکا تھا اور اسے محرم نے توڑا تو چوں کہ اس میں صید ہونے کی صلاحیت ختم ہو چکی تھی لہذا محرم پر اس کسر بیض کی وجہ کے کوئی چیز لازم

نہ ہوگی۔

انڈا توڑ کر مردہ چوزہ نکالنے سے قیمت اس لئے واجب ہوگی کہ انڈے میں اس کی قابلیت تھی کہ اس سے زندہ چوزہ نکلے پس اس نے قبل از وقت توڑ کر چوزوں کی موت کا سامان کر دیا، لہذا وہ اس کی قیمت کا ضامن ہوگا یہ جو کچھ عرض کیا گیا اس بنیاد پر ہے کہ ظاہر یہی ہے کہ چوزے کی موت کا سبب کسر بیض ہے ورنہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ کسر بیض کی وجہ سے صرف انڈا ہی واجب ہونا چاہئے اس لئے کہ چوزے کی حیات غیر معلوم ہے اسی طرح اگر محرم نے کسی ہرنی کے پیٹ پر مارا اور اس نے مردہ بچہ ڈال دیا پھر ہرنی بھی مر گئی تو محرم پردونوں کی قیمت واجب ہوگی، کیوں اس کا مارنا دونوں کی موت کا سبب ہو سکتا ہے۔

ولا شیء بقتل غراب و حداة و ذئب الخ: اور کوا کے مارنے سے محرم پر کچھ لازم نہیں ہوتا، کوا سے مراد وہ کوا ہے جو صرف نجاست کھاتا ہو یا دانہ کے ساتھ نجاست بھی کھاتا ہو، اور وہ کوا جو نجاست نہیں کھاتا اس کا محرم کے لئے حرم و حل کہیں بھی مارنا درست نہیں ہے اس کی خلاف ورزی کی صورت میں جزاء لازم ہوگی۔ نیز چیل کے قتل پر بھی محرم پر کچھ لازم نہ ہوگا اور بھیڑ یا اور سانپ اور بچھو اور پاگل کتے کے مارنے پر بھی محرم پر کچھ جزاء لازم نہ ہوگی کیوں کہ نبی..... کا ارشاد ہے انه عليه الصلاة والسلام امر بقتل خمس فوا سبق فی الحل والحرم الغراب والحاداة والعقرب والفارة والكلب العقور کہ نبی..... نے ان پانچ قسم کے جانداروں کے حل اور حرم میں قتل کی اجازت دی ہے۔

بعض حضرات نے کلب العقور سے بھیڑ یا مراد لیا ہے یا یہ کہا جائے کہ بھیڑ یا کے قتل کی اجازت دلالت النص سے ہے، دلالت النص یہاں ابتداء بالتأذی ہے یعنی ایذا رسانی میں پہل کرنا پس منصوص پانچ جانوروں کے علاوہ جو جانور اور پرندے محرم مار سکتا ہے وہ ان سب کی اجازت دلالت النص سے ہے کہ وہ ایذا رسانی میں پہل کرتے ہیں۔

وبعوض و نمل: مچھر، چیونٹی، پشو، بندر اور کچھوا انہیں بھی مارنے پر محرم پر کوئی جزاء لازم نہیں ہوتی، کیوں کہ یہ سب نیز شکار نہیں ہیں بلکہ ان کا شہاء حشرات الارض میں ہوتا ہے۔

وبقتل قملة و جرادة تصدق بما شاء: جوئیں اور ٹڈی کے مارنے سے محرم کو کچھ صدقہ کر دینا چاہئے، جب تک ایک ہو، قتل قمل پر اس لئے کہ بچاں بدن سے پیدا ہوتا ہے، پس جواں کا مارنا پراگندگی کے ازالہ کے لئے ہوگا جب کہ محرم کے لئے پراگندگی کا ختم کرنا ممنوع ہے، جیسے کہ بال منڈوانا وغیرہ یہی وجہ ہے کہ اگر زمین پر پڑے ہوئے جوئیں کو محرم نے مار ڈالا تو اس پر کچھ نہ ہوگا۔

اگر محرم کی ایک سے زیادہ جوئیں یا ٹڈیاں مار ڈالیں تو نصف صاع غلہ صدقہ کرنا ہوگا۔

ولا يجاوز عن شاة بقتل السبع: اگر کسی بے شیر کو مار ڈالا تو اس محرم پر جو جزاء لازم ہوگی اس کی قیمت بکری سے متجاوز نہ ہوگی کیوں کہ اس کا وجوب بطور اللہ تعالیٰ کے حق کے ہے۔
البتہ امام زفر کے نزدیک شیر کی قیمت واجب ہوگی خواہ وہ بکری کی قیمت سے متجاوز ہو، یعنی اس کی قیمت خواہ کتنی زیادہ ہو جائے جو بھی ہوگی وہ محرم پر لازم ہوگی امام زفر قتل سبع کو ماکول اللحم جانوروں پر قیاس کرتے ہیں۔

ولنا ان قيمته باعتبار اللحم والمجلد لا تزيد على قيمة الشاة وهو المعتبر في حق الضمان ولا تعتبر زيادة قيمته لاجل تفاخر المملوك. یعنی شیر کی قیمت باعتبار گوشت اور کھال کے بکری کی قیمت سے زیادہ نہیں ہوتی اور باب ضمان میں اسی کا اعتبار ہے۔
امام شافعی فرماتے ہیں سبع کے مارنے پر محرم پر کوئی جزاء نہیں ہوتی ہے اس لئے کہ اس کی سرشت میں ایذا داخل ہے لہذا وہ ان فواسق میں سے ہوا جن کا حدیث میں باب جزاء میں استثناء آیا ہے، دوسرے یہ کہ کلب سبع کو لنگہ شامل ہے۔

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عتبہ بن ابی لہب پر بددعا فرمائی تو ارشاد فرمایا اللّٰهُمَّ سَلِّطْ عَلَيْهِ كَلْبًا مِنْ كِلَابِكَ کہ اللہ اس پر اپنے کتوں میں سے کوئی کتا مسلط فرما فسَلِّطْ عَلَيْهِ اسذا تو اللہ تعالیٰ نے اس پر ایک شیر مسلط فرمایا، اور کلب فواسق خمسہ میں سے ہے معلوم ہوا کہ کلب سبع کو شامل ہے اور وہ فواسق خمسہ سے ہے۔

ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد لا تقتلوا الصيد وانتم حُرْم ہے کہ تم محرم ہوتے ہوئے شکار کو مت مارو اور صید مطلق متوحش اور غیر متوحش سب کو شامل ہوتا ہے، چنانچہ شاعر کا شعر ہے

صيد المملوك اذانب وثعا واذا ركبْتُ فصیدی الابطال

کہ بادشاہوں کے شکار خرگوش اور لومڑیاں ہیں اور جب میں سوار ہوتا ہوں تو میرا شکار بہادر لوگ ہوتے ہیں۔

اس شعر سے معلوم ہوا کہ صید کا اطلاق سبع متوحش کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔

رہی بات سبع کو خمس فواسق پر قیاس کرنا تو یہ مسلم نہیں ہے کیوں کہ اس صورت میں اس عدد کا ابطال لازم آتا ہے جو ثابت بالنص ہے، دوسرے اس لئے بھی کہ سبع خمس فواسق کے معنی میں نہیں ہے، کیوں کہ کتا چوہا وغیرہ ایذا رسانی میں پہل کرتے ہیں لوگوں میں گھلے ملے رہتے ہیں اور اچک لوٹ کھسوٹ پر زندگی بسر کرتے ہیں جب کہ سبع ایذا رسانی میں پہل نہیں کرتا ہے اور وہ لوگوں سے دور رہتا ہے، لہذا سبع کی ایذا فواسق کی

ایذاء سے کم تر ہوئی، لہذا سبغ، فواسق کے ساتھ ملحق نہیں ہوگا۔

وان صال لا شی بقتله بخلاف المضطر: اگر سبغ نے محرم پر حملہ کیا تھا جس کی وجہ سے محرم نے اسے مار ڈالا تو محرم پر کوئی چیز لازم نہ ہوگی، امام زکریا فرماتے ہیں کہ محرم پر سبغ کی قیمت لازم ہو جائے گی خواہ وہ کتنی کیوں نہ ہو کیوں کہ سبغ کی عصمت اس کے حملہ کی وجہ سے ختم نہیں ہو جاتی اس لئے کہ رسول اللہ..... کا ارشاد ہے العجماء جبار یہی وجہ ہے کہ اگر کسی اونٹ نے محرم آدمی پر حملہ کیا پس محرم نے اسے قتل کر ڈالا تو اس پر اونٹ کی قیمت کا ضمان واجب ہوتا ہے۔

ہماری دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت عمر سے مروی ہے عن ابن عمر انه قتل ضبعًا و اهدى كبشًا کہ حضرت عمرؓ نے ایک لکڑ بگھا مار ڈالا تو ایک مینڈھا بطور جزاء کے ذبح کر کے صدقہ کیا اور فرمایا انا ابتداء بالاذی کہ چھیڑنے میں ہم نے پہل کی تھی پس حضرت نے اس جملہ سے حکم کی اس علت پر تنبیہ فرمادی، جو موجب ضمان ہے اور وہ ہے ابتداء بالاذی پس اس میں اس بات کا بیان ہے کہ اگر ابتداء بالاذی سبغ کی طرف سے ہو تو کچھ واجب نہ ہوگا دوسرے اس لئے بھی کہ سبغ ابتداء بالاذی کر کے فواسق خمسہ کے زمرہ میں جا داخل ہوتا ہے پس وہ اپنے قتل کی بابت ماذون نہ ہو جاتا ہے اور جب شارع کی جانب سے کسی جاندار کے قتل کی محرم کو اجازت ہو تو پھر اس کے قتل سے محرم پر کوئی ضمان لازم نہیں آتا ہے۔

رہی بات جمل صائل یعنی حملہ آور اونٹ کی تو وہ اس وجہ سے کہ اس کے قتل کی اجازت اسکے مالک یعنی عبد کی جانب سے محرم کے لئے موجود نہیں ہے، پس وہ قتل کرنے کی وجہ سے اس کی قیمت کا ضامن دار ہوگا۔ بخلاف المضطر: یعنی محرم نے اگر حالت مخمضہ میں صید کو مارا اور کھایا تو اس پر ضمان واجب ہوگا منجانب شارع اجازت اکل کے باوجود، دونوں مسئلوں میں فرق یہ ہے کہ ایذاء کے وقت اجازت قتل مطلق ہے اور بوقت اضطرار قتل کی اجازت نص کی وجہ سے کفارہ کے ساتھ مقید ہے، فمن كان منكم مريضًا او به اذى من رأسه ففدية من صيامٍ پس یہ آیت اگرچہ حالق معذور کے بارے میں نازل ہوئی ہے مگر یہ کہ مضطر، حالق معذور کے حکم میں دلالت ہے۔

اگر محرم اکل میتہ کے لئے بے بس ہو جائے اور کوئی شکار مار ڈالے تو اس کو میتہ کھالینا چاہئے لیکن شکار حالت احرام میں نہیں پکڑنا چاہئے اس لئے کہ قتل صید میں دو خرابیاں اور گناہ ہیں ایک شکار مارنا دوسرے اس کا کھانا اور اکل میتہ میں صرف ایک خرابی اور گناہ ہے پس اکل میتہ قتل صید سے اخف ہے لہذا مضطر کے لئے اکل میتہ کو قتل صید پر ترجیح ہوگی۔

اور اگر مضطر کو کوئی ایسا شکار ملا جسے کسی محرم نے ذبح کیا ہے تو مضطر صید کھالے گا اور میتہ چھوڑ دے گا

کیوں کہ صید کو حرمت احرام کی وجہ سے عارض، دئی ہے اور میتہ کی حرمت ذاتی ہے۔
اور اگر مضطر کو زندہ شکار اور مالِ مسلم ملا تو مضطر شکار کھائے گا مالِ مسلم کو نہیں اس لئے کہ صید کی حرمت بطور حق تعالیٰ کے حق کے ہے اور مال کی حرمت حق اللعبد ہے لہذا حق عبد کو ترجیح ہوگی کیوں کہ بندہ مال کا ضرورت مند ہوتا ہے۔

وعلیہ الجزاء یدبح حما مسرول: ایسا کہوتر جس کے پاؤں میں بھی پنکھ لکھے ہوتے ہیں جس کی وجہ سے وہ اڑان بھرنے کے لئے جست لگانے میں سست ہوتا ہے کے مارنے سے محرم پر نیز جزاء ہوگی اسی طرح وہ ہرن جو مانوس ہو تو اس کے مارنے پر بھی جزاء محرم کے ذمہ لازم ہوگی، کیوں کہ یہ دونوں اصل خلقت کے لحاظ سے شکار ہیں اور مانوس ہونا عارضی امر ہے، لہذا اس استیناس عارضی کی وجہ سے ان کا حکم اصلی یعنی وجوب جزاء باطل نہ ہوگا جیسے کہ اونٹ جب بدک کر وحشی ہو جائے تو اس کا ذبح محرم کے لئے درست نہیں ہوتا ہے اصل حکم کا لحاظ کرتے ہوئے۔

البتہ امام مالک کہتے ہیں کہ حمام مسرول چوں کہ مانوس ہو گیا ہے لہذا وہ صید نہیں رہا پس اس پر صید کا حکم بھی جاری نہ ہوگا لہذا اس کے قتل پر جزاء لازم نہ ہوگی۔

ہمارا کہنا یہ ہے کہ حمام مسرول چوں کہ اصل خلقت کے اعتبار سے صید ہے اور اس کا اڑنے سے عاجز ہونا اس کو صید ہونے سے خارج نہیں کرتا، اور ذکاۃ اختیاری کا حمام مسرول میں شرط ہونا اس کے صید نہ ہونے پر دلالت نہیں کرتا لان ذلك كان للعجز وقد زال بالقدرۃ علیہ۔

ولو ذبح محرم صیداً حرم: اگر محرم نے شکار ذبح کیا تو وہ شکار ذابح اور غیر ذابح سب پر حرام ہوگا کیوں کہ وہ میتہ کے حکم میں ہے۔

امام شافعی فرماتے ہیں کہ غیر ذابح کے لئے حلال ہے اور خود ذابح کے لئے بھی احرام کھول دینے کے بعد اس لئے کہ ذکاۃ یعنی ذبح کرنا حقیقہ موجود ہے لہذا ذابح اپنا عمل کرے گا البتہ ذابح پر منہی عنہ کے ارتکاب کی وجہ سے عقوبۃ حرام ہوگا لہذا مناسب ہے کہ اس مشروعیت اس کے علاوہ دیگر محرمین اور غیر محرم یعنی حلال کے حق میں اور خود اس کے حق میں حلال ہونے کے بعد باقی رہے۔

احناف کا کہنا یہ ہے کہ ذکاۃ فعل مشروع ہے اور یہ فعل حرام ہے پس یہ ذکاۃ نہ ہوگا لہذا یہ ذبیحہ محرم مجوسی کے ذبیحہ کی طرح ہوگا۔

وعزم باکله: اگر محرم ذابح نے اس شکار سے کچھ کھایا تو وہ گوشت کی قیمت کا ضامن دار ہوگا البتہ ذابح کے علاوہ جس دوسرے محرم نے اس کا گوشت کھایا تو وہ ضامن نہ ہوگا، یہ رائے امام ابوحنیفہؒ کی ہے،

صاحبین کے نزدیک محرم ذابح بھی ضامن نہ ہوگا کیوں کہ محرم کا ذبیحہ صید میتہ ہے اور میتہ کا کھانا صرف استغفار کو واجب کرتا ہے پس یہ ایسے ہو گیا جیسے کہ اس شکار کو کسی دوسرے محرم یعنی غیر ذابح نے کھایا ہو تو اس پر کھائے ہوئے لحم کی قیمت لازم نہیں ہوئی اور جیسے کہ حلال جب وہ حرم کے شکار کو قتل کر دے پھر اس سے کھا بھی لے تو اس پر لحم ماکول کا تاوان واجب نہیں ہوتا۔

امام اعظمؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس شکار کی حرمت کا سبب احرام ہے اس لئے کہ احرام ہی ہے جس نے صید کو ذکاۃ کے حق میں محلیت اور ذابح کو اہلیت سے خارج کر دیا، پس اکل کی حرمت ان وسائط سے اس کے احرام کا مخطور ہو گیا اور جب محرم نے اپنے احرام کے مخطور کو کھا تو اس پر جزاء واجب ہوگی جس طرح تمام دیگر مخطورات احرام کے ارتکاب پر جزاء لازم ہوتی ہے، بخلاف دوسرے محرم کے ذابح کے علاوہ کہ اس پر کھانے کی صورت میں کچھ اس لئے لازم نہ ہوگا کہ اس کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔

اور بخلاف سلال کے جب اس نے حرم کے شکار کو قتل کیا پس اس کو کھایا اس لئے کہ جزاء کا وجوب وہاں باعتبار اس امن کے ہے جو بسبب حرم ثابت ہے اور یہ امن صید کے لئے ہے نہ کہ لحم کے لئے لہذا اس کی حرمت اس کے میتہ ہونے کی طرف منسوب ہوگی اس لئے حلال پر جزاء نہ ہوگی۔

وَحُلُّ لَحْمٍ مَّا اصْطَادَهُ حَلَالٌ وَذَبْحُهُ إِنْ لَمْ يَذُلْ عَلَيْهِ وَلَمْ يَأْمُرْهُ بِصِيدِهِ وَبَذِيحِ الْحَلَالِ صَيْدَ الْحَرَمِ قِيمَتُهُ يَتَصَدَّقُ بِهَا وَلَا صَوْمٌ وَمَنْ دَخَلَ الْحَرَمَ بِصَيْدٍ أَرْسَلَهُ فَإِنْ بَاعَهُ رَدَّ الْبَيْعَ إِنْ بَقِيَ وَإِنْ فَاتَ فَعَلَيْهِ الْجَزَاءُ وَمَنْ أَحْرَمَ وَفِي بَيْتِهِ أَوْ قَفْصِهِ صَيْدٌ لَا يُرْسِلُهُ وَلَوْ أَخَذَ حَلَالٌ صَيْدًا فَأَحْرَمَ ضَمِنَ مُرْسِلُهُ، وَلَا يَضْمَنُ لَوْ أَخَذَهُ مُحْرَمٌ فَإِنْ قَتَلَهُ مُحْرَمٌ ضَمِنَ ۱۰ وَرَجَعَ أَخْذُهُ عَلَى قَاتِلِهِ فَإِنْ قَطَعَ حَشِيشَ الْحَرَمِ أَوْ شَجَرًا غَيْرَ مَمْلُوكٍ وَهُوَ مِمَّا لَا يُنْبِتُهُ النَّاسُ ضَمِنَ قِيمَتَهُ إِلَّا فِيمَا جَفَّ وَحَرُمَ رَغَى حَشِيشِ الْحَرَمِ وَقَطَعَهُ إِلَّا الْأَذْخَرَ وَكُلَّ شَيْءٍ عَلَى الْمَفْرَدِ بِهِ دَمٌ فَعَلَى الْقَارِنِ دَمَانٌ إِلَّا أَنْ يَجَاوِزَ الْمِيقَاتَ غَيْرَ مُحْرَمٍ وَلَوْ قَتَلَ مُحْرَمَانِ صَيْدًا نَعْدَدَ الْجَزَاءُ وَلَوْ حَلَالَانِ لَا وَبَطَلَ بَيْعُ الْمُحْرَمِ صَيْدًا وَشِرَاؤُهُ وَمَنْ أَخْرَجَ ظَبْيَةَ الْمُحْرَمِ فَوَلَدَتْ مَاتَا ضِمْنَهُمَا فَإِنْ أَدَّى جَزَاءَهَا فَوَلَدَتْ لَا يَضْمَنُ الْوَلَدُ.

ترجمہ: اور محرم کے لئے حلال ہے اس جانور کا گوشت جس کو حلال نے شکار کیا ہے اور ذبح کیا ہے اگر محرم نے اس شکار کی حلال کو رہنمائی نہ کی ہو اور نہ اس کے شکار کرنے کا حکم دیا ہو اور (واجب ہو جاتی ہے) حلال کے حرم کے شکار کو ذبح کرنے سے اس کی قیمت جس کو وہ صدقہ کرے گا اور روزہ نہیں درست ہے

اور وہ شخص جو کسی شکار کے ساتھ حرم میں داخل ہوا تو وہ اس کو چھوڑ دے گا پس اگر بیچ دیا تو بیچ کو واپس کر دے گا اگر شکار باقی ہو، اور اگر شکار فوت ہو گیا تو بائع پر جزاء لازم ہوگی اور وہ شخص جس نے احرام باندھا در انحالیکہ اس کے گھریا پنجرے میں کوئی شکار ہے تو اس کو نہیں چھوڑے گا اور اگر شکار کو کسی حلال نے پکڑا پس اس نے احرام باندھ لیا تو اس شکار کا چھوڑنے والا ضامن ہوگا اور وہ نہیں ہوگا اگر اس کو کسی محرم نے پکڑا ہو پس اگر اس شکار کو دوسرے محرم نے مار ڈالا تو دونوں ضامن ہوں گے اور اس کا پکڑنے والا قتل کرنے والا پر رجوع کرے گا پس اگر اس نے حرم کی گھاس کاٹ ڈالا یا ایسا درخت کاٹا جس کا کوئی مالک نہیں در انحالیکہ وہ درخت ان درختوں میں سے ہو جسے لوگ نہیں اگاتے تو کاٹنے والا اس کی قیمت کا ضامن ہوگا سوائے اس درخت کے کہ جو سوکھ گیا ہو اور حرام ہے حرم کی گھاس کا چرانا اور اس کا کاٹنا سوائے اذخر کے اور ہر وہ (قابل احتراز) چیز جس کی وجہ سے مفرد پر ایک دم ہوتا ہے تو قارن پر دو دم ہوں گے مگر یہ کہ قارن میقات سے آگے بڑھ جائے بغیر احرام کے اور اگر کسی شکار کو دو محرموں نے (مل کر) مارا تو جزاء متعدد ہوگی اور اگر دو حلالوں نے (مل کر قتل کیا) تو (جزاء) نہیں متعدد ہوگی، اور باطل ہے محرم کا (حرم میں) کسی شکار کا بیچنا اور خریدنا، اور وہ شخص جس نے حرم کی ہرنی کو (حرم سے) نکالا پس اس نے بچہ جتنا اور وہ دونوں مر گئے تو نکالنے والا دونوں کا ضامن ہوگا پس اگر اس نے اس کی جزاء کو اداء کر دیا تھا پس اس نے بچہ جتنا تو وہ بچہ کا ضامن نہ ہوگا۔

تشریح: محرم نے کسی شکار کی رہنمائی بھی نہیں کی اور نہ ہی اس کے شکار کرنے کا حلال کو حکم کیا

اور پھر حلال نے اپنی مرضی سے کوئی شکار پکڑا تو محرم کے لئے حلال ہے کہ ایسے شکار سے کھانا درست ہے، امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک تھوڑی سی تفصیل ہے کہ اگر حلال نے شکار اپنے لئے پکڑا محرم کی دلالت اور حکم کے بغیر تو محرم کے لئے اس شکار سے کھانا درست ہے اور اگر حلال نے شکار محرم کی دلالت اور اس کے حکم کے بغیر اسی کے لئے پکڑا ہے تو ایسی صورت میں محرم کے لئے اس شکار سے کھانا درست نہ ہوگا۔

ان حضرات کی دلیل نبی کا یہ ارشاد گرامی ہے الصیڈ حلال لکم مالم تصیدوه أو بئاد لکم رواہ ابو داؤد والترمذی کہ شکار تمہارے لئے حلال ہے جب تک تم خود اس کا شکار نہ کرو اور نہ تمہارے لئے شکار کیا جائے۔

معلوم ہوا کہ اگر محرم کی دلالت اور امر کے بغیر کیوں نہ کوئی شکار کیا جائے لیکن ہو وہ شکار محرم کے لئے ہی

تو محرم کا حلال کے ایسے شکار سے کھانا درست نہ ہوگا۔

احناف کی دلیل یہ حدیث ہے کہ حضرت قتادہ نے بطور خاص اپنے لئے حمار وحشی کا شکار نہیں کیا بلکہ

اپنے اور تمام ساتھیوں کے لئے جب کہ سبھی محرم تھے تو رسول کریم نے اس شکار کو حضرات صحابہ کے لئے

مباح رکھا اور حضرت قتادہ کے ان کی نیت کرنے کی وجہ سے اس کو ان پر حرام نہیں کیا، طحاوی نے اسی طرح بیان کیا ہے معلوم ہوا کہ اگر حلال محرم کے لئے شکار کرے بشرطیکہ محرم اس شکار کی رہنمائی نہ کرے اور نہ اس کا حکم دے تو اس کے لئے حلال کے شکار سے کھانا درست ہے۔

دوسری بات یہ بھی ہے کہ کسی دوسرے کو یہ حق نہیں پہونچتا کہ وہ اپنے غیر پر اس کے عمل کے بغیر کوئی چیز اس پر حرام کر دے رہی بات اس روایت کی جس کو امام شافعیؒ نے استدلال میں پیش کیا ہے تو یحییٰ بن معین نے اس کی تضعیف کی ہے لہذا یہ قابل احتجاج نہیں ہے، نیز یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس حدیث کا تعلق اس امر سے ہے کہ جب حلال نے اس کے کہنے پر اس کے لئے شکار کیا ہو تو وہ محرم کے لئے نہیں ہے یا یہ کہا جائے کہ جب حلال شکار کر کے زندہ شکار محرم کو ہدیہ کر دے تو ایسا شکار محرم کے لئے درست نہیں۔

وبیذبح الحلال صید الحرم الخ: اگر حلال نے حرم کے شکار کو ذبح کر ڈالا تو اس کی قیمت کا ضمان اس پر واجب ہو جاتا ہے جسے وہ صدقہ کرے گا قیمت کے بدلے روزہ رکھنا درست نہیں ہے کیوں کہ یہ تاوان ہے کفارہ نہیں ہے البتہ امام زفر کے نزدیک روزہ بھی درست ہے۔

حلال کے لئے صید حرم کا پکڑنا اور ذبح کرنا اس حدیث کی وجہ سے درست نہیں ہے قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ مَكَّةَ لَا يَخْتَلِي خِلَاهَا وَلَا يَعْصِدُ شَوْكَهَا وَلَا يَنْفِرُ صَيْلَهَا لِقَالَ الْعَبَّاسِ إِلَّا الْاَذْخِرَ لَانَهُ لَقُبُورُنَا وَبِئُونُنَا قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ إِلَّا الْاَذْخِرَ مَشْفِقٌ عَلَيْهِ.

معلوم ہوا کہ حرم کی کوئی چیز خواہ کانٹے اور گھاس پوس اس کا کاٹنا اور شکار کو متوحش کرنا درست نہیں ہے سوائے اذخر کے کہ اذخر گھاس حرم کی کاٹی جاسکتی ہے اس پر اجماع ہے۔

ومن دخل الحرم بصيد ارسله: اگر کوئی شخص حرم میں کسی شکار کو ہاتھ میں لے کر داخل ہوا تو وہ اب شکار کو آزاد کر دے اس کا کھانا اس کے لئے درست نہ رہے گا، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ وہ شکار کو نہیں چھوڑے گا کیوں کہ حق شرع بندے کی مملوک چیز میں بندہ کے اس کی طرف احتیاج کی وجہ سے ظاہر نہیں ہوتا۔

اور احتیاج کی دلیل یہ ہے کہ وہ جاندار حرم میں داخل ہونے کی وجہ سے صید ہو گیا پس اس سے تعرض درست نہ ہوگا جیسے کہ جب شکار بذات خود حرم میں جا گھستا تو اس سے تعرض درست نہ رہتا، یہی حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابن عمرؓ اور حضرت عائشہؓ کا قول ہے۔

فان باعه رد البيع ان بقى الخ: یعنی جب حلال نے شکار کو لے کر حرم میں داخل ہونے کے بعد

اس کو فروخت کر دیا تو بیع کا لوٹنا ضروری ہے بشرطیکہ شکار اس کے قبضہ میں باقی ہو اور اگر شکار سے قبضہ ہٹ گیا ہے تو بائع پر اس کی قیمت لازم ہوگی یعنی اس کی قیمت کو صدقہ کر دے گا اس لئے کہ بیع قاسد ہے منہی عنہ ہونے کی وجہ سے اور یہ حکم اس لئے ہے کہ جب وہ شکار حرم میں ہوا تو حرم کا شکار ہو گیا اور حرم کے شکار سے تعرض منع ہے اور بیع بھی ایک طرح سے تعرض ہے لہذا بیع بھی ممنوع ہوگی پس بیع کرنے کے بعد اس کا بیع ایسے ہی ضروری ہے جیسے محرم کا شکار کی بیع کرنا۔

اور اس امر میں کوئی فرق نہیں ہے کہ وہ حلال اس شکار کو حرم ہی میں فروخت کرے یا حرم سے نکال کر حل میں بیچے اس لئے کہ وہ شکار ادخال فی الحرم کی وجہ سے ہی صید حرم ہو گیا اور اس کے بعد اس شکار کا حرم سے نکالنا درست نہیں ہے۔

اگر حلال حدود حرم میں باہم خرید و فروخت کریں اور صید حل میں ہو تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک درست ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک درست نہیں ہے اس لئے کہ اس حلال کے لئے تیر اندازی کے ذریعہ حرم سے حل کے شکار کو چھیڑنا درست نہیں ہے پس اسی طرح حرم میں ہوتے ہوئے حل کے شکار کا فروخت کرنا درست نہیں ہے۔ امام اعظمؒ کی دلیل یہ ہے کہ شکار کا فروخت کرنا یہ حنا اس سے تعرض کرنا نہیں ہے البتہ اس کا اثر شرعاً ظاہر ہوتا ہے پس حرم میں ہونا شرعاً ظہور اثر سے حل میں مانع نہیں ہوگا، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اگر حلال نے جو کہ حرم میں ہے حل کے شکار کو ذبح کا حکم دیا تو وہ ضامن نہیں ہوتا تو بیع کا معاملہ تو امر بالذبح سے ہلکا اور کم تر ہے۔

ومن احرم ولفی بیتہ او قفصہ صید الخ: اور وہ شخص جس نے احرام باندھا اور انحالیکہ اس کے گھریا بچڑے میں کوئی شکار ہے تو اس پر اس شکار کا احرام کی وجہ سے آزاد کرنا واجب نہیں ہے امام شافعیؒ کے نزدیک اس پر اس کا آزاد کرنا واجب ہے اس لئے کہ وہ شکار کو اپنی ملک میں روکنے کی وجہ سے شکار سے تعرض کرنے والا ہو گیا۔

اور شکار سے تعرض احرام کی وجہ سے اس پر حرام ہے، لہذا ترک تعرض شکار کو آزاد کرنے کی صورت میں واجب ہے جیسے کہ جب وہ شکار اس کے ہاتھ میں ہوتا تو احرام کی وجہ سے اس کا آزاد کرنا ضروری ہوتا۔ احناف کی دلیل یہ ہے کہ حضرات صحابہ احرام باندھتے اور ان کے گھروں میں شکار موجود ہوتے تھے اور ان حضرات سے یہ بات منقول نہیں ہے کہ انہوں نے صورت مذکورہ میں ارسال صید کو ضروری گردانا ہو اور آج تک اس مسئلہ میں امت کا یہی معمول ہے پس گویا یہ عملاً اجماع ہے اور یہ دلائل شرعیہ میں طاقتور ترین دلیل ہے۔

دوسرے یہ کہ محرم پر واجب ترک تعرض ہے اور یہ محرم صورت مذکورہ میں معرض عن الصید نہیں ہے کیوں

کہ شکار گھر میں ہے بلکہ شکار اپنی جگہ محفوظ ہے اس کے ساتھ نہیں ہے علاوہ ازیں شکار محرم کی ملک میں ہے اور جب وہ اس کی ملک میں داخل ہو چکا تو اگر وہ اسے جنگل میں بھی چھوڑ دے تب بھی وہ شکار اس کی ملک سے خارج نہیں ہوگا پس بقاء فی الملک کا اعتبار نہیں ہوگا یعنی شکار سے تعرض کرنے والا نہیں سمجھا جائے گا۔

ولو اخذ حلال صیداً: کسی حلال نے کوئی شکار پکڑا اس کے بعد احرام باندھ لیا اب احرام باندھ لینے کے بعد کسی نے اس کے ہاتھ سے شکار کو چھوڑ دیا یعنی آزاد کر دیا تو اب شکار کا آزاد کرانے والا شخص ضامن ہوگا یہ امام اعظم ابو حنیفہؒ کی رائے ہے، صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ ضامن نہ ہوگا اس لئے کہ محرم ہو جانے والے شخص کے ہاتھ سے آزاد کرانے والا یعنی مرسل امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والا ہے اور محسن پر کوئی دارو گیر نہیں ہوتی، پس یہ ایسے ہو گیا جیسے شکار کو محرم نے حالت احرام میں پکڑا ہوا اور پھر کسی نے اس کو چھوڑ دیا ہو تو مرسل پر کوئی تاوان نہیں ہوگا ایسے ہی شکل مذکور میں بھی مرسل پر ضمان نہ ہوگا۔

امام اعظمؒ کی دلیل یہ ہے کہ محرم احرام سے پہلے شکار پکڑنے کی وجہ سے اس شکار کا ملک محترم کے طور پر مالک ہو گیا، لہذا اس کا احترام بوجہ احرام باطل نہ ہوگا دراصل حالیکہ مرسل اس مملوک کو بر بنائے ارسال تلف کر چکا ہے لہذا وہ اس شکار کا ضامن ہوگا، بخلاف اس کے محرم نے حالت احرام میں شکار پکڑا ہوا اور پھر کوئی اسے اس کے ہاتھ سے آزاد کر دے تو وہ ضامن نہ ہوگا، کیوں کہ محرم حالت احرام میں اخذ صید سے شکار کا مالک نہیں ہوتا ہے۔

ولو اخذه محرم لا یضمن: اگر محرم نے حالت احرام میں کوئی شکار پکڑا تھا اور کسی دوسرے نے اس کو چھوڑ دیا تو وہ بالاتفاق ضامن نہ ہوگا کیوں کہ محرم پکڑنے کی وجہ سے اس شکار کا مالک نہیں ہوا اس لئے کہ محرم شکار کا کسی سبب سے مالک نہیں ہوتا کیوں کہ شکار محرم پر حرام ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے وَحُرِّمَ عَلَیْكُمْ صِیْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا پس صید محرم کے حق میں خمر اور خنزیر کی طرح ہو گیا۔

بخلاف اس کے کہ اس نے شکار کو حلال ہونے کی حالت میں پکڑا ہو پھر احرام باندھا ہو تو مرسل ضامن دار ہوگا، کیوں کہ ایسا محرم شکار پکڑنے کی وجہ سے شکار کا مالک ہو جاتا ہے پس مرسل اخذ کی ملک تلف کرنے والا ہوا لہذا وہ ضامن ہوگا یہی وجہ ہے اگر اس اخذ نے اس شکار کو ارسال کے بعد کسی آدمی کے قبضہ میں حلال ہونے کے بعد پایا تو اس کو اس مسئلہ میں اس شخص سے شکار کے لئے لینے کا حق حاصل ہے، جب کہ مسئلہ اولیٰ میں لینے کا حق نہیں ہے، کیوں کہ اخذ محرم کی ملک ہی اس میں ثابت نہیں ہوئی۔

فان قتله محرم آخر ضمننا الخ: یعنی محرم نے حالت احرام میں کوئی شکار پکڑا اور دوسرے محرم نے اخذ کے قبضہ میں ہی شکار کو مار ڈالا تو دونوں یعنی اخذ اور قاتل سب پر ضمان ہوگا اور اخذ کو قاتل پر حق رجوع

حاصل ہوگا۔

جزاء کا وجوب دونوں پر تو اس لئے ہے کہ دونوں کی جانب سے جنایت پائی گئی کیوں کہ آخذ، اخذ کی وجہ سے شکار سے تعرض کرنے والا ہے اور قاتل قتل کے ذریعہ تعرض عن الصيد کا مرتکب ہوا ہے پس دونوں ضامن ہوں گے، پھر آخذ قاتل سے رجوع کر لے گا گو قاتل حلال کیوں نہ ہو۔

امام زفرؒ کے نزدیک آخذ کو قاتل پر حق رجوع نہیں ہے اس لئے کہ آخذ سے مواخذہ اس کے عمل کی وجہ سے ہوا ہے، لہذا وہ ضمان سے متعلق اپنے غیر سے حق رجوع نہیں رکھتا، اور ایسا اس لئے ہے کہ آخذ شکار کا نہ ضمان سے پہلے مالک تھا اور نہ ضمان کے بعد مالک ہوا اور نہ ہی آخذ کے لئے اس میں قابل احترام قبضہ اور قابل لحاظ اتھارٹی ہے، جب کہ ضمان کا وجوب قبضہ یا ملک کے ضائع کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے پس وجوب ضمان کی علت معدوم ہے لہذا اضمنان کے رجوع کا حق بھی معدوم ہوگا۔

امام اعظمؒ کی دلیل یہ ہے کہ آخذ کے اس شکار پر قبضہ کا اعتبار ہے کیوں کہ آخذ بسبب احرام شکار کے آزاد کرنے اور ضمان کے اپنے اوپر سے اسقاط پر قادر ہے اور قاتل نے اس پر اس قبضہ کو فوت کر دیا لہذا وہ ضامن ہوگا۔

دوسرے اس لئے کہ قاتل نے آخذ پر اس چیز کا استحکام دے دیا جو سقوط کے مگرار پر تھی اور تقریر یعنی استحکام بخشنے کے لئے تضمین کے حق میں حکم ابتداء ہوتا ہے۔

فإن قطع حشيش الحرم الخ: اگر کسی نے حرم کی گھاس کاٹا یا ایسا کوئی درخت کاٹا جو کسی کی ملکیت نہیں ہے، نیز وہ خود رو ہے لوگ اس کی اگائی نہیں کرتے ہیں تو کاٹنے والا اس درخت کی قیمت کا ضامن ہوگا یعنی اسے صدقہ کر دے گا البتہ جو درخت سوکھ جائے تو اس کے کاٹنے پر کوئی ضمان نہیں ہے کیوں کہ وہ لکڑی ہے شانِ نماز اس میں مفقود ہے پس اس سے انتفاع درست ہے، غیر سوکھے ہوئے درخت اور گھاس کے کاٹنے پر ضمان اس لئے ہے کہ ان دونوں کی حرمت بسبب حرم ہے نبی..... نے ارشاد فرمایا لا یختلی خلاھا ولا یعضد شوکھا یعنی کوئی حرم کی گھاس نہ کاٹے اور اس کے کانٹے نہ توڑے، لہذا محرم منسوب الی الحرم ہوگا اور حرم کی طرف نسبت بطریق کمال اس وقت ہوگی جب انبات کی نسبت حرم کے علاوہ کی طرف نہ ہو۔

اور وہ درخت جنہیں عادیہ لوگ اگاتے ہیں اور ان کی تخم ریزی کرتے ہیں تو وہ بالاتفاق غیر مستحق بالامن

ہوتے ہیں۔

وحرم رعی حشیش الحرم الخ: حرم کی گھاس چرانا اور اس کا ہنسیا سے کاٹنا ممنوع ہے البتہ اذخر کاٹنے کی اجازت ہے کیوں کہ نبی..... کا یہ ارشاد لا یختلی خلاھا ویعضد شوکھا گذر چکا ہے کہ حرم کی

ترتازہ گھاس کا ثنا اور کانٹے توڑنا نہیں چاہئے، البتہ اذخر کی اجازت ہے جو پہاڑوں اور وادیوں میں بکثرت آگتی ہے اور چھت اور قبروں نیز جانوروں کے چرنے میں کام آتی ہے جیسے کہ حضرت عباسؓ نے رسول اللہ ﷺ سے اس کی درخواست کی تھی اور ضرورت کا اظہار کیا تھا تو آپ ﷺ نے ان کی اس درخواست کو قبول فرمایا۔

امام ابو یوسفؒ کے نزدیک حرم کی گھاس کا چرانا اور کا ثنا درست ہے کیوں کہ گھاس پوس سے زائرین اور معتکفین حرم کو حرج ہوتا ہے، لیکن امام ابو یوسفؒ کے خلاف وہ روایت ہے جو اوپر بیان ہوئی دوسرے یہ کہ حرج کا لحاظ وہاں ہوتا ہے جس کے سلسلے میں کوئی نص نہ ہو اور مسئلہ حشیش میں تو نص موجود ہے۔

وکل شیء علی المفرد بہ دم فعلى القارن دمان: ہر وہ قابل احتراز امر کہ جس کی وجہ سے مفرد پر ایک دم لازم ہوتا ہے اس کے ارتکاب سے قارن پر دو دم لازم ہوں گے، امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ قارن پر بھی ایک ہی دم ہوگا جیسا کہ مفرد پر ہوتا ہے کیوں کہ امام شافعیؒ کے نزدیک قارن ایک ہی احرام کے ساتھ محرم ہے اس لئے کہ امام شافعیؒ احرام بین الحج والعمرة میں داخل کے قائل ہیں اور ہمارے نزدیک قارن پر دو دم ہوں گے کیوں کہ وہ دو احراموں عمرہ اور حج کے ساتھ محرم ہے اور اس نے دونوں احراموں پر جنایت کی ہے لہذا اس پر دو دم واجب ہوں گے اور یہ حکم قتل خطاء کی طرح ہے کہ اس میں ایک جنایت آدمی کے حق میں ہوتی ہے اس کا خون بہا کر اور دوسری جنایت اللہ تعالیٰ کے حق میں ہوتی ہے منہی عنہ کا ارتکاب کر کے پس دیت واجب ہوئی بندہ کے حق کے طور پر اور کفارہ واجب ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے حق کے طور پر۔

الا ان يتجاوز الميقات غير محرم: البتہ ایک مسئلہ ہے کہ جس میں قارن پر بھی ایک ہی دم ہوگا اور وہ یہ ہے کہ میقات بغیر احرام کے عبور کر آئے لیکن اس مسئلہ میں امام زفر کا اختلاف ہے کہ ان کے نزدیک مسئلہ مذکورہ میں قارن پر دو دم لازم ہوں گے، کیوں کہ قارن نے میقات سے دو احراموں کو مؤخر کیا ہے، لہذا دونوں میں سے ہر ایک کے لئے ایک ایک دم لازم ہوگا، دیگر تمام محظورات احرام پر قیاس کرتے ہوئے امام زفر تائید میں اس مسئلہ کو پیش کرتے ہیں کہ ایک شخص میقات میں بغیر احرام کے داخل ہو گیا پس اس نے حج کا احرام باندھا پھر وہ حرم میں داخل ہوا تو عمرہ کا احرام باندھ لیا تو اس پر اپنی میقات میں ترک احرام کی وجہ سے دو دم لازم ہوتے ہیں پس یہی صورت حال مسئلہ مذکورہ میں ہے لہذا اس میں دو دم لازم ہوں گے۔

ہمارا کہنا یہ ہے کہ اس پر ارض مقدس کی تعظیم کے لئے ایک ہی احرام واجب ہے اسی وجہ سے اگر وہ میقات سے عمرہ کا احرام باندھتا اور حج کا میقات کے اندر سے تو قارن ہو جانے کے باوجود اس پر کوئی دم واجب نہیں ہوتا ہے، لہذا ایک واجب کے ترک سے دو دم واجب نہ ہوں گے، بخلاف اس مسئلہ کے کہ جس

سے امام زفر نے استشہاد کیا ہے کیوں کہ جب وہ بغیر احرام میقات میں داخل ہو گیا اور حج کا داخل میقات احرام باندھا تو اس پر ترک وقت کی وجہ سے ایک دم واجب ہوگا اور جب مکہ میں داخل ہو گیا تو اب وہ میقات کے حق میں اہل مکہ میں سے ہو گیا، اور اہل مکہ کی میقات عمرہ میں حل ہے پس جب اس نے حرم سے عمرہ کا احرام باندھا تو بلاشبہ اس نے عمرہ کی میقات کو نظر انداز کر دیا لہذا اس کی وجہ سے اس پر دوسرا دم واجب ہوگا اب رہی بات اس مسئلہ کی جو متن میں زیر بحث ہے تو اس میں اس نے حج و عمرہ میں سے صرف ایک میں میقات کی خلاف ورزی کی ہے لہذا ایک ہی دم اس پر واجب ہوگا۔

ولو قتل محرمان صیداً تعدد الجزاء: یعنی جب دو محرموں نے مل کر مشترکہ طور پر کسی شکار کو مارا تو ان دونوں میں سے ہر ایک پر جزائے کامل ہوگی امام شافعی فرماتے ہیں کہ دونوں پر ایک ہی جزاء ہوگی، اس لئے کہ قتل صید سے بدل محض واجب ہوتا ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ جزاء کفارہ قتل ہے اور محل کا بدل ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کفارہ کے نام سے موسوم کیا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسَاكِينَ اور اللہ تعالیٰ نے مماثلت کا اعتبار کیا ہے ارشاد ہے فجزاء مثل ما قتل من النعم لہذا ہم نے دونوں امروں کو دونوں دلیلوں پر عمل کرتے ہوئے جمع کر دیا اور ایسا اس لئے ہے کہ قتل صید اپنے احرام پر جنایت ہے، لہذا جزاء اس کے اعتبار سے کفارہ ہوگی، اور قتل شکار کے لئے تفویض بھی ہے لہذا اس کے اعتبار سے بدل جزاء ہوگی، اور ایسا ہونا کوئی امر تعجب نہیں ہے، آپ دیکھئے کہ قصاص فعل قتل کی جزاء ہے حتیٰ کہ جب قاتل متعدد ہو اور مقتول ایک ہو تو قصاص سب پر جاری ہوتا ہے اور بدل بھی ہے حتیٰ کہ اس کا وارث ہوا جاتا ہے جیسے کہ دیت کہ اس میں وراثت جاری ہوتی ہے، الحاصل دونوں محرموں میں سے ہر ایک کا فعل کامل ہے لہذا دونوں پر اس کا موجب واجب ہوگا۔

ولو حلالان لا: یعنی اگر دو حلال، صید حرم کے مارنے میں شریک ہوں تو جزاء متعدد نہ ہوگی، کیوں کہ واجب اس میں محل کا بدل ہے نہ کہ فعل کی جزاء اور وہ جنایت ہے حتیٰ کہ صوم کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے، پس جزاء صرف محل کے تعدد سے متعدد ہوگی، بخلاف دو محرموں کے اس لئے کہ واجب یہاں جنایت کی جزاء ہے اسی وجہ سے وہ صوم سے اداء ہو جاتا ہے اور فعل سے تعدد سے متعدد ہوتا ہے۔

وبطل بيع المحرم صيد او شراء: اگر محرم نے شکار کو بیچا یا خرید تو بیع و شراء دونوں باطل ہوگی، اس لئے کہ شکار کا بیچنا یا تو زندہ ہوگا یا مردہ اگر زندہ شکار محرم فروخت کر رہا ہے تو یہ شکار سے تعرض ہے جو ناجائز ہے اور اگر مردہ شکار بیچا تو یہ میت کا بیچنا ہوا، کیوں کہ شکار محرم کے ذبح سے میت کے حکم میں ہو جاتا ہے، اور میت کی بیع باطل ہے۔

پھر جب مشتری نے شکار پر قبضہ کر لیا اور شکار مشتری کے قبضہ میں ہلاک ہو گیا تو مشتری اور بائع دونوں پر جزاء ہوگی کیوں کہ دونوں نے شکار پر جنایت کی ہے، بائع نے شکار کو مشتری کے حوالہ کر کے اور مشتری نے شکار پر اپنا قبضہ ثابت کر کے اور مشتری بائع کے لئے نیز ضامن ہوگا کیوں یہ بیع فاسد تھی۔

ومن اخروج ظبیۃ الحرم النخ: اگر کسی نے کوئی ہرنی حرم سے نکالا اب حرم کے باہر ہرنی نے بچہ جنا اس کے بعد بچہ اور ماں دونوں مر گئے تو مخرج یعنی نکالنے والا ماں اور بچہ دونوں کی قیمت کا ضامن ہوگا، یعنی دونوں کی قیمت صدقہ کرے گا ایسا اس لئے کہ شکار حرم سے اخراج کے بعد مستحق امن تھا حتیٰ کہ اس پر شکار کو امن گاہ یعنی حرم لوٹنا واجب تھا اور استحقاق امن صفت شرعی ہے، لہذا یہ بچہ میں بھی سرایت کر گیا جیسے کہ تمام صفات شرعیہ کہ ماں سے بچہ میں بھی سرایت کر جاتی ہیں، جیسے رقیق اور حریت کہ ماں کا غلام یا آزاد ہونا بچہ میں سرایت کر جاتا ہے، لہذا نکالنے والا ماں کی طرح بچہ کا بھی ضامن ہوگا۔

فان ادی جزاءھا فولدت النخ: اگر نکالنے والے نے حرم سے ہرنی کے اخراج کے بعد ہرنی کی قیمت ادا کر دی یعنی صدقہ کر دیا اس کے بعد ہرنی نے بچہ جنا اور دونوں مر گئے تو وہ مخرج بچہ کا ضامن نہ ہوگا، اس لئے کہ جزاء کے بعد یہ حلال شکار ہو جاتا ہے کیوں کہ کفارہ دے دینے کے بعد مخرج کے فعل کا اثر ختم ہو گیا۔

باب مجاوزة الوقت بغیر احرام

من جَاوَزَ المِیقَاتِ غَیْرَ مَحْرَمٍ ثُمَّ عَادَ مَحْرَمًا مُلَبِّيًا أَوْ جَاوَزَ ثُمَّ أَحْرَمَ بِعَمْرَةٍ ثُمَّ الْفَسَدَ وَقَضَى بَطْلَ الدَّمِ فَلَوْ دَخَلَ الْكُوفِيَّ الْبَسْتَانَ لِحَاجَةٍ لَهُ دُخُولُ مَكَّةَ بِلَا أَحْرَامٍ وَوَقْتُهِ الْبَسْتَانُ وَمَنْ دَخَلَ مَكَّةَ بِلَا أَحْرَامٍ ثُمَّ حَجَّ مِمَّا عَلَيْهِ فِي عَامِهِ ذَلِكَ صَحَّ مِنْ دُخُولِ مَكَّةَ بِلَا أَحْرَامٍ فَإِنْ تَحَوَّلَتِ السَّنَةُ لَا.

ترجمہ: یہ بات میقات سے بغیر احرام کے نکل جانے کے بیان میں ہے، وہ شخص جو میقات سے بغیر احرام کے نکل جائے پھر محرم ہو کر تلبیہ پڑھتا ہو میقات لوٹ آئے یا میقات سے (بغیر احرام کے) تجاوز کر جائے پھر عمرہ کا احرام باندھ لے پھر اس عمرہ کو باطل کر ڈالے اور قضاء کرے (اس عمرہ کی) تو دم باطل ہو جائے گا اگر کوئی (بنی عامر کے) باغ میں (جو اندرون میقات ہے) کسی ضرورت سے داخل ہو گیا تو اس کے لئے (جائز ہے) مکہ میں بغیر احرام کے داخل ہونا اور اس کی میقات وہ باغ ہی ہو جائے گا۔ اور وہ شخص جو مکہ میں بغیر احرام کے داخل ہوا پھر اس نے اسی سال حج کیا اس سے جو اس پر واجب تھا

(یعنی حج فرض یا حج مندور یا عمرہ مندور) تو وہ صحیح ہے مکہ میں بلا احرام داخل ہونے سے اور اگر سال بدل گیا تو نہیں صحیح ہے۔

تشریح: اس باب کا ماقبل سے ربط و مناسبت یہ ہے کہ سابقہ باب کی طرح اس میں بھی جنائیت کے معنی پائے جاتے ہیں البتہ بغیر احرام میقات سے گذرنا احرام سے پہلے جنائیت ہے اور باب سابق میں جن کا تذکرہ ہوا وہ بعد الاحرام جنائیت ہیں، مطلق اسم جنائیت کا ان چیزوں پر اطلاق ہوتا ہے جو بعد الاحرام جنائیت ہوں لہذا یہ جنائیت کے معنی میں کامل ہوئیں اسی وجہ سے اس کو اس باب زیر بحث پر مقدم کیا۔ معلوم ہونا چاہئے کہ اس جنائیت کے وقوع کا تعلق دو اموروں سے ہے بیت اللہ اور احرام خود میقات سے نہیں ہے، کیوں کہ میقات سے احرام کا وجوب میقات کے لئے نہیں بلکہ بیت اللہ کی تعظیم کے لئے ہوتا ہے، حاصل یہ ہے کہ وہ جگہ کہ جہاں سے بیت اللہ کی تعظیم احرام کے ذریعہ واجب ہو جاتی ہے اسے میقات کہتے ہیں اور اس کا تعین من جانب اللہ ہوا ہے۔

من جاوز الميقات غير محرم ثم عاد محروما الخ: وہ شخص جو میقات سے بغیر احرام کے آگے بڑھ گیا پھر محرم ہو کر تلبیہ پڑھتا ہوا لوٹ آیا، یا وہ میقات سے بغیر احرام کے تجاوز کر گیا پھر عمرہ کا احرام باندھ لیا پھر عمرہ کو فاسد کر ڈالا پھر اسی سال میقات لوٹ کر آیا اور احرام باندھ کر قضاء کیا تو ان دونوں صورتوں میں دم باطل ہو جائے گا۔

بہر حال پہلی بات تو یہ امام ابو حنیفہ کا قول ہے، صاحبین کے نزدیک محرم ہو کر میقات لوٹنے سے ہی دم ساقط ہو جائیگا، خواہ تلبیہ پڑھا ہو یا نہ پڑھا ہو، اور امام زفر کے نزدیک دم ساقط نہ ہوگا خواہ تلبیہ پڑھا ہو یا نہ پڑھا ہو اور اگر عمرہ کا طواف کرنے کے بعد میقات لوٹ کر آیا تو دم ساقط نہ ہوگا۔

امام زفر کی دلیل یہ ہے کہ بلا احرام میقات سے تجاوز کرنے والے کی جنائیت اب محرم ہو کر اس کے میقات لوٹ آنے سے ختم نہیں ہوگی، ایسا اس لئے ہے کہ جب میقات غیر محرم ہو کر پہنچا تو اس پر تلبیہ پڑھنا واجب ہوا لہذا جب تجاوز کر کے اس نے اس واجب کو ترک کر دیا تو دم اس پر واجب ہو گیا، پھر جب وہ محرم ہو کر تلبیہ پڑھتا ہوا میقات پہنچا تو اس نے اس طرح کر کے متروک کو انجام نہیں دیا اس لئے کہ وہ یعنی متروک واجب تھا اور جو اس نے اداء کیا ہے وہ واجب نہیں ہے۔

صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ متجاوز عن الميقات پر میقات میں واجب اس کا محرم ہونا تھا تلبیہ پڑھنا نہیں تھا، پس جب وہ تجاوز کے بعد محرم ہو کر میقات لوٹ آیا تو واجب متروک کی تلافی ہو گئی، لہذا اس سے دم ساقط ہو جائے گا، اس کی نظیر یہ امر ہے کہ اگر کسی نے اپنے گھر سے احرام باندھا اور میقات سے خاموشی کے ساتھ

بغیر تلبیہ پڑھے ہوئے گذر تو اس تلبیہ نہ پڑھنے سے اس پر کچھ واجب نہیں ہوتا، معلوم ہوا کہ میقات پہنچ کر محرم ہونا ضروری ہے تلبیہ نہیں لہذا عود الی المیقات چاہے ملایا ہو یا اس کے بغیر ہو محض محرم ہو کر میقات لوٹنے سے دم ساقط ہو جائے گا۔

اور امام اعظمؒ کی دلیل یہ ہے کہ عازم حج و عمرہ کے حق میں اصل میقات اس کا اپنا گھر ہے اسی وجہ سے گھر سے ہی احرام باندھنا افضل ہے البتہ میقات تک احرام میں تاخیر کی رخصت ہے پس میقات آخر غایات ہوا لہذا جب میقات پہنچا تو اس پر تلبیہ اور احرام واجب ہوئے پس جب اس عازم نے احرام کو ترک کر دیا اور داخل میقات احرام باندھا تو اس کے اوپر دم واجب ہو گیا، پس اگر یہ اس کے بعد میقات لوٹ آیا اور میقات پر تلبیہ پڑھا تو گویا یہ بمنینہ وہی چیز اداء کرنے والا ہوا جو اس نے چھوڑ دیا تھا لہذا دم اس سے ساقط ہو جائے گا اور اگر میقات، عود تلبیہ کے ساتھ نہیں ہوا ہے تو عین متروک کا اداء کرنے والا نہ ہوگا، لہذا دم ساقط نہ ہوگا، اس مسئلہ تجاوز عن المیقات میں حج اور عمرہ کا حکم یکساں ہے۔

اب رہی دوسری بات یعنی جب میقات سے غیر محرم ہو کر آگے بڑھ جائے پھر میقات کے اندر عمرہ کا احرام باندھے پھر اس عمرہ کو فاسد کر ڈالے اور قضاء میں میقات سے احرام باندھے تو اس سے دم ساقط ہو جاتا ہے، یہی حکم ہے اگر بعینہ یہی شکل حج میں پیش آئی۔

امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ ان تمام صورتوں میں دم ساقط نہیں ہوگا اس لئے کہ وجوب دم محذور کے ارتکاب سے ہوا ہے پس یہ قضاء میں محذور کے ارتکاب سے بچنے کی وجہ سے ساقط نہیں ہوگا جیسے کہ تمام محظورات کا حکم ہے، نظیر میں اس امر کو پیش کرتے ہیں کہ اگر کسی نے شکار کو قتل کر دیا یا حلق کر لیا یا احرام کی حالت کے باوجود خوشبو لگالی پھر اس حج یا عمرہ کو فاسد کر دیا اور اسکی قضاء کی اور قضاء میں ان محظورات کے ارتکاب سے گریزاں رہا تو واجب شدہ دم ساقط نہیں ہوتا پس اسی طرح مسئلہ مذکور فی المتن میں بھی دم ساقط نہ ہوگا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ جب اس نے فاسد کردہ عمرہ و حج کی قضاء میقات سے احرام باندھ کر کی تو بلا احرام میقات سے آگے بڑھ جانے کے نقصان کی تلافی ہو گئی اس لئے کہ قضاء اداء کی حکایت کرتا ہے اور ایسا اس لئے ہے کہ نقص میقات سے احرام کے ترک سے پیدا ہوا تھا اور یہ میقات سے قضاء کا احرام باندھ کر اس کے حق کی ادائیگی کرنے والا ہو گیا لہذا وجوب دم کا سبب ختم ہو گیا بخلاف دیگر اور محظورات کے کہ ان کے معنی موجب قضاء سے معدوم نہیں ہوتے پس دونوں میں فرق واضح ہے۔

فلو دخل الکوفی البستان لحاجة الخ: یہاں بستان سے مراد بنی عامر کا بستان ہے جو حل میں ایک گاؤں ہے اب اگر کوئی شخص کسی ضرورت کے تحت بلا احرام اس بستان میں آ جاتا ہے تو اس کی میقات یہی بستان

ہوگا مطلب اس شخص کی میقات حل ہے اس لئے کہ بان واجب استعظیم نہیں ہے لہذا بستان کا قصد کرنے سے اس پر احرام لازم نہیں پھر جب یہ باغ بنی عامر میں آگیا تو یہ اس کے باشندوں کے حکم میں ہو گیا اور بستانی ضرورت کے تحت مکہ بلا احرام جاسکتا ہے، پس یہی حکم اس شخص کے لئے بھی ہے جو بستانی کے حکم میں ہوگا۔

دوقتہ البستان سے مراد سارا حل ہے جو میقات اور حرم کے درمیان ہوتا ہے، معلوم ہوا کہ صورت مذکورہ میں بستان میں پندرہ یوم اقامت کی نیت شرط نہیں ہے البتہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک حکم مذکور کے لئے پندرہ یوم بستان میں اقامت کی نیت ضروری ہے، چنانچہ اگر پندرہ یوم سے کم داخل ہونے والے نے بستان میں اقامت کی نیت کی تو اس کا حکم بستانی کا حکم نہ ہوگا لہذا اسے ضرورتاً بھی مکہ میں بلا احرام داخلہ ممنوع ہوگا۔

ومن دخل مکہ بلا احرام النخ: اگر کوئی آدمی مکہ میں بغیر احرام کے آگیا تو اب اس پر حج و عمرہ میں سے کوئی ایک نسک ضرور لازم ہو جائے گا، اس لئے کہ مکہ کا دخول، وجوب احرام کا سبب ہے، لہذا جب اس کا سبب موجود ہے تو پھر احرام بانج یا احرام بالعمہ لازم ہے جیسے کوئی شخص احرام کی نذر مانتا تو اس پر اس کی وجہ سے احرام بانج یا بالعمہ ضرور کرنا پڑتا، البتہ امام شافعیؒ کے نزدیک مکہ میں دخول بلا احرام حج و عمرہ میں سے کوئی چیز لازم نہیں ہوتی، کیوں کہ ان کے نزدیک مکہ میں بغیر احرام کے بھی داخلہ کی اجازت ہے، اور ہمارے نزدیک اس کی اجازت نہیں ہے۔

ثم حج مماعلیہ فی عامہ النخ: یعنی جب کوئی شخص مکہ میں بغیر احرام کے داخل ہوا اور اس کو اس دخول کی وجہ سے حج یا عمرہ لازم ہو گیا جیسا کہ اس کا بیان اوپر گذر چکا ہے، اب اس نے وہ حج کیا جو اس پر دخول مکہ کے بغیر بھی فرض تھا یعنی حج فرض جو رکن اسلام ہے یا نذر کا حج تو یہ حج فرض یا حج منذر اس حج سے بھی کفایت کرے گا جو مکہ میں دخول کی وجہ سے لازم ہوا تھا یعنی اب علیحدہ سے کوئی حج و عمرہ کرنے کی ضرورت نہ ہوگی جو بر بنائے دخول مکہ بلا احرام واجب ہوا تھا بشرطیکہ یہ حج رکن اسلام یا حج منذر اسی سال کر لیا ہو اور اگر سال بدل گیا تو اب حج فرض اس حج و عمرہ کا بدل نہ ہو سکے گا، اور کفایت نہ ہو سکے گی، جو مکہ میں بغیر احرام دخول کی وجہ سے لازم ہوا تھا بلکہ علیحدہ سے حج یا عمرہ کرنا لازم ہوگا۔

اور امام زفرؒ کے نزدیک اگر سال نہ بھی بدلا ہو تب بھی کفایت نہ ہوگی، اور قیاس کا بھی یہی تقاضا ہے کیوں کہ مکہ میں داخلہ کی وجہ سے حج یا عمرہ واجب ہوا پس یہ ذمہ میں دین ہو گیا، لہذا یہ بلا نیت اداء نہ ہوگا، جیسا کہ اگر اس پر نذر مبہم کی وجہ سے حج یا عمرہ کا وجوب ہوتا یا اگر سال بدل جاتا۔

اور استحسان کی وجہ یہ ہے کہ داخل ہونے والے پر دخول مکہ کے وقت اس خطہ مقدس کی تنظیم ہے، بس محرم ہونا واجب ہے دخول مکہ کے لئے اس کا احرام علی السعین ہونا ضروری اور لازم نہیں ہے، اس کی تائید اس

امر سے ہوتی ہے کہ اگر یہ شروع ہی سے حج لرض یا حج منذر کا احرام باندھ کر مکہ میں داخل ہوتا تو اس پر کچھ لازم نہ ہوتا، لہذا اسی طرح کا حکم مسئلہ مذکور میں بھی ہوگا۔

اس کی نظیر یہ ہے کہ اگر کسی نے رمضان کے ماہ میں اعتکاف کی نذر مانی تو رمضان کا روزہ اعتکاف کے روزے سے کفایت کرتا ہے، علیحدہ سے اعتکاف کے روزے نہیں رکھنے پڑھتے کیوں کہ اعتکاف میں روزہ دار ہونا واجب ہے، جو مدت اعتکاف میں رمضان کے روزوں کی شکل میں پائے گئے، لہذا رمضان کے علاوہ روزوں کی اس اعتکاف منذر میں کوئی حاجت نہیں، پس یہی حال متن میں مذکور مسئلہ کا ہے۔

بمخلاف جب سال بدل جائے تو اس لئے حج اسلام اس حج اور عمرہ سے کفایت نہیں کر سکے گا جو مکہ میں بلا احرام داخل ہونے سے واجب ہوا ہے کہ جب ارض مقدس میں دخول کا حق ادا نہ ہوا کہ سال بدل گیا تو تفویض یعنی فوت کر دینے کی وجہ سے وہ اس کے ذمہ وین مقصود ہو گیا، لہذا اب اس کی ادائیگی اس کے لئے بالاستقلال احرام سے ہی ہوگی جیسے کہ کوئی رمضان کے مہینے کے اعتکاف کی نذر مانے پس وہ صرف روزہ رکھے اور اعتکاف نہ کرے اب ماہ رمضان میں اس اعتکاف کی ادائیگی کے ارادہ سے جو اس کو گذشتہ رمضان میں لازم ہو گیا تھا اعتکاف کا ارادہ کرے تو یہ اعتکاف گذشتہ رمضان کے اعتکاف کی جانب سے کافی نہیں ہو سکتا، کیوں کہ وہ اعتکاف منذر فوت کر دینے کی وجہ سے اس روزہ کے ساتھ جو اس اعتکاف کے تابع تھا ناذر پر مضمون علیہ ہو گیا تھا لہذا اب وہ رمضان کے روزے سے ادا نہیں ہوگا بلکہ یہ اعتکاف مستقل روزوں کے ساتھ ہی ادا ہو سکے گا جیسے کہ اگر اس کو اعتکاف نذر مطلق سے لازم ہوتا تو اعتکاف کی ادائیگی مستقل روزوں کے ساتھ ہوتی۔

اگر کوئی مکی حرم سے نکلا پس اس نے احرام باندھ لیا تو اس کو دم لازم ہو جائے گا اس لئے کہ مکی کی میقات حج میں حرم ہے پس اگر وہ وقوف عرفہ سے پہلے حرم لوٹ آیا اور تلبیہ پڑھ لیا تو امام صاحب کے نزدیک دم ساقط ہو جائے گا اور صاحبین کے نزدیک مطلقاً حرم لوٹ آنے کی وجہ سے دم ساقط ہو جائے گا، خواہ اس نے تلبیہ پڑھایا نہیں پڑھا اور زقر کے نزدیک مطلقاً دم ساقط نہ ہوگا، دلائل وہی ہیں جو غیر مکی کے میقات سے بلا احرام تجاوز کی صورت میں بیان ہوئے ہیں۔

باب اضافة الاحرام الى الاحرام

مَكِّي طَافَ شَوَّطًا لِعِمْرَةٍ فَأَحْرَمَ بِحَجٍّ رَفِضَهُ وَعَلَيْهِ حَجٌّ وَعِمْرَةٌ وَدَمٌ لِرَفِضِهِ فَلَوْ مَضَى عَلَيْهِمَا صَحٌّ وَعَلَيْهِ دَمٌ وَمَنْ أَحْرَمَ بِحَجٍّ ثُمَّ بَاخَرَ يَوْمَ النَحْرِ فَإِنْ حَلَّقَ فِي الْأَوَّلِ

لَزِمَهُ الْآخِرُ وَلَا دَمَ وَإِلَّا لَزِمَهُ وَعَلَيْهِ دَمٌ قَصْرًا أَوْ لَا وَمَنْ فَرَّغَ مِنْ عُمَرَتِهِ إِلَّا الْقَصِيرَ
فَأَحْرَمَ بِأُخْرَى لَزِمَهُ دَمٌ وَمَنْ أَحْرَمَ بِحَجٍّ ثُمَّ بِعُمَرَةٍ ثُمَّ وَقَفَ بِعَرَفَاتٍ فَقَدْ رَفَضَ
عُمَرَتَهُ وَإِنْ تَوَجَّهَ إِلَيْهَا لَا فَلَوْ طَافَ لِلْحَجِّ ثُمَّ أَحْرَمَ بِعُمَرَةٍ وَمَضَى عَلَيْهِمَا يَجِبُ دَمٌ
وَنَذْبُ رَفْضِهَا وَإِنْ أَهَلَ بِعُمَرَةٍ يَوْمَ النُّحْرِ لَزِمَتْهُ وَلَزِمَهُ رَفْضُهَا وَالْأَمُّ وَالْقَضَاءُ فَإِنْ
مَضَى عَلَيْهَا صَحَّ وَيَجِبُ دَمٌ وَمَنْ فَاتَهُ الْحَجُّ فَأَحْرَمَ بِعُمَرَةٍ أَوْ حَجَّةٍ رَفَضَهَا.

ترجمہ: یہ باب ایک احرام سے دوسرا احرام کر لینے کے بیان میں ہے ایک مکی نے عمرہ کے
طواف کا ایک چکر کیا پھر حج کا احرام باندھ لیا تو حج کو ترک کر دے اور اس پر حج اور عمرہ اور دم ہے ترک حج کی
وجہ سے پس اگر دونوں کے افعال کر گزرا تو صحیح ہے اور اس پر خون لازم ہے اور وہ شخص جس نے حج کا احرام
باندھ لیا تو اگر اول میں حلق کر لیا تو دوسرا بھی لازم ہو جائے گا اور دم نہ ہوگا ورنہ لازم ہو جائے گا اور خون بھی
واجب ہوگا خواہ بال کٹوائے یا نہ کٹوائے اور وہ شخص جو عمرہ سے فارغ ہو کر بجز بال کتروانے سے پھر دوسرے
عمرہ کا احرام باندھ لیا تو دم لازم ہوگا اور جس نے حج کا احرام باندھا پھر عمرہ کا پھر ٹھہرا عرفات میں تو اس نے
اپنا عمرہ ترک کر دیا اور اگر صرف متوجہ ہوا عرفات کی طرف تو نہیں پس اگر طواف کیا حج کا پھر احرام باندھا
عمرہ کا اور دونوں کے افعال کر لئے تو دم واجب ہے اور مستحب ہے اس عمرہ کو ترک کرنا اور اگر احرام باندھا
عمرہ کا دسویں کو تو لازم ہو جائے گا اور ترک کرنا ضروری ہوگا اور خون اور اس کی قضاء واجب ہوگی اور اگر اس
کے افعال بجا لایا تب بھی صحیح ہے لیکن خون واجب ہوگا اور جس سے حج فوت ہو جائے اور وہ عمرہ کا یا حج کا
احرام کرے تو اس کو ترک کر دے۔

تشریح: جب ایک احرام سے دوسرا احرام کر لینا مکی اور وہ شخص جو مکی کے حکم میں ہے کی جانب
سے جنایت ہے، نیز عمرہ کے احرام سے حج کا احرام کر لینا آفاقی کی جانب سے ایک طرح کی بے ادبی اور
ناپسندیدہ حرکت ہے، تو مصنفؒ نے باب اضافۃ الاحرام الی الاحرام کو باب الجنایات کے بعد بیان
فرمایا کیوں کہ اضافۃ الاحرام الی الاحرام ایک طرح کی جنایت ہی ہے بخلاف اضافۃ الحج الی
احرام العمرۃ من الآفاقی کیوں کہ یہ مشروع ہے، ایک مکی نے عمرہ کے طواف کا ایک چکر لگا لیا پھر حج کا
احرام باندھ لیا تو حج چھوڑ دینا چاہئے اور اس شخص کے اوپر حج و عمرہ اور دم لازم ہوگا، حج چھوڑنے کی وجہ سے،
یہ رائے امام ابو حنیفہؒ کی ہے۔

صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ عمرہ چھوڑ دے اور اس کی قضاء کرے اور ترک عمرہ کی وجہ سے دم دے یعنی قربانی
کر کے صدقہ کرے اور حج کے افعال کر گزرا کرے کیوں کہ حج اور عمرہ دونوں ایک ساتھ کرنا مکی کے حق میں غیر

م شروع ہے، لہذا ان میں سے کسی ایک کا ترک ضروری ہے، پس عمرہ اولیٰ بارفض ہے یعنی عمرہ کا چھوڑنا اولیٰ ہے، اس لئے کہ عمرہ حج کے مقابلہ میں کم رتبہ ہے اور اس کے اعمال بھی کم ہیں اور عمرہ کی قضاء بھی آسان ہے، کیوں کہ عمرہ غیر موقت ہے یعنی اس میں وقت کی پابندی نہیں ہے، عمرہ میں فقط طواف اور سعی ہے اور عمرہ سنت ہے جب کہ حج کا معاملہ ایسا نہیں ہے۔

دوسرے اس لئے بھی کہ اگر عمرہ چھوڑا تو صرف عمرہ کی قضاء لازم ہوگی جب کہ حج چھوڑنے کی صورت میں حج اور عمرہ دونوں کی قضاء لازم ہوگی پس یہ مکی یوں ہو گیا جیسے اس نے عمرہ کا کچھ بھی طواف نہ کیا ہو کہ حج کا احرام باندھ لیا تو ظاہر ہے ایسی صورت میں عمرہ کو ہی بالاتفاق چھوڑے گا، الحاصل صاحبین کے نزدیک مسئلہ مذکورہ میں عمرہ چھوڑے گا اور اس کی قضاء کرے گا اور دم دے گا کیوں کہ جمع بین الحج والعمرہ کی وجہ سے نقصان ہو گیا۔

اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ عمرہ کا احرام طواف کا چکر لگانے سے مؤکد ہو گیا اور حج کا احرام کسی عمل حج کے ساتھ مؤکد نہیں ہوا، اور غیر متا کد اولیٰ بارفض ہوتا اور جب دو چیزیں قوت اور دلیل میں برابر ہوں تو ان میں اہل اور ایسر کو ترجیح ہوتی ہے۔

دوسرے اس لئے بھی کہ عمرہ کے چھوڑنے میں ابطال عمل ہے اور حج کے چھوڑنے میں اس سے باز رہنا اور امتناع عن الحج ہے پس امتناع عن العمل، ابطال عمل سے اولیٰ ہے اور ایسے شخص پر دم ہوگا خواہ وہ حج چھوڑے یا عمرہ کیوں کہ قبل از وقت حلال ہوا جیسے کہ محصر۔

پھر اگر صورت مذکورہ میں عمرہ چھوڑا تو صرف عمرہ کی قضاء کرے گا اور اگر حج چھوڑا تو حج و عمرہ دونوں کی قضاء کرے گا کیوں کہ یہ اس شخص کی طرح جس کا حج فوت ہو گیا ہو بایں طور کہ وہ افعال حج کر گزرنے سے عاجز ہو گیا ہو اور فائت الحج جہاں افعال حج سے حلال ہوتا ہے اعمال عمرہ سے بھی وہ حلال ہوتا ہے، پھر یہ آئندہ سال حج کرے گا، اور اگر عمرہ کی قضاء سے فارغ ہونے کے بعد اسی سال حج کر لیا تو مناسب ہے کہ اس آدمی پر دم واجب نہ ہو کیوں کہ یہ فائت الحج کی طرح نہ ہوا لہذا یہ کہ وہ اسی سال حج نہ کرے تو وہ فائت الحج کی طرح ہوگا۔

فلو مضی علیہما جاز الخ: مسئلہ مذکورہ میں اگر اس نے حج یا عمرہ ترک کرنے کے بجائے دونوں کے افعال انجام دے دیا تو درست ہے البتہ دم لازم ہوگا، جواز اس لئے ہے کہ حج و عمرہ کا جیسا التزام کیا تھا اسی طرح ادا کیا البتہ اس طرح کرنا منع اور مٹھی عنہ تھا اور نہی مشروعیت کے لئے مانع نہیں ہوتی نیز تحقیق فعل اس کے باوجود ہو جاتا ہے۔

ہاں اس مکی پر دم ہوگا کیوں کہ اس نے حج و عمرہ دونوں ایک ساتھ ادا کئے ہیں پس یہ دم دم تلافی ہے لہذا

اس کے لئے اس دم سے کچھ بھی کھانا درست نہ ہوگا۔

بمخلاف آفاقی کہ وہ اگر ایسا کرتا تو یہ دم، دم شکر ہوتا، چنانچہ اس کے لئے دم شکر سے کھانے کی اجازت ہے۔
ومن احرم بحج آخر يوم النحر الخ: یعنی جب ایک حج کا احرام باندھا اور دسویں کو اعمال سے فراغت ہو گئی پھر دسویں ذی الحجہ کو ہی حج کا احرام باندھ لیا تو دوسرا حج لازم ہو جائے گا، پھر اگر پہلے حج میں حلق کر لیا تھا دوسرے کا احرام باندھنے سے پہلے تو اس پر کچھ نہ ہوگا اور اگر حلق نہیں کر لیا تھا کہ دوسرے حج کا احرام باندھ لیا تھا تو اس کے اوپر دم ہوگا خواہ اس نے احرام ثانی کے بعد حلق کر لیا یا نہیں کر لیا۔

اور اگر عمرہ کا احرام باندھا اور اس کے اعمال سے فارغ بھی ہو گیا پھر دوسرے عمرہ کا احرام باندھ لیا پہلے عمرہ کے حلق کرانے سے پہلے تو اس معتمر پر جمع بین العمرین کی وجہ سے دم ہوگا۔

جمع بین الحجین کے سلسلے میں جو مسئلہ مذکور ہوا یہ امام اعظمؒ کے مسلک کے موافق ہے اور صاحبین کے نزدیک اگر حج ثانی کے احرام کے بعد اس نے حلق نہیں کر لیا تو اس طرح کے حاجی پر کوئی دم نہ ہوگا۔

اس کی اصل یہ ہے کہ جمع بین احرامی الحج یعنی دو حجوں کا احرام باندھا یا جمع بین احرامی العمرۃ یعنی دو عمروں کا احرام باندھا بدعت ہے، لہذا جب حج اول کے حلق کے بعد یوم النحر کو حج ثانی کا احرام باندھا تو حج ثانی اس کو لازم ہو جائے گا، اور اس پر بالاتفاق کچھ نہ ہوگا کیوں کہ وہ حلق کرا کے پہلے حج سے حلال ہو چکا ہے اب اس کے بعد حج ثانی کا احرام باندھا ہے اور اگر حج اول کے تمام اعمال سے فارغ تو ہو گیا تھا لیکن حلق کرا کر حلال نہیں ہوا تھا کہ دسویں کو دوسرے حج کا احرام باندھ لیا تو دوسرا حج پورا کرنا لازم ہو جائے گا اور اب یہ اگلا موسم حج آنے تک محرم ہی رہے گا کیوں کہ دوسرے حج کا شروع کرنا صحیح ہے اور اب اس حاجی پر ہر صورت میں دم ہوگا خواہ یہ احرام ثانی کے بعد حلق کرائے یا نہ کرائے امام اعظمؒ کے نزدیک کیوں کہ اگر یہ حلق کراتا ہے تو احرام ثانی پر جنایت کرنے والا ہوگا اور اگر حلق نہیں کراتا تو حج اول میں حلق ایام النحر سے مؤخر ہو جائے گا اور حلق میں ایام النحر سے تاخیر امام اعظمؒ کے نزدیک وجوب دم کا باعث ہے، اور صاحبین کے نزدیک اگر احرام ثانی کے بعد حلق کر لیا تو جنایت علی الاحرام الثانی کی وجہ سے دم ہوگا اور اگر حلق نہیں کر لیا تو کچھ لازم نہ ہوگا کیوں کہ صاحبین کے نزدیک حلق میں ایام النحر سے تاخیر وجوب دم کا باعث نہیں ہوتی۔

پھر حج و عمرہ میں فرق یہ ہے کہ عمرہ میں جمع بین العمرین یہ وجوب دم کا سبب ہے اور حج میں نہیں ہے۔

ومن احرم بحج ثم بعمرۃ ثم وقف بعرفۃ الخ: وہ شخص جس نے حج کا احرام باندھا پھر عمرہ کا یعنی حج اور عمرہ کو جمع کیا پھر مکہ گئے بغیر سیدھے عرفات پہنچ گیا اور وقوف کر لیا تو وہ وقوف کی وجہ سے عمرہ چھوڑنے والا ہو جائے گا اور اگر عرفات کا رخ تو کیا لیکن وقوف نہیں کیا تو محض توجہ الی العرفات سے اپنا عمرہ

چھوڑنے والا نہ ہوگا، اس لئے کہ وہ جمع بین الحج والعمرة سے قارن ہو گیا، کیوں کہ آفاقی کے حق میں مشروع ہے اور گفتگو کا تعلق بھی آفاقی سے ہے البتہ حج کے احرام کی عمرہ کے احرام پر تقدیم کی وجہ سے ناپسندیدہ عمل کرنے والا ہو گیا، کیوں کہ یہ سنت میں خاطی ہے اس لئے کہ قرآن میں سنت یہ ہے کہ حج و عمرہ دونوں کا بیک وقت ایک ساتھ احرام باندھا جائے یا عمرہ کے احرام کو حج کے احرام پر مقدم کیا جائے، پھر جب اس نے عرفات میں وقوف کر لیا افعال عمرہ کے بغیر تو وہ عمرہ کا تارک ہو گیا وقوف کی وجہ سے، محض عرفات کی طرف رخ کرنے کی وجہ سے وہ تارک عمرہ نہیں ہوگا کیوں کہ ابھی عرفات کے وقوف سے پہلے اعمال عمرہ کی ادائیگی کا امکان ہے۔

فلو طاف للحج ثم احرم بعمرة ومضى عليها يجب دم: اگر حج کا طواف کر لیا پھر عمرہ کا احرام باندھا اور دونوں کے افعال کر گذرا تو دونوں اداء تو ہو جائیں گے لیکن کفارہ ہوگا حج و عمرہ کو جمع کرنے کی وجہ سے فخر الاسلام کے نزدیک یہ دم کفارہ اور دم تلافی ہوگا اور شمس الائمہ سرخسی کے نزدیک دم شکر ہوگا، لہذا سرخسی کے نزدیک حاجی اس دم سے کھا سکتا ہے، کیوں کہ دم شکر سے کھانا درست ہے، جب کہ دم کفارہ سے کھانا درست نہیں ہے، لہذا فخر الاسلام کے نزدیک اس دم سے کھانا درست نہ ہوگا۔

معلوم ہونا چاہئے صورت مذکورہ میں حج کے طواف سے مراد طواف قدوم ہے، اور مضی علیہا کی صورت یہ ہوگی کہ افعال عمرہ کو افعال حج پر مقدم کرے گا کیوں کہ یہ شخص قارن ہے البتہ عمرہ کے احرام کو طواف حج سے مؤخر کرنے کی وجہ سے، اس سے ما قبل کے مسئلہ سے زیادہ برا کام کرنے والا ہو۔

ولذہب رفضها: مسئلہ مذکورہ بالا میں عمرہ چھوڑ دینا مستحب ہے کیوں کہ عمرہ پر طواف قدوم کے تقدیم کی وجہ سے من وجہ فعل میں ترتیب فوت ہوگئی البتہ عمرہ چھوڑنا لازم نہیں ہے کیوں کہ طواف قدوم جو اس نے کر لیا ہے وہ حج میں رکن کی حیثیت نہیں رکھتا اور جب عمرہ ترک کر دے گا تو اس کی قضاء کرنا ہوگا عمرہ کے شروع کرنے کے صحیح ہونے کی وجہ سے اور ترک عمرہ کی وجہ سے دم ہوگا۔

وان اهل بعمرة يوم النحر لزمنه الخ: اگر ذی الحجہ کی دسویں کو عمرہ کا احرام باندھ لیا تو عمرہ لازم ہو جائے گا اور عمرہ کا ترک کرنا اور دم پھر اس عمرہ کی قضاء سب لازم ہو جائے گی، عمرہ تو اس لئے لازم ہو جائے گا کہ عمرہ کا شروع کرنا صحیح تھا، اور ترک عمرہ اس لئے لازم ہے کہ اس نے ارکان حج اداء کیا ہے لہذا وہ افعال عمرہ کا افعال حج میں من وجہ بناء کرنے والا ہوگا پس یہ خطا محض ہے نیز امر حج کی تعظیم کی وجہ سے ان ایام میں عمرہ کرنا مکروہ بھی ہے، لہذا عمرہ ترک کر دے گا، پس جب عمرہ ترک کر دے گا تو قبل از وقت ترک عمرہ کر کے حلال ہو جانے کی وجہ سے دم لازم ہوگا اور اس عمرہ کی قضاء بھی واجب ہوگی کیوں کہ عمرہ کا شروع کرنا صحیح تھا۔ برخلاف دسویں کے روزے کے کہ جب یوم النحر کو روزہ رکھ کر فاسد کر دیا تو اس کی قضاء لازم نہیں ہوتی

ہے اس لئے کہ روزہ یوم النحر میں محض شروع کرنے سے منیٰ عنہ کا ارتکاب ہو جاتا ہے، لہذا صائم پر اس روزہ کا فاسد کرنا واجب ہو جاتا ہے اور صائم پر روزہ کی صیانت لازم نہیں رہتی اور وجوب قضاء وجوب صیانت کی فرع ہے اور زیر بحث مسئلہ متن میں محض عمرہ شروع کرنے سے منیٰ عنہ کا ارتکاب نہیں ہوا، منیٰ عنہ یوم النحر میں افعال عمرہ کا انجام دینا ہے پس یوم النحر میں عمرہ کا احرام وقت مکہ میں نماز پڑھنے کی طرح ہو گیا۔

فان مضی علیہا الخ: اگر افعال عمرہ مسئلہ زیر بحث میں انجام دے گزرا تو عمرہ درست ہے کیوں کہ کراہت معنی فی غیرہا کی وجہ سے ہے اور وہ ہے بقیہ افعال حج کی ادائیگی کے ساتھ مشغول ہونا اور وقت کو اس حکم کی تعظیم کے طور پر فارغ کرنا اور احرام عمرہ اس وقت اس جذبہ میں خلل انداز ہوتا ہے، پس فی نفسہ کوئی کراہت نہیں ہے، بلکہ اس عارض کی وجہ سے ہے۔

ویجب دم: اور افعال عمرہ انجام دے گزرنے پر دم واجب ہوگا، اس لئے کہ اس نے حج و عمرہ کو احرام بقیہ افعال میں اکٹھا کر دیا۔

ومن فاتہ الحج الخ: اور وہ شخص جس کا وقوف عرفہ کے چھوٹ جانے کی وجہ سے حج فوت ہو گیا پس اس نے عمرہ کا احرام باندھ لیا یا حج کا تو اس حج یا عمرہ کو چھوڑ دے کہ جس کا اس نے احرام باندھا، کیوں کہ یہ فائت الحج ہے اور فائت الحج افعال عمرہ سے بھی حلال ہو جاتا ہے، بغیر اس کے کہ حج کا احرام عمرہ کے احرام سے بدلے اور جمع بین الحجین یا جمع بین العمرین غیر مشروع ہے۔

باب الإحصار

لَمَنْ أَحْصَرَ بَعْدُ أَوْ مَرَضَ أَنْ يَنْعَكَ شَاةٌ تُذْبِحُ عَنْهُ فَيَتَحَلَّلُ وَلَوْ قَارِنًا بَعَثَ دَمِينَ وَتَوَلَّى بِالْحَرَمِ لَا يَوْمَ النَّحْرِ وَعَلَى الْمُحْصَرِّ بِالْحَجِّ إِنْ تَحَلَّلَ حَجَّةً وَعُمْرَتَانِ فَإِنْ بَعَثَ ثُمَّ زَالَ الْإِحْصَارُ وَقَدَّرَ عَلَى الْهَدْيِ وَالْحَجِّ تَوَجُّهًا وَإِلَّا لَا وَلَا إِحْصَارَ بَعْدَ مَا وَقَفَ بِعَرَفَةَ وَمُنَعَ بِمَكَّةَ عَنِ الرُّكْنَيْنِ فَهُوَ مُحْصَرٌّ وَإِلَّا لَا.

ترجمہ: یہ باب احصار کے حکم کے بیان میں ہے اس شخص کے لئے کہ جو روک دیا گیا ہو کسی دشمن یا مرض کی وجہ سے یہ ہے کہ وہ کوئی بکری (حرم) بھیجے جس کو اس کی جانب سے ذبح کیا جائے پس وہ حلال ہو جائے اور اگر وہ محصر قارن ہو تو دو دم بھیجے اور (دم احصار کا ذبح کرنا) حرم میں متعین ہوتا ہے، یوم النحر کے ساتھ موقت نہیں ہوتا۔

اور محصر بائع پر اگر وہ حلال ہوتا ہے حج اور عمرہ لازم ہے اور معتمر محصر پر (فقط) عمرہ لازم ہوتا ہے اور

قارن پر ایک حج اور دو عمرے پس اگر محصر بائج نے (ہدی) بھیجا پھر احصار ختم ہو گیا اور وہ ہدی (کے پالینے) اور حج پر قادر ہے تو وہ (حج کی طرف لڑو) متوجہ ہو ورنہ نہیں اور وقوف عرفہ کے بعد کوئی احصار نہیں ہے اور وہ شخص جسے مکہ میں ہی دونوں رکنوں (وقوف عرفہ اور طواف زیارت) سے روک دیا گیا ہو تو وہ محصر ہے ورنہ نہیں۔

تشریح: احصار عوارض نادرہ میں سے، اسی طرح سے حج کا فوت ہونا بھی اس لئے مصنف نے اس کو مؤخر کیا، ما قبل سے اس کا ربط یہ ہے کہ ابواب سابقہ میں جتلیۃ الحرم علی نفسہ کا بیان ہے اور اس باب میں جتلیۃ الخیر علی الحرم کا بیان ہے یا یوں کہا جائے کہ ابواب سابقہ میں احرام مع الاداء کا بیان ہے اور اس باب میں احرام بلا اداء کا۔

احصار کے لغوی معنی ہیں منع کرنا بولا جاتا ہے حصہ الحد و احصر بالمرض یعنی اس کو دشمن نے یا بیماری نے روک دیا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ اور شرع میں احصار کہتے ہیں وقوف عرفہ اور طواف زیارت سے منع کر دینا پس جب ان دونوں میں سے کسی ایک پر قادر ہو تو وہ محصر نہیں ہے۔
 لمن احصر بعدو او مرض الخ: وہ شخص جو دشمن یا بیماری کی وجہ سے حج سے روک دیا گیا ہو تو اس کے لئے اس بات کی گنجائش ہے کہ وہ حرم میں ہدی بھیج دے جو وہاں ذبح کر دی جائے اور یہ شخص ذبح ہدی کے بعد یہاں حلال ہو جائے یعنی حلق کے بعد احرام کی چادریں اتار دے اور روزمرہ کے کپڑوں میں آجائے۔
 امام شافعیؒ کے نزدیک فقط احصار بالحد ہوتا ہے وہ احصار بالمرض کے قائل نہیں ہیں، امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ آیت احصار نبی..... اور آپ کے جاٹار صحابہ کی شان میں تب نازل ہوئی جب آپ..... اور حضرات صحابہؓ حدیبیہ میں مشرکین کی جانب سے روک دیئے گئے پس آپ..... اور صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین محصرین بالحد و تھے پس معلوم ہوا کہ احصار بالحد و کا ہی مسئلہ احصار میں اعتبار ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ آیت احصار کے سیاق میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فاذا امنتم کہ جب تم مامون ہو جاؤ تو امن دشمن سے ہوتا ہے بیماری سے نہیں اور وہ نص جو عدو کے بارے میں نازل ہوئی ہے مرض کے بارے میں وارد نہیں ہے اس لئے کہ عدو، مرض کے معنی میں نہیں ہے کیوں کہ حرم، ہدی بھیج کر حلال ہونا وطن واپسی کر کے امر دشمن سے نجات پانے کے لئے ہے اور مرض سے چھٹکارا ممکن نہیں اس لئے کہ مرض ایک ایسا حال ہے جو محصر کے حلال ہونے پر بھی اس سے الگ نہیں ہو سکتا۔

اور تیسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آیت احصار کے سیاق میں فرمایا فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا او به اذى من راسه ففدية من صيام او صدقة او نسك اور یہ امر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مریض

محصر کا غیر ہے اور اگر مریض اور محصر دونوں الگ الگ چیزیں نہ ہوں تو پھر محصر کے ذکر کے بعد مریض کے ذکر کا کوئی مطلب نہ ہوگا۔

اور احناف کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد فان أحصرتم فما استيسر من الهدي ہے اور اس آیت سے وجہ استدلال یہ ہے کہ احصار مرض سے ہوتا ہے اور عدو سے حصر ہوتا ہے احصار نہیں ال لفت میں فراہ ابن السکیت، ابو عبیدہ اور ابو عبیدہ، کسائی، انغش، قنبی وغیرہ ماہرین فن نے اسی طرح کہا ہے، اور ابو جعفر الخامس نے ال لفت کا اس پر اجماع نقل کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت احصار بالمرض کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور اگر احصار مرض کے علاوہ کسی اور وجہ سے ہو تو احصار مطلق ہے جو مرض اور اس کے علاوہ دیگر اعذار کو بھی شامل ہوگا۔

معلوم ہوا کہ احصار بالمرض کا اعتبار ہے احصار، احصار بالعدو کے ساتھ مخصوص نہیں۔ اب جہاں تک اس امر کا تعلق ہے کہ آیت رسول اللہ اور صحابہ کے حق میں نازل ہوئی تھی اور آپ مع صحابہ اُس وقت محصر بالعدو تھے تو اس بابت عرض ہے کہ اعتبار عموم الفاظ کا ہوتا ہے، خصوص سبب کا نہیں اور لفظ احصار، احصار کی دونوں مذکورہ شکلوں کو شامل ہے۔

اب رہی دوسری وجہ فَاِذَا اَمْتَمْتُمْ جو آیت احصار کے سیاق میں ہے تو امان صرف عدو سے ہی نہیں ہوتا بلکہ مرض سے بھی ہوتا ہے، چنانچہ ارشاد نبوی ہے اَلْزَّكَاةُ اَمَانٌ مِنَ الْجَدَامِ کہ نزہہ، کوڑھ سے امان ہے پس فَاِذَا اَمْتَمْتُمْ کی دلالت اس بات پر نہیں ہوگی کہ آیت احصار خاص طور سے محصور بالعدو کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور اگر آیت احصار کا نزول محصور بالعدو کے ساتھ خاص بھی ہو تو یہ آیت مرض کو دلالت شامل ہوگی اس لئے کہ حلال ہونا احرام کے امتداد کی جانب سے ہونے والے حرج کے دفعیہ کے لئے مشروع ہوا ہے اور بیماری کے ساتھ احرام پر باقی رہنے کی وجہ سے ہونے والا حرج اعظم ہے لہذا یہ اولیٰ بالتحلل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد فمن كان منكم مريضاً الخ اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ مریض محصر نہیں ہے کیوں کہ یہ آیت دوسرے حکم کے بیان کے لئے لائی گئی ہے، یعنی بقاء احرام کے ساتھ عزمین پر کچھ تخفیف حلق وغیرہ کی پس محصر اور مریض میں منافات نہیں ہے، پس جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ مرض بھی محصر ہوتا ہے تو مریض کو افعال حج حالت مرض میں انجام دیتے رہنا عزیمت ہے اور حلال ہونا رخصت ہے، پس اگر وہ حلال ہونا چاہتا ہے تو بکری کو حرم کسی معتبر شخص کے ساتھ بھیج دے اور اس سے کوئی برائے ذبح وقت ٹھہرا لے کہ وہ اس وقت پر بکری ذبح کر دے اور یہ اس کے بعد حلال ہو جائے۔

امام شافعی کے نزدیک موضع احصار میں ہی ہدی کو ذبح کر دیا جائے گا حرم بھیجتا ضروری نہیں ہے کیوں

کہ ہدی ذبح کر کے حلال ہونا برائے سہولت مشروع ہوا ہے لہذا توقیت بالحرم آسانی کے منافی ہے۔

احناف کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحَلَّهُ كَمْ اپنے بال مت منڈاؤ یہاں تک کہ ہدی اپنی جگہ پہنچ جائے، پس محلہ سے مراد حرم پاک ہے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے ثُمَّ مَجِلُّهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ جو ہدایا کے تذکرہ کے بعد ارشاد ہوا ہے، نیز ارشاد ربانی ہے هَدْيًا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ۔

دوسرے یہ کہ وہ دم جو غیر موقت بالزمان ہو نیز غیر موقت بالمكان ہو تو وہ مشروع نہیں ہے پس اس سے تحلیل ثابت نہ ہوگا، رہی بات یہ کہ توقیت، یسر و سہولت کے منافی ہے تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ اصل تخفیف کی رعایت ملحوظ ہے جو حاصل ہے۔

ذبح بکری حلال ہونے کے لئے کافی اس لئے ہے کہ منصوص ہدی ہے جو شاة کو شامل ہے نیز اونٹ اور گائے یا ان کا ساتواں حصہ۔ یاد رہے خود بکری بھی بنا ضروری نہیں ہے بلکہ اس کی قیمت اگر بھیج دی اور اس قیمت سے بکری خرید کر ذبح کر دی گئی تو کافی ہے، نیز تحلیل یعنی حلال ہونے کے لئے ذبح شاة کافی ہے، اس کے بعد حلق اور قصر ضروری نہیں ہے، البتہ بہتر ہے، یہ رائے طرفین کی ہے، امام ابو یوسف حلق کے قائل ہیں البتہ اگر اس نے حلق نہ کرایا اور ذبح شاة کے بعد حلال ہو گیا تو اس پر کچھ لازم بھی نہ ہوگا، امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ..... نے حدیبیہ میں محصور ہو جانے کے بعد صحابہ کو ذبح ہدایا کے بعد حلق کا حکم دیا اور خود بھی حلق کرایا۔

طرفین کہتے ہیں حلق کی بحیثیت نسک معرفت تمام افعال کی ادائیگی کے بعد ہے اور ادائے افعال سے پہلے حلق جنایت ہے لہذا اس کا حکم مسئلہ مذکور میں نہیں دیا جائے گا یہی وجہ ہے کہ جب غلام کو آقا اور بیوی کو شوہر احرام کے بعد اگر حج کرنے سے منع کر دیں تو یہ محصر ہو جاتے ہیں، لیکن ان کو حلال ہونے کے لئے حلق کا حکم نہیں کیا جاتا ہے۔

کافی میں ہے کہ طرفین کے نزدیک حلق تب نہیں ہے جب احصار حل میں ہو اور اگر احصار حرم میں ہو تو حلق ہے کیوں کہ طرفین کے نزدیک حلق حرم کے ساتھ موقت ہے پس ہو سکتا ہے کہ نبی..... نے حرم میں ہونے کی وجہ سے حلق کرایا کیوں کہ کچھ حدیبیہ حرم میں ہے یا اس لئے آپ..... نے خود بھی حلق کرایا اور صحابہ کو اس کا حکم بھی دیا تا کہ مدینہ واپسی کے ارادہ کا استحکام معلوم ہو جائے اور مشرکین کو اطمینان ہو جائے تا کہ وہ صلح کے بعد کوئی نئی چال نہ چلیں۔

اور اگر محصر ذبح شاة کی استطاعت نہیں رکھتا یعنی ہدی کی ہی اس کو استطاعت نہیں ہے تو یوں ہی احرام

میں رہے تا آنکہ ذبح شاة کی استطاعت ہو جائے یا طواف کعبہ کر لے۔
 امام شافعیؒ کے نزدیک روزے سے حلال ہو سکتا ہے، ایک اوسط درجہ کی بکری کی قیمت کو معیار بنائے
 اور اسکی قیمت کے ہر مد کے بدلے روزہ رکھ لے جب پوری قیمت کے عوض روزے پورے ہو جائیں تو اب
 محصر حلال ہو جائے گا، امام شافعیؒ اس مسئلہ کو صوم تمتع پر قیاس کرتے ہیں۔
 احناف کی دلیل ولا تحلقوا رؤسکم حتی یبلغ الہدی محلہ ہے لہذا حلت ذبح شاة سے
 پہلے نہیں ہوگی۔

ولو قارنا بعث دمین: اگر محصر قارن ہو تو دو دم بھیجے گا ایک دم اپنے حج اور ایک دم اپنے عمرہ کا کیوں کہ
 وہ اپنے دو احراموں کے ساتھ محرم ہے لہذا حلال بھی نہیں ہوگا جب دونوں احراموں کی جانب سے ذبح کر دے۔
 اور اگر ایک ہدی بھیجتا کہ حج کے احرام سے حلال ہو جائے اور عمرہ کے احرام میں باقی رہے تو دونوں میں
 سے کسی احرام سے نہیں حلال ہوگا اس لئے کہ حج و عمرہ سے حلال ہونا ایک ہی حالت میں مشروع ہوا ہے پس اگر
 ان دونوں میں سے کسی ایک کی جانب سے دوسرے کے بغیر حلال ہوتا ہے تو اس میں مشروع کی تبدیلی ہے۔
 ویوقت بالحرم لا بیوم النحر: دم احصار حرم میں ہی ذبح ہوگا حرم کے علاوہ جگہ میں ذبح کرنا
 درست نہیں ہے، البتہ یوم النحر کو ذبح ضروری نہیں ہے جب چاہے دم احصار ذبح کر سکتا ہے۔
 البتہ صاحبینؒ کے نزدیک دم احصار موقت بالزمان بھی ہے یعنی دم احصار حرم میں ذبح ہوگا اور ذی الحجہ
 کی دسویں کو یہ امام اور صاحبین کا اختلاف محصر بانج میں ہے محصر بالعمرة کادم بالاتفاق متعین بالزمان نہیں
 ہے، لہذا جب چاہے اس کو ذبح کر سکتا ہے، کیوں کہ افعال عمرہ موقت بالزمان نہیں ہوتے تو اسی طرح اس کی
 وہ ہدی جس کے ذریعہ اس کو حلال ہونا ہے۔

وعلى المحصر بالحج النخ: محصر بانج اگر حلال ہوتا ہے تو اس پر حج اور عمرہ دونوں کی قضاء لازم
 ہوگی حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے اسی طرح منقول ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں محصر بانج اگر حلال ہوتا ہے تو اس پر صرف حج کی قضاء لازم ہوگی عمرہ کی نہیں اس
 لئے کہ اس نے احرام فقط حج کا باندھ رکھا تھا لہذا وہ صرف حج کا شروع کرنے والا ہوا پس اس کو حج کے علاوہ
 اور کچھ لازم نہ ہوگا، جیسے کہ محصر بالعمرة جب حلال ہو جائے تو اس پر فقط عمرہ کی قضاء لازم ہوتی ہے پس اسی
 طرح محصر بانج کا بعد التحلل یعنی حلال ہونے کے بعد حکم ہے۔

احناف کی دلیل یہ ہے کہ محصر بانج کو حلال ہونے کے بعد حج تو شروع کرنے کی وجہ سے لازم ہوگا اور
 عمرہ حلال ہونے کی وجہ سے لازم ہوگا، کیوں کہ محصر بانج فائت الحج کے حکم میں ہے اور فائت الحج افعال عمرہ

سے بھی حلال ہوتا ہے۔

البتہ بوقت قضاء محصر ہالچ کو اختیار ہے کہ چاہے توج وعمرہ کی الگ الگ قضاء کرے اور چاہے تو ایک ساتھ دونوں نسلوں کی قضاء کرے۔

وعلى المعتمر عمرة: معتمر جب محصور ہو جانے کے بعد حلال ہو جائے تو اس پر فقط عمرہ کی قضاء لازم ہوتی ہے، عمرہ سے احصار احناف کے نزدیک متحقق اور ثابت ہے امام مالک اور شافعی کے نزدیک عمرہ سے احصار متحقق نہیں ہے اس لئے کہ عمرہ فوت نہیں ہوتا اور حکم احصار اس شخص کے لئے ہے جو فوت ہونے کا اندیشہ رکھتا ہو۔ احناف کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ..... اور صحابہ حدیبیہ میں محصور ہو گئے تھے اور آپ..... اور کبھی حضرات معتمر تھے اور تحلل کے بعد سال آئندہ کئے جانے والے عمرہ کو عمرۃ القضاء کہا جاتا ہے۔ دوسرے اس لئے بھی کہ تحلل کی مشروعیت احرام کے امتداد کے ضرر کو دفع کرنے کے لئے ہے اور اس معاملہ میں حج وعمرہ دونوں برابر ہیں۔

وعلى القارن حجة وعمرة: یعنی اگر قارن محصور ہو جائے اور ہدی بھیج کر حلال ہو جائے تو اس پر ایک حج اور دو عمروں کی قضاء لازم ہوگی، چوں کہ قارن کا حج وعمرہ دونوں کا احرام باندھنا اور دونوں کا شروع کرنا صحیح تھا لہذا حلال ہونے سے قارن کو دونوں کی قضاء لازم ہوگی اور دوسرے عمرہ کی قضاء لازم ہوگی کیوں کہ وہ قانت الحج کے حکم میں ہے اور وہ افعال عمرہ سے بھی حلال ہوتا ہے لیکن یہ اس وقت ہے جب اسی سال اس کی قضاء نہ کی ہو۔

فان بعث ثم زال الاحصار الخ: اگر محصر نے ہدی حرم روانہ کر دی پھر اس کا احصار ختم ہو گیا اور وہ شخص ہدی اور حج کے پانے پر قادر ہے تو حج کے لئے متوجہ ہو جائے یعنی ادائیگی حج کے لئے روانہ ہو جانا ضروری ہے اور ذبح ہدی سے حلال ہونا اس کے لئے درست نہیں ہے اس لئے ہدی حرم بھیج کر بعد الذبح حلال ہونے کی اجازت ادائیگی حج سے عاجز ہونے کی وجہ سے تھی پس ذبح ہدی بدل کے حکم میں ہوئی اور اب یہ بدل کے ذریعہ حصول مقصود سے پہلے اصل پر قادر ہو چکا ہے، لہذا بدل کا اعتبار ساقط ہو گیا جیسے کہ کفارہ بالصوم عتق سے عاجز ہونے کی صورت میں ہے چنانچہ جب وہ صوم سے فارغ ہونے سے پہلے غلام کے آزاد کرنے پر قادر ہو جاتا ہے تو اس پر غلام کا آزاد کرنا ضروری ہو جاتا ہے، پس اسی طرح زوال احصار کے بعد اگر وہ حج کے پانے پر قادر ہے تو ہدی ذبح کر کے حلال ہونا صحیح نہیں ہے، اب ہدی کے بارے میں اس کو اختیار ہے جو چاہے کرے کیوں کہ وہ اس کی ملک ہے۔

اور اگر وہ ہدی اور حج کے پانے پر قادر نہیں ہے تو توجہ الی الحج واجب نہیں ہے اور اگر بیت اللہ کا اس کے

باوجود رخ کیا اور افعال عمرہ کر کے حلال ہو گیا تو درست ہے، اس لئے کہ تحلل میں اصل یہی ہے جیسے کہ قانت الحج میں ہوتا ہے اور دم اس کا بدل ہے، اور بیت اللہ کی طرف توجہ میں فائدہ یہ ہے کہ قضاء میں عمرہ اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا۔

ومن منع بمكة عن الركنين فهو محصر: وہ شخص جس کو مکہ میں وقوف عرفہ اور طواف زیارت سے روک دیا گیا تو وہ محصر مانا جائے گا اس لئے کہ اس کے لئے افعال تک رسائی ناممکن ہو گئی پس وہ محصر ہوگا جیسا کہ جب حاجی حل میں ہوتا اور وصول الی الکعبہ سے روک دیا جاتا۔

وَالَا لَا: اور اگر اس کو دونوں رکن وقوف عرفات اور طواف زیارت سے روکا نہیں گیا بلکہ ان میں سے کسی ایک سے روکا گیا ہے تو وہ محصر نہ ہوگا بہر حال جب وہ وقوف پر قادر ہو تو اس لئے کہ وہ حج کے فوت ہونے سے مأمون ہو گیا اور بہر حال جب وہ طواف پر قادر ہو تو وہ قانت الحج ہوگا جو اس کی وجہ سے حلال ہو جائے گا، اور دم اس کا تحلل میں بدل ہو جائے گا پس ہدی کی کوئی ضرورت نہ ہوگی۔

امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ میں نے امام ابو حنیفہؒ سے محصر کے بارے میں پوچھا جو حرم میں وقوف اور طواف سے روک دیا گیا ہو تو ارشاد فرمایا کہ وہ محصر نہیں سمجھا جائے گا یعنی حرم میں پہنچ کر کوئی محصر نہیں ہوگا تو میں نے عرض کیا جناب کیا نبی..... کو حدیبیہ میں حرم ہونے کے باوجود کعبہ تک پہنچنے اور طواف سعی سے نہیں روک دیا گیا تو فرمایا کہ مکہ اس زمانہ میں دار الحرب تھا اور اب دار الاسلام ہے، لہذا اب حرم میں احصار ثابت نہیں ہو سکتا۔

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ (خدا نہ کرے خدا نہ کرے) جب دشمن مکہ پر غالب ہو جائیں حتیٰ کہ حاجی اور محترم اور بیت اللہ کے درمیان حائل ہو جائیں تو وہ محصر ہوگا یہی امام شافعیؒ کا قول ہے اور قول اول اصح ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

باب الفوات

من فاتہ الحج بفوات الوقوف بعرفة فَلْيَتَحَلَّلْ بِعَمْرَةٍ وَعَلَيْهِ الْحَجُّ مِنْ قَابِلٍ بِلَا دَمٍ وَلَا فَوْتٍ لِعَمْرَةٍ وَهِيَ طَوَافٌ وَسَعْيٌ وَتَصِحُّ فِي جَمِيعِ السَّنَةِ وَتُكْرَهُ يَوْمَ عَرَفَةَ وَيَوْمَ النَّحْرِ وَأَيَّامَ التَّشْرِيقِ وَهِيَ سُنَّةٌ.

ترجمہ: یہ باب (حج) کے فوت ہونے کے حکم کے بیان میں ہے وہ شخص جس کا حج فوت ہو گیا ہو وقوف عرفہ کے چھوٹ جانے کی وجہ سے تو اسے عمرہ کر کے حلال ہو جانا چاہئے اور اس پر آئندہ سال بغیر دم

کے حج ہوگا اور عمرہ کے لئے فوت ہونا نہیں ہے اور وہ طواف اور سعی ہے اور عمرہ پورے سال صحیح رہتا ہے، اور عمرہ عرفہ کے دن اور دسویں ذی الحجہ اور ایام تشریق میں مکروہ ہے اور عمرہ سنت ہے۔

تشریح: باب الاحصار کو باب الفوات پر مقدم کیا کیوں کہ احصار میں احرام بغیر اداء ہے اور فوات میں کچھ تبدیلی کے ساتھ احرام مع الاداء ہے اور احصار عارضیت میں کامل ہے لہذا اسے عوارض کے بیان میں مقدم کیا۔

من فاتہ الحج: وہ شخص جس کا حج وقوف عرفہ چھوٹ جانے کی وجہ سے رہ جائے تو اسے عمرہ کر کے حلال ہو جانا چاہئے، اور سال آئندہ اس پر اس حج کی قضاء لازم ہوگی البتہ کوئی دم نہ ہوگا۔

اس سلسلے میں حضرت ابن عمر و حضرت ابن عباس روایت کرتے ہیں ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من فاتہ عرفۃ بلیل فقد فاتہ الحج. فلیتحلل بعمرۃ وعلیہ الحج من قابل رواہ الدار قطنی وقال جابر لا یفوت الحج حتی یطلع الفجر من لیلة جمع قال ابو الزبیر محمد بن مسلم فقلت له اقال ذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم قال نعم رواه الاثرم. اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص کا حج وقوف عرفہ چھوٹ جانے کی وجہ سے فوت ہو گیا تو اسے عمرہ کر کے حلال ہو جانا چاہئے اور اگلے سال حج کی قضاء کرنا چاہئے اور اس کے اوپر دم نہ ہوگا البتہ حسن بن زیاد اس کے اوپر قضاء مع الدم کے وجوب کے قائل ہیں، یہ بات حضرت عمر بن الخطاب سے مروی ہے اور امام شافعی بھی اس کے قائل ہیں، ہمارے نزدیک دم واجب تو خیر نہیں ہے البتہ مستحب ضرور ہے۔

ہماری دلیل وہ روایت ہے جسے حضرت اسود نے روایت کیا ہے ان رجلاً قدیم علی عمر وقد فاتہ الحج فامرہ عمر ان یحل بعمرۃ قال وعلیک الحج من قابل یعنی ایک شخص حضرت عمر کے پاس آیا جس کا حج فوت ہو گیا تھا تو آپ نے اسے عمرہ کر کے حلال ہونے کا حکم دیا اور آئندہ سال قضاء کا پس آپ نے اس پر ہدی کو واجب قرار نہیں دیا اگر دم ایسے شخص پر واجب ہوتا تو حضرت عمر یہاں ضرور بیان کرتے۔ دوسرے اس لئے بھی کہ تحلیل افعال عمرہ سے واقع ہوا ہے اور دم افعال عمرہ کا بدل ہے پس دونوں کو جمع نہیں کیا جائے گا اور عمرہ وجوباً ضروری ہوگا اس لئے کہ جب احرام صحیح منعقد ہوا ہے تو احرام سے خروج بغیر اداء افعال کے ممکن نہیں ہے۔

ولا فوت لعمرۃ: عمرہ کبھی فوت نہیں ہوتا اس لئے کہ عمرہ غیر موقت ہے یعنی اس کا کوئی وقت متعین نہیں ہے لہذا عمرہ ہمہ وقت ہو سکتا ہے امت کا اسی پر اجماع ہے۔

عمرہ باتفاق امت طواف اور سعی کا نام ہے طواف عمرہ کا رکن اور سعی اس کا واجب اور احرام اس کی شرط

ہے جیسا کہ حج میں اور عمرہ پورے سال صحیح ہے اسی لئے کہ اس کا کوئی خاص وقت نہیں ہے بلکہ ہر آن و لمحہ اس کی اجازت ہے۔

ونكروه يوم عرفة النخ: البتہ عمرہ عرفہ کے دن اور دسویں ذی الحجہ اور ایام تشریق میں مکروہ ہے، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں لا تعتمر فی خمسة ايام واعتبر فيما قبلها وبعدها کہ پانچ روز عمرہ مت کرو باقی ان ایام سے پہلے اور بعد میں جب چاہو کرو، وعن عائشة رضی اللہ عنہا انہا قالت حلت العمرة في السنة كلها الا اربعة ايام يوم عرفة ويوم النحر ويومان بعده رواه الهروي ام المؤمنين حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ عمرہ تمام سال درست ہے سوائے چار دنوں کے عرفہ کا دن دسویں ذی الحجہ اور اس کے بعد دو دن۔

دوسرے اس لئے بھی کہ یہ ایام حج کے ایام ہیں پس یہ پانچوں دن حج کے لئے متعین ہیں اللہ تعالیٰ کے ارشاد یوم الحج اکبر میں اسی طرف اشارہ ہے کیوں کہ اضافت تخصیص کا قاعدہ دیتی ہے لہذا دسویں ذی الحجہ کے ساتھ حج اکبر کو بمقابلہ حج اصغر یعنی عمرہ کے زیادہ اختصاص ہوگا۔

وہی منہ: عمرہ سنت مؤکدہ ہے بعض حضرات وجوب کے قائل ہیں اور بعض فرض کفایہ کے امام شافعی کا قول قدیم نقل کا ہے اور قول جدید فرض کا ہے، استدلال اللہ تعالیٰ کے ارشاد واتموا الحج والعمرة لله سے ہے کہ اتموا امر ہے جو کہ وجوب کے لئے ہوتا ہے۔

اس سلسلے کی تفصیلی بحث پیچھے گزر چکی ہے اعادہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

باب الحج عن الغير النیابة

النیابة تُجزی فی العبادۃ المالیۃ عند العجز والقدرۃ وَلَمْ تُجزَ فی البدنیۃ بحال وفي المركب منهما تجزی عند العجز فقط والشرط العجز الدائم الی وقت الموت وَإِنَّمَا شَرِطَ عَجْزُ الْمُتَوَبِّ لِلْحَجِّ الْفَرْضِ لَا النِّفْلِ وَمَنْ أَحْرَمَ عَنْ آمْرِیْهِ ضَمِنَ النِّفْقَةَ وَدَّمَ الْإِحْصَارَ عَلَى الْأَمْرِ وَدَّمَ الْقِرَانَ وَالْجَنَابَةَ عَلَى الْمَامُورِ فَإِنْ مَاتَ فِي طَرِيقِهِ يُحْجُّ عَنْهُ مِنْ مَنْزِلِهِ بِثُلْثِ مَا بَقِيَ وَمِنْ أَهْلِ بَحْجٍ عَنْ أَبَوَيْهِ فَعَيْنَ صَحَّ.

ترجمہ: دوسرے آدمی کی جانب سے نیابت عبادت مالیہ میں عاجز ہونے اور قدرت کے وقت کفایت کرتی ہے اور عبادت بدنیہ میں نیابت کسی بھی حال میں کفایت نہیں کرے اور اس عبادت میں جو ان دونوں سے مرکب ہو عاجز ہونے کے وقت کفایت کرتی ہے اور بلاشبہ حج فرض کے لئے نائب بنانے والے کا

عاجز ہونا شرط ہے نہ کہ نفل کے لئے اور وہ شخص جس نے احرام باندھا اپنے حکم کرنے والوں کی جانب سے تو وہ خرچہ کا ضامن دار ہوگا اور دم احصار آمر ہے اور دم قران اور دم جنایت مامور پر پس اگر مامور راستہ میں مرجائے تو حج کرا دیا جائیگا مامور میت کی جانب سے اس کے گھر سے اس کے چھوڑے ہوئے ثلث مال سے اور وہ شخص جس نے حج اپنے والدین کی جانب سے احرام باندھا پس ان میں سے کسی ایک کے لئے متعین کیا تو درست ہے۔

تشریح: مامور بالحق کو چاہئے کہ وہ بیت اللہ شریف آتے جاتے قاعدے کے موافق اعتدال کے ساتھ اپنے اوپر کھانے پینے کیڑا اور سواری میں خرچ کرے غرض ضروری اخراجات میں ہی خرچ کرے اور جو کچھ ضرورت سے بچ جاوے اسے آمر کے ورثاء یا اس کے وصی کو لوٹا دے الا یہ کہ وارث مامور کے ساتھ احسان کر دے یا آمر میت مامور کے لئے وصیت کر دے۔

مامور کسی کو اپنے کھانے کے ساتھ شریک نہیں کر سکتا اور نہ صدقہ کر سکتا ہے اور نہ کسی کو قرضہ دے سکتا ہے اور نہ دراهم کو دنانیر سے بدل سکتا ہے مال مامور سے نہ تو وضوء کا پانی خرید سکتا ہے اور نہ اسکے بدلہ حمام جاسکتا ہے اور نہ چراغ کا تیل خرید سکتا ہے اور نہ مال مامور سے تیل لگا سکتا ہے اور نہ ہی علاج کر سکتا ہے اور نہ بچھنا لگو سکتا ہے اور نہ حلاق کی مزدوری دے سکتا ہے ہاں اگر مامور یا اس کے وارث کی جانب سے توسع برتی جاوے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

اب اصل بحث کی طرف آئیے دیکھئے عبادت میں اصل یہ ہے کہ آدمی اپنے لئے خود عبادت کرے نہ کہ کوئی دوسرا لہذا حج بدل یہ اس لائق ہوا کہ اسے تمام ابواب سے مؤخر کر دیا جائے، پس عبادت کی تین قسمیں ہیں مالیہ محضہ، بدنہ محضہ اور وہ جو دونوں سے مرکب ہو، مالیہ محضہ وہ عبادت ہے جو فقط مال سے کی جاتی ہے جیسے زکوٰۃ پس زکوٰۃ ایسی عبادت ہے جسے مکلف چاہے خود ادا کرے یا کسی کو ادائے زکوٰۃ کا وکیل بنادے، خواہ وہ ادائے زکوٰۃ پر براہ راست قدرت رکھتا ہو یا معذور ہو کیونکہ ادائے زکوٰۃ سے مقصود فقیر کی ضرورت رفع کرنا ہے جو دونوں صورتوں میں حاصل ہے۔

دوسری قسم عبادت بدنہ ہے وہ ایسی عبادت کہلاتی ہے جو بغیر بدن کے اداء نہیں ہوتی جیسے نماز پس اس عبادت بدنہ میں علی الاطلاق نیابت کی گنجائش نہیں نہ حالت قدرت اور نہ حالت عجز میں کیونکہ اس میں مقصود نفس کشی ہے جو فعل نائب سے نہیں حاصل ہو سکتی نبی علیہ السلام کا ارشاد لا یصم احد عن احد ولا یصل احد عن احد اسی پر محمول ہے۔ یعنی نہ تو کوئی کسی کی طرف سے روزہ رکھ سکتا اور نہ وہ کسی کی جانب سے نماز پڑھ سکتا ہے۔

تیسری قسم وہ ہے جو عبادت مالیہ اور بدنیہ کا مجموعہ ہو جیسے حج تو اس میں نیابت کی بوقت عجز اجازت ہے کیوں کہ مال کی کمی گوارہ کرنا نیز ایک طرح کا مجاہدہ اور نفس مارنا ہے، پس اس کا عاجز ہونے کے وقت لحاظ اور اعتبار ہے البتہ بوقت قدرت آمر کی نفس کشی سے دور ہونے کی وجہ سے نیابت کا جواز نہ ہوگا۔

الحاصل حج ایسی عبادت ہے کہ اس میں ایک آدمی دوسرے معذور آدمی جس پر حج فرض ہے کی جانب سے حج کر سکتا ہے یعنی اس کے عمل کا ثواب آمر کو مل سکتا ہے البتہ معتزلہ اس کا انکار کرتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد و لیس للانسان الا ما سعى سے استدلال کرتے ہیں، اہل السنۃ والجماعۃ کا کہنا یہ ہے کہ اس آیت پاک کا تعلق ایمان سے ہے یعنی ایک آدمی کا ایمان کسی کافر کے نجات کے لئے کافی نہیں ہو سکتا البتہ اعمال صالحہ میں ایک کے عمل کا ثواب دوسرے کو مل سکتا ہے۔

اس سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد ارشادات موجود ہیں چنانچہ روایت ہے ان رجلاً سأل النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ کان لی ابوان ابرہما حال حیوتہما فکیف لی برہما بعد موتہما فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من البر ان تصلی لہما مع صلاتک وان تصوم لہما مع صیامک رواہ الدار قطنی مطلب یہ ہے کہ تم اپنے والدین کے لئے اپنی نفلی نمازوں اور روزوں کا ثواب کر سکتے ہو، اسی طرح حضرت معقل بن یسار روایت کرتے ہیں اقرأ واعلی موتاکم یسین رواہ ابو داؤد وروی انہ علیہ الصلاۃ والسلام ضحی بکبشین املحین احدهما عن نفسه والاخر عن امته ان سب روایتوں سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آدمی اپنے نیک عمل قرأت قرآن اور قربانی نافلہ وغیرہ کا ثواب دوسروں کو پہنچا سکتا ہے۔

نیز حضرت انس روایت کرتے ہیں انہ سأل النبی صلی اللہ علیہ وسلم انا نتصدق عن موتانا وتجع عنہم وندعولہم فهل یصل الیہم ذالک قال نعم، یہ روایت صراحۃً بتلاتی ہے کہ حج دوسرے کی جانب سے کیا جاسکتا ہے۔

والشرط العجز الذائم الی وقت الموت: نیابت کی صحت کے لئے ضروری ہے کہ آمر دواماً معذور ہو جیسے اپانچ ہو جانا یا دونوں پیروں کا کٹ جانا وغیرہ پس اگر عذر دائمی نہیں کہ جس کا سلسلہ موت تک ہوتا اور اس نے کسی کو اپنا حج میں نائب بنایا تو یہ درست نہیں ہے، واضح رہے کہ یہ شرط حج فرض میں ہے حج نفل میں نہیں ہے پس تندرست اور مستطیع شخص بھی اگر حج نفل میں کسی کو نائب بناتا ہے تو یہ درست ہے کیوں کہ نفل کا باب بہت وسیع ہے۔

ومن احرم عن آمریہ ضمن النفقة: وہ شخص جس کو دو شخصوں نے حج میں نائب بنایا اور اس نے

دونوں کی جانب سے احرام باندھ لیا تو یہ حج ان دونوں میں سے کسی کی جانب سے نہ ہوگا بلکہ خود مامور کی جانب سے نفلاً ہوگا اور وہ دونوں کے نفقہ کا ضامن ہوگا ان دونوں کی طرف سے اس لئے نہیں ہوگا کہ اولویت کے نہ ہونے کی وجہ سے کسی ایک کی طرف سے حج واقع کرنا ممکن نہیں ہے، اور اگر اس نے کسی ایک کی لاعلیٰ التعمین نیت کی اور اعمال حج کر گزرا تو یہ بالاتفاق خلاف ورزی کرنے والا ہوگا اور اگر طواف اور وقوف عرفہ سے پہلے کسی ایک کی جانب سے متعین طریقہ پر نیت کر لی تو طرفین کے نزدیک درست ہے اور حج اس کی جانب سے واقع ہو جائے گا اور دوسرے کے لئے نفقہ کا ضامن ہوگا اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ بھی مامور کی جانب سے واقع ہوگا اور وہ دونوں کے نفقہ کا ضامن ہوگا قیاس کا بھی یہی تقاضا ہے اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک نے اپنے لئے حج کے متعین کرنے کا حکم دیا تھا پس جب اس نے متعین نہیں کیا تو بلاشبہ اس کی جانب سے خلاف ورزی پائی گئی لہذا وہ نفقہ کا ضامن ہوگا۔

ودم الاحصار علی الامر: اگر مامور بالبحر محصور ہو جاتا ہے تو اب حلال ہونے کے لئے جو ہدیٰ حرم بھیجی جائے گی، تو طرفین کے نزدیک اس کا ذمہ دار آمر ہوگا البتہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مامور ہوگا کیوں کہ دم احصار کا وجوب حلال ہونے کے لئے احرام کے امتداد کے ضرر کو دور کرنے کے لئے ہوتا ہے اور یہ ضرر مامور سے ہی متعلق ہے لہذا دم ہر مامور بالبحر پر ہوگا اور طرفین کی دلیل یہ ہے کہ آمر کے حکم پر چوں کہ مامور احرام میں ہوا ہے لہذا اس کی ذمہ داریوں سے نکالنا بھی آمر کا فریضہ ہے پس دم احصار مال آمر سے ہوگا اب اگر آمر مر گیا ہے تو اس کے ترکہ سے دم احصار حرم بھیجا جائے گا۔

ودم القران والجنایۃ: دم قران اور دم جنایت مامور پر ہوگا اسی طرح اگر مامور نے کسی نسک کو چھوڑ دیا تو اس کا بھی دم مامور پر ہی ہوگا، دم قران تو اس لئے واجب ہوگا کہ وہ دم شکر ہے جو دو عبادتوں کے جمع کرنے پر واجب ہوتا ہے اور مامور اس نعمت الہی کے ساتھ مخصوص ہے یعنی اس کا نفع خاص طور سے مامور کو ہی ہوتا ہے، کیوں کہ وقوع فعل مامور سے ہی ہے، قران کی صورت یہ ہے کہ کوئی ایک آدمی اس کو قران کا حکم کرے یا یہ کہ دو آدمی اس کو حکم کریں ایک توجہ کا اور دوسرا عمرہ کا اور دونوں اس کو قران کی اجازت دے دیں۔ اور اگر مامور نے ان دونوں کی اجازت کے بغیر ایسا کیا تو خلاف ورزی کرنے والا ہو جائے گا، لہذا وہ نفقہ کا ضامن ہوگا۔

فإن مات فی طریقہ یحج عنہ الخ: پس اگر مامور بالبحر راستہ میں مر گیا تو حج میت کی جانب سے میت کے گھر سے اس کے متروکہ مال کے ثلث سے کرایا جائے گا یہ رائے امام اعظمؒ کی ہے، صاحبین کے نزدیک جہاں انتقال کیا ہے وہاں سے حج کر دیا جائے گا یہ اختلاف اس وقت ہے جب آمر نے مطلق حج کی

وصیت کی ہو اور جب اس نے بیان کر دیا ہو کہ کس جگہ ت اس کی جانب سے حج کرایا جائے تو بالاتفاق اس کی بیان کردہ جگہ سے ہی حج کرایا جائے گا۔

امام اور صاحبین کا یہ اختلاف ایک دوسرے اختلاف پر مبنی ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر امر خود حج کے لئے نکلا اور راستہ میں اس کا انتقال ہو جاتا اور دوسرے کو حج کی وصیت کر جاتا تو اب اگلا آدمی کہاں سے حج کرے امام اعظمؒ کے نزدیک مامور امر کے گھر سے حج کرے گا اور صاحبینؒ کے نزدیک اس جگہ سے کہ جہاں اس کا انتقال ہوا ہے۔

امام اعظمؒ کی دلیل یہ ہے کہ سفر کی مقدار موجود احکام دنیا کے حق میں باطل ہو گئی، کیوں کہ نبی..... کا ارشاد ہے کل عمل ابن آدم ينقطع بموته الا ثلثة ولد صالح الحديث کہ آدمی کا ہر عمل اس کی موت کے ساتھ باطل ہو جاتا ہے اور تحفہ وصیت احکام دنیا میں سے ہے پس از سر نو سفر حج کرنا ضروری ہوگا، گویا یوں ہو گیا جیسے وہ حج سفر پر نکلا ہی نہیں، یا ارادہ حج سے نہیں نکلا پس اس نے وصیت کی کہ اس کی جانب سے فلاں حج کرے تو اب یہ شخص آمر کے گھر سے سفر حج شروع کرے گا۔

اور صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ اس کا نکالنا اس کی موت سے باطل نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ومن يخرج من بيته مهاجراً الى الله ورسوله الآية کہ جو شخص اپنے گھر سے اللہ و رسول کے لئے ہجرت کے ارادہ سے نکلا اور راستہ میں ہی اس کا انتقال ہو گیا تو بھی اسے ہجرت کرنے والوں جیسا ثواب ہوگا، نیز نبی..... کا ارشاد ہے من مات في طريق الحج كتب له حجة مبرورة في كل سنة کہ جس شخص کا حج کے راستہ میں انتقال ہو گیا تو اس کے لئے ایک مقبول حج لکھا جاتا ہے، پس معلوم ہوا کہ آدمی کا عمل مرنے کے بعد بھی ختم نہیں ہوتا، لہذا جب اس کا عمل باطل نہیں ہوتا تو اس پر بناء واجب ہے۔

بثلث مابقی: اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنی جانب سے حج کئے جانے کی وصیت کی اور اس نے چار ہزار درہم چھوڑے اور حج کا خرچہ ایک ہزار درہم ہے پس وصی نے ایک ہزار درہم لے کر اس شخص کے حوالے کر دیا جو اس کی جانب سے حج کر رہا ہے پس مامور مر گیا یا مال چوری ہو گیا تو امام اعظمؒ کے نزدیک تلف کے بعد ترکہ کا ماہی ٹلٹ لے کر حج کرایا جائے گا، اور امام محمدؒ کے نزدیک حج کے لئے دیئے گئے مال کے ماہی سے حج کرایا جائے گا اگر کچھ بچ رہا ہے ورنہ وصیت باطل ہو جائے گی، اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ٹلٹ اول یعنی ایک ہزار کے ٹلٹ سے حج کرایا جائے گا یعنی تین سو تینتیس اور ایک تہائی درہم سے اگر یہ مقدار بچی ہے اور اگر یہ مقدار مذکور نہ بچی ہو تو ٹلٹ اول کے ماہی سے حج کر دیا جائے گا۔

ومن اهل بحج عن ابويه الخ: اور وہ شخص جس نے والدین کی جانب سے حج کا احرام باندھا اور

اس کے بعد ان دونوں میں سے کسی ایک کے لئے متعین کر دیا تو یہ درست ہے، خواہ اس نے وقوف اور طواف سے پہلے کیا ہو یا بعد میں کیوں کہ جو شخص کسی دوسرے کی جانب سے بغیر اس کے حکم کے حج کرتا ہے تو وہ درحقیقت اس کی جانب سے حج کرنے والا نہیں ہوتا بلکہ اپنے حج کے ثواب کو ان کے لئے کرنے والا ہوتا ہے، پس والدین کے لئے اس کا نیت کرنا لغو ہے کیوں کہ ایک حج دو لوگوں کی جانب سے نہیں ہو سکتا پس اصل حج باقی رہا اور یہی ثواب کا سبب ہے، پس اس کو اختیار ہے کہ ماں باپ میں سے جس کے لئے چاہے اس کا ثواب کر دے یا دونوں کے لئے کر دے۔

والدین کی جانب سے حج مستحب ہے نبی..... کا ارشاد ہے مَنْ حَجَّ عَنْ أَبِيهِ أَوْ قَضَى عَنْهُمَا مَغْرَمًا بُعِثَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَعَ الْأَبْرَارِ کہ جس شخص نے اپنے والدین کی طرف سے حج کیا یا ان کا تاوان ادا کیا تو قیامت کے دن ابرار کے ساتھ اٹھایا جائے گا اسی طرح ارشاد نبوی ہے مَنْ حَجَّ عَنْ أَبِيهِ أَوْ أُمِّهِ فَقَدْ قَضَى عَنْهُ حُجَّتَهُ وَكَانَ لَهُ فَضْلٌ عَشِيرِ حُجَجٍ کہ والدین کی طرف سے حج کرنے والے کو دس حجوں کا ثواب ملتا ہے، نیز ارشاد ہے إِذَا حَجَّ الرَّجُلُ عَنْ وَالِدَيْهِ فَقَبِلَ مِنْهُ وَاسْتَبْشَرَتْ أَرْوَاحُهُمَا كَتَبَ عَنْهُ اللَّهُ بَرَاءً کہ والدین کی طرف سے کیا گیا حج قبول ہوتا ہے اور ان کی ارواح کو خوشخبری دی جاتی ہے اور اللہ برأت لکھ دیتے ہیں۔

باب الهدی

أَذْنَاهُ شَاةٌ وَهُوَ أَهْلٌ وَبَقَرٌ وَغَنَمٌ وَمَا جَازَ فِي الضَّحَايَا جَازَ فِي الْهَدَايَا وَالشَّاةُ تَجُوزُ فِي كُلِّ شَيْءٍ إِلَّا فِي طَوَافِ الرُّكْنِ جُنْبًا وَوُطِيَّ بَعْدَ الْوُقُوفِ بِعَرَفَةَ وَيُوكَلُ مِنْ هَدْيِ التَّطَوُّعِ وَالْمَتْعَةِ وَالْقِرَانِ فَقَطْ وَخُصَّ ذَبْحُ هَذِي الْمَتْعَةِ وَالْقِرَانِ بِيَوْمِ النُّحْرِ فَقَطْ وَالْكُلُّ بِالْحَرَمِ لَا بِفَقِيرِهِ وَلَا يَجِبُ التَّعْرِيفُ بِالْهَدْيِ وَيَتَصَدَّقُ بِجَلَالِهِ وَخَطَامِهِ وَلَمْ يُعْطَ أَجْرُ الْجَزَارِ مِنْهُ وَلَا يَرْكَبُهُ إِلَّا بِضَرُورَةٍ وَلَا يَجْلِبُهُ وَلَا يَنْضَحُ ضَرْعُهُ بِالنُّقَاحِ فَإِنْ عَطَبَ وَاجِبًا أَوْ تَعَيَّبَ أَقَامَ غَيْرَهُ مَقَامَهُ وَالْمُعِيبُ لَهُ وَلَوْ تَطَوُّعًا نَحْرَهُ وَصَبَغَ نَعْلَهُ بِذَمِّهِ وَضَرَبَ بِهِ صَفْحَتَهُ وَلَمْ يَأْكُلْهُ غَنِيٌّ وَيُقْلَدُ بِذَنَةِ التَّطَوُّعِ وَالْمَتْعَةِ وَالْقِرَانِ فَقَطْ.

ترجمہ: ہدی میں سب سے ادنیٰ درجہ بکری کا ہے اور وہ (یعنی ہدی) اونٹ اور گائے اور بکری ہے اور وہ جانور جو قربانی میں درست ہیں تو وہی ہدایا میں بھی درست ہیں اور بکری درست ہے ہر چیز میں سوائے طواف زیارت میں جو حالت جنابت میں (کیا گیا ہو) اور ایسی وطی میں جو وقوف عرفہ کے بعد ہو، اور

کمایا جاسکتا ہے نفلی قربانی اور تمتع اور قرآن کی قربانی سے صرف، اور تمتع اور قرآن کی قربانی کا ذبح کرنا مخصوص ہے یوم النحر (یعنی وقت نحر جو تین دن ہے) کے ساتھ اور (دیگر) تمام دم (جس وقت چاہے) حرم کے ساتھ مخصوص ہے نہ کہ (اس کا صدقہ) حرم کے فقیر کے ساتھ، اور واجب نہیں ہدی کو عرفات لے جانا اور اس کی جہول اور تکیل خیرات کر دے اور قصائی کی اجرت اس سے نہ دی جائے گی اور نہ ہی ہدی پر بلا ضرورت سوار ہو اور نہ دودھ دو ہے اور اس کے تھن پر ٹھنڈا پانی چھڑک دے پس اگر ہدی واجب ہلاک ہو جائے یا عیب دار ہو جائے تو دوسری اس کی جگہ کر دے اور عیب دار اس کی رہے گی اور اگر (ہدی) نفلی ہو تو اس کو ذبح کر دے اور اس کے سم خون سے رنگ دے اور اس کی کوہان کی طرف خون کا ایک چھاپہ لگا۔ ے اور مالدار اس سے نہ کمائیں اور ہدی نفلی اور ہدی تمتع اور قرآن کے پٹہ ڈالا جائے گا۔

تشریح: جب کتاب الحج میں ہدی کا تذکرہ نکلیتے ہیں عبادت اور جزاء و مؤنت کے اعتبار سے چل رہا تھا تو اب اس کے انواع اور اس کے متعلق مسائل کا بیان شروع کیا۔

ہدی کہتے ہیں ما یهدی من النعم الی الحرم وہ جانور جسے قربانی کے لئے حرم بھیجا جائے، ہدی کی سب سے ادنیٰ قسم ایک سال کی بکری بکریا دنبہ، دنبی ہے حضرت ابن عباس کا ارشاد ہے ما استیسر من الہدی شاة وہ ہدی جو بہولت میسر ہو جاتی ہے بکری ہے معلوم ہوا کہ سب سے کم درجہ کی ہدی بکری دنبہ وغیرہ ہے۔

وہو ابل وبقر وغنم: ہدی از قسم اونٹ اونٹنی، گائے بیل، بھینس، بھینسا، بکرا، بکری، بھیڑ، دنبہ ہے، بنیادی طور پر ہدی اونٹ، گائے بکری ہے ان تینوں طرح کی ہدی پر امت کا اجماع ہے بھینس اور بھینسا کا تعلق از قسم بقر ہے اسی طرح غنم، بھیڑ، بکری، دنبہ تینوں کے زراور مادہ کو شامل ہے۔

وما جاز فی الضحایا جاز فی الہدایا: جس عمر کے جانور کی قربانی درست ہے اس عمر کا جانور بطور ہدی درست ہے پس داننا یعنی کم از کم ایک سال کا بکرا اور بکری اسی طرح بھیڑ اور دنبہ قربانی میں درست ہے تو سال بھر کا بکرا اور بکری ہدی میں بھی درست ہے، حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کان یقول فی الضحایا والہدایا الشئی فما فوقھا رواہ مالک حضرت فرماتے تھے کہ قربانی اور ہدی میں سال بھر کا یا اس سے زیادہ عمر کا بکرا اور بکری چاہئے۔

البتہ بھیڑ یا دنبہ کا آٹھ نو ماہ کا ایسا بچہ جو سال بھر کا معلوم ہو تو وہ چوں کہ قربانی میں بھی درست ہے لہذا ہدی میں بھی درست ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تذبحوا إلا مسنة أن تعسر علیکم فتذبحوا جذعة من الضمان رواہ الجماعة الا البخاری والترمذی رسول اللہ..... کا ارشاد ہے کہ مت ذبح کرو مگر سال بھر کا مگر تم پر مشکل ہوئے تو آٹھ نو ماہ کا بھیڑ کا بچہ بھی ذبح کر سکتے ہیں معلوم

ہوا کہ بھیڑ دنبہ وغیرہ میں سال سے کم کا بچہ بھی قربان کیا جاسکتا ہے، پس وہ ہدی بھی ہو سکتا ہے، گائے بھینس وغیرہ کم از کم دو سال اور اونٹ کم از کم پانچ سال کا ہونا ضروری ہے۔

والشاة تجوز فی کل شیء الا فی الطواف: حج و عمرہ کے ہر موقع جنایت میں کہ جس میں دم واجب ہوتا ہو تو اس میں بطور دم کے بکری کا ذبح کرنا درست ہے، صرف دو ایسے موقع ہیں کہ اس میں بکری کی گنجائش نہیں ایک تو یہ کہ طواف زیارت حالت جنابت میں کر لیا ہو، دوسرا یہ کہ وقوف عرفہ کے بعد حلق اور طواف سے پہلے بیوی سے ہم بستری کر لی ہو تو اس میں بدینہ ضروری ہوگا اس لئے کہ جنابت اغلظ جنایت ہے، پس اس کے نقصان کی تلافی کے لئے بدینہ لازم کیا گیا اصغر اور اکبر میں فرق کو ظاہر کرنے کے لئے۔

ویوکل من ہدی التطوع: صاحب ہدی نفلی ہدی اور تمتع اور قرآن کی قربانی سے کھا سکتا ہے، بلکہ مستحب ہے، اس کے علاوہ دم جنایت یا دم احصار وغیرہ سے قربانی والا بالکل نہیں کھا سکتا بلکہ پورا ہدی ذبح کے بعد فقراء پر صدقہ کرنا ہوگا۔

استحباب کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد فاذا وجبت جنوبها فكلوا منها ہے یعنی جب وہ کروٹ کے بل (ذبح کے بعد) گر پڑیں اور ٹھنڈے ہو جائیں تو ان سے (استحباباً) کھاؤ پس اس آیت پاک میں اکل کا حکم دیا گیا اور اس کا اقل درجہ استحباب کا فائدہ ہے، نیز حدیث جابرؓ میں ہے جو آپ..... کے اوصاف حج کے بیان سے متعلق ہے ثم انصرف إلى المنحر فنحر ثلاثاً وستين بدنة بيده ثم اعطى علياً فنحر ما غير اى ما بقى فاشركه في هديه ثم امر من كل بدنة ببضعة فجعلت في قدر وطبخت فكلوا من لحمها وشربا من مرقها رواه مسلم۔

وعن عائشه رضي الله تعالى عنها قالت خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم لخميس بقين من ذى القعدة ولا نرى الا الحج من مكة امر رسول الله صلى الله عليه وسلم من لم يكن معه هدي اذا طاف بين الصفا والمروة ان يحل قالت فدخل علينا يوم النحر بلحم بقير فقلت ما هذا فقيل نحر رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ازواجه متفق عليه۔

پس ان دونوں روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن اور تمتع کے ہدی سے کھانا مستحب ہے، کیوں کہ رسول اللہ..... قارن تھے اور آپ..... نے دم قرآن اور ہدی نفلی سے ذبح کے بعد گوشت کٹوا کر پکوا یا پس آپ نے گوشت بھی کھایا اور شوربا بھی پیا۔

دوسرے یہ کہ یہ تینوں طرح کی ہدی دم نسک ہے لہذا اضحیٰ کی طرح اس کا کھانا درست ہے، البتہ دھیان رہے کہ ہدی التطوع کا حرم پہونچانا ضروری ہے ورنہ پورا گوشت صدقہ کرنا ہوگا اور خود اس کو اور دیگر

اغنیاء کو کھانے کی اجازت نہ ہوگی۔

امام شافعیؒ کے نزدیک دم تمتع اور دم قرآن سے کھانے کی اجازت نہیں ہے اس لئے کہ حج و عمرہ دونوں کا عظیمہ و عظیمہ ادا کرنا امام شافعیؒ کے نزدیک افضل ہے اور دونوں کے ملانے اور ساتھ ساتھ ادا کرنے میں نقصان ہے، لہذا دم تمتع اور دم قرآن ہر کوئی دم تلافی ہے جس کا کھانا یوں ہی صاحب ہدی کے لئے منع ہے جیسے کہ دم کفارہ کا صاحب دم اور دیگر اغنیاء کے لئے کھانا درست نہیں ہوا کرتا، اور اگر کھالیا تو اس کی قیمت کا مدد کرنا واجب ہوگا۔

ہمارا کہنا یہ ہے کہ دم تمتع اور دم قرآن، دم شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بندے کو ایک ہی سفر میں دونوں عبادتوں حج و عمرہ کی سعادت عطا فرمائی پس دم شکر، اضحیہ یعنی قربانی کی طرح ہوا اور قربانی سے صاحب اضحیہ اور دیگر اغنیاء بھی کھا سکتے ہیں، پس یہی حکم دم تمتع اور قرآن کا ہے، یہ دم تلافی نہیں ہے کہ جسے دم کفارہ پر قیاس کیا جائے۔

امام مالکؒ کے نزدیک ہر طرح کے ہدی کا گوشت صاحب ہدی اور دوسرے اغنیاء بھی کھا سکتے ہیں البتہ جزاء صید اور فدیہ الاذی وغیرہ جو بقدر شاة ہو تو ذبح کے بعد اس کا کھانا مہملی بہ کے لئے درست نہیں۔
وخص ذبح هدى المتعة الخ: ہدی تمتع اور ہدی قرآن کا ذبح کرنا بطور خاص ایام النحر میں ہی ہوگا، کتاب میں مذکور بیوم النحر معنی میں وقت النحر کے ہے، اور اوقات قربانی تین یوم ہیں پس اس کا مطلب ہوا کہ ان دونوں قسم کی ہدی کی قربانی دسویں سے بارہویں ذی الحجہ تک ضرور ہو جانی چاہئے، اگر کوئی دسویں ذی الحجہ سے پہلے کرتا ہے تو درست نہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فكلوا منها واطعموا البائس الفقير ثم ليقضوا نفثهم یعنی تم خود کھاؤ اور دوسرے مصیبت زدہ محتاج کو کھلاؤ پھر اپنا میل کچیل دور کرو، پس میل کچیل کا دور کرنا یعنی حلق وغیرہ ایام النحر کے ساتھ مخصوص ہے کہ ان ایام میں حلق کرایا جائے گا، ایام النحر سے قبل حلق یا بعد حلق جنایت ہے لہذا وہ حکم جس پر ثم ليقضوا نفثهم کا عطف ہے وہ بھی ایام النحر کے ساتھ مخصوص ہوگا تاکہ کلام عام ہو جائے۔

دوسری بات یہ کہ ہدی تمتع اور قرآن دم عبادت و نسک ہے پس یہ اضحیہ کی طرح ایام النحر کے ساتھ مخصوص ہوگا دم تطوع یعنی ہدی نفل کا یوم النحر سے قبل ذبح کرنا درست ہے البتہ ایام النحر میں ذبح افضل ہے، اس لئے کہ عبادت ہدی میں اراقۃ دم کے ذریعہ زیادہ ظاہر ہے۔

اور بقیہ ہدایا کا ذبح جب چاہے کرے وہ ایام النحر کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں البتہ امام شافعیؒ کے نزدیک تمام طرح کے ہدی ایام النحر میں ہی ذبح کئے جائیں وہ بقیہ تمام کو دم تمتع اور قرآن پر قیاس کرتے ہیں، اس لئے

کہ امام شافعی کے نزدیک تمام طرح کے ہدایا دم تلافی ہیں ہمارا کہنا یہ ہے کہ ہدیٰ نفلی وغیرہ دم تلافی ہیں لہذا ان میں تعیل اولیٰ ہے، بخلاف دم تمتع وقران کے کہ وہ دم نسک ہے لہذا یہ ایام الآخر کے ساتھ مخصوص ہوگا۔

والکل بالحرم لا بفقیرہ: ہر وہ ہدیٰ جو حاجی پر واجب ہوتی ہے وہ حرم میں ہی ذبح ہوگی خارج حرم اس کا ذبح کرنا درست نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے هَذَا بِالْكَعْبَةِ كَهَدْيِ كَعْبَةٍ لِعَنِي حَرَمٌ مِثْلُ هَذَا نِجَاحًا جَائِزًا، نیز ارشاد ہے ثم محلها الى البيت العتيق پس ان ٹکڑوں سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام طرح کی ہدیٰ اس کا ذبح کرنا حرم کے ساتھ مخصوص ہے، نیز ارشاد نبوی ہے كل مني منحر و كل فجاج مكة طريق ومنحو.

البتہ یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کے گوشت کا صدقہ کرنا فقراء حرم پر ہی ہوگا بلکہ حرم اور غیر حرم ہر جگہ کے فقراء کو صدقہ کیا جاسکتا ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک ہدایا کا گوشت صرف فقراء حرم کو ہی صدقہ کیا جائے گا ان کی دلیل یہ ہے کہ دماء کا وجوب اہل حرم کے توسع کے لئے ہوا ہے اور ہمارا کہنا ہے کہ فقراء کی ضرورت برآری کے لئے، لہذا سب جگہ کے فقراء برابر ہیں۔

معلوم ہوا کہ دم چار طرح کے ہیں ایک تو وہ جو مخصوص بالزمان بھی ہوتے ہیں اور مخصوص بالمكان بھی، ایسے دم تمتع اور دم قران اور قدوری کی روایت کے مطابق دم تطوع بھی ہیں اور صاحبین کے نزدیک دم احصار اور دوسری قسم وہ ہے جو صرف مخصوص بالزمان ہوتی ہے، مخصوص بالمكان نہیں اور وہ ہے اضحیہ، تیسری قسم وہ ہے جو صرف مخصوص بالمكان ہوتی ہے مخصوص بالزمان نہیں، وہ ہے دم جنایات اور دم احصار امام اعظمؒ کے نزدیک اور ہدیٰ التطوی اصل کی روایت کے مطابق چوتھی قسم وہ ہے جو نہ مخصوص بالزمان اور نہ ہی مخصوص بالمكان ہے، جیسے دم نذر و طرفین کے نزدیک۔

ولا يجب التعريف: ہدیٰ کا عرفات لے جانا واجب نہیں ہے کیوں کہ واجب صرف ہدیٰ تمتع اور قران ہے اور ہدیٰ عرفات لے جانے کے معنی کی خبر نہیں دیتا ہے بلکہ اس لفظ کی دلالت ایک مکان سے دوسرے مکان ^{منفصل} پر ہے تاکہ اس جگہ اس کو ذبح کر کے فريضة عبادت انجام دیا جائے ظاہر ہے ایسی جگہ حرم ہے عرفات لیجانا نہیں۔

اور اگر کوئی شخص تمتع اور قران کے ہدیٰ کو عرفات لے جاتا ہے تو یہ بہتر ہے کیوں کہ تمتع اور قران کے ہدیٰ یوم الآخر کے ساتھ مخصوص ہیں اور بسا اوقات تمتع اور قران کو ایسا کوئی شخص نہیں ملتا جو ان کی حفاظت کرے تو ایسی صورت میں اسے ہدیٰ عرفات میں لیجانا پڑتا ہے۔

اونٹ میں افضل نحر ہے اور گائے اور بکری میں ذبح ہے، پہلے کے افضلیت کی دلیل حدیث جابرؓ ہے عن جابر انه صلى الله عليه وسلم واصحابه كانوا ينحرون البدنة معقولة اليد اليسرى

قائمة علی ما بقى من قوائمه یعنی نبی..... اور صحابہ اونٹ نحر کرتے تھے اس حال میں کہ بایاں پیر بندھا ہوتا تھا اور اونٹ بقیہ دیگر پیروں پر کھڑا ہوتا، نیز اللہ تعالیٰ کے ارشاد فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا فَكُلُوا مِنْهَا میں اشارہ اسی بات کی طرف ہے کہ اونٹ کھڑے کھڑے نحر کیا جاتا ہے اس لئے کہ سقوط قیام سے ہی ہوتا ہے اور وَجَبَتْ سَقَطَتْ کے معنی میں ہے اور گائے اور بکری کا نحر یعنی کھڑے کھڑے ذبح کرنا خلاف سنت ہے لہذا گائے اور بکری کو بچھاڑ کر ذبح کیا جائے گا۔

وَيَتَصَدَّقُ بِجَلَالِهَا الْخ: ہدایا کی جھول اور گیل صدقہ کر دی جائے گی نیز قصائی کی اجرت ہدی کے گوشت سے نہیں دیجائے گی عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ انه قال امرنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اقوم علی بدنة وان اتصدق بلحميها وجلودها وجلالها وان لا اُعطي اجرة الجزار منها شيئاً قال نحن نعطيہ من عندنا اس روایت سے معلوم ہوا کہ نبی..... کا حضرت علی کو حکم تھا کہ وہ اونٹ کے گوشت، کھال اور جھول کو صدقہ کر دیں اور قصائی کو گوشت سے مزدوری نہ دیں، اگر ذبح کرنا جانتا ہو تو بہتر یہی ہے کہ خود ذبح کرے۔

ولا يركبه بلا ضرورة: ہدی پر بلا ضرورت شدید سوار نہ ہونا چاہئے، اس لئے کہ اس قربانی کے جانور کو اس نے خالص لوجہ اللہ کر دیا ہے صرف اور صرف اسکی رضامندی مقصود ہے، پس قربانی کرنے والے اور صاحب ہدی کے لئے اس کے عین یا منافع میں کسی نوع کا تصرف غیر مناسب ہے، تا آنکہ ہدی حرم پہنچ جائے۔

دوسرے یہ کہ ہدی پر سواری کرنے میں اس کی توہین ہے، جب کہ ہدی کی تعظیم واجب ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَمَنْ يُعْظَمْ شَعَائِرُ اللَّهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ پس اللہ کے شعائر ہدی وغیرہ کی تعظیم تقویٰ ہے اور تقویٰ واجب ہے، لہذا ان کی تعظیم بھی واجب ہوگی۔

البتہ اگر حاجی سواری کے لئے بے بس ہو تو ہدایا پر اس کے لئے سواری کی گنجائش ہے قال انسؓ رای النبی صلی اللہ علیہ وسلم رجلاً يسوق بدنة فقال اركبها قال انما بدنة قال اركبها قال انما بدنة قال اركبها قال انما بدنة ثلاث متفق علیہ۔ یعنی ایک شخص کو بدریہ یعنی اونٹ لے جاتے ہوئے آپ نے دیکھا تو آپ..... نے فرمایا سوار ہو جا تو اس نے کہا کہ یہ اونٹ بطور ہدی کے ہے، اسی طرح تین مرتبہ آپ..... نے مکالمہ فرمایا پس اس روایت سے معلوم ہوا کہ حالت اضطرار میں ہدی پر سواری کی اجازت ہے، اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے، عن انسؓ انه صلی اللہ علیہ وسلم رای رجلاً يسوق بدنة وقد اجهده المشى فقال اركبها قال انما بدنة قال اركبها وان كانت بدنة رواه

احمد والنسائی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بدینہ پر سواری کا حکم آپ نے ایسے شخص کو فرمایا تھا جو مشقت سے چور چور ہو گیا تھا پس ہر شخص کو علی الاطلاق ہدایا پر سواری کی اجازت نہیں ہے، بلکہ صرف مخدور و مجبور کے لئے سوار ہونے کی گنجائش ہے۔

البتہ امام مالک پہلی روایت کے اطلاق کی وجہ سے بلا ضرورت بھی ہدایا پر سوار ہونے کو درست مانتے ہیں، نیز ان کا استدلال حدیث جابر سے بھی ہے قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقولُ اِزْكِبْهَا بِالْمَعْرُوفِ کہ میں نے رسول اللہ..... کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ قاعدے کے موافق ہدی پر سوار ہو سکتے ہو ہمارا کہنا یہ ہے کہ یہ حدیث حالت اضطرار پر محمول ہے، پس اگر کسی نے بلا عذر ہدی پر سواری کی اور اس کے اس عمل کی وجہ سے ہدی میں کمی پیدا ہو گئی تو وہ اس نقص کا ضامن ہوگا اور اسے فقراء پر صدقہ کر دیگا۔

ولا یحلبہ: ہدی کا دودھ بھی نہیں نکال سکتا ہے، کیوں کہ دودھ ہدی کا جزء ہے لہذا ہدی کے اپنے محل پر یہونچنے سے پہلے نہ تو ہدی اور نہ ہی اس کے جزء سے صاحب ہدی اور دیگر مالداروں کے لئے انتفاع درست ہے، پس اگر اس نے دودھ نکالا اور اسے استعمال میں لایا یا کسی غنی کو دے دیا تو اس کا ضامن ہوگا، یعنی اس کی قیمت فقراء پر صدقہ کرنا ہوگی، کیوں کہ صاحب ہدی کی جانب سے تعدی پائی گئی، جیسے کہ اگر ہدی کے بال یا اون کاٹ لیتا تو اس کی قیمت صدقہ کرنا ہوتی۔

اگر ہدی نے بچہ جتنا تو بچہ کو صدقہ کر دے یا ہدی کے ساتھ بچہ کو بھی ذبح کر دے اور اگر بچہ کو بیچ دیا تو اس کا ثمن صدقہ کر دے۔

وینضح ضرعہ النفاخ: ہدی اگر مادہ ہے اور دودھ والی ہے تو اس کے تھن پر ٹھنڈے پانی کی چھینٹیں مارتا رہے تا آنکہ اس کا دودھ سوکھ جائے یعنی ختم ہو جائے یہ حکم تب ہے جب ذبح کا وقت قریب ہو اور اگر ابھی ذبح میں کافی وقت ہو تو دودھ نکال کر صدقہ کرتا رہے۔

وان عطبَ واجبًا او تعیب الخ: اگر ہدی واجب ہلاک ہو جانے کے قریب ہو جائے ذبح سے پہلے یا عیب دار ہو جائے بایں طور کہ آنکھ پھوٹ جائے یا ناگسٹ ٹوٹ جائے کہ مذبح تک جانا ناممکن نہ رہ جائے یا کان کٹ جائے غرض کہ موانع اضحیہ میں سے کوئی عارض پیش آ جائے تو اس کی جگہ صحیح سالم جانور کو ہدی بنا کر ذبح کرے اس لئے کہ واجب فی الذمہ بغیر ادائیگی کے ساقط نہیں ہوتا، پس عیب دار ہو جانے کی صورت میں وہ جانور ادائیگی واجب کا اہل نہیں رہ جاتا۔

اور عیب دار صاحب ہدی کی ملک ہوگا جو اس میں ہر طرح تصرف کا مجاز ہے، کیوں کہ بطور ہدی اس کے متعین کرنے سے وہ صاحب ہدی کی ملک سے خارج نہیں ہوتا پس جب بطور ہدی اس میں تصرف ناممکن ہو گیا تو اب اس کے علاوہ مواقع میں اس کو تصرف کی اجازت ہے۔

البتہ امام احمد اور بعض شوافع کے نزدیک صاحب ہدی اس عیب دار کو بھی ذبح کر دے۔

ولو تطوعاً نحره: اور اگر ہدی نفلی ہو اور وہ قریب المرگ ہو جائے یا عیب دار ہو جائے تو اس کو ذبح کر دے گا اور اس کے گھر اور رسم کو خون سے رنگ دے گا اور اس کی کوہان کی طرف خون کا ایک چھاپہ لگا دے گا اور ایسا اس لئے کرے گا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ ذبح کیا ہوا جانور ہدی ہے اور صاحب ہدی کو دوسرا جانور حرم لے جا کر ذبح کرنا ضروری نہ ہوگا کیوں کہ قربت ہدی نفل میں عین محل سے متعلق ہوتی ہے، لہذا اس کو دوسرا جانور لازم نہیں ہوگا، جیسا کہ اگر فقیر قربانی کا جانور خریدے اور وہ قربان ہونے سے پہلے مر جائے تو فقیر پر دوسرا جانور لازم نہیں ہوتا، بخلاف جب کہ ہدی واجب ہو تو واجب ذمہ میں ہوتا ہے، عین میں نہیں، جو حرم میں ذبح سے پہلے ساقط نہیں ہوتا، لہذا اگر کوئی ہدی واجب قریب المرگ ہو جائے یا عیب دار ہو جائے تو اس کا بدل ضروری ہے۔

اس ہدی سے وہ ہدی والا خود اور دوسرے مالداروں کے لئے کھانا درست نہیں ہے، کیوں کہ یہ ہدی مذکور صرف فقراء کے لئے ہوتا ہے۔

ہدی نفل کا ذبح کرنا اور متعلقہ باتوں کا حکم اس لئے ہے کہ حضرت قبیصہؓ سے روایت ہے عن قبیصہؓ
 اَللّٰہُ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمْ یَبْعُثُ مَعَهُ بِالْبَدَنِ ثُمَّ یَقُولُ اِنْ عَطِبَ مِنْہَا شَیْءٌ لِّخَشِیَّتِ عَلَیْہِ مَوْتًا فَاَنْحَرُہَا ثُمَّ اَغْمَسُ نَعْلَہَا فِی دِمَہَا ثُمَّ اَضْرِبُ بِہِ صَفْحَتِہَا وَلَا تَطْعَمُہَا اَنْتَ وَلَا اَحَدٌ مِّنْ اَہْلِ رُفْقَتِکَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَاَحْمَدُ
 حضرت قبیصہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ..... نے ان کے ہمراہ بدنے بھیجے پھر ارشاد فرمایا کہ اگر ان میں سے کوئی مرنے لگے اور تمہیں ان کے مرجانے کا خطرہ محسوس ہونے لگے تو ذبح کر دینا پھر ان کے خون سے رنگ دینا اور کوہان کی جانب خون کی چھاپ لگا دینا اور نہ تم خود کھانا اور نہ تمہارے (مالدار) کوئی ساتھی کھائیں، ایسا اس لئے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ ہدی ہے جس سے فقراء تو کھا سکتے ہیں اغنیاء نہیں۔

البتہ امام شافعیؒ کے نزدیک ہدی تطوع جو قریب المرگ یا عیب دار ہونے کی وجہ سے ذبح کر دی جائے گی تو صاحب ہدی کے فقیر و فقاء بھی اس سے نہیں کھا سکتے بلکہ اسے سباع کے کھانے کے لئے چھوڑ دیا جائے گا،

اور وہ استدلال حضرت قبیصہ کی روایت میں مذکور ان کلمات سے کرتے ہیں ولا تطعمها انت ولا احد من رفقتك لیکن ہمارا کہنا یہ ہے کہ اس کا مصداق مالدار رفقاء ہیں کہ ان کے کھانے سے حدیث میں ممانعت ہے، مطلق رفقاء کے کھانے سے ممانعت نہیں ہے پس فقراء کے لئے اجازت ہے اور اغنیاء کے لئے ممانعت۔ اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے عن هشام عن ابیہ اَنْ صاحبَ ہدی النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال کیف اُصْنَعُ بِمَا عَطَبَ من الہدی قال کل بدنة عَطَبَتْ من الہدی فَاَنْعَرَهَا ثم اَلْقِ فَاَلْتَمِصْ فی دِمِهَا ثم خَلْ بَینَ النَّاسِ وَبَیْنَهَا یا کُلُوْهَا رواہ مالک فی الْمُوطَا اس روایت سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ فقراء کھا سکتے ہیں اور لوگوں کو کھانے سے منع کا حق نہیں ہے۔

ویقلد بدنة التطوع الخ: ہدی نفلی اور ہدی تمتع اور قرآن کو فقط قلاوہ پہنا دیا جائے گا کیوں کہ یہ تینوں طرح کے ہدی دم عبادت ہیں اور قلاوہ پہنانے میں اس کی شہرت دینا ہے پس یہ پسندیدہ ہے، کیوں کہ طاعات کا اظہار اس جذبہ سے کہ دوسرے بھی دیکھ کر کار خیر میں حصہ لیں گے اور طاعات کو وظیفہ زندگی بنائیں گے مستحسن عمل ہے، البتہ دماء جنایات کو قلاوہ نہیں پھنایا جائے گا، کیوں کہ ان کا سبب جنایت ہے، جس کے لائق پردہ پوشی ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اصاب من هذه القا ذورات فَلَيْسَتْ بِبِستَرِ اللہ تعالیٰ یعنی نبی..... نے گناہ کے ارتکاب پر اخفاء اور پردہ پوشی کا حکم دیا ہے۔

مسائل منثورة

ولو شهدوا بوقوفهم قبل يومه تُقْبَلُ وبعده لا ولو ترك الجمرۃ الاولى فی اليوم الثاني رمى الكل وا الاولى فقط ومن اوجب حجًا ماشيًا لا يركبُ حتى يطوفَ للركن ولواشترى مُحْرَمَةً حَلَلَهَا وَجَامَعَهَا.

ترجمہ: متفرق مسائل اگر لوگوں نے عرفہ کے دن سے پہلے ان کے وقوف کی گواہی دی تو وہ قبول کی جائے گی، اور اس کے بعد نہیں اور اگر دوسرے دن پہلے جمرہ کی رمی چھوڑ دی تو سب جمرات کی رمی کرے یا صرف جمرہ اولیٰ کی اور وہ شخص جس نے پیدل حج کو واجب کیا (یعنی نذر مانی) تو وہ سوار نہیں ہوگا حتیٰ کہ طواف زیارت کر لے، اور اگر کوئی احرام باندھے ہوئے باندی کو خریدے تو (اس کو حق ہے) کہ وہ اس کا احرام توڑ دے اور اس سے مجامعت کرے۔

تشریح: اہل تصنیف کی عادت ہے کہ ابواب سابقہ میں جن مسائل کا تذکرہ چھوٹ جاتا ہے تو

اسے کتاب کے آخر میں مسائل منثورہ اور مسائل متفرقہ اور مسائل فی وغیرہ کے عنوان سے بیان فرماتے ہیں، چنانچہ کتاب الحج کے ابواب میں چند ایک مسئلوں کا ذکر رہ گیا تھا اس لئے ان کے تذکرہ کے لئے مصنف نے یہ عنوان قائم کیا۔

ولو شهدوا بوقوفهم قبل يومه الخ: اگر لوگوں نے گواہی دی کہ حجاج کرام کا وقوف عرفہ کے دن سے پہلے ہو گیا ہے یعنی انہوں نے آٹھویں ذی الحجہ کو نویں ذی الحجہ سمجھ کر میدان عرفات میں وقوف کر لیا ہے تو گواہوں کی اس بابت گواہی مقبول ہوگی اور حجاج پر اعادہ یعنی نویں کو دوسرے دن وقوف لازم ہوگا۔ اور اگر گواہی دی کہ حجاج کرام نے یوم عرفہ کے بعد یعنی دسویں کو نویں ذی الحجہ سمجھ کر وقوف کیا ہے تو یہ گواہی استحساناً قبول نہ ہوگی اور حج ہو جائے گا یعنی ایسے لوگوں کو شرعاً وقوف کرنے والا مان لیا جائے گا، گو قیاس کا تقاضا یہ تھا کہ حج صحیح نہ ہو کیوں کہ وقوف ایسی عبادت ہے جو مختص بالزمان بھی ہے اور مختص بالمكان بھی، پس وقوف نویں سے پہلے اور بعد میں اسی طرح نویں کے زوال سے پہلے اور دسویں کے طلوع فجر کے بعد عبادت نہیں ہوگا۔

اور وجہ استحسان یہ ہے کہ یہ شہادت یعنی وقوف کے یوم عرفہ کے بعد ہونے کی شہادت علی الہی ہے، یعنی اس کا مقصد حاجیوں کے حج کی نفی کرنا ہے کہ ان کا حج صحیح نہیں ہوا پس شہادت مقبول نہ ہوگی، دوسرے اس لئے بھی کہ حج ایسی عبادت ہے جو تحت الحکم نہیں آتی، کیوں کہ حج کی عبادت پر مجبور نہیں کیا جاسکتا، تیسرے اس لئے بھی حج جیسی عبادت میں خطاء سے بچنا غیر ممکن ہے، اور تدارک بھی صورت مذکورہ میں ممکن نہیں ہے اور حج کے اعادہ کا حکم دینے میں حرج ہے، جو مرفوع بالنص ہے پس ضروری ہے کہ بوقت اشتباہ اس کو کافی سمجھا جائے۔ بخلاف اس کے کہ آٹھویں ذی الحجہ کو لوگ نویں سمجھ کر وقوف کر لیں تو یہاں تدارک فی الجملہ ممکن ہے کہ عرفہ کے دن اشتباہ ختم ہو جائے گا اور اس لئے بھی کہ عبادت قبل الوقت تو نہیں صحیح ہوتی ہے اور بعد الوقت فی الجملہ صحیح ہوتی ہے، پس ہم نے شکل ثانی کو لوگوں کی آسانی کے لئے اسی کے ساتھ لاحق کر دیا۔

ولو ترك الجمرۃ الاولى في اليوم الثاني الخ: اگر کسی نے گیارہویں ذی الحجہ کو پہلے جمرہ کی جو مسجد خیف سے قریب ہے رمی چھوڑ دیا تو بوقت قضاء سب کی رمی کرے یا صرف پہلے والے کی کرے، بقیہ دونوں جمرہ کی رمی کا اعادہ لازم نہیں ہے، اگر سب کی رمی کر لیتا ہے تو یہ افضل ہے کیوں کہ اس صورت میں ترتیب مسنون کی رعایت ہو جاتی ہے اور اگر تنہا پہلے جمرہ کی رمی کرتا ہے تو یہ بھی کافی ہے اس لئے کہ متروک کی

اس کے وقت میں تلائی ہوگئی البتہ ترتیب کا ترک ضرور ہوا لیکن ترتیب واجب نہیں ہے۔
 امام شافعیؒ کے نزدیک صرف پہلے جمرہ کی رمی کافی نہ ہوگی تا وقتیکہ تمام جمرات کی رمی کا اعادہ نہ کرے
 کیوں کہ نبی..... نے ترتیب سے رمی فرمایا ہے پس بلا ترتیب رمی غیر مشروع ہوگی۔
 ہمارا کہنا یہ ہے کہ جمرہ کی رمی مستقل قربت و عبادت ہے جس کا اپنے غیر سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ وہ
 ایک دوسرے کے تابع ہے، آپ دیکھئے کہ دسویں کو تھا جمرہ عقبہ کی رمی ہوتی ہے۔
 ومن اوجب حجاً ماشياً الخ: وہ شخص جس نے پیدل حج کرنے کی منت مان لی تو وہ طواف
 زیارت کرنے سے پہلے سوار نہیں ہو سکتا اس لئے کہ نذر ماننے والے نے حج کا التزام صفت کمال پر کیا ہے،
 کیوں کہ پیدل چلنا جسم کو شاق گذرتا ہے پس التزام کے مطابق پورا کرنا ضروری ہے۔
 اب یہ مسئلہ کہ پیدل چلنا کہاں سے شروع کرے گا ایک رائے یہ ہے کہ میقات سے پیدل چلنا شروع
 کرے گا لیکن اصح یہ ہے کہ اپنے گھر سے ہی مشی لازم ہے اس لئے عرف میں یہی مراد ہوتا ہے۔
 اصل میں ہے کہ مسئلہ مذکور میں رکوب اور مشی میں نذر ماننے والے کو اختیار ہے، امام ابو حنیفہؒ سے
 روایت ہے کہ پیدل چلنا صورت مذکورہ میں مکروہ ہے اور رکوب افضل ہے، فقیہ ابو جعفر ہندوانی کہتے ہیں کہ
 جب مسئلہ مذکور میں مسافت دور دراز کی ہو تو رکوب کی اجازت ہے، بخاری میں ہے عن انسؓ انه عليه
 الصلاة والسلام رأى شيخاً يهادى بين اثنين فقال ماله قالوا نذر أن يمشى فقال إن الله عن
 تعذيب هذا نفسه لغني فامرهم أن يركبوا کہ نبی..... نے ایک بوڑھے کو دیکھا کہ وہ دو لوگوں کے
 درمیان گھسٹ کر چل رہا ہے تو آپ نے لوگوں سے ماجرا پوچھا تو لوگوں نے بتایا کہ اس شخص نے پیدل حج کی
 منت مانی ہے، تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کے اپنے آپ کو اس مشقت عظیم میں ڈالنے سے بے
 نیاز ہے، پس اس کو سوار ہونے کا حکم صادر فرمایا پس معلوم ہوا کہ مسئلہ ہذا میں رکوب افضل اور مشی ناپسندیدہ
 ہے، لیکن علماء نے پہلی رائے کو ہی صحیح مانا ہے، کیوں کہ جیسا التزام ویسی ادائیگی ضروری ہے رہی بات امام اعظم
 کی تو ان کے نزدیک روزہ رکھ کر پیدل حج کے لئے سفر کرنا یہ مکروہ ہے کیوں کہ سفر میں روزے کی وجہ سے بد
 خلقی اور ساتھیوں سے تو تکرار کا خدشہ بڑھ جاتا ہے، حضرت ابن عباسؓ پیدل حج کے کرنے سے معذور
 ہو جانے پر اتنا اظہار افسوس فرماتے تھے کہ کسی اور چیز پر اتنا افسوس نہیں کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے پیدل چل کر
 حج کرنے والوں کا تذکرہ پہلے کیا ہے چنانچہ ارشاد ہے يأتوك رجالاً وعلى كل ضامر يأتين من كل

فج عومق حضرت حسن بن علی پیدل حج فرماتے تھے۔

ولو اشتری محرمة حللها وجامعها: وہ باندی جس نے اپنے آقا کی اجازت سے حج یا عمرہ کا احرام باندھا تھا اب آقائے اس کو فروخت کر دیا تو اب خریدار کے لئے اجازت ہے کہ وہ اس کا احرام بال یا ناخن کاٹ کر ختم کر دے اور اس سے مجامعت کرے، امام زفر کا اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ مشتری کو احرام توڑ دینے کا کوئی حق نہیں ہے، البتہ وہ باندی کو لوٹا سکتا ہے، اس لئے کہ اس عقد بیع پر ملک مقدم ہے اور باندی نے اپنے آقا کی اجازت سے احرام باندھا تھا لہذا اب مشتری جو عقد بیع سے نیا مالک ہوا ہے اس کو فسخ احرام کی اجازت نہیں ہے جیسے کہ اگر کوئی منکوحہ باندی خریدے تو فسخ نکاح کا مشتری کو حق نہیں ہوتا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ مشتری بائع کا قائم مقام ہے اور بائع کو حق فسخ اجازت دینے کے باوجود حاصل رہتا ہے، پس اسی طرح مشتری کو بھی یہ حق حاصل ہے، البتہ بائع کا یہ عمل وعدہ خلافی کے ارتکاب کی وجہ سے مکروہ ہے اور وعدہ خلافی کی بات مشتری کے حق میں نہیں پائی جاتی لہذا اس کے لئے بائع کے قائم مقام ہونے کی وجہ سے بلا کراہت فسخ احرام کی اجازت ہے۔

رہی بات نکاح کی تو بائع خود نکاح کو نہیں فسخ کر سکتا، بشرطیکہ باندی کا عقد نکاح اس کی اجازت سے ہوا ہو تو اسی طرح فسخ نکاح کا حق مشتری کو بھی نہ ہوگا۔

بعض نسخوں میں حللها او جامعها ہے پس بغیر او کی عبارت کا مطلب بغیر مجامعت کے بال کتر کر یا ناخن کاٹ کر احرام کھلوادے پھر ہمبستری کرے۔

اور او کے ساتھ عبارت کا مطلب ہے کہ باندی کی تحلیل یعنی احرام کھلوانا بال کتر کر یا ناخن کاٹ کر ہو یا مجامعت کے عمل سے ہو حاصل نکلا کہ تحلیل کی دونوں طرح سے اجازت ہے، البتہ پہلی صورت افضل ہے کیوں کہ اس میں امر حج کی تعظیم کا لحاظ پایا جاتا ہے، جب کہ دوسری شکل میں یہ بات مفقود ہے۔

والله اعلم بالصواب وإليه المرجع والمآب وهو حسبي ونعم الوكيل نعم المولى

ونعم النصير

عقیق الرحمن احمد قاسمی بہرائچی استاذ جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ ۲۷ شعبان ۱۴۲۸ھ

کتاب النکاح

هو عقد یرد علی ملک المتعة قصداً وهو سنة وعند الترفان واجب ومنعقد بايجاب وقبول وضعاً للمضي أو أخذهما وإنما يصح بلفظ النکاح والتزويج وما وضع لتمليك العين فی الحال عند حرين أو حر وحرتين عاقلین بالغین مسلمین ولو فاسقین أو محدودین أو اعميين أو ابني العاقلین وصح تزويج مسلم ذمیة عند ذمیین ومن أمر رجلاً أن یزوج صغیرته فزوجه عند رجل والآب حاضر صح وإلا لا.

ترجمہ: یہ نکاح کی کتاب (نکاح کے احکام کے بیان میں) ہے نکاح ایسا عقد ہے جو ملک

متعہ پر بطور مقصود کے وارد ہوتا ہے اور نکاح سنت ہے اور غلبہ شہوت کے وقت واجب ہے اور نکاح ایجاب وقبول سے منعقد ہو جاتا ہے جب کہ دونوں (میغہ) ماضی کے ساتھ وضع کیے گئے ہوں یا ان دونوں (ایجاب وقبول) میں سے کوئی ایک اور بلاشبہ عقد نکاح اور تزویج کے لفظ سے اور ایسے الفاظ سے جو علی الفور تملیک عین کے لیے وضع کئے گئے ہیں صحیح ہوتا ہے دو آزاد مردوں کی موجودگی میں یا ایک آزاد مرد اور دو آزاد عورتوں کی موجودگی میں جو دونوں عاقل ہوں بالغ ہوں مسلمان ہوں گوا فاسق ہوں یا محدود فی القذف ہوں یا دونوں اندھے ہوں یا عاقدین کے بیٹے ہوں اور درست ہے کسی مسلمان کا نکاح کرنا کسی ذمی عورت سے دو ذمی مردوں کی موجودگی میں، اور وہ شخص جس نے کسی آدمی کو حکم دیا کہ وہ وکیل اس کی (یعنی مؤکل کی) چھوٹی نابالغ بچی کا (کسی سے) عقد کر دے پس وکیل نے اس بچی کا نکاح (کسی آدمی سے) کر دیا کسی ایک آدمی کی موجودگی میں اور (اس مجلس میں) باپ بھی موجود تھا تو نکاح صحیح ہوگا ورنہ نہیں۔

تشریح: جب فاضل مصنف عبادات کے ذکر سے فارغ ہو گئے تو اب معاملات کا ذکر شروع کیا کیوں کہ عبادات کے بعد معاملات کا نمبر ہے۔ اس لیے کہ معاملات عابدین اور ان کی نسلوں کی بقاء کا سبب ہیں۔

اور نکاح کو دیگر معاملات پر مقدم کیا کیوں کہ نکاح جملہ معاملات میں عبادات سے قریب تر ہے حتیٰ کہ احناف کے نزدیک اشتعال بالنکاح برائے نوافل تخلیہ سے افضل ہے۔ اور نکاح سے پہلو تہی کرنے والوں کی بابت وعید کی آثار ہیں نیز آثار سے نکاح کی تحریض معلوم ہوتی ہے۔

هو عقد یرد علی ملک المتعة قصداً الخ : نکاح کے معنی میں چار اقوال ہیں اول یہ کہ لفظ نکاح باشرک لفظ وطی اور عقد کے درمیان مشترک ہے یعنی شادی کرنا۔ ظاہر صحاح سے یہی مفہوم ہوتا ہے۔

”صحاح“ میں ہے النکاح الوطوء قد يكون العقد لئلا ينفكوا وكنحت هي أوى تزوجت میں نے اس سے شادی کی اور اس نے مجھ سے شادی کی اسی کو صاحب غایۃ البیان نے ترجیح دی ہے کیوں کہ مشترک لفظ اپنے دونوں معنوں میں حقیقت ہوتا ہے۔ اور حقیقت ہی اصل ہے، دوم یہ کہ معنی عقد میں اس کا استعمال حقیقت ہے اور وطی کے معنی میں مجاز ہے اصولین نے اس قول کو امام شافعی کی جانب منسوب کیا ہے سوم یہ کہ وطی کے معنی میں حقیقت اور شادی کے معنی میں مجاز ہے۔ ہمارے اکثر مشائخ کا قول بھی یہی ہے اور اسی پر صاحب مغرب نے جزم و یقین ظاہر کیا ہے۔ پس قرآن وحدیث میں جہاں لفظ نکاح قرآن سے خالی ہوگا وہاں جماع مراد ہوگا، جیسے آیت ”وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ“ کہ اس میں نکاح سے مراد جماع ہے۔ چہارم یہ کہ نکاح کے معنی ملانا اور جمع کرنا ہے، شاعر کا قول۔

ضممت الی صدری معطر صدرها کما نکحت ام الغلام صبیها: اسی معنی میں ہے کہ میں اپنے سینے سے اس کا خوشبودار سینہ ایسے ہی ملا لیتا ہوں جیسے چھوٹے بچے کی ماں اپنے شیر خوار کو چمٹائے رکھتی ہے، ہمارے مشائخ سے اس معنی کی تصریح بھی موجود ہے، چنانچہ صاحب محیط نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ علامہ ابن الہمام فرماتے ہیں کہ مشائخ کے ان دونوں قولوں میں کوئی منافات نہیں کیوں کہ وطی معنی ضم و جمع کا ایک فرد ہے اور جو لفظ معنی اعم کے لیے موضوع ہو وہ اپنے ہر فرد میں حقیقت ہی ہوتا ہے۔ جیسے زید کے لیے لفظ انسان کا استعمال حقیقت ہے۔

عقد سے اس کے مصدری معنی یعنی فعل متکلم مراد نہیں ہے بلکہ حاصل مصدر یعنی تصرف شرعی کے اجزاء کا ارتباط مراد ہے بالفاظ دیگر عقد سے مراد، دو متکلمین میں سے کسی ایک کے ایجاب کا دوسرے کے قبول کے ساتھ جمع ہو جانا ہے، اب خواہ وہ زوجہ جتنی اور تزوجت سے حاصل ہو یا کسی ایسے ایک کے کلام سے جو طرفین کا قائم مقام ہوتا ہے جیسے طرفین کا ولی یا ایسے کلام سے جو سابقہ کلاموں کا قائم مقام ہو،

(۱) یہ تفصیل باعتبار تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق ہے البتہ بقول صاحب فتح المعین کے نکاح لغت میں ضم کے معنی میں ہے، پھر معنی وطی میں حقیقت استعمال ہونے لگا کیوں کہ وطی میں ضم کے معنی موجود ہیں۔

ملک متعہ سے مراد عورت سے انتفاع اور اس کے ساتھ وطی کرنیکی ملکیت کا حاصل ہونا ہے۔ اور ملک متعہ پر اس عقد کے وارد ہونے کا مطلب نکاح کا برائے انتفاع مخصوص مفید ہونا ہے، حاصل یہ ہے کہ اہل شرع کے عرف میں نکاح اس عقد مخصوص کا نام ہے جو بطور مقصود ملک متعہ کا فائدہ دیتا ہو یعنی اس کے ذریعہ مرد کا عورت سے نفع حاصل کرنا حلال ہو، قصد کی قید کے ذریعہ ضمنی حلت سے احتراز مقصود ہے، پس باندی خریدنے والے کو جو وطی کی حلت حاصل ہوتی ہے اس کو شرع میں نکاح نہیں کہتے کیوں کہ خریدنے سے اصلی

مقصود ملکیت ذات ہے نہ کہ قربت اور وطی کرنا۔

فائدہ: امر نکاح سے متعلق سات باتوں کا جاننا ضروری ہے نکاح کی شرعی تفسیر، نکاح کی لغوی تفسیر، نکاح کا سبب، نکاح کی شرط، نکاح کا رکن، نکاح کا حکم، اور اس کی صفت یعنی درجہ اور حیثیت۔
پس پہلی بات یہ ہے کہ نکاح درحقیقت باعتبار لغت وطی کے معنی میں ہے صاحب صحاح مطرزی اور صاحب طلبہ الطلہ ازہری اسی کے قائل ہیں اسی معنی میں فرزدق نے نکاح کا لفظ اپنے اس قول میں استعمال کیا ہے۔

اذا سقى الله صوباً غادية فلا سقى الله ارض الكوفة المطرا
التارکین علی طهر ساء هم والناکحین بشطی دجلة البقرا

(۱) نکاح معنی عقد یعنی شادی میں مجاز ہے۔

(۲) دوسری بات سبب نکاح تو بقائے عالم کا نکاح کے ساتھ بطریق توالد و تناسل متعلق ہونا کہ بغیر نکاح کے انسانی آبادی کا تسلسل قائم نہیں رہ سکتا۔

چوتھی بات تو شرط نکاح کی دو قسمیں ہیں عام اور خاص پس شرط عام محل قابل ہے کیوں کہ بلا محل قابل کے نکاح کا انعقاد نہیں ہو سکتا اور اہلیت یعنی عاقل ہونا بالغ ہونا آزاد ہونا نیز شرط عام ہے۔
شرط خاص اشہاد ہے یعنی اس مبارک عہد نامہ پر دو لوگوں کا گواہ بنانا اور اس قول و قرار کو سنا دینا۔

پانچویں بات رکن نکاح تو وہ ایجاب و قبول ہے، چھٹی بات حکم نکاح تو حلیۃ متعہ نیز حرمت مصاہرۃ کا ثبوت ہے، ساتویں بات صفت نکاح اور اس کا درجہ ہے پس نکاح یا تو فرض ہے یا سنت جیسا کہ مصنف نے خود بیان فرمایا کہ اگر مزاج معتدل ہو اور شہوت کا غلبہ نہ ہو تو نکاح سنت مؤکدہ ہے، حتیٰ کہ اشتغال بالنکاح تخلیہ برائے عبادت نفلی سے افضل ہے، البتہ امام شافعی کے نزدیک حالت اعتدال میں نفلی عبادت کے ساتھ اشتغال بالنکاح سے افضل ہے دلیل یہ ہے کہ نکاح از قبیل معاملات ہے حتیٰ کہ امر نکاح کا فرکی جانب سے بھی صحیح ہوتا ہے، اور عبادت معاملات سے افضل اور اولیٰ ہے، کیوں کہ عبادت کی مشروعیت اللہ تعالیٰ کے لیے ہوئی ہے، جب کہ معاملات کی مشروعیت برائے عبادہ ہے پس اشتغال نفلی عبادت کیساتھ اشتغال بالنکاح سے اولیٰ اور افضل ہوگا۔

ہماری دلیل بنی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مَنْ كَانَ عَلَى دِينِي وَدِينِ دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ وَابْرَاهِيمَ فَلْيَزُوجْ فَإِنَّ لِمَنْ يَجِدُ إِلَيْهِ سَبِيلًا فَلْيَجَاهِدْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ "یعنی کہ وہ شخص جو میرے اور داؤد اور سلیمان اور ابراہیم علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے دین پر ہے اسے

نکاح کرنا چاہئے اور امر نکاح پر قدرت نہ ہو تو اللہ کے راستے میں جہاد کرنا چاہئے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کو دین سے قرار دیا اور اسے جہاد پر مقدم کیا اور اشتغال بالنکاح کو اپنے لیے اختیار کیا لہذا اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اشتغال بالنکاح بمقابلہ نقلی عبادت کے ساتھ اشتغال سے افضل ہے۔

نیز کچھ لوگوں نے عبادت کے لیے خلوت نشینی کا ارادہ کیا اور عورتوں کو طلاق دینا طے کر لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا: "مَنْ تَزَوَّجُوا تَوَالَّدُوا تَكَثَّرُوا فَإِنِّي أَبَاهِي بِكُمْ الْاَمَمِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ" کہ نکاح کرو اور خوب بچے ہونے کو ترجیح دو کیوں کہ میں تمہاری کثرت سے دوسری امتوں کے مقابلہ میں فخر کروں گا، پس یہ صیغہ امر ہے جس سے نکاح کی اہمیت اور تاکید کا پتہ چلتا ہے کیوں کہ صیغہ امر وجوب کے لیے ہوتا ہے، بشرطیکہ کسی معنی خاص کے مراد ہونے پر کوئی قرینہ نہ ہو، ہاں داؤد ظاہری اور ان کے قبیعین حالت اعتدال میں بھی اس آدمی پر جو مجامعت اور انفاق پر قادر ہو نکاح کو فرض عین مانتے ہیں، ہمارے بعض مشائخ حالت اعتدال میں فرض کفایہ دوسرے بعض واجب علی الکفایہ اور بعض استحباب کے قائل ہیں اصح یہ ہے کہ سنت مؤکدہ ہے۔

نکاح کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ غلبہ شہوت کے وقت نکاح فرض ہے تاکہ زنا سے حفاظت ہو سکے کیوں کہ ترک زنا فرض ہے پس اس کا جو وسیلہ ہے وہ بھی فرض ہوگا۔

نکاح کا تیسرا درجہ بھی ہے وہ ہے مکروہ ہونا ایسا آدمی جس کے بارے میں اندیشہ ہو کہ وہ زیادتی کریگا اور حقوق و فرائض میں کوتاہی کرے گا، تو اس کے لیے نکاح مکروہ ہے، پس نکاح کے تین درجہ ہوئے سنت مؤکدہ واجب، اور مکروہ۔

فائدہ: نکاح میں مستحب یہ ہے کہ مسجد میں کیا جائے کیوں کہ نکاح عبادت ہے اور نکاح کا اعلان ہو نیز جمعہ کے دن ہو عن عائشہ رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعلنوا النکاح واجعلواہ فی المساجد واضربوا علیہ بالدف (الترمذی)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرماتی ہیں کہ نکاح کا اعلان کرو اور نکاح مسجدوں میں کیا کرو اور نکاح کے موقع پر دف بجایا کرو۔

وینعقد بايجاب وقبول وضعاً للمضى او احدهما: نکاح کا انعقاد دیگر عقود کی طرح ایجاب و قبول سے ہی ہوتا ہے، ایجاب باعتبار لغت اثبات کے معنی میں ہے، اور عرف میں ایجاب اس صیغہ کو کہتے ہیں جو اس عقد شرعی کے افادہ کی صلاحیت رکھتا ہو بشرطیکہ وہ صیغہ عقد میں بطور پہل کے ہو۔

ایجاب کو ایجاب اس لیے کہتے ہیں کہ وہ ایجاب کے ساتھ قبول کے اتصال کے وقت عقد کے وجوب کو واجب کرتا ہے، یا دوسرے فریق کے لیے خیار قبول کو ثابت کرتا ہے، نکاح کی یہ تعریف علل اربعہ پر مشتمل ہے

پس ایجاب وقبول علت مادی ہے اور ایجاب وقبول کرنے والے علت فاعلی ہے اور وہ عقد جو ایجاب وقبول سے حاصل ہوتا ہے وہ علت صوری ہے اور استمتاع کی ملکیت اور اس کی حلت علت غائی ہے۔

اب سمجھنا چاہئے کہ نکاح کا انعقاد ایجاب وقبول سے کب ہونا چاہئے، پس معلوم ہو کہ نکاح کا انعقاد ایجاب وقبول سے تب ہوگا جب وہ دونوں صیغہ ماضی کے ساتھ ہوں جیسے زوجہ اور تزوجہ یا ایجاب وقبول سے کوئی ایک مستقبل امر اور دوسرا ماضی کے ساتھ ہو جیسے زوجہ کوئی ایک کہے اور دوسرا اس کے جواب میں زَوْجَتُک کہے۔

ایجاب وقبول دونوں یا کسی ایک کے لیے صیغہ ماضی کے ساتھ ہونا ضروری ہے کہ نکاح بھی بیع کی طرح انشاء تصرف شرعی ہے، اور انشاء کہتے ہیں ایسی چیز کا ثابت کرنا جو ثابت نہ ہو اور انشاء تصرف کے لیے باعتبار وضع کوئی مخصوص لفظ نہ تھا پس ضرورتاً اس معنی کی تعبیر اور ادائیگی کے لیے ایسے لفظ کا استعمال کیا گیا جو ثبوت پر دلالت کرتا ہو اور ایسا لفظ ماضی ہے اور یہ اس لیے کہ انشاء کا عرفان شرع سے ہوتا ہے لغت سے نہیں پس ایسا لفظ جو ثبوت پر دلالت کرتا ہو وہ اپنے غیر کے مقابلہ میں انشاء تصرف کی تعبیر کے لیے اولیٰ اور رائج ہے، کیوں کہ ایجاب وقبول کا مقصد ثبوت ہوتا ہے وعدہ نہیں۔

معنی مذکور جس طرح ایجاب وقبول کے ماضی ہونے کی صورت میں پائے جاتے ہیں اسی طرح کسی ایک کے ماضی اور دوسرے کے مستقبل ہونے کی حالت میں بھی موجود ہوتے ہیں، جیسے زَوْجَتُک کے جواب میں زَوْجَتُک کیوں کہ زَوْجَتُک تو کیل اور انابت ہے اور زَوْجَتُک اس کے امر کا امتثال ہے پس اس سے نکاح منعقد ہو جائے گا کیوں کہ شخص واحد نکاح کے دونوں طرفوں کے ذمہ دار ہو سکتا ہے۔

فائدہ: ایجاب کے بعد تبدیلی مجلس سے پہلے بالاتفاق قبول ضروری ہے البتہ علی الفور قبول احناف کے نزدیک شرط نہیں ہے جب کہ امام شافعیؒ کے نزدیک شرط ہے۔

انعقاد سے مراد ایجاب وقبول میں سے ہر ایک کا دوسرے کے ساتھ اس طرح مرتبط ہونا ہے کہ اس کو عقد شرعی کہا جاسکے اور اس پر شرعی احکام مرتب ہو سکیں۔

وإنما یصح بلفظ النکاح والتزویج: عقد نکاح لفظ نکاح کے ذریعہ کرنے سے صحیح ہو جاتا ہے، جیسے مرد یوں کہے نکحتک پس عورت اس کے جواب میں کہے قبلت نیز یہ عقد لفظ تزویج کے ذریعہ کرنے سے بھی صحیح ہو جاتا ہے، جیسے عورت یوں کہے تزوجنی پس مرد اس کے جواب میں یوں کہے تزوجتک حاصل یہ کہ نکاح ہر اس لفظ سے ہو جاتا ہے جو نکاح کے لیے صراحۃً وضع اور متعین کیا گیا ہو جیسے مذکورہ بالا الفاظ یا وہ لفظ بالفعل عین شی کی تملیک کے لیے موضوع ہو جیسے لفظ بیع، شراء، ہبہ، تملیک، صدقہ، عطیہ، قرض وغیرہ۔

تملیک سے کامل و مکمل تملیک مراد ہے پس لفظ شرکت سے نکاح صحیح نہ ہوگا کیوں کہ شرکت میں پوری تملیک نہیں ہوتی، عین کی قید سے اجارہ اور اعارہ خارج ہو گیا کیوں کہ یہ تملیک عین متعہ کے لیے وضع نہیں کیے گئے، بلکہ تملیک منفعت کے لیے موضوع ہیں فی الحال کی قید سے وصیت نکل گئی، کیوں کہ وصیت میں تملیک فی الحال نہ ہو کر موت کے بعد ہوتی ہے۔

امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک نکاح اور تزویج کے علاوہ اور کسی لفظ سے نکاح صحیح نہیں ہے کیوں کہ لفظ تملیک اور ہبہ وغیرہ نکاح کے لیے نہ حقیقہ موضوع ہیں نہ مجازاً۔
کیوں کہ تزویج تلفیق کے لیے ہے اور نکاح ضم کے لیے چنانچہ نکاح میں متناکحین کی مصلحتوں کا لحاظ رکھا جاتا ہے جب کہ مالک اور مملوک کے درمیان کسی قسم کا کوئی ضم نہیں ہوتا چنانچہ تملیک میں فقط مالک کی مصلحتوں کا لحاظ ہوتا ہے۔

دوسرے اس لیے بھی کہ نکاح میں اشہاد شرط ہے اور کنایہ میں نیت کی ضرورت ہوتی ہے اور گواہوں کی بیعتوں پر کوئی ذریعہ اطلاع نہیں ہے۔

تیسرے اس لیے بھی کہ تملیک مفسد للنکاح ہے چنانچہ اگر کوئی بیوی کا مالک ہو جائے تو بیوی کے اس کی ملکیت میں آتے ہی طلاق واقع ہو جاتی ہے، اسی طرح ہبہ بھی الفاظ طلاق سے ہے چنانچہ وَهَبْتُكَ لَاهْلِكَ کہنے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے، پس یہ الفاظ اپنی ضد یعنی نکاح کا موجب نہیں ہو سکتے۔

اور ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی ہے وَامْرَاةٌ مُؤْمِنَةٌ اِنْ وَهَبْتَ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ نیز آپ..... کا یہ ارشاد گرامی مَلَكَتُكُمَا بِمَا مَعَكُمْ مِنَ الْقُرْآنِ ارشاد ربانی اور فرمان نبوی دونوں نکاح کے تناظر میں وارد ہوئے ہیں پس معلوم ہوا کہ نکاح اور تزویج کے علاوہ دیگر الفاظ جو فی الحال تملیک عین پر دلالت کرتے ہوں جیسے تملیک اور ہبہ وغیرہ ان سے نکاح درست ہے، جیسے کہ یہاں پر کہ آیت میں وَهَبْتُكَ لَاهْلِكَ اور حدیث میں مَلَكَتُكُمَا کا لفظ نکاح کے معنی پر دلالت کرتے ہیں۔

بعض حضرات کہتے ہیں نکاح کا انعقاد لفظ ہبہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد خالصہ لک دلالت کر رہا ہے، لہذا عام لوگوں کے لیے انعقاد نکاح لفظ ہبہ سے درست نہ ہوگا، ہمارا جواب یہ ہے کہ یہ اختصاص اور خلوص مہر کے ساقط ہونے سے تعلق رکھتا ہے، دلیل اس کی یہ ہے کہ خَالِصَةً لَّكَ اللہ تعالیٰ کے ارشاد وَاِنَّا اُخْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الْاَلَامِي اَتَيْتْ اُجُورَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ بِمِثْلِكَ بِمَا آفَاءَ اللّٰهِ عَلَيْكَ الخ کے مقابلہ میں ہے نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لِكَيْلَا يَكُونَ عَلَيْكَ

حرج اور حرج لزوم مہر سے ہے لفظ تزویج سے نہیں ہے بلکہ مہر کی نفی سے اس منت کا حصول ہوتا ہے جس کے لیے یہ کلام لایا گیا ہے نیز تملیک ملک رقبہ کے واسطے سے ملک متعہ کا سبب ہے اور سبب بھی مجاز کا ایک طریقہ ہے پس لفظ تملیک کا معنی نکاح میں استعمال ثابت ہو گیا۔

اب رہی بات یہ کہ تملیک مفسد نکاح ہے اور ہبہ الفاظ طلاق سے ہے تو تزویجی کا لفظ بھی الفاظ طلاق سے ہے کیوں کہ اس سے بھی فرقت بوقت نیت طلاق واقع ہو جاتی ہے حالاں کہ تزویج سے نکاح باتفاق منعقد ہو جاتا ہے، پس اسی طرح لفظ ہبہ سے بھی نکاح منعقد ہو جائے گا گو وہ الفاظ طلاق سے کیوں نہ ہو معلوم ہوا کہ الفاظ طلاق سے ہونا انعقاد نکاح کی راہ میں رکاوٹ نہیں ہے۔

اور تملیک کا مفسد للنکاح ہونا بایں حیثیت نہیں ہے کہ حصول ملک باندی کو شوہر پر حرام کر دیتی ہے بلکہ بایں سبب ہے کہ شوہر کے مالک ہونے سے بیوی کی مالکیت کو ختم کر دیا کیوں کہ بیوی کو نکاح کے سبب شوہر پر کچھ اختیارات حاصل تھے مثلاً باری کی فرمائش، مہر طے کرنا، رہائش اور عزل کی ممانعت وغیرہ اور تملیک سے یہ حقوق ختم ہو گئے پس بیوی مملوکہ محضہ ہو کر رہ گئی۔

اب جہاں تک معاملہ لا اطلاع للشہود علی النیات کا ہے تو نیت مہر کے تذکرہ کے ساتھ شرط نہیں ہے، امام سرخسی تو فرماتے ہیں عدم التباس کی وجہ سے مطلقاً نیت شرط نہیں ہے۔

عند حرمین النخ: عند کے بارے میں دو احتمال ہیں ایک احتمال یہ ہے کہ یہ منعقد کے متعلق ہو اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ صحیح کے متعلق ہو اور دونوں صورتوں میں مطلب درست ہے پہلی صورت میں انعقاد نکاح اور دوسری صورت میں صحت نکاح کے لیے نکاح کا گواہوں کی موجودگی میں ہونا ضروری ہے یعنی ایجاب و قبول کو گواہوں کو سنایا جائے اور وہ اس کو سنیں تب نکاح درست ہوگا ورنہ نہیں۔

اس سلسلے میں ابن ابی لیلیٰ اور عثمان الثقی نیز امام مالک کا اختلاف ہے، دونوں اول الذکر بزرگ اس بات کے قائل ہیں کہ بغیر شہود نکاح درست ہے، امام مالک کے نزدیک بھی بغیر شہود نکاح درست ہے بشرطیکہ نکاح کا اعلان کر دیا جائے، امام مالک کا استدلال اس حدیث سے ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا اعلنوا النکاح ولو بالدف کہ نکاح کا اعلان کرو خواہ دف سے ہو اسی حدیث کی وجہ سے امام مالک کہتے ہیں کہ اگر کسی نے گواہوں کی موجودگی میں کتمان عقد کی شرط کے ساتھ نکاح کیا تو وہ نکاح نہ ہوگا اس لیے کہ حدیث ہے انہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن نکاح السر کہ آپ نے پوشیدگی کے ساتھ نکاح کرنے سے منع فرمایا ہے حاصل یہ کہ امام مالک کے نزدیک اعلان انعقاد نکاح کے لیے ضروری ہے شہود کی موجودگی شرط نہیں ہے۔

ہماری دلیل یہ حدیث ہے لا نکاح إلا بشہود رواہ دار قطنی کہ گواہوں کے بغیر کوئی نکاح نہیں ہے نیز ابی عمر بن الخطاب بنکاح لم یشهد علیہ الا رجل وامرأة فقال هذا نکاح السر فلا اجیزہ یعنی حضرت عمرؓ کے پاس ایسے نکاح کا تذکرہ آیا کہ جس پر بجز ایک مرد اور ایک عورت کے اور کوئی گواہ نہیں تھا تو آپ نے فرمایا یہ نکاح سر ہے لہذا میں اس کو درست نہیں مانتا، کیوں کہ اس میں نصاب گواہی کا مکمل نہیں تھا پس گویا بغیر شہود کے نکاح ہوا، معلوم ہوا کہ بغیر شہود نکاح درست نہیں ہے۔

رہی بات اس روایت کی کہ جس پر امام مالکؒ کے نقطہ نظر کی بنیاد ہے تو وہ ہمارے خلاف نہیں ہے اس لیے دو گواہوں کی موجودگی میں انعقاد نکاح سے اعلان نکاح ہو جاتا ہے اور وہ نکاح السر یعنی مخفی طور پر نکاح کی ممانعت کے زمرہ میں نہیں ہوتا، نیز وہ روایت شہود کے شرط ہونے کی نفی نہیں کرتی۔

پھر ضروری ہے کہ وہ دونوں گواہ مرد آزاد ہوں، عاقل اور بالغ ہوں، غلام خواہ مدبر ہو یا مکاتب یا عبد محض کی گواہی نیز مجنون اور بچے کی گواہی معتبر نہیں ہے پس ان کی موجودگی میں ہونے والے نکاح کا کوئی اعتبار نہیں، کیوں کہ شہادت بلا ولایت نہیں ہوتی، اس لیے کہ شہادت تو ایک آدمی کے قول کے دوسرے شخص پر نفوذ کا نام ہے خواہ وہ راضی ہو یا نہ ہو اور عبد و صبی، مجنون کا معاملہ یہ ہے کہ یہ اہل ولایت میں سے نہیں ہیں۔

نیز مسلمانوں کے نکاحوں میں شہود کا مسلمان ہونا بھی ضروری ہے، اس لیے کہ کافر کو مسلمان پر گواہی کا کوئی حق نہیں کیوں کہ کافر کو مسلمان پر حق ولایت نہیں ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ولن يجعل اللہ للکافرین علی المؤمنین سبیلاً۔

البتہ گواہوں کا مرد ہونا ضروری نہیں ہے پس ایک آزاد مرد اور دو آزاد عورتوں کی موجودگی میں نکاح ہو سکتا ہے، لیکن امام شافعیؒ نکاح میں گواہوں کے مرد ہونے کو شرط مانتے ہیں، کیوں کہ ان کے نزدیک مال اور اس کے توابع کے علاوہ میں عورت کی گواہی غیر مقبول ہے۔

نیز نکاح میں شہود کا عادل ہونا ضروری نہیں لہذا فاسق گواہوں کی موجودگی میں بھی نکاح ہو سکتا ہے، البتہ امام شافعیؒ اگر نکاح میں بھی شہود کے لیے عدالت کو شرط مانتے ہیں پس ان کے نزدیک فاسق گواہوں کی موجودگی میں نکاح درست نہ ہوگا کیوں کہ شہادت باب کرامت سے ہے اور فاسق اہل اہانت میں سے ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ وہ اہل ولایت میں سے ہے پس جس کو حق ولایت حاصل ہو تو وہ شہادت کا اہل ہوتا ہے لہذا فاسق اور محدوفی القذف وغیرہ باب نکاح میں گواہ ہو سکتے ہیں کیوں کہ یہ اپنی ذاتی ولایت سے قبول نکاح کے مالک ہیں لہذا ان کے روبرو دوسرے کے نکاح کا انعقاد بھی درست ہے۔

نیز گواہوں کا بیٹا ہونا ضروری نہیں البتہ سننے والا ہونا ضروری ہے پس اگر بہروں کی موجودگی میں نکاح ہوا

تو وہ قول مختار کے مطابق درست نہ ہوگا، ہاں امام شافعی کے نزدیک شہود نکاح کے لیے بیٹا ہونا بھی ضروری ہے۔
 او ایسی العاقلین: نکاح کرنے والے مرد اور عورت کے بیٹوں کی موجودگی میں نکاح ہو سکتا ہے یعنی ان کی شہادت اپنے والدین کے عقد ثانی کے حق میں درست سمجھی جائے گی اس کی تین شکلیں ہیں ایک یہ کہ دونوں گواہ شوہر کے بیٹے ہوں منکوحہ کے بطن سے دوسرے یہ کہ دونوں گواہ شوہر کے بیٹے اس منکوحہ کے علاوہ کسی دوسری زوجہ کے بطن سے ہوں تیسرے یہ کہ دونوں گواہ عورت کے بیٹے اس ہونے والے شوہر کے علاوہ سابق شوہر کے نطفہ سے ہوں۔

فائدہ: شکل اول میں بیٹوں کی شہادت کی گنجائش اور اس کا موقع ماں کے ان کے باپ کے ساتھ عقد ثانی کی ضرورت کے موقع سے ہوگی۔

وصحٰ زوج مسلم ذمۃ الخ: ذمہ یعنی کتابیہ خواہ وہ یہودی ہو یا نصرانیہ سے مسلمان مرد کا نکاح دو ذمی یعنی کتابی گواہوں کی موجودگی میں درست ہے خواہ ان دونوں گواہوں کا مذہب ایک ہو یا الگ الگ البتہ امام محمدؒ اور زقرؒ کے نزدیک نکاح مذکور درست نہ ہوگا، اس لیے کہ ایجاب و قبول کا سننا ہی شہادت ہے اور مسلمان کے حق میں کافر کی شہادت نہیں ہے، پس یہ ایسا ہو گیا جیسے گویا انہوں نے مسلمان کا کلام سنا ہی نہیں بلکہ صرف عورت کا کلام سنا جب کہ شہادت کے لیے مرد اور عورت دونوں کا کلام سننا ضروری ہے۔
 امام صاحب اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ نکاح میں شہادت کا شرط ہونا وجوب مہر کے اعتبار سے نہیں ہے بلکہ اثبات ملک متعہ کے اعتبار سے ہے ملک متعہ کی تعظیم کے اظہار کے لیے اس کے شرف کی وجہ سے اور اس پر وہ دونوں شاہد ہیں کیوں کہ اس پر ان کو ولایت حاصل ہے یہی وجہ ہے کہ اگر یہ خود اس عقد کو کرتے تو عقد نافذ ہوتا، لہذا ان کی شہادت کا اعتبار کیا جائے گا۔

ومن امر رجلا ان یزوج صغیرتہ الخ: ایک شخص نے کسی دوسرے آدمی سے کہا کہ تو میری چھوٹی بچی کا کسی سے نکاح کر دے وکیل نے ایک مرد یا دو عورتوں کی موجودگی میں اس بچی کا نکاح کر دیا در انحالیکہ مجلس میں اس کا باپ موجود تھا تو نکاح درست ہو گیا کیوں کہ اس صورت میں اتحاد مجلس کی وجہ سے باپ خود عقد کرنے والا ہو گیا اور وکیل بچولیا کی حیثیت سے رہ گیا پس وکیل اس مرد موجود کے ساتھ یا ان دونوں عورتوں کے ساتھ گواہ ہو جائے گا اور اگر باپ مجلس نکاح میں موجود نہ ہو تو نکاح صحیح نہ ہوگا۔ کیوں کہ اس صورت میں عائد وکیل ہوگا کیوں کہ اختلاف مجلس کی وجہ سے باپ خود عائد ہونے سے رہا پس نصاب شہادت کا پورا نہ ہو سکے گا اس لیے کہ فقط ایک آدمی یا دو عورتوں شاہد ہیں اور یہ شہادت کا ایک حصہ ہوا۔
 مصنف کی عبارت ومن امر رجلا اتفاقی ہے اس لیے کہ اگر وہ کسی عورت کو وکیل بناتا اور وہ عقد

مذکور ایک مرد اور ایک عورت کی موجودگی میں کرتی اور باپ بوقت نکاح مجلس عقد میں موجود ہوتا تو بھی مثل سابق کی طرح نکاح درست ہوگا۔

نیز مصنف کا قول عند رجل بھی اتفاقی واقع ہے اس لیے کہ اگر وکیل بنت صغیرہ کا عقد دو عورتوں کی موجودگی میں کرتا اور باپ بھی حاضر ہوتا تو بھی عقد صحیح ہوتا۔

فصل فی المحرمات

حَرَّمَ تَزْوُجَ أُمِّهِ وَبَنَتِهِ وَإِنْ بَعْدَتْهَا وَأُخْتِهِ وَبَنَتُهَا وَبَنْتُ أَخِيهِ وَعَمَّتِهِ وَخَالَتِهِ وَأُمِّ امْرَأَتِهِ وَبَنَتِهَا إِنْ دَخَلَ بِهَا وَامْرَأَةَ ابْنِهِ وَإِنْ بَعْدَتْهَا وَالْكُلَّ رِضَاعًا وَالْجَمْعُ بَيْنَ الْأَخْتَيْنِ نِكَاحًا وَوَطْئًا بِمِلْكٍ يَمِينٍ فَلَوْ تَزَوَّجَ اخْتِ امْتِهِ الْمُوْطُونَةَ لَمْ يَطَأْ وَاحِدَةً مِنْهُمَا حَتَّى يَبِيعَهَا وَلَوْ تَزَوَّجَ أُخْتَيْنِ فِي عَقْدَيْنِ وَلَمْ يُذَرِ الْأَوَّلُ فُرِقَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُمَا وَلَهُمَا نِصْفُ الْمَهْرِ وَبَيْنَ امْرَأَتَيْنِ آيَةٌ فَرَضْتُ ذَكَرًا حَرَّمَ النِّكَاحَ وَالزَّوْجَا وَاللَّمْسَ وَالنَّظْرَ بِشَهْوَةٍ يُوجِبُ حُرْمَةَ الْمُصَاهَرَةِ.

ترجمہ: یہ ان عورتوں کے بیان میں ہے جن سے نکاح حرام ہے، نکاح حرام ہے اپنی ماں اور اپنی بیٹی سے گود دور کی ہو اور اپنی بہن سے اور اپنی لڑکی اور اپنی بھتیجی اور پھوپھی اور خالہ اور اپنی ساس سے اور اپنی بیوی کی بیٹی سے اگر اس عورت کے ساتھ دخول کر لیا ہو اور اپنے باپ کی بیوی (یعنی سوتیلی ماں سے) اور اپنی بہو سے گود دور کی ہو، اور یہ سب حرام ہیں دودھ کے ناتے سے نیز اور (حرام ہے) دو بہنوں کا جمع کرنا نکاح میں یا وطی میں خریدنے کی جہت سے، پس اگر اس نے اپنی موطوءہ باندی کی بہن سے نکاح کر لیا تو اب ان دونوں میں سے کسی سے بھی وطی نہیں کرے گا یہاں تک کہ موطوءہ کو فروخت کر دے اور اگر دو بہنوں سے دو عقدوں میں نکاح کیا اور اول عقد معلوم نہ ہو تو تفریق کی جائے گی اس مرد اور ان دونوں بہنوں کے درمیان اور ان دونوں کے لیے نصف مہر ہوگا اور ایسی دو عورتوں کو جمع کرنا صحیح نہیں ہے کہ جس ایک کو مرد فرض کیا جائے تو نکاح حرام ہو، اور زنا کرنا اور چھوٹا شہوت کے ساتھ اور دیکھنا دامادی حرمت کو ثابت کرتا ہے۔

تشریح: نکاح کی مشروعیت بیان کرنے کے بعد ان عورتوں کا بیان شروع فرما رہے ہیں جن سے نکاح درست نہیں ہے سو محرمات کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جن کی حرمت دائمی ہے دوسرے وہ جن کی حرمت موقت ہے، محرمات مؤبدہ بائیس ہیں ان میں سات کی حرمت نسب کے سبب سے ہے جن کا ذکر حرمت علیکم امہاتکم میں صراحتاً ہے، ماں، بیٹی، پھوپھی، خالہ، بھتیجی، بھانجی اور چار کی حرمت مصاہرت یعنی

دامادی کے رشتہ کے سبب سے ہے ساس، ربیبہ، سوتیلی ماں اور بہو۔ یہ ٹوٹل گیارہ عورتیں ہونیں، یہی گیارہ قسم کی عورتیں رضاعت کے سبب سے بھی حرام ہیں پس مجموعہ بائیس ہو گیا۔

محرمات موقتہ سات ہیں دو بہنوں کے ساتھ بیک وقت نکاح کرنا، چار عورتوں کے ہوتے ہوئے پانچویں عورت سے نکاح کرنا، آزاد کے نکاح میں ہوتے ہوئے باندی سے نکاح کرنا، جس عورت سے وطی بالشبہ ہوئی ہو اس کی عدت پوری ہوئے بغیر چوتھی سے شادی کرنا، اسی طرح موطوء بالشبہ کی بہن سے موطوء کی عدت پوری ہوئے بغیر شادی کرنا، لہذا مکاتبہ، امرأۃ مشرکہ سے نکاح کرنا پس یہ انتیس عورتیں ہیں جو حرام ہیں جن کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

حرم تزوج امہ الخ: اپنی ماں اور بیٹی سے نکاح کرنا حرام ہے، گودہ دور کی ہو جیسے دادی، نانی، پر نانی، پوتی، پڑپوتی، نواسی، پڑنو اسکی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد حرمت علیکم امہاتکم وبناتکم میں لفظ ام اور لفظ بنت ہے اور لغت میں ام اصل کو اور بنت فرع کو کہتے ہیں پس یہ سب محرمات ابدیہ میں داخل ہیں، خواہ بطریق عموم مجاز ہو یا بطریق تشکیک یا اس بناء پر کہ ان کی حرمت پر اجماع ہے۔

اگر کسی نے کسی خاتون سے زنا کیا اور اس زنا کی وجہ سے لڑکی تولد ہوئی تو یہ بچی زانی کے حق میں بحکم لڑکی ہونے کے حرام ہے اسی طرح وہ بچی جس کے نسب کا باپ نے انکار کیا اور اس پر قاضی نے لعان کرایا تو گولعان کے بعد قاضی بنت ملاعنہ کے نسب کی باپ سے نفی کر دیتا ہے اور اس کی نسبت ماں کی طرف کر دیتا ہے پھر بھی باپ کے لیے اس سے نکاح کی اجازت نہیں ہے، کیوں کہ اس کا امکان ہے کہ اب ملاعن اپنی تکذیب کر کے بچی کے نسب کا دعویدار ہو جائے۔

اپنی بہن، بھانجی، بیٹی، پھوپھی، خالہ اور ساس سے نیز ربیبہ یعنی بیوی کی لڑکی سے دوسرے شوہر سے ہو سے نکاح حرام ہے، بشرطیکہ اس کی ماں سے وطی کر چکا ہو، نیز سوتیلی ماں اور بہو سے بھی نکاح حرام ہے گو باپ اور بیٹا دور کا ہو ان کی عورتوں سے نکاح درست نہیں، یعنی سوتیلی دادی آگے تک پوتے کی بیوی نیچے تک ان عورتوں کی حرمت میں اصل حرمت علیکم امہاتکم وبناتکم الخ ہی ہے۔

پھوپھی اور خالہ کی حرمت میں دادا اور دادی کی پھوپھی اور ان کی خالہ بھی داخل ہے البتہ مادری پھوپھی اور سوتیلی خالہ کی خالہ حلال ہے۔

والکل رضاعاً: جن رشتوں کی حرمت نسب اور مصاہرت کے سبب اوپر مذکور ہوئی وہ تمام رشتے رضاعت کے سبب بھی حرام ہیں کیوں کہ حضور..... کا ارشاد ہے یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب پس رضاعی ماں، بہن، دادی، نانی، بیٹی سب حرام ہیں۔

خلاصہ یہ کہ دایہ کی تمام رشتہ والی عورتیں شیرخوار پر حرام ہیں اور شیرخوار کی طرف سے زوجین اور فروع دایہ پر حرام ہیں۔

والجمع بین الاختین: بیک وقت دو بہنوں سے نکاح حرام ہے خواہ وہ دونوں نسبی ہوں یا رضاعی بہن، آزاد ہوں یا باندی اسی طرح اگر دو بہنیں نسبی یا رضاعی کسی شخص کی ملک میں ہوں تو دونوں سے وطی کی اجازت نہیں ہے، یعنی آدمی بہنوں کو اپنے ملک میں تو رکھ سکتا ہے لیکن دونوں سے ہم بستری نہیں کر سکتا۔
جمع بین الاختین کی حرمت پر حرمت علیکم امہاتکم الخ آیت دال ہے، اس میں ایک ٹکڑا ہے
وان لجمعوا بین الاختین الا ما قد سلف۔

فلو تزوج اخت امته الموطوءة الخ: اگر کسی نے ایسی باندی کی بہن سے جس سے اس نے ہم بستری کی تھی نکاح کر لیا تو نکاح تو صحیح ہو جائے گا لیکن ان دونوں میں سے کسی سے مجامعت نہیں کر سکتا تا وقتیکہ وہ ان دونوں میں سے کسی ایک کی حلت جماع کو اپنے اوپر حرام نہ کرے مثلاً یہ کہ باندی کو فروخت کر دے یا کسی دوسرے کے ساتھ موطوءہ کی شادی کر دے یا منکوحہ کو طلاق دے دے وجہ یہ ہے کہ منکوحہ حکماً موطوءہ ہوتی ہے تو اگر یہ کسی ایک سے جماع کرے گا تو دونوں بہنوں کو وطی میں جمع کرنا لازم آئے گا۔
امام مالکؒ کے نزدیک امۃ موطوءہ کی بہن سے نکاح ہی درست نہیں ہے کیوں کہ منکوحہ حکماً موطوءہ ہوتی ہے، اس لیے کہ نکاح نسب کے حق میں ملحق بالوطی ہے۔

معلوم رہے کہ یہاں نکاح سے مراد نکاح صحیح ہے نکاح فاسد نہیں پس حرمت نکاح فاسد سے نہ ہوگی بلکہ وطی کی وجہ سے ہوگی۔

مصنفؒ نے اس حکم کو تزویج کے ساتھ مقید کیا اس لیے اگر آقاؐ اپنی امت موطوءہ کی بہن کو خریدتا ہے تو آقاؐ کے لیے پہلی یعنی امت موطوءہ سے وطی درست ہے، امۃ کو مطلق لائے پس حکم مذکور ام ولد کو بھی شامل ہے، نیز موطوءہ کے ساتھ مقید کیا، اس لیے کہ اگر اپنی غیر موطوءہ باندی کی بہن سے نکاح کرتا ہے تو منکوحہ سے اس کے بچے سے پہلے وطی کر سکتا ہے اس لیے کہ مرقوقہ حکماً موطوءہ نہیں ہوتی، پس وہ دو بہنوں کو وطیاً جمع کرنے والا نہ ہوگا، حقیقۃً اور نہ حکماً، اس لیے کہ اگر وہ مملوکہ سے وطی عقد معقود علیہا سے قبل کر لیتا تو وہ دونوں کو وطیاً حکماً جمع کرنے والا ہو جاتا اس لیے کہ وطی اول کا حکم قائم ہے حتیٰ کہ مملوکہ کے بیچ کے ارادہ کے وقت اس کا استبراء مستحب ہے اور معقود علیہا کے حکماً موطوءہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ نسب کا ثبوت محض عقد سے ہو جاتا ہے۔

ولو تزوج اختین فی عقدین الخ: اگر کسی آدمی نے دو بہنوں سے دو عقدوں میں نکاح کیا درانحالیکہ اسے کچھ معلوم نہیں کہ پہلے نکاح کس سے کیا تھا اور نہ کسی کے ساتھ دخول کیا ہے تو قاضی اس آدمی اور

دو بہنوں کے درمیان تفریق کر دے گا اس لیے کہ بالیقین کسی ایک کا نکاح باطل ہے اور اولویت نہ ہونے کی وجہ سے کوئی وجہ تعین نہیں ہے۔

مصنفؒ نے آئین کو مقید نہیں کیا اس لیے کہ حکم مذکور ان تمام محارم کا بھی ہے جن کا جمع کرنا فحش واحد کے نکاح میں درست نہیں ہے، یہی حکم مسئلہ سابقہ مذکورہ کا بھی تھا۔

مصنفؒ نے اس حکم کو فی عقدین کے ساتھ مقید کیا اس لیے کہ اگر دونوں بہنوں سے نکاح بیک وقت عقد واحد میں ہوا تو دونوں باطل ہوں گے اور وجوب مہر محض نکاح سے نہیں بلکہ وطی سے ہوگا۔ دوسرے یہ کہ یہ حکم اس قید کے ساتھ بھی مقید ہے کہ دونوں بہنوں میں سے کوئی ایک غیر کے ساتھ نکاح یا غیر کی عدت کے ساتھ مشغول نہ ہو پس اگر کوئی ایک نکاح غیر کے ساتھ مشغول ہو تو فارغہ کا نکاح درست ہو جائے گا۔

ایک بات اور ہے کہ شوہر اور دونوں بہنوں کی تفریق دخول سے پہلے ہو کیوں کہ اگر تفریق دخول کے بعد عمل میں آتی ہے تو کامل مہر دونوں کے لیے واجب ہوگا۔

ولہما نصف المہر: مسئلہ مذکورہ بالا میں تفریق کے بعد دونوں کو نصف نصف مہر ملے گا بشرطیکہ مقدار اور جنس میں دونوں کا مہر مسمیٰ مساوی ہو اور فرقت دخول سے پہلے ہو اور ہر ایک نے اپنے ساتھ دوسرے کے مقابلے میں پہلے عقد ہونے کا دعویٰ پیش کیا ہو اور ثبوت کسی کے پاس نہ ہو۔

وبین امراتین امة فرضت النخ: ایسی دو عورتوں کا نکاح میں جمع کرنا یعنی دونوں سے بیک وقت نکاح کرنا کہ اگر ان میں سے کسی ایک کو مرد مان لیا جائے تو دائمی طور پر ان کا باہم نکاح درست نہ ہو حرام ہے، بشرطیکہ یہ عدم صحت جانہین میں سے ہر کسی کے مرد فرض کرنے پر لازم آتا ہو، پس ایسی دو عورتوں کا ایک نکاح میں جمع کرنا درست ہوگا، جہاں دونوں جانبوں میں سے ہر کسی کے مرد ماننے پر فساد نکاح نہ ہوتا ہو بلکہ ایک جانب سے مرد فرض کرنے پر نکاح صحیح ہوتا ہو اور دوسری جانب سے مرد فرض کرنے پر نکاح صحیح ہوتا ہو جیسے کوئی عورت اس کے شوہر کی لڑکی (جو اس کے علاوہ بیوی یعنی سوکن کے بطن سے ہے) کو ایک نکاح میں جمع کرنا پس اگر شوہر کی لڑکی یعنی سوکن کو مرد مان لیا جاتا ہے تو ان کا باہم نکاح درست نہ ہوگا کیوں کہ ایسی صورت میں سوتیلی ماں سے عقد لازم آتا ہے، لیکن اگر سوتیلی ماں کو مرد فرض کیا جائے تو اس کا اپنے شوہر کی لڑکی سے بجائے کسی رشتہ کے ہونے کے وہ اس کے حق میں احبہ ہوگی اور احبہ سے عقد صحیح ہوتا پس صورت مذکور میں جانہین سے عدم صحت ایک کے مرد ماننے پر لازم نہیں آتا بلکہ فقط ایک جانب سے لازم آتا ہے، البتہ امام زفرؒ کے نزدیک پھر بھی نکاح میں ایسی عورتوں کا جمع کرنا درست نہیں اس لیے کہ جب من وجہ امتناع ثابت ہو گیا تو

احوط حرمت ہی ہے۔

یہی مذہب ابن ابی لیلیٰ اور الحسن المہری کا بھی ہے جمہور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَأَجَلْ لَكُمْ مَا وُودَ ذَالِكُمْ پس اس آیت سے حرمت معلوم ہوتی ہے، دوسرے اس لیے کہ باہم ایسی عورتوں کے درمیان کوئی قرابت نہیں ہے پس جمع کرنے میں قطعیت رحم اور صلہ رحمی کے منافی نہ ہوگا نیز مروی ہے کہ عبد اللہ بن جعفر نے حضرت علی کی صاحبزادی اور ان کی دوسری بیوی کو نکاح میں جمع کیا ہے اسی طرح عبد اللہ بن عباسؓ نے ایک لڑکی اور اس کی سوتیلی ماں کو نکاح میں جمع کیا ہے پس معلوم ہوا کہ اگر حرمت جائنہن سے نہ ہو تو ایسی عورتوں کا نکاح میں جمع کرنا درست ہے۔

اچھا ایسی دو عورتوں کا نکاح میں جمع کرنا (کہ ان کا باہمی عقد کسی ایک کے مرد فرض کرنے پر دائمی حرام نہ ہو بلکہ حرمت موقتہ ہو) درست ہے جیسے کسی نے باندی اور اس کی سیدہ سے نکاح کر لیا پس اگر باندی کو مرد فرض کیا جائے تو بلاشبہ نکاح درست نہ ہوگا کیوں کہ غلام کا اپنی مالکہ سے نکاح کرنا ہوگا اور اگر سیدہ کو مرد فرض کیا جاتا ہے تو بھی درست نہ ہوگا کیوں کہ آقا کا اپنی باندی سے باندی ہوتے ہوئے نکاح کرنا لازم آئے گا اور یہ بھی منع ہے، لیکن یہ حرمت موقتہ ہے دائمی نہیں ہے پس یہ حرمت زوال ملک کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے، مثلاً باندی کو آزاد کر دیا یا فروخت کر دیا پس ایسی دو عورتوں کا جمع کرنا نکاح میں درست ہے کہ جہاں جائنہن سے کسی کو مرد ماننے پر نکاح حرام تو ہو جاتا ہے لیکن دو اما نہیں بلکہ موقتاً۔

وَالزَّنا وَاللَّمْسَ وَالنَّظَرَ بِشَهْوَةِ الْخ: زنا کہتے ہیں مکلف کا مشہواتہ کے قبل میں وطی کرنا جو ملک اور شہہ ملک سے خالی ہو پس زنا اور شہوت کے ساتھ شرم گاہ کے اندرونی حصہ کو دیکھنا اور کسی عورت کو شہوت کے ساتھ چھونا حرمت مصاہرت کو ثابت کر دیتا ہے، لمس اور نظر حرمت مصاہرت کا باعث اس لیے ہیں کہ یہ دونوں عمل وطی کا سبب ہیں کہ جو ولد کا سبب ہے، اگر کسی عورت کا شہوت کے ساتھ مس کسی آر کے ساتھ ہو تو اگر اس کے بدن کی گرمی چھونے والے کے بدن تک پہنچ جاتی ہے تو اس سے حرمت ثابت ہوگی ورنہ نہیں، مس شعر میں دو روایتیں ہیں لیکن رائج یہی ہے کہ شعر جو بدن نہیں ہے پس اس کے چھونے سے حرمت مصاہرت کا ثبوت نہ ہوگا، لیکن صاحب بحر فرماتے ہیں بالوں کے شہوت کے ساتھ چھونے پر حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی، مراہق کا عمل اس باب میں بالغ کی طرح ہے۔

واضح رہے کہ لمس اور نظر شہوت کے ساتھ مطلقاً حرمت مصاہرت کو واجب کرتے ہیں خواہ یہ مرد کی جانب سے ہوں یا عورت کی جانب سے مرد کے عضو تناسل کا دیکھنا ہو، نیز یہ بات ملک میں ہوئی ہو یا غیر ملک میں پس شرط شہوت کی ہے پس اگر شہوت کے بغیر لمس اور نظر پائے جائیں تو حرمت ثابت نہ ہوگی، البتہ دونوں

میں تھوڑی سی تفصیل ہے وہ یہ ہے کہ اگر کسی مرد نے کسی خاتون کو شہوت کے ساتھ چھوا تو حرمت مصاہرت کا ثبوت ہو جائے گا چاہے عورت کو اس کے مس سے شہوت نہ ہوئی ہو جب کہ اگر مرد نے عورت کی فرج داخل کر شہوت کے ساتھ دیکھا پر عورت کو مرد کے اس طرح دیکھنے سے کوئی ہيجان اور اشتہا نہیں ہوئی تو حرم مصاہرت کا ثبوت نہ ہوگا، مس شہوت یہ ہے کہ چھونے سے عضو تناسل میں انتشار پیدا ہو جائے اور اگر پہلے سے منتشر تھا تو اب اس کا انتشار دو چند ہو جائے یہی بات صحیح ہے بہت سے مشائخ نے انتشار کو شرط نہیں قرار دیا ہے بلکہ حد شہوت یہ بتائی ہے کہ مرد کا دل عورت کی طرف راغب ہو جائے اور جماع کرنے کو دل چاہنے لگے یہ تب جب کہ مرد جوان ہو اور جماع پر قدرت ہو اور اگر بڑھا ہے یا عینین ہے تو حد شہوت یہ ہے کہ اگر دل متحرک نہ تھا تو اشتہا کی وجہ سے حرکت کرنے لگے اور متحرک تھا تو اسکی حرکت بڑھ جائے۔

حرمت مصاہرت سے چار طرح کی حرمتوں کا ثبوت ہوتا ہے (۱) موطوءہ، واطی کے آباء پر اوپر تک حرام ہو جاتی ہے (۲) موطوءہ واطی کے اولاد پر نیچے تک حرام ہو جاتی ہے (۳) موطوءہ کی مائیں اوپر تک واطی پر حرام ہو جاتی ہیں (۴) موطوءہ کی بچیاں نیچے تک واطی پر حرام ہو جاتی ہیں۔

اس مسئلہ میں امام شافعی کا اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ زنا اور مس اور نظر الی الفرج الداخل سے حرمت مصاہرت کا ثبوت نہیں ہوتا، اس لیے کہ نبی..... کا ارشاد ہے لا یحرم الحرام الحلال یعنی حرام چیز سے حلال میں حرمت نہیں آتی، دوسرے اس لیے کہ حرمت مصاہرت نعمت ہے اور نعمت کا حصول گناہ اور نافرمانی سے نہیں ہوتا ہمارا استدلال اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی سے ہے ولا تنکحوا ما نکح آبائکم یعنی جن سے تمہارے آباء نے نکاح کیا ہے ان سے تم نکاح مت کرو پس نکاح یہاں وطی کے معنی میں ہے اسی وجہ سے بیٹے پر باپ کی موطوءہ باندی حرام ہوتی ہے، پس جب نکاح وطی کے معنی میں ہے تو یہ وطی حلال اور وطی حرام یعنی زنا کو بھی شامل ہوگا۔

نبی..... کا ارشاد ہے من نظر الی فرج امرأة لم تحل لہ امہا ولا بنتہا کہ وہ شخص جس نے کسی عورت کی شرمگاہ کو دیکھا تو دیکھنے والے کے لیے اس عورت کی ماں اور لڑکی حلال نہیں ہیں نیز ارشاد ہے من مس امرأة بشهوة حرمت علیہ امہا و بنتہا یعنی وہ آدمی جس نے کسی عورت کو شہوت کے ساتھ چھوا تو چھونے والے پر عورت کی ماں اور لڑکی حرام ہو جاتی ہے۔

دلیل عقلی یہ ہے کہ وطی بواسطہ ولد جزیت کا سبب ہے اسی لیے بچہ والدین میں سے ہر ایک کی طرف سے منسوب ہوتا ہے، پس موطوءہ کے اصول و فروع وطی کرنے والے کے اصول و فروع کی طرح ہو گئے، رہا یہ کہنا کہ مصاہرت ایک نعمت ہے لہذا اس کا حصول فعل حرام سے نہ ہوگا سو جواب یہ ہے کہ وطی موجب حرمت

معاہرت ہے بایں حیثیت نہیں کہ وہ زنا ہے بلکہ بایں حیثیت ہے کہ وہ بچہ کا سبب ہے کہ بچہ میں کوئی قبح نہیں بلکہ وہ مکرم اور محترم ہے اور آیت ”ولقد کرّمنا بنی آدم“ کے تحت داخل ہے پس اس حیثیت سے سبب میں بھی قبح نہیں۔

وَحَرَمَ تَزْوُجَ اَخْتِ مَعْتَدَةٍ وَاُمِّهِ وَسَيِّدَتِهِ وَالْمَجُوسِيَّةِ وَالْوَثْنِيَّةِ وَحَلَّ تَزْوُجَ الْكِتَابِيَّةِ وَالصَّابِيَةِ وَالْمَحْرَمَةِ وَلَوْ مُحْرَمًا وَالْاِمَةَ وَلَوْ كِتَابِيَّةً وَالْحُرَّةَ عَلَى الْاِمَةِ لَا عَكْسَهُ وَلَوْ فِي عِدَّةِ الْحُرَّةِ وَارْبَعٌ مِنَ الْحَرَائِرِ وَالْاِمَاءِ فَقَطْ وَثْنَتَيْنِ لِلْعَبْدِ وَحُبْلَى مِنْ زِنَا لَا مِنْ غَيْرِهِ وَالْمَطْوَءَةُ بِمَلِكٍ أَوْ زَنًا وَالْمُضْمُومَةُ إِلَى مُحْرَمَةٍ وَالْمُسْمَى لَهَا وَبَطَلَ نِكَاحُ الْمُتَعَةِ وَالْمُؤَلَّتِ وَلَهُ وَطَى امْرَأَةً ادَّعَتْ عَلَيْهِ اَنَّهُ تَزَوَّجَهَا وَقُضِيَ بِنِكَاحِهَا بَيْنَهُ وَلَمْ يَكُنْ تَزَوَّجَهَا.

ترجمہ: اور حرام ہے اپنی معتدہ کی بہن سے نکاح کرنا اور اپنی باندی سے اور اپنی مالکہ سے اور مجوسہ عورت اور بت پرست عورت سے اور حلال ہے نکاح کرنا صابیہ، محرمہ سے گو مرد بھی محرم ہو اور باندی سے گو کتابیہ ہو اور آزاد عورت کے باندی (کے نکاح) پر نہ کہ اس کے الٹا چاہے آزاد عورت کی عدت میں ہو اور چار آزاد عورتوں سے یا باندیوں سے اور غلام کے لیے صرف دو سے (نکاح کرنا درست) ہے اور اس سے جو حاملہ ہو زناء سے نہ کہ اس کے علاوہ اور ایسی خاتون سے جس سے وطی کی گئی ہو ملک یا زنا کے ذریعہ اور ایسی خاتون کے ساتھ جو ملا دی گئی ہو محرمہ کے ساتھ اور مہر اسی کے لیے ہے، اور باطل ہے نکاح متعہ اور نکاح موقت اور اس مرد کے لیے وطی حلال ہے ایسی عورت سے جس نے دعویٰ کیا کہ اس نے مجھ سے نکاح کیا ہے اور بینہ سے نکاح کا فیصلہ کر دیا گیا حالاں کہ نکاح نہیں کیا تھا۔

تشریح: ایسی خاتون جس کو اس کے شوہر نے طلاق دیدی ہو اور وہ عدت میں ہو اب خواہ طلاق رجعی ہو یا طلاق بائن یا تطلقات ثلاث یا نکاح فاسد کی عدت ہو یا وطی بالشہیۃ یا ام ولد کے عتق کی عدت ہو تو ایسی خاتون کی بہن سے نکاح حرام ہے تاکہ جمع بین الاختین حکماً بھی لازم نہ آئے۔

ابن ابی سیلی، شافعیؒ اور مالکؒ فرماتے ہیں کہ معتدہ کی بہن سے نکاح درست ہے بشرطیکہ معتدہ کی عدت تین طلاقتوں کی ہو یا طلاق بائن کی کیوں کہ اس صورت میں نکاح بالکل ختم ہو چکا ہے، اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ اگر شوہر نے اس معتدہ سے حرمت کے علم کے باوجود صحبت کی تو اس پر حد جاری ہوگی۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ اصحاب پیغمبرؐ کا اس بات پر اجماع ہے کہ کسی عورت سے اس کی بہن کی عدت میں نکاح نہ کیا جائے۔

دوسرے اس لیے کہ نکاح من وجہ باقی ہے کیوں کہ نکاح کے احکام نان و نفقہ، سکنی اور گھر سے نکلنے کی ممانعت وغیرہ کا وجوب معتدہ کے حق میں ابھی ہے، رہا حد کا واجب ہونا سوال تو ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے کہ اس پر حد واجب ہے اور اگر تسلیم بھی کر لیں تو وجہ یہ ہے کہ عورت کی حلیت کے لحاظ سے تو مرد کی ملکیت ذائل ہو چکی اس لیے اس کے ساتھ صحبت کرنے سے زنا متحقق ہو گیا، لیکن امور مذکورہ کے لحاظ سے ملکیت باقی ہے اس لیے اس کی بہن کے ساتھ نکاح کرنے سے جامع بین الاختین ہوگا، خلاصہ یہ کہ من وجہ نکاح ختم ہو گیا اور من وجہ باقی ہے۔

صاحبین کے نزدیک ام ولد کی بہن سے اس کی عدت میں نکاح کر سکتے ہیں کیوں کہ حرمت نکاح میں جمع بین الاختین کی وجہ سے ہے اور وہ یہاں معدوم ہے۔ کہتے ہیں اسی وجہ سے ام ولد کے علاوہ چوتھی عورت سے نکاح درست ہے، امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ ام ولد کی بہن سے نکاح ام ولد کی عدت میں فراش کی ضعف کی وجہ سے درست ہے پس جب ام ولد آزاد کر دی گئی تو فراش قوی ہو گیا اس وجہ سے اس کی تزویج عتق کے بعد بغیر انقضاء عدت کے درست نہیں ہے اور عتق سے پہلے درست ہے، پس جب فراش قوی ہو جائے تو آقا کے لیے ام ولد کی بہن سے اس کی عدت میں نکاح درست نہیں تا کہ وہ زمانہ واحد میں دو بہنوں کی اولاد کے نسب کا لحوق چاہنے والا نہ ہو، بخلاف ام ولد کی عدت میں چوتھی عورت سے نکاح کے کہ اس میں مذکورہ بات نہیں ہے۔
وامتہ وسیدتہ: آقا کا اپنی باندی سے باندی رہتے ہوئے نکاح درست نہیں ہے اس لیے کہ ملک متعہ تو آقا کو نکاح سے قبل ہی حاصل ہے پس نکاح ثابت حق کا ہی ثابت کرنا ہے جو تحصیل حاصل ہے اور سبب جب حکم کا فائدہ نہ دے تو لغو ہوتا ہے۔

اور اگر آقا نے دوسرے کی باندی سے نکاح کیا پھر باندی کو خرید لیا تو نکاح باطل ہو جائے گا الا یہ کہ خریداری شرط خیار کے ساتھ ہو تو نکاح باطل نہ ہوگا ماذون فی التجارۃ مکاتب اور مدبر اگر اپنی منکوحات کو خریدتے ہیں نوان کا نکاح باطل نہ ہوگا۔

نیز غلام اپنی مالکہ سے نکاح نہیں کر سکتا، کیوں کہ عورت اس کی مالکہ ہے پس عورت کا مملوک ہونا متحقق نہ ہوگا کیوں کہ مملوکی مالکیت کے منافی ہے، یعنی کہ زوجیت کا تقاضا یہ ہے کہ مرد عورت کی حفاظت اور نگہبانی کرے نیز اصلاح اخلاق کے خاطر تادیب بھی کرے اور استرقاق یعنی غلام بنانا آقا کے غلام کے اوپر غلبہ اور قوت کا تقاضا کرتا ہے پس زوجہ کا مالکہ ہونا ناممکن ہے۔

والمجوسية النیخ: آتش پرست اور بت پرست عورت سے نکاح حرام ہے اور ان سے وطی ناجائز ہے گو ملک یمین کے طور پر ہو، سعید بن مسیب، عطاء، طاوس، عمرو بن دینار کے نزدیک ملک یمین کے طور پر

یعنی باندی بنا کر ان سے وطی درست ہے، ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّىٰ يُؤْمَنَ کہ ایمان لائے بغیر مشرکہ عورتوں سے نکاح مت کرو نیز نبی..... کا ارشاد ہے کہ سَوَابُهُمْ سَنَةُ أَهْلِ الْكِتَابِ غَيْرِ نَاكِحِي لَسَانَهُمْ وَلَا آكَلِي ذُبَانَهُمْ یعنی تم ان کے ساتھ اہل کتاب جیسا برتاؤ کرو مگر یہ کہ تم ان کی عورتوں سے نکاح مت کرو اور ان کا ذبیحہ مت کھاؤ یاد رہے کہ نکاح وطی میں حقیقت ہے مطلب ان کی عورتوں سے بغیر ایمان لائے وطی کی بھی اجازت نہیں ہے گو وہ تمہاری مملوکہ اور باندی ہو جائیں۔

بحر الرائق میں مجوسیہ سے نکاح پر اجماع نقل کیا گیا ہے اور غایۃ میں ہے کہ مجوسیہ بت پرست کو کہتے ہیں صاحب فتح المعین کہتے ہیں کہ مجوسیہ اسے کہتے ہیں جس کا نہ کوئی مذہب ہو اور نہ کوئی کتاب، فتح القدیر میں ہے کہ بت پرست میں سورج پرست اور کوکب پرست اور تصویر پرست اور معطلہ اور زنادقہ اور اباحیہ سبھی داخل ہیں۔

وحل تزوج الکتابۃ: کتابیہ سے مطلقاً نکاح درست ہے خواہ وہ یہودیہ ہو یا نصرانیہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ کہ اہل کتاب کی پاکدامن آزاد خواتین سے نکاح درست ہے اور صحیح روایت سے ثابت ہے کہ حضرت حذیفہ بن الیمانؓ نے ایک یہودیہ سے عقد فرمایا تھا نیز حضرت کعب بن مالکؓ نے یہودیہ سے عقد کیا تھا۔

حضرت امام شافعیؒ کی طرف یہودیہ کے مشرکہ ہونے کا قول منسوب ہے، صاحب فتح المعین اسے ضعیف قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کا عطف یہود پر کیا ہے اور عطف مغایرت کو چاہتا ہے لہذا معلوم ہوا کہ یہود مشرک نہیں ہے البتہ کافر ہیں ارشاد باری ہے لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا۔

مسلمہ کے نکاح میں ہوتے ہوئے کتابیہ سے نکاح درست ہے اسی طرح کتابیہ کے نکاح میں ہوتے ہوئے مسلمہ سے نکاح جائز ہے اور شب کی باری مسلمہ اور کتابیہ میں برابر ہوگی کیوں کہ نکاح کے جواز کی بنیاد اس حلت پر ہے جس کی وجہ سے عورت محل نکاح بنتی ہے۔

مصنفؒ نے کتابیہ کا مطلقاً لفظ استعمال کیا ہے جو ذمیہ اور حربیہ دونوں کو شامل ہے، جس سے حربیہ سے بھی نکاح کا جواز مفہوم ہوتا ہے، البتہ حربیہ سے نکاح بالاتفاق مکروہ ہے کیوں کہ خدشہ ہے کہ وہ اپنی کافر قوم کو ہی ترجیح دے، نیز حربیہ سے عقد کی صورت میں اپنی اولاد کو رقیقت کے لیے پیش کرنا ہوگا کیوں کہ بصورت جہاد حربیہ کے ساتھ بچے بھی گرفتار ہو کر غلام بن جائیں گے۔

والصاہبہ: امام اعظمؒ کے نزدیک صاہبہ سے نکاح درست ہے لیکن مکروہ ہے، صاحبین کے نزدیک درست نہیں ہے، اتفاقی نے صاہبہ کے نکاح کا جواز بالاتفاق نقل کیا ہے، ذیل میں کہتے ہیں کہ امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف اس بات پر مبنی ہے کہ صاہبہ بت پرستوں میں سے ہے یا نہیں، صاحبین فرماتے ہیں کہ صاہبہ بت پرست ہے، کیوں کہ یہ ستارہ کی عبادت کرتی ہے، امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ یہ بت پرستوں میں سے نہیں ہے البتہ یہ لوگ ستاروں کی ایسی ہی تعظیم کرتے ہیں جیسے مسلمان کعبہ کی، صاحب فتح المعین کہتے ہیں کہ اگر صاہبہ کا معاملہ وہ ہے جو امام اعظمؒ فرماتے ہیں تو بالاتفاق اس سے نکاح درست ہوگا اور اگر حقیقت حال وہ ہے جو صاحبین نے بیان کیا ہے تو بالاتفاق نکاح منع ہوگا، بقول صاحب فتح المعین صاہبہ کہتے ہیں کہ جس نے یہودیت یا نصرانیت سے انحراف کیا اور فرشتوں کی عبادت اور پرستش میں پڑ گئی۔

والمحرمۃ: وہ خاتون جو احرام باندھے ہوں تو ان سے بھی نکاح درست ہے گو نکاح کرنے والا یعنی ولی یا شوہر بھی محرم ہو البتہ امام شافعیؒ کے نزدیک محرمہ سے نکاح درست نہیں ہے، حضرت امام شافعیؒ کا استدلال اس حدیث سے ہے کہ رسول اللہ..... نے ارشاد فرمایا لا ینکح المحرم ولا ینکح یعنی حالت احرام میں نہ تو نکاح کرے اور نہ وہ کرائے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی..... نے ام المؤمنین حضرت میمونہ سے حالت احرام میں نکاح فرمایا البتہ رخصتی تب کروائی جب آپ حلال ہو چکے تھے، یعنی احرام حج کھول دیا تھا، البتہ حالت احرام میں خواہ احرام حج کا ہو یا عمرہ کا نکاح مکروہ ہے اس لیے کہ عمل نکاح نفس کو طلب جماع کے لیے متوجہ کرتا ہے، پس اس کا دل امر جماع میں مشغول ہو جائے گا، حالاں کہ وہ عبادت میں ہے البتہ حضرت رسول کریم کے حالت احرام میں نکاح سے کراہت کا ارتکاب کرنا لازم نہیں آتا ہے، اس لیے کہ استعمال مذکور آپ..... کے حق میں معدوم اور منقہی ہے۔

اسی طرح محرم آدمی دوسرے کا بھی نکاح کر سکتا ہے، یعنی جن کا وہ سر پرست ہے تو حالت احرام میں بھی ان کا نکاح کر سکتا ہے، البتہ امام شافعیؒ اور احمد و مالک اس حالت میں نکاح کرانے کو درست نہیں مانتے وہ روایت جس میں ہے انہ صلی اللہ علیہ وسلم تزوج میمونہ وهو حلال کہ آپ..... نے حلال ہونے کی حالت میں حضرت میمونہ سے نکاح فرمایا ہے تو یہ روایت ضعیف ہے، دوسرے یہ کہ تزوج سے بناء یعنی رخصتی مراد ہے، پس یہ روایت ہمارے مسلک کے خلاف نہیں ہے۔

رہی بات امام شافعیؒ کے مستدل کی تو لا ینکح المحرم ولا ینکح میں پہلا جملہ وطی پر اور دوسرا جملہ وطی پر قدرت دینے کے معنی پر محمول ہے، یعنی نہ تو محرم حالت احرام میں بیوی سے وطی کرے اور نہ عورت حالت احرام میں شوہر کو وطی پر قدرت دے، رہی بات صیغہ کی تذکیر کی تو وہ اس شخص کے اعتبار سے ہے جو کہ

ذکر ہے گو مصداق مؤنث ہے۔

والامۃ: دوسرے کی باندی سے نکاح کرنا درست ہے چاہے وہ آزاد عورت سے نکاح پر قادر ہو یا نہ ہو، نیز وہ باندی مؤمنہ ہو یا کتابیہ، امام شافعیؒ کے نزدیک پہلے مسئلہ میں حکم یہ ہے کہ اگر حرہ سے نکاح پر قدرت نہ ہو تو غیر کی باندی سے نکاح کی اجازت ہے ورنہ نہیں، اور کتابیہ سے علی الاطلاق نکاح درست نہیں ہے، امام شافعیؒ اس آیت پاک سے استدلال کرتے ہیں ومن لم یستطع منکم طولاً ان ینکح المحصنات المؤمنات فمما ملکتم ایماںکم من فیماکم المؤمنات کہ جو شخص مومن پاکدامن آزاد عورتوں سے نکاح کی قدرت نہیں رکھتا تو وہ صاحب ایمان باندیوں سے نکاح کر سکتا ہے پس باندی سے نکاح کی اجازت مشروط ہے اس بات کے ساتھ کہ وہ آزاد عورت سے نکاح پر قادر نہ ہو، دوسرے یہ وہ باندی مسلمان ہونی چاہئے، قرآن نے علی الاطلاق باندی سے نکاح کی اجازت نہیں دی ہے۔

احناف کا استدلال اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ہے فَانکحوا ما طاب لکم من النساء کہ عہدات کے علاوہ جو عورت خواہ آزاد ہو یا باندی تم کو پسند ہو تو تم اس سے نکاح کر سکتے ہو، پس لفظ نساء آزاد اور باندی دونوں قسم کی عورتوں کو شامل ہے، اور دونوں نوعیں نساء کے تحت داخل ہیں، دوسرے یہ کہ قاعدہ ہے کہ جو وطی ملک یمین کے واسطے حلال ہے وہ نکاح کے ذریعہ سے بھی حلال ہے اور جو وطی ملک یمین سے حلال نہیں وہ نکاح سے بھی حلال نہیں اور باندی کے ساتھ ملک یمین سے وطی حلال ہے لہذا نکاح سے بھی حلال ہے۔

رہی بات ومن لم یستطع منکم طولاً آیت کی تو احناف کے نزدیک شرط اور وصف کا مفہوم معتبر نہیں ہے کہ اس کے انتفاء سے حکم بھی منغی اور معدوم ہو جائے کیوں کہ آیت حرہ کے ساتھ نکاح کی عدم قدرت کے وقت مؤمنہ باندی سے نکاح کی مشروعیت کو ثابت کرتی ہے آیت میں شرط مذکور اور وصف مذکور کے نہ ہونے کے وقت باندی سے نکاح کرنے پر نکاح کی صحت اور عدم صحت سے کوئی تعرض نہیں ہے، لہذا کتابیہ باندی سے بھی نکاح کر سکتا ہے، اور حرہ پر قدرت کے باوجود کر سکتا ہے۔

والحرۃ علی الامۃ لا عکسۃ: اور نکاح میں باندی کے ہوتے ہوئے آزاد عورت سے نکاح کرنا درست ہے، لیکن حرہ کے نکاح میں ہوتے ہوئے باندی سے عقد کرنا درست نہیں ہے، حتیٰ کہ حرہ کی عدت میں بھی باندی سے نکاح منع ہے، چاہے باندی سے نکاح آزاد کرے یا غلام حرہ کی رضامندی سے کرے یا بغیر رضامندی کے۔

امام مالکؒ کے نزدیک نکاح الامۃ علی الحرۃ درست ہے، بشرطیکہ حرہ کی رضامندی سے ہو اور امام شافعیؒ کے نزدیک حرہ کے نکاح میں ہوتے ہوئے باندی سے غلام کے لیے نکاح درست ہے، البتہ آزاد کے لیے حرہ

کے نکاح میں ہوتے ہوئے باندی سے نکاح منع ہے۔

امام مالکؒ کی دلیل یہ ہے کہ حرہ کے نکاح میں ہوتے ہوئے باندی سے نکاح کی ممانعت حرہ کے حق کی وجہ سے تھی تاکہ اس کے نکاح میں ہوتے ہوئے باندی کے ساتھ نکاح کرنے کی وجہ سے حرہ کی ذلت نہ ہو، اور جب وہ خود اپنے اوپر باندی کے ساتھ نکاح سے راضی ہے اور اپنا حق ساقط کر رہی ہے تو پھر ممانعت ختم ہو جاتی ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ آزاد عورت کے ساتھ نکاح کی قدرت غلام کے حق میں باندی کے ساتھ نکاح کرنے سے مانع نہیں ہے، حکم مذکور صرف آزاد مرد کے حق میں ہے، لہذا حرہ کے ساتھ نکاح غلام کے حق میں ضروری نہ ہوگا، پس اگر حرہ نکاح میں ہے اور غلام باندی سے نکاح کر لیتا ہے تو درست ہے، احناف کی دلیل یہ حدیث پاک ہے لا تنکح الامة علی الحرۃ کہ حرہ پر باندی سے نکاح مت کرو پس یہ روایت مطلق ہے، لہذا اس حکم کا اطلاق حر اور غلام دونوں پر ہوگا نیز حرہ کی رضا مندی سے ہو یا بغیر رضا مندی کے اس سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا، پس یہ روایت امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے خلاف حجت ہے۔

واربع من الحرائر والاماء فقط: صرف چار عورتوں کو بیک وقت نکاح میں رکھنا درست ہے، اب خواہ وہ چاروں حرہ ہوں یا باندی یا کچھ حرہ اور کچھ باندی ہوں، اسی پر ائمہ اربعہ کا اجماع ہے، پس چار سے زیادہ عورتوں کو بیک وقت نکاح میں رکھنے سے خرق اجماع لازم آتا ہے، البتہ اہل ظواہر نو تک کی اجازت کے قائل ہیں، ائمہ اربعہ کا استدلال اللہ تعالیٰ کے ارشاد فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلاث ورباع سے ہے، اس لیے کہ ایک خاتون کا حلال ہونا معلوم تھا اور یہ آیت حد معین تک ایک سے زائد کی حالت کو بیان کرنے کے لیے ہے، اس بات کے بیان کے ساتھ کہ آدمی کو اختیار ہے کہ چاہے تو دو سے صرف کرے یا صرف تین سے کرے یا چار تک کر لے اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں ہے، کیوں کہ نص علی العدد اس عدد خاص پر زیادتی سے مانع ہوتا ہے۔

امام شافعیؒ کا تھوڑا سا اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی کے عقد نکاح میں باندی ہو تو وہ ایک سے زائد باندیوں سے عقد کا مجاز نہیں ہے، اس لیے کہ باندی کے ساتھ نکاح کا جواز ضرورت کی وجہ سے ہے اور ضرورت ایک باندی سے پوری ہو جاتی ہے، لہذا بیک وقت نکاح میں ایک سے زائد باندی رکھنا درست نہ ہوگا، لیکن امام شافعیؒ کے خلاف حجت وہ آیت ہے جو اس سے قبل مذکور ہوئی یعنی فانکحوا ما طاب لکم من النساء الخ کہ لفظ نساء آزاد عورتوں اور باندیوں سب کو بلا تفریق شامل ہے، جیسے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد یولون من نسائهم اور الذین یظاہرون من نسائهم میں لفظ نساء حرائر اور اماء سب کو شامل ہے۔

قاسم بن ابراہیم اور اہل ظواہر جو نو عورتوں کے بیک وقت نکاح میں جواز کے قائل ہیں ان کی دلیل یہ

ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو عورتوں سے نکاح شمی سے مباح نہ کر دیا اور ثلاث اور رباع کا واد جمع کے ذریعہ شمی پر عطف کیا پس مجموعہ نو ہو گیا، یعنی دو اور تین ملک کر پانچ ہوئے اور پانچ، چار ملک کر نو ہو گئے، نجی اور ابن لیلیٰ سے بھی اسی طرح کی بات منقول ہے۔

بعض شیعہ اور خوارج اٹھارہ عورتوں کو نکاح میں رکھنا درست مانتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد منشی تکرار کا فائدہ دیتا ہے، کیوں کہ وہ اثنین اثنین مکرر سے معدول ہے اسی طرح ثلاث اور رباع بھی یعنی ثلاث ثلاثہ ثلاثہ مکرر سے اور رباع اربعہ اربعہ مکرر سے معدول ہے اور اقل تکرار دو مرتبہ ہے پس شمی کی دلالت چار پر اور ثلاث کی دلالت چھ پر ہوئی، مجموعہ دس ہو گیا اور رباع کی دلالت آٹھ پر ہوئی پس دس اور آٹھ مل کر اٹھارہ ہو گئے۔

بعض حضرات کا مسلک ہے کہ جتنی عورتوں سے چاہو نکاح کر سکتے ہو بغیر کسی قید اور تحدید کے کیوں کہ شمی اور ثلاث اور رباع بلا حصر تکرار کا فائدہ دیتے ہیں۔

لیکن یہ جتنے قائلین نوع بنوع ہیں سب نے اجماع کو توڑ دیا ہے کیوں کہ امت کا اجماع ہے کہ چار سے زائد عورتوں کو نکاح میں رکھنا درست نہیں ہے۔ پس چار سے زائد کا قول بلا دلیل ہے کیوں کہ کلمہ شمی و ثلاث و رباع اگرچہ تکرار کا تقاضا کرتے ہیں لیکن ناسخ کی تکرار کا فائدہ دیتے ہیں اس لیے کہ خطاب جمع کو ہے اور واد بمعنی او ہے پس یہ کلمات جمع کا فائدہ نہیں دیں گے، اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ”جَاعِلُ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا أُولَىٰ أَجْنَحَةٍ مَّنْشَىٰ وَثَلَاثَ وَرُبَاعَ“ ہے اس کا مطلب یہ قطعی نہیں ہے کہ ان میں سے ہر فرشتہ کے نو یا اٹھارہ یا غیر محدود بازو ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ فرشتوں کی ایک جماعت کے دو دو بازو ہوتے ہیں اور کچھ فرشتے ایسے ہوتے ہیں جن کے تین تین بازو ہوتے ہیں اور ایک جماعت ان کی ایسی ہے جن کے چار چار بازو ہوتے ہیں اسی وجہ سے اگر کسی نے کہا ”اقتسموا هذا المال درهمین درهمین أو ثلاثا ثلاثا“ تو اس سے یہی سمجھا جاتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کو دو دو درہم دیئے جائیں یا تین تین اس سے یہ نہیں مفہوم ہوتا کہ ہر ایک کو دو دو درہم کئی مرتبہ دو۔

وثنین للعبد: اور غلام کے لیے دو عورتوں کو نکاح میں بیک وقت رکھنا درست ہے خواہ دونوں آزاد ہوں یا دونوں باندی، غلام کے لیے دو سے زائد عورتوں سے نکاح کرنا درست نہیں ہے یہی رائے حضرت عمر اور حضرت علی اور حضرت عبدالرحمن بن عوف اور جمہور تابعین کی ہے۔ امام مالک کے نزدیک غلام کے لیے بھی بیک وقت چار عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ ”فانکحوا ما طاب لکم من النساء“ میں حکم عام ہے جو آزاد اور غلام کو یکساں شامل ہے، امام مالک کے خلاف وہ روایت ہے جو حضرت

عطاء سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اس بات پر اجماع ہے کہ غلام دو سے زیادہ عورتوں کو ایک وقت میں نکاح میں نہیں جمع کر سکتا دوسرے اس لیے بھی کہ غلامی نعمت کو آدھا کر دیتی ہے، لہذا تعداد و اوج کے اجازت کی نعمت بھی آدمی ہو جائے گی، اور ایسا اس لیے ہے کہ نعمت میں اضافہ شرف سے ہوتا ہے اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ۹ بیویوں سے بیک زمان عقد درست تھا جب کہ عام لوگوں کے لیے نہیں درست ہے۔

یاد رہے کہ غلام میں عموم ہے چاہے وہ مدبر ہو یا مکاتب سب کے لیے دو عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا درست ہے۔

وَحَبْلِي مِنْ زَنَا لَا مِنْ غَيْرِهِ الْخ: وہ خاتون جو زنا کی وجہ سے حاملہ ہو گئی ہو تو ایسی عورت سے حالت حمل میں بھی نکاح درست ہے البتہ طرفین کے نزدیک وضع حمل تک وطی کرنا درست نہ ہوگا، اور وہ حاملہ جس کا حمل ثابت النسب ہو یعنی زنا کا نہ ہو تو اس سے بالاتفاق حالت حمل میں نکاح درست نہیں ہے، امام ابو یوسف کے نزدیک وہ عورت جو زنا سے حاملہ ہوئی ہو اس سے بھی نکاح فاسد ہوتا ہے، اس لیے کہ یہ حمل محترم ہے چنانچہ اس کا گرا دینا درست نہیں ہے، متفق علیہ صورت میں ممانعت نکاح کی وجہ یہ ہے کہ حمل محترم ہے اور اس کو ماء غیر کے سیرابی سے بچانا ضروری ہے یہ حرمت صاحب ماء یعنی صاحب نطفہ کی وجہ سے نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ حرمت صاحب نطفہ کی اجازت دے دینے پر بھی ختم نہیں ہوتی۔ اور یہ بات جس طرح حمل ثابت النسب میں ہے اسی طرح غیر ثابت النسب حمل میں بھی ہے لہذا زنا سے حاملہ ہونے والی عورت سے نکاح تو درست ہے البتہ وطی منع ہوگی، بخلاف اس کے کہ اس زنا سے حاملہ ہونے والی خاتون سے زانی کا ہی عقد نکاح ہو جاتا تو زانی کے لے وطی حالت حمل میں درست ہے اس لیے کہ احکام اس پر مرتب ہیں یعنی وطی کی حلت وجوب نفقہ اور سکنی۔

طرفین کے نزدیک ایسا اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے وَأَجَلْ لَكُمْ مَا وُءَاذَ ذَٰلِكُمْ دُوسَرُے یہ کہ حمل کے ثابت النسب ہونے پر ممانعت نکاح صاحب ماء یعنی صاحب نطفہ کے احترام کی وجہ سے ہے حمل کی وجہ سے نہیں ہے کیوں کہ اگر ایسا ہوتا تو صاحب نطفہ کو حاملہ سے ثابت النسب اور غیر ثابت النسب دونوں صورتوں میں اجازت نکاح نہ ہوتی اور زانی کے لیے کوئی حرمت اور عظمت نہیں ہوتی لہذا دوسرا آدمی مزینہ سے حالات حمل میں بھی نکاح کر سکتا ہے البتہ وطی منع ہے تاکہ اپنے پانی سے غیر کی کھیتی کا سیراب کرنا نہ ہو کیوں کہ اگر ایسا نہ ہو تو نطفوں کا خلط ملط ہو جائے گا اور حدیث میں اس سے روکا گیا ہے، چنانچہ ارشاد نبوی ہے مَنْ كَانَ يَوْمًا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يَسْقِينُ مَاءً ذَرَعٍ غَيْرِهِ. کہ جو اللہ اور آخرت پر یقین رکھتا ہے تو وہ

اپنے پانی سے دوسرے کی کھیتی کو سیراب نہ کرے۔

والموطوءة بملك الخ: وہ باندی جس کے ساتھ آقا نے وطی کی ہو پھر اس کا کسی دوسرے سے نکاح کر دیا تو یہ نکاح درست ہے، البتہ آقا کے لیے نکاح سے قبل اپنے نطفہ کی حفاظت کے لیے استبراء مستحب ہے جب نکاح مذکور درست ہے تو شوہر کے لیے اپنی بیوی سے استبراء سے پہلے ہی وطی حلال ہے شیخین کے نزدیک اور امام احمد کے نزدیک استبراء سے پہلے وطی تو جائز ہے لیکن پسندیدہ نہیں اس لیے کہ اس کا احتمال ہے کہ رحم آقا کے نطفہ کے ساتھ مشغول ہو، شیخین فرماتے ہیں کہ نکاح کی مشروعیت ایسے رحم میں ہوتی ہے جو آقا کے نطفہ سے خالی ہو اور رحم کا فراغ اور خالی ہونا امر باطنی ہے جس پر اطلاع ممکن نہیں ہے پس جواز نکاح کو فراغ کے قائم مقام کر دیا گیا۔

واضح رہے کہ یہاں دلیل میں رحم کے نطفہ سے خالی ہونے سے مراد نطفہ ثابت النسب سے خالی ہونا ہے یا یہ کہ دلیل فراغ کا تعلق ایسے رحم سے ہے جس میں نطفہ کا احتمال ہو ایسے رحم سے نہیں جس میں اس کا وجود حقیق ہو لہذا حلی من الزنا سے متعلق یہ اعتراض نہیں وارد کیا جاسکتا کہ صاحب حلی من الزنا سے رحم کے خالی نہ ہونے بلکہ مشغول ہونے کے باوجود نکاح درست ہے۔

او زنا الخ: یعنی موطوءہ بنانا نکاح درست ہے یعنی اگر کسی آدمی نے کسی خاتون کو زنا کراتے ہوئے دیکھا پھر اس سے نکاح کر لیا تو یہ نکاح درست ہے اور شوہر بلا استبراء مہر نہ منکوحہ سے وطی کر سکتا ہے امام محمد کے نزدیک استبراء وطی سے قبل مستحب ہے اس کی بھی جاہلین سے وہی دلیل ہے جو امۃ موطوءہ میں مذکور ہوئی۔

والمضمومة الى محرمۃ والمسمى لها الخ: اور اس خاتون کے ساتھ نکاح درست ہے جسے محرمہ کے ساتھ ملا دیا گیا ہو اس کی شکل یہ ہے کہ کوئی آدمی ایک ہی عقد میں ایسی دو عورتوں سے نکاح کرے جن میں ایک سے نکاح کی اجازت ہے اور دوسری سے محرم ہونے یا شوہر والی یا بت پرست ہونے کی وجہ سے نکاح کرنا منع ہو تو ایسی صورت میں جو حلال تھی اس سے نکاح درست ہے اور جو حرام تھی اس سے نکاح حرام اور باطل ہوگا اور جتنا مہر متعین تھا وہ سب اس عورت کو ملے گا جس سے نکاح کرنا حلال تھا صاحبین کے نزدیک طے شدہ مہر دونوں کے مہر مثل پر تقسیم ہوگا پس مہر کی وہ مقدار جو اس عورت کے حصہ میں آئے جس سے نکاح کرنا صحیح تھا وہ تو ناحیہ پر لازم ہوگی اور وہ مقدار جو اس خاتون کے حصہ میں آئے جس سے نکاح حرام تھا وہ شوہر پر لازم نہ ہوگی کیوں کہ مہر مہر کی دونوں عورتوں کے مقابل تھا پس وہ دونوں پر تقسیم ہوگا۔

امام صاحب فرماتے ہیں کہ وہ عورت جس سے نکاح حلال نہیں تھا وہ اس عورت کے مزاحم ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتی کہ جس سے نکاح حلال تھا پس سارا سہمی اسی خاتون کے لیے ہوگا۔

وبطل نکاح المتعة والمؤقت الخ: نکاح متعہ اور نکاح موقت دونوں باطل ہیں، نکاح متعہ کہتے ہیں کہ کوئی شخص کسی خاتون سے کہے کہ یہ دس روپیہ لے لو اور میں تم سے پانچ دن کے لیے متعہ کرتا ہوں اور اگر دو گواہوں کی موجودگی میں یوں کہے کہ میں ایک مہینہ کے لیے تجھ سے نکاح کرتا ہوں یہ نکاح موقت ہے امام زفر کہتے ہیں کہ توقيت تو باطل ہے البتہ نکاح درست ہے، اور الحسن نے ابو حنیفہ سے نقل کیا ہے کہ اگر وہ دونوں اتنی لمبی مدت کے لیے نکاح کریں کہ عموماً اتنا آدمی زندہ ہی نہیں رہتا تو نکاح موقت صحیح ہو جائے گا شیعہ متعہ کے جواز کے قائل ہیں ان کا استدلال اللہ تعالیٰ کے ارشاد فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ سے ہے لیکن ان کے خلاف یہ حدیث ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حرمها یوم خیبر متفق علیہ کہ متعہ کی حرمت خیبر کے دن ہوئی ہے نیز روایت ہے کہ فتح مکہ کے دن تحریم نازل ہوئی ہے، (رواہ مسلم)

پس متعہ کے جواز کا حکم اگر تھا بھی تو وہ ان روایات سے منسوخ ہے بعض حضرات کہتے ہیں کہ متعہ کی اجازت سے متعلق حکم اللہ تعالیٰ کے ارشاد والدین ہم لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ الا علی ازواجہم او ماملکت ایمانہم سے منسوخ ہے نیز ایک روایت نسخ سے متعلق بالکل صریح ہے ارشاد ہے انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال کنت اذینث لکم فی الاستمتاع من النساء وقد حرم اللہ ذلک الی یوم القیامۃ رواہ مسلم کہ شروع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی تھی پھر ابدی طور پر تاقیامت کے لیے اللہ تعالیٰ نے متعہ کو حرام قرار دے دیا۔

رہی بات آیت فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ کی تو اس میں ان سے استمتاع سے مراد نکاح ہے اور مہر کا نام اجرت ہے یعنی اُجورہن سے مراد ان عورتوں کا مہر ہے یعنی عورتوں سے نکاح کر کے لطف اندوز ہو اور ان کا مہر نکاح دے دیا کرو ارشاد باری تعالیٰ ہے فَاَنْکَحُوْهُنَّ بِاٰذْنِ اٰهْلِہُنَّ وَاَتُوْهُنَّ اُجُورَهُنَّ اب جہاں تک معاملہ حدیث جابر کا ہے کہ لوگ متعہ کرتے تھے تو ایسا وہ لوگ کرتے تھے جن کو متعہ کے منسوخ ہونے کی اطلاع نہیں ہوئی تھی جب ان کو نسخ کی اطلاع مل گئی تو انہوں نے متعہ کو چھوڑ دیا۔

نکاح موقت امام زفر کے نزدیک درست ہے کیوں کہ یہ ایسا نکاح ہے جو دو گواہوں کی موجودگی میں منعقد ہوا ہے البتہ اس میں شرط فاسد ہے پس عقد صحیح ہوگا اور شرط باطل ہو جائے گی، اس لیے کہ نکاح شرط فاسد سے باطل نہیں ہوتا پس یہ ایسے ہو گیا جیسے کوئی کسی عورت سے اس شرط پر نکاح کرے کہ شوہر اسے ایک مہینہ کے بعد طلاق دے دیگا تو یہ نکاح صحیح ہوتا ہے اسی طرح نکاح موقت بھی صحیح ہوگا۔

ہمارا کہنا یہ ہے کہ نکاح موقت متعہ کے معنی میں ہے اور اعتبار معانی کا ہوتا ہے الفاظ کا نہیں اس کی

نظیر یہ ہے کہ اگر کسی نے کسی دوسرے شخص سے کہا جَعَلْتُكَ وَكِيلًا بَعْدَ مَوْتِي تو یہ وصیت ہوگی وکالت نہیں اسی طرح اگر کہا جَعَلْتُكَ وَصِيًّا لِي حَيًّا تَبِي تو یہ وکالت ہوگی اسی طرح اگر کسی کو مال، مضاربہ کے طور پر اس شرط پر دیا کہ سارا نفع مضارب کا ہوگا تو یہ قرض ہوگا معلوم ہوا کہ اعتبار معنی کا ہے الفاظ کا نہیں لہذا نکاح موقت متعہ ہوگا۔

وله وطی امرأۃ ادعت علیہ الخ: ایسا آدمی جس کے اوپر کسی خاتون نے یہ دعویٰ کر دیا کہ اس شخص نے مجھ فلاں سے نکاح کیا تھا پس وہ میرا شوہر اور میں اس کی بیوی ہوں تو اس آدمی کے لیے ایسی عورت سے وطی حلال ہوگی اور اس عورت کے متعلق شرعی ثبوت کے بنا پر مدعی علیہ شخص کی بیوی ہونے کا فیصلہ کر دے گی، چاہے فی الواقع دونوں کا باہم نکاح کبھی نہ ہوا ہو یہ امام ابو حنیفہؒ کی رائے ہے اور یہی امام ابو یوسفؒ کا قول اول ہے اور امام ابو یوسفؒ کا قول ثانی یہ ہے کہ مدعا علیہ یعنی اس آدمی کے لیے وطی کی اجازت نہیں ہے یہی امام محمدؒ کا بھی قول ہے نیز امام شافعیؒ بھی اسی کے حق میں ہیں، اس لیے کہ شہود کے جھوٹا ہونے کی صورت میں قاضی حجت کا خاطی ہوگا پس ایسا ہو گیا جیسے شہود کے بارے میں ظاہر ہو کہ وہ تو غلام تھے یا کفار۔ امام اعظمؒ کی دلیل یہ روایت ہے کہ اَنَّ رَجُلًا اَقَامَ بَيْنَةَ عَلِيٍّ اِمْرَاةٍ اَنَهَا زَوْجَتُهُ بَيْنَ يَدَيَّ عَلِيٍّ فَقَضَى عَلِيٌّ بِذَلِكَ فَقَالَتِ الْمَرْأَةُ اِنْ لَمْ يَكُنْ لِي مِنْهُ بَرٌّ فَرُوجِي اَيَّاهُ فَقَالَ عَلِيٌّ شَاهِدَاكِ زَوْجَاكِ يَعْنِي اِيكَ فَخَصَّ نَ اِيكَ عَوْرَتَ كَ خِلَافَ حَضْرَتِ عَلِيٍّ دَر بَارِ مِثْلِ ثُبُوْتِ طِشْ كَر دِيَا كَ دَ عَوْرَتِ اس كِ يَوِي هِي هِي تَو حَضْرَتِ عَلِيٍّ نَ اس عَوْرَتِ كَ سَلْسَلِي مِثْلِ مَرْدَمِي كِ يَوِي هُو نَ كَ اَفِيصْلَه دِي دِيَا پَس اس عَوْرَتِ نَ كَ اِيَا كَ اِ كَر مِيرِي لِي كُوْنِي چَارَه كَار اور مَنجَاش نَ هُو تَو پَحْرَاب مِير اس اَدَمِي سِي نَكَاحِ هِي كَر دِي جَعِي، تَو حَضْرَتِ عَلِيٍّ نَ فَر مَ اِيَا كَ تِيرِي كَوَا هُو نَ تِير اِنَكَاحِ مَرْدَمِي سِي كَر دِيَا كُو پَ اِلِي سِي نَكَاحِ نَ هُو اَتَا، پَس اِ كَر وَاَقْعَه مَذْكُورَه مِثْلِ نَكَاحِ مَنعَقْدَه هُو تَو يَقِيْنًا حَضْرَتِ عَلِيٍّ اس خَا تُوْن كِي دَر خَوَاسْتِ قَبُوْل كَر تِي كِيُوْن كَ حَقِيْقَتِ كِي وَاَقْف كَار تَو دِي هِي هِي اُوْر اس كَا نَكَاحِ كَا بَعْدَ الْقَضَاءِ مَطَالِبَه كَر نَا بَاتَا تَا تَا كَا عَوْرَتِ حَقِيْقَتِ مِثْلِ اس كِي مَنكُوحَه نَ اِيَسِي۔

دوسرے یہ کہ قاضی کا فیصلہ اس کے مطابق ہوتا ہے جو اس کے امکان اور بس میں ہے لہذا اس کے فیصلہ کا نفاذ ضروری ہے یہی وجہ ہے کہ جب حاکم کسی مجتہد فیہ مسئلے میں کوئی فیصلہ دے دیتا ہے تو وہ نافذ ہو جاتا ہے کیوں کہ قاضی کو یقین کے ساتھ حق کے موافق فیصلہ پر قدرت نہیں ہے۔

واضح رہے یہ تب ہوگا جب عورت محل عقد ہو سکتی ہو پس اگر وہ عورت بیابانی اور کسی کی منکوحہ ہو یا کسی دوسری کی عدت میں ہو یا اس آدمی کی مطلقہ ثلاث ہو تو قاضی کا فیصلہ نافذ نہ ہوگا۔

باب الاولیاء والاکفاء

یہ باب سرپرستوں اور ہمسروں کے بیان میں ہے

لَقَدْ نَكَحَ حُرَّةٌ مُكَلَّفَةً بِلَا وَلِيٍّ وَلَا تُجْبَرُ بِكَرٍّ بِالْفَقْدِ عَلَى النِّكَاحِ فَإِنْ اسْتَأْذَنَهَا الْوَلِيُّ فَسَكَتَتْ أَوْ ضَجَّكَتْ أَوْ بَكَتْ أَوْ زَوَّجَهَا فَلَبَقَهَا الْخَبَرُ فَسَكَتَتْ فَهُوَ إِذَنْ وَإِنْ اسْتَأْذَنَهَا غَيْرُ الْوَلِيِّ فَلَا بُدَّ مِنَ الْقَوْلِ كَالْقَيْبِ وَمَنْ زَالَتْ بَكَارُهَا بِوَقْتٍ أَوْ خِيْضَةٍ أَوْ جَرَاخَةٍ أَوْ تَعْيِيسٍ أَوْ زَنَا فَهِيَ بِكَرٍّ وَالْقَوْلُ لَهَا إِنْ اِخْتَلَفَا فِي السَّكُوتِ وَلِلْوَلِيِّ النِّكَاحُ الصَّغِيرِ وَالصَّغِيرَةِ وَالْوَلِيُّ الْعَصْبَةُ بِتَرْتِيبِ الْإِرْثِ وَلَهُمَا خِيَارُ الْفَسْخِ بِالْبُلُوغِ لِي غَيْرِ الْإِبِّ وَالْجَدِّ بِشَرْطِ الْقَضَاءِ وَيُطْلَقُ بِسُكُوتِهَا إِنْ عَلِمْتَ بِكَرٍّ لَا بِسُكُوتِهِ مَا لَمْ يَرْضَ وَلَوْ دَلَالَةً وَتَوَارَثَا قَبْلَ الْفَسْخِ وَلَا وَلَايَةَ لَعَبْدٍ وَصَغِيرٍ وَمَجْنُونٍ وَكَافِرٍ عَلَى مُسْلِمَةٍ وَإِنْ لَمْ تَكُنْ عَصْبَةً فَالْوَلَايَةُ لِلْأُمِّ ثُمَّ لِلْأَخِ لِأَبٍ وَأُمِّ ثُمَّ لِأَبٍ ثُمَّ لَوَلَدِ الْأُمِّ ثُمَّ لِلدَّوِيِّ الْأَرْحَامِ ثُمَّ لِلْحَاكِمِ وَلِلْأَبْعَدِ التَّزْوِيجُ بِغَيْبَةِ الْأَقْرَبِ مَسَافَةِ الْقَصْرِ وَلَا يُبْطَلُ بَعْدَهُ وَوَلِيُّ الْمَجْنُونَةِ الْإِبْنُ لَا الْأَبُ.

ترجمہ: نافذ ہو جائے گا آزاد عاقل بالغہ کا نکاح ولی کی اجازت کے بغیر، اور باکرہ بالغہ کو نکاح پر مجبور نہیں کیا جائے گا، پس اگر ولی نے اس سے اجازت مانگی اور وہ خاموش رہی یا ہنس پڑی یا اس کے (ولی نے) نکاح کیا پس اس کو خبر پہنچی تو وہ خاموش رہی تو یہ اجازت ہے اور اگر ولی کے علاوہ نے اجازت مانگی تو زبان سے کہنا ضروری ہے، شبہ کی طرح اور جس کی بکارت کو دینے یا حیض آنے یا زخم ہونے یا دیر تک بلا شادی رہنے یا زنا کی وجہ سے زائل ہو گئی ہو تو وہ باکرہ (کے مثل) ہے اور قول عورت کا معتبر ہے اگر وہ اختلاف کریں سکوت میں اور ولی کو اختیار ہے چھوٹے لڑکے لڑکی کے نکاح کرنے کا اور ولی وراثت کی ترتیب پر عصبہ ہوتا ہے اور ان (چھوٹے بچے اور بچی) کو بلوغ کے بعد نکاح توڑ دینے کا اختیار ہے باپ دادا کے علاوہ کے نکاح کی صورت میں قضاء کی شرط کے ساتھ اور اختیار اس کی (یعنی صغیرہ کی) خاموشی سے باطل ہو جاتا اگر جان گئی ہو کنوارے پن میں نہ کہ صغیر کی خاموشی سے جب تک راضی نہ ہو گو دلالت ہو اور دونوں (ایک دوسرے کے) وارث ہوں گے فسخ سے پہلے، اور ولایت غلام اور صغیر اور مجنون اور کافر کے لیے مسلمان عورت پر نہیں ہے اور اگر کوئی عصبہ نہیں ہے تو ولایت ماں کے لیے ہے، پھر حقیقی بہن کے لیے، پھر علاقائی بہن کے لیے پھر اخیانی بھائی بہن کے لیے پھر ذوی الاحرام کے لیے پھر حاکم کے لیے پھر ولی بعید کے لیے اور ولی بعید کے لیے نکاح

کرنے کا اختیار ہے ولی قریب کی قصر کی مسافت کے بقدر غیبت سے اور نکاح ولی قریب کی واپسی سے باطل نہ ہوگا اور بچی عورت کا ولی اس کا لڑکا اور باپ ہے۔

تشریح: جب مصنف تحریرات کے بیان سے فارغ ہو گئے اور اسی سے محلات معلوم ہو گئے تو دونوں باب میں مناسبت کی وجہ سے باب الاولیاء والا کفایہ شروع کیا اس لیے کہ جواز نکاح کے لیے عورت کا مملکت ہونا شرط ہے اور اسی طرح ولی اور کفو بھی علی حسب الاختلاف شرط ہے، اولیاء ولی کی جمع ہے جو ولایت سے شتق ہے ولایت کہتے ہیں غیر پر حکم کو نافذ کرنا خواہ غیر چاہے یا انکار کرے یعنی غیر کے علی الرغم اس پر حکم کا نافذ کرنا ولایت کہلاتا ہے، ولی وہ شخص ہوتا ہے جو میراث کا اہل ہو، عقل و بلوغ کے ساتھ ساتھ، پس بچہ اور بہن کے لیے ولایت ثابت نہیں ہوگی اسی طرح کافر کے لیے مسلمان پر قطعی ولایت نہیں ہے کیوں کہ اس کو مسلمان کی وراثت نہیں ملتی نیز مسلمان کافر کا ولی نہیں ہے اس لیے کہ مسلمان بھی کافر کا وارث نہیں ہوتا، اسی طرح غلام کو ولایت نہیں ہوتی کیوں کہ وہ بھی کسی کا وارث نہیں ہوتا۔

نفذ نکاح حرة الخ: آزاد عاقلہ بالغہ کا نکاح بغیر ولی کی موجودگی اور اس کی اجازت کے نافذ ہو جائے گا۔ یہ امام اعظم اور امام ابو یوسف کی ظاہر الروایۃ کے مطابق رائے ہے، امام ابو یوسف ابتداء اس بات کے قائل تھے کہ آزاد عاقلہ بالغہ کا بغیر اذن ولی نکاح درست نہیں ہے بشرطیکہ اس کا ولی ہو پھر اس قول سے رجوع کیا اور یہ مسلک اختیار کیا کہ بلا اذن ولی نکاح مذکور درست ہے بشرطیکہ شوہر کفو ہو ورنہ نہیں پھر اس قول سے بھی رجوع کر لیا اور فرمایا کہ آزاد عاقلہ بالغہ کا نکاح بلا اذن ولی علی الاطلاق درست ہے خواہ شوہر کفو ہو یا نہ ہو۔

امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک عورت کی عبارت سے بالکل نکاح منعقد نہ ہوگا امام محمدؒ کے نزدیک نکاح مذکور ولی کی اجازت پر موقوف ہو کر منعقد ہوتا ہے خواہ شوہر کفو ہو یا نہ ہو، یعنی اگر نکاح بلا اذن ولی ہوا تھا تو نکاح ولی کی اجازت ملنے پر منعقد ہو جائے گا۔ اور بصورت دیگر نہیں منعقد ہوگا، امام محمدؒ کا رجوع شیخین کے مسلک کی طرف مروی ہے۔ (تبیین الحقائق للزیلعی) ان کا استدلال اس آیت پاک سے ہے فَلَا تَعْصُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحَ أَزْوَاجَهُنَّ کہ تم عورتوں کو نکاح سے مت روکو بشرطیکہ وہ باہمی رضا مندی سے دستور کے مطابق نکاح کرنا چاہیں پس اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ولی کے لیے ولایت تزویج نہ ہوتی تو اسے عضل سے منع نہ کیا جاتا معلوم ہوا ولی کو اس کا حق ہے، نیز رسول اللہ..... کا ارشاد ہے لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلٰی و شاہدی عدل کہ نکاح بغیر ولی اور دو عادل گواہوں کے نہیں ہوتا، امام رازی اس حدیث کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس کا تعلق باندی کے بغیر آقا کی اجازت اور صغیرہ یا مجنونہ کے بغیر سرپرست کی اجازت کے نکاح

کر لینے سے ہے، امام بخاری کہتے ہیں کہ اس باب یعنی ولی کی اجازت کے شرط ہونے سے متعلق کوئی صحیح روایت منقول نہیں ہے۔

احناف کا استدلال متعدد آیات سے ہے فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَا فِي الْفِسْهِنَ کہ تمہارے اوپر کوئی حرج نہیں اس امر نکاح میں کہ جس کا وہ عورتیں اپنے سلسلے میں فیصلے لیں نیز ارشاد ہے فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ۔ نیز ارشاد گرامی ہے فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ یہ ارشادات ربانیہ صراحتاً اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ نکاح عورتوں کی عبارت سے بھی منعقد ہو جاتا ہے، اس لیے کہ نکاح جس کا تذکرہ ان آیات بالا میں ہے وہ عورت کی طرف منسوب ہے اور یہ صریح ہے اس بابت کہ نکاح عورت سے صادر ہوا ہے، نیز اللہ کے رسول..... کا پاک ارشاد ہے الایم احق بنفسها من ولیها (متفق علیہ) یہ روایت بھی عورت کی عبارت کے ساتھ نکاح کے انعقاد پر دلالت کرتی ہے دوسرے یہ کہ جب عورت حرہ عاقلہ بالغہ ہو تو اس کو اپنے اوپر لڑکے کی طرح ولایت حاصل ہوگی، نیز جیسے اس کو تصرف فی المال کی ولایت حاصل ہے ایسے ہی امر نکاح میں اس کو اپنے اوپر ولایت حاصل ہے، واستدلالهم بالنهی عن العضل لا یستقیم لانه نهی عن المنع عن مباشرتها العقد فلیس له ان یمنعها عن المباشرة بعد ما نهی عنه۔

ہمارے مذہب کی صحت پر یہ امر بھی دلیل ہے کہ اگر عورت نکاح کا اقرار کرے تو بالاتفاق صحیح ہے تو اگر اس کے لیے انشاء عقد کا حق نہ ہوتا تو نکاح صحیح نہ ہوتا جیسے کہ صفار اور رقیق کہ ان کو انشاء عقد کا حق نہیں ہے تو ان کا اقرار نکاح بھی معتبر نہیں ہے۔

ولا تجبر بکر بالغة علی النکاح: باکرہ بالغہ کو قبول نکاح پر مجبور نہیں کیا جاسکتا اس لیے کہ بلوغ کی وجہ سے باپ کی ولایت ختم ہوگئی، نیز حرہ مخاطبہ ہے پس دوسرے کو اس پر ولایت نہ ہوگی۔

امام شافعی فرماتے ہیں کہ اب اور جد کے لیے ولایت اجبار ہے باکرہ بالغہ کے امر نکاح سے متعلق ناواقف ہونے کی وجہ سے، پس وہ صغیرہ کے مشابہ ہوگئی اور صغیرہ پر اب اور جد کو ولایت اجبار حاصل ہے، لہذا اس پر بھی ہوگی، یہی وجہ ہے کہ باپ بالغہ کے مہر پر قبضہ کر سکتا ہے نیز نبی..... کا ارشاد الشیْبُ احق بنفسها من ولیها اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ باکرہ کا حکم شبہ کے برخلاف ہے کہ شبہ پر تو اب اور جد کو ولایت اجبار نہیں ہے، لیکن باکرہ پر ہے، پس وہ روایت جو استند ان الکمر سے متعلق منقول ہے استحباب پر محمول ہوگی۔

ہماری دلیل مذکورہ بات کے علاوہ یہ بھی ہے کہ رسول اللہ..... نے ارشاد فرمایا البکرُ یستأذنها أبوها (رواہ مسلم) یعنی باکرہ سے امر نکاح سے متعلق باپ کو اجازت لینا چاہئے، وقال ابن المنذر ثبت انه

عليه الصلوة والسلام قال لا تنكح الثيب حتى تستأمر ولا تنكح البكر حتى تستأذنها قالوا كيف أذننها يا رسول الله قال تسكت وهو في صحيح مسلم کہ باکرہ سے اس کی اجازت کے بغیر نکاح نہ کیا جائے البتہ اس کا خاموش رہنا بھی اجازت ہے، مذکورہ بالا احادیث صحاح صیغہ خبر کے ساتھ ہیں اور ان سے مراد امر ہے اور یہ وجوہ امر میں اقویٰ ہے پس استئذان واجب ہوگا۔

رہی بات یہ کہ باپ باکرہ کے مہر پر قبضہ کر سکتا ہے تو یہ اس کی دلالتہ رضامندی سے ہے پس اس امر سے ولایت اجبار کا ثبوت نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ باپ مہر پر قبضہ کا باکرہ کے منع کر دینے پر مالک نہیں رہتا۔

فإن استأذنها الولی فسکت الخ: اگر ولی اقرب نے باکرہ سے نکاح کی اجازت چاہی بایں طور کہ کہا اريد ان انکحک فلانا کہ تمہارا فلاں سے نکاح کر دینے کا ارادہ رکھتا ہوں تو وہ خاموش رہی یا نہں پڑی یا ولی نے بغیر اس سے اجازت لیے نکاح کر دیا اب بعد میں اس کو نکاح کر دینے کی اطلاع ہوئی پس وہ خاموش رہی تو یہ سب باکرہ کی جانب سے اجازت سمجھی جائے، کیوں کہ نبی..... کا ارشاد ہے البکر تستأمر فی نفسها فان سکت فقد رضیت کہ باکرہ اجازت طلبی پر اگر چپ رہتی تو یہ اس کی رضامندی کی دلیل ہوگی، اس لیے کہ اس میں رضا کا پہلو رائج ہے، کیوں کہ وہ نکاح میں اظہار دلچسپی سے حیاء کرتی ہے، اور محک یہ دلالتہ رضامندی ہے بشرطیکہ ہنسنا استہزاء نہ ہو، کیوں کہ ہنسنا سکوت کے مقابلے میں رضامندی پر زیادہ دال ہے، کیوں کہ یہ نکاح کی خبر مسرت اور شادمانی کی علامت ہے، نیز جب عورت بلا صوت رو پڑے تو یہ نکاح کا رد نہ سمجھا جائے گا، بلکہ یہ گھروالوں کی مفارقت پر حزن و ملال کا اظہار ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

مرغیانی نے ذکر کیا ہے کہ طلب رضا پر اگر وہ روتی ہے اور اس کے آنسو ٹھنڈے ہیں تو رضامندی کی علامت ہے اور اگر گرم آنسو نکلے تو نا منظوری کی علامت ہے، البتہ طلب اجازت کے وقت شوہر کے نام کی مراحت ضروری ہے تاکہ عورت کی دلچسپی یا ناپسندیدگی کا پتہ چل سکے چنانچہ اگر اس نے کہا اريد ان ازواجک من رجلی پس وہ خاموش رہی تو یہ رضامندی نہ سمجھی جائے گی، کیوں کہ شوہر کے بارے میں اسے کوئی علم نہیں ہے۔

وإن استأذنها غیر الولی فلا بد من القول: اور اگر غیر ولی نے اجازت طلب کی یا ولی اقرب کی موجودگی کے باوجود ولی بعد نے کسی بالغہ باکرہ کا نکاح کرنا چاہا تو اس کا سکوت رضاء کے لیے کافی نہ ہوگا بلکہ زبان سے کہنا ضروری ہوگا، کیوں کہ اس کا سکوت مزدوج کی بات سے بے رغبتی اور قلبی توجہ پر دلالت کرتا ہے، پس اس کا سکوت رضامندی پر دال نہ ہوگا۔

یاد رہے کہ غیر الولی اپنے عموم پر نہیں ہے چنانچہ ولی اقرب کا قاصد یا اس کا وکیل ولی اقرب کے قائم

مقام ہوتا ہے، لہذا ان کے اجازت مانگنے پر باکرہ عاقلہ بالغہ کا خاموش رہنا رضامندی سمجھی جائے گی۔
 کالیب: یعنی جس طرح شبیہ (یعنی وہ خاتون جس کی بکارت زائل ہوگئی ہو شوہر کی مجامعت کی وجہ سے پھر وہ کسی وجہ سے باندہ ہوگئی) سے اجازت طلب کرنے پر زبان سے کہنا ضروری ہے، اسی طرح غیروہی اقرب کی اجازت نکاح مانگنے پر باکرہ عاقلہ کا زبان سے کہنا ضروری ہوگا اس کے جواب میں سکوت کافی نہ ہوگا، ہاں اگر زبان سے تو کچھ نہیں کہا تھا لیکن عقد نکاح کی اطلاع ملنے پر ایسا فعل کیا جو رضامندی پر دلالت کرتا ہے، جیسے اپنے اوپر قابو دے دینا یا مہر کا مطالبہ کرنا تو یہ بھی رضامندی ہوگی۔

ومن زالت بکارتها الخ: بکارت ایک جھلی ہوتی ہے جو فرج داخل میں پائی جاتی ہے، پس وہ خاتون جس کی دوشیزگی اوپر سے بچے کو دینے یا حیض یا موضع بکارت میں زخم لگ جانے یا بڑی عمر تک بغیر شادی کے رہنے کی وجہ سے زائل ہوگئی ہو بشرطیکہ وہ زنا پر اصرار نہ کرتی ہو اور معاملہ چھپا ہوا ہو تو وہ دوشیزہ ہی ہے، زنا کے ماسواء میں حقیقتاً اور زنا میں حکماً، چنانچہ ان کا سکوت بوقت تزویج دال علی الرضاء ہوگا، صاحبین کہتے ہیں کہ زنا کی صورت میں اس کا سکوت رضامندی کی علامت نہ ہوگا، کیوں کہ عمل زنا کی وجہ سے وہ حقیقتاً شبیہ ہوگئی جو کہ محروم حیا ہوتی ہے، اس لیے کہ مجامعت کا عمل اس کے ساتھ پہلی بار قائم نہ ہو رہا ہوگا، جب کہ دوشیزہ کسی کی زندگی کی بہار پہلی مرتبہ بن رہی ہوتی ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک تمام صورتوں میں خاتون باکرہ نہ ہوگی، پس اس کا سکوت کافی نہ ہوگا، اس لیے کہ دوشیزہ کہتے ہیں کہ جس کی بکارت سلامت اور موجود ہو اور شبیہ کہتے ہیں کہ جس کا پردہ بکارت ختم ہو گیا ہو اور مذکورہ صورتوں میں دوشیزگی دم توڑ چکی ہے، لہذا وہ شبیہ ہوں گی یہی وجہ ہے کہ اگر کسی نے کوئی باندی خرید باکرہ کی شرط کے ساتھ، پس اسے اس صفت کے ساتھ نہیں پایا یعنی مذکورہ بالا اسباب کی وجہ سے اس کی حیا سر بہرہ نہ رہی پائی تو مشتری اس باندی کو واپس کر دینے کا حق رکھتا ہے۔
 ہمارا کہنا یہ ہے کہ باکرہ کا سکوت اس کے حیا کی وجہ سے دال علی الرضاء سمجھا جاتا ہے اور حیا مذکور تمام ابکار میں پائی جاتی ہے لہذا سبھی کا سکوت دال علی الرضاء ہوگا کیوں کہ حیا ہی درحقیقت مدار بکارت ہے اسی وجہ سے اگر کسی نے قبیلہ کے ابکار کے لیے وصیت کی تو اس وصیت میں تمام طرح کی باکراتیں داخل ہوں گی، رہی بات باندی کی خرید کا مسئلہ تو اس بابت اولاً ہمارا کہنا یہی ہے کہ مشتری جب اس کا مقرر ہو تو واپس نہیں کر سکتا، لہذا قیاس صحیح نہیں دوسرے یہ کہ بکارت کے شرط ہونے میں لوگوں کا عرف یہ ہے کہ وہ صفت بکارت کے ساتھ ہو اور باندی دوشیزگی کی صفت کے ساتھ متصف نہیں ہے، پس وہ لوٹا سکتا ہے، اور مسئلہ زیر بحث میں حکم اہم عذارت سے متعلق ہے اس کے وصف کے ساتھ نہیں اور بکارت کا نام باقی ہے، مزید تفصیل کے لیے تبیین الحقائق للزیلعی ملاحظہ فرمائیں۔

فائدہ: وہ عورت جس نے ایک بار ہی زنا کیا ہے تو وہ باکرہ ہوگی البتہ صاحبین اس کے بھی باکرہ ہونے کی ٹلی کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ زنا حیاء کو کافور کر دیتا ہے کہ جس سے احکام ابکار متعلق ہوتے ہیں، چنانچہ وہ شبہ کے حکم میں زنا کی وجہ سے ہو جاتی ہے، امام صاحب کا کہنا یہ ہے کہ ایک مرتبہ زنا سے گو، زانی سے اس کی حیاء نہیں رہتی لیکن ولی سے اس کی حیاء ختم نہیں ہوتی، اور عورت سے استیذان کے وقت اعتبار وجود حیاء کافی ہے، جو کہ موجود ہے، البتہ اگر وہ زنا کی عادت ڈال لے یا زنا کی وجہ سے اس پر حد جاری ہوگئی ہے یا اس سے طی بالشبہ ہوگئی ہے تو وہ بالاتفاق شبہ ہوگی۔

والقول لها ان اختلافاً في السكوت: اور ہر سکوت میں اختلاف کی صورت میں اعتبار عورت کے قول کا ہوگا، اس کی صورت یہ ہے کہ شوہر نے دعویٰ کیا کہ جب تجھے میرے ساتھ اپنے نکاح کی اطلاع پہونچی تو، تو خاموش رہی اور عورت کہتی ہے کہ صاحب میں نے تو نکاح منظور نہیں کیا تھا، بلکہ اسے رد کر دیا تھا اور بینہ کسی کے پاس نہیں ہے تو عورت کی بات مانی جائے گی، امام زفرؒ کہتے ہیں شوہر کی بات مانی جائے گی، اس لیے کہ سکوت اصل ہے اور رد عارض ہے پس ظاہر شوہر کے لیے ہی گواہی دیتا ہے کہ عورت چپ رہی ہوگی اور ہم کہتے ہیں کہ شوہر عورت پر لزوم عقد کا دعویٰ کر رہا ہے، جب کہ عورت اس کا انکار کرتی ہے اور بینہ کسی کے پاس نہیں پس قول منکر کا قول ہوگا، لہذا عورت کی بات منکر عقد ہونے کی وجہ سے معتبر ہوگی، اچھا اگر بینہ کسی کے پاس ہوتا تو مدار فیصلہ ثبوت ہوتا۔

وللولی النکاح الصغیر الخ: ولی مطلق کے لیے خواہ عادل ہو یا فاسق اب اور بجد ہو یا ان کے سواء نابالغ بچہ اور بچی کا عقد کر دینا درست ہے، خواہ بچی باکرہ ہو یا شبہ، امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ باپ کے سواء کسی اور کو حق تزویج نہیں ہے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ باپ، دادا کے سواء کوئی صغیر اور صغیرہ کا نکاح نہیں کر سکتا، بشرطیکہ باپ اور دادا عادل ہوں۔

امام مالکؒ کی دلیل یہ ہے کہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ ولی کے لیے بلا ضرورت ولایت علی الغیر نہ ہو بشرطیکہ وہ غیر آزاد ہو اور خواہش کے نہ ہونے کے وقت یعنی عدم بلوغ کے زمانہ میں ولایت کی کوئی حاجت نہیں، مگر یہ کہ اب یعنی باپ کی ولایت نہ ثابت ہے، اور وہ یہ ہے کہ سیدنا حضرت ابو بکرؓ نے اماں عائشہؓ کا عقد مبارک سرکار کائنات سے فرمایا، حالاں کہ ام المؤمنین اس وقت بالغ نہیں ہوئی تھیں، اور جد اس معنی میں نہیں ہے لہذا وہ اب کے ساتھ باب ولایت میں لاحق نہ ہوگا، صغیر اور صغیرہ یعنی غیر مکلف کے عقد کا حق صرف اور صرف اب کو ہوگا جد کو اس کی اجازت نہ ہوگی۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر صغیرہ شبہ ہے تو کسی کے لیے بلا مرضی اس کا عقد کرنا درست نہیں اس لیے

کہ شیبہ سے اس کی مرضی بوقت نکاح معلوم کرنے کا رسول اللہ..... نے حکم دیا ہے، کیوں کہ شیبہ ہونا پر یکیش اور روئین پائے جانے کی وجہ سے اظہار رائے کا سبب ہے اور قبل البلوغ شیبہ کے اذن کا اعتبار نہیں ہے، لہذا انتظار واجب ہے اور اگر صغیرہ باکرہ ہے تو آب اور جہد کے لیے اس کا عقد بلا استیذان کر دینا روا ہے، البتہ ان کے علاوہ دیگر اولیاء کو حق تزویج نہیں ہے، جیسے کہ امام مالکؒ نے فرمایا البتہ جہد معاملہ تزویج میں آب کی طرح ہے اسی وجہ سے جہد کو صغیر اور صغیرہ کے مال میں حق تصرف ایسے ہی حاصل ہے جیسے آب کو ہوتا ہے، بخلاف ان دونوں کے علاوہ دیگر عصابات کے کہ وہ مال میں حق تصرف نہیں رکھتے باوجود یکہ وہ کم حیثیت ہے تو نفس میں حق تصرف بدرجہ اولیٰ نہ ہوگا کیوں کہ تصرف نفس بلند مرتبہ چیز ہے۔

ہمارا مذہب حضرت عمر اور حضرت علی اور حضرات عبادلہ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے جو حجت کے لیے کافی ہیں امام کرنی نے حضرات صحابہ کا اجماع نقل کیا ہے کہ اب اور جہد صغیر اور صغیرہ کا علی الاطلاق نکاح کر سکتے ہیں، خود سرکار کائنات جناب محمد رسول اللہ..... نے حضرت حمزہ کی صاحبزادی حضرت امامہ کا عقد، ان کے چھوٹے پن میں حضرت سلمہ بن ابی سلمہ سے فرمایا اور ارشاد فرمایا لھا الخیار اذا بلغت کہ بالغ ہونے کے بعد امامہ کو اختیار ہے چاہے نکاح باقی رکھیں اور چاہے ختم کر دیں، رسول اللہ..... حضرت امامہ کا نکاح عصوبت کی وجہ سے کیا نبوت کی وجہ سے نہیں یعنی عقد نکاح بحیثیت عصبہ ہونے کے فرمایا بحیثیت نبی ہونے کے نہیں کیوں کہ نبی..... نے خود ان کے لیے ارشاد فرمایا لھا الخیار اذا بلغه . پس بحیثیت نبی نکاح فرمانے پر امامہ کے لیے اختیار ثابت نہیں ہو سکتا جیسا کہ مولیٰ اور آب اور جہد کی تزویج کی صورت میں خیار صغیر اور صغیرہ نیز باندی کو نہیں رہتا، اس لیے کہ نبوت ابوة سے بڑھ کر ہے، نیز نبی..... نے کسی کا عقد بحیثیت نبی کے نہیں فرمایا ہے، اگر ایسا ہوتا تو کوئی اس معاملہ میں آپ..... سے پیش قدمی نہ کرتا، نیز یہ بات بھی منقول نہیں ہے کہ آپ نے کسی ولی کو عقد نکاح سے منع فرمایا ہو اور خود لوگوں کا نکاح کیا ہو، حضرت علی سے موقوفاً اور مرفوعاً منقول ہے الانکاح الی العصابات کہ نکاح کرانے اور تزویج کا حق عصابات کو ہے، اس روایت کو سبط ابن الجوزی اور شمس اللائمہ وغیرہ نے بیان کیا ہے اور علماء کا کبیرہ کے حق میں اس حدیث کے مطابق عمل پر اجماع ہے، پس ضروری ہے کہ اس حدیث پر صغیرہ کے حق میں بھی عمل کیا جائے اس لیے کہ وہ کبیرہ کے مقابلے میں زیادہ عاجز اور اس کی محتاج ہے، حاصل یہ ہے کہ ولایت علی الخیر کا مدار شافعی کے نزدیک بکارت پر ہے اور احناف کے نزدیک عدم العقل اور نقصان فی العقل پر ہے۔

والولی العصبۃ بترتیب الارث: عصبہ ہر وہ وارث ہے جو اصحاب فرائض سے بچے ہوئے مال کو لے لے اور تہا ہوتے وقت پورا مال سمیٹ لے، معلوم ہوا کہ یہاں ولی مطلقاً استعمال ہوا ہے، تا کہ اب اور جہد

یز دیگر عصبات کو بھی ولی شامل ہو جائے، یہاں عصبہ سے مراد عصبہ بنفسہ ہے، یعنی باب نکاح میں ولی وہی ہوتا ہے جو باب وراثت میں عصبہ بنفسہ ہوتا ہے، یعنی لڑکا، پوتا، پڑپوتا نیچے تک، باپ، دادا، پردادا اور پر تک، بھائی چچا پھر اعمام البچہ پھر مولیٰ کے عصبات پھر ذوی الارحام۔
خلاصہ یہ کہ ولی باب نکاح میں عصبہ بنفسہ ہے، جس کو ولایت حق میراث کی ترتیب پر حاصل ہوتی ہے، پس مجنونہ کا لڑکا مجنونہ کے باپ پر مقدم ہوگا۔

ولهما الخيار الفسخ بالبلوغ الخ: جب صغیر اور صغیرہ کا نکاح اب اور جد کے علاوہ کسی اور ولی نے (خواہ وہ قاضی ہو یا امام یا اور کوئی) کیا تو ان دونوں کو بلوغ کے بعد قضاء قاضی کے واسطے سے فسخ نکاح کا اختیار ہے، یہ طرفین کی رائے ہے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک صورت مذکورہ میں فسخ نکاح کا حق نہیں ہے وہ فرماتے ہیں کہ نکاح عقد لازم ہے جو کہ ولی سے صادر ہوا ہے، پس یہ اب اور جد کی تزویج پر قیاس کرتے ہوئے فسخ نہیں کیا جاسکتا، اس لیے کہ ولایت موقع نظر و شفقت کے علاوہ میں مشروع ہی نہیں ہوئی ہے، باعث ضرر ہونے سے بچتے ہوئے اور جب نظر صحیح ہے تو ولی کا عقد کرنا خود صغیر اور صغیرہ کے بلوغ کے بعد عقد کرنے کے قائم مقام سمجھا جائے گا۔

طرفین کی دلیل وہ حدیث ہے جو اوپر ذکر کی گئی، جس میں رسول اللہ..... نے حضرت امامہ کے عقد فرمانے کے بعد ان سے فرمایا تھا لھا الخيار اذا بلغت کہ نکاح کرنے کو تو کر دیا گیا ہے پر امامہ کو بلوغ کے بعد فسخ نکاح کا اختیار ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جب اب اور جد کے علاوہ نے صغیر اور صغیرہ کا عقد کیا تو یہ عقد ایسے شخص کی طرف سے ہوا جو قاصر الشفقه ہے، کیوں اب اور جد ہی صرف تام الشفقه ہوتے ہیں پس جب معاملہ یہ ہے تو صغیر اور صغیرہ کو اپنی ذات کے مالک ہونے کے ساتھ خیار مل جائے گا، جیسے وہ باندی جس کی شادی کر دی گئی ہو تو اس کو آزادی ملنے کے ساتھ ہی اپنے عقد سابق پر نظر ثانی کا حق مل جاتا ہے کہ چاہے وہ عقد کو باقی رکھے اور چاہے تو ختم کر دے۔

وبطل بسکو تھا ان علمت بکرا: یعنی اگر صغیر اور صغیرہ کا نکاح اب اور جد کے علاوہ کسی اور ولی نے کیا تھا اب بلوغ کے بعد صغیرہ کو اپنے نکاح کا علم ہوا پس وہ خاموش رہی تو اس کا فسخ نکاح کا خیار جو بعد البلوغ اس کو حاصل ہوا تھا باطل ہو جائے گا، بشرطیکہ صغیرہ بلوغ کے بعد وصف بکارت کے ساتھ متصف ہو، کیوں کہ سکوت رضا مندی کی دلیل ہے۔

اور اگر صغیرہ بالغ تو ہو گئی لیکن اس کو نکاح کا علم ابھی تک نہیں ہوا تو تا وقتیکہ اسے نکاح کی جانکاری نہ ہو

اس کا فتح نکاح کا اختیار ختم نہیں ہوگا، اسی طرح اگر وہ صغیرہ بعد البلوغ باکرہ نہ ہو بلکہ شیبہ ہو خواہ شوہر نے قبل البلوغ اس سے وطی کر لی ہو یا وہ صغیرہ بوقت نکاح ہی شیبہ تھی تو ان دونوں صورتوں میں نکاح سے متعلق واقفیت کے بعد اس کا سکوت اس کے خیال فتح کے لیے مبطل نہ ہوگا بلکہ اس کا خیال فتح تب ساقط ہوگا جب وہ اپنی زبان سے رضا مندی ظاہر کر دے یا اپنے عمل سے مثلاً شوہر کو جماعت پر قدرت دیدے یا شوہر سے مہر کا مطالبہ کرنے لگے۔

البتہ اگر بلوغ کے بعد نکاح کی اطلاع کے بعد صغیرہ خاموش رہا تو صغیرہ کی خاموشی رضا مندی کی علامت نہ ہوگی، بلکہ ضروری ہے کہ وہ اپنی زبان سے اظہار رضا مندی کرے یا عمل سے کہ وہ عورت کو مہر سپرد کر دے یا اس سے جماعت کر لے تو اب فتح نکاح کا اختیار ختم سمجھا جائے گا۔

وتوارثا قبل الفسخ: اگر دونوں میں سے کوئی ایک بلوغ سے پہلے یا بلوغ کے بعد اور فتح نکاح سے پہلے مرجائے تو وہ دونوں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے کیوں کہ نکاح صحیح ہے اور ملک بضع اس کے ذریعہ ثابت ہے، پس جب کوئی ایک مراخواہ بلوغ سے پہلے یا بعد میں تو نکاح کی انتہاء ہوگئی، کیوں کہ فرقت دونوں کے درمیان قضاء قاضی سے ہی واقع ہوتی ہے لہذا وہ دونوں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے اور پورا مہر واجب ہوگا، گو دخول سے پہلے مرجائے البتہ نکاح موقوف اور فاسد میں اگر کوئی ایک مرجائے تو دوسرا وارث نہ ہوگا۔

ولا ولاية لعبد وصغير: غلام اور نابالغ اور مجنون کو کسی پر بھی حق ولایت نہیں ہے، کیوں کہ ان کو تو حق ولایت خود اپنے اوپر تو ہے نہیں دوسروں کے اوپر کیسے ہو جائے گی، کیوں کہ ولایت علی الصغیر، ولایت علی النفس کی فرع ہے یہی وجہ ہے کہ ان کی گواہی مقبول نہیں ہوتی، دوسرے اس لیے بھی کہ یہ ولایت نظریہ ہے اور ان کی رائے کے حوالہ کر دینے میں کوئی مصلحت نہیں ہے۔

اور کافر کو مسلمہ پر گو وہ اس کی لڑکی کیوں نہ ہو ولایت اجبار حاصل نہیں ہے اور نہ ہی کافر کی مسلمان مرد اور عورت کے خلاف گواہی مقبول ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا نیز کافر کو مسلمان پر ولایت اجبار حاصل نہیں ہے اسی طرح مسلمان کو کافر پر بھی ولایت اجبار نہیں ہے، الا یہ کہ مسلمان کافرہ باندی کا آقا ہو یا وہ حاکم اور سلطان ہو تو اس کو بحیثیت آقا اپنی کافرہ باندی پر اور بحیثیت سلطان اپنی کافرہ رعایا پر ولایت کا حق ہے۔

ایک کافر دوسرے کافر کا ولی ہو سکتا ہے اور ان میں سے باہم وراثت بھی جاری ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَالَّذِينَ كَفَرُوا بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ

وان لم تكن عصابة: مذکورہ بالا حکم تب ہے جب عصبہ ہو اور اگر عصبہ موجود نہ ہو نہ قریب کا اور نہ بعید

کانہ بسی اور نہ سہمی جیسے مولیٰ عتاقہ تو پھر صغیر اور صغیرہ کی ولایت ماں کو حاصل ہوگی، پھر حقیقی بہن کو پھر علاتی بہن، پھر اخانی بھائی بہن کو پھر ذوی الارحام یعنی پھوپھیاں پھر ماموں اور خالائیں پھر چچا زاد بہنیں پھر حاکم کو بعض حضرات نے کہا کہ حقیقی بہن کو ماں پر تقدم حاصل ہے اس لیے کہ اس کی ایک ایسی بھی حالت ہے جس میں وہ عصبہ ہوتی ہے۔

وللا بعد التزويع بغية الكافر الخ: اگر قرہمی ولی موجود نہ ہو تو ولی الہد کے لیے نکاح کر دینا جائز ہے پھر اگر قرہمی ولی آجائے تو ولی الہد کا کیا ہوا نکاح باطل نہ ہوگا، کیوں کہ ولی الہد کا کیا ہوا نکاح اس کی کامل ولایت کے ساتھ ہوا ہے، پھر متاخرین کے نزدیک ولی اقرب کا بقدر مسافت سفر شرعی دور ہونا معتبر ہے مصنفؒ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

اس مسئلہ میں زفر کا اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ ولی اقرب جب کہ گھر سے بقدر مسافت سفر شرعی دور ہو ولی الہد نکاح نہیں کر سکتا، اور شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ایسی صورت میں حاکم اور سلطان وقت نکاح کا مجاز ہوگا، امام زفرؒ کی دلیل یہ ہے کہ اقرب کی ولایت قائم ہے اسی لیے اگر وہ جہاں بھی ہے وہیں سے نکاح کر دے تو نکاح درست ہو جائے گا پس اس کی ولایت کے ہوتے ہوئے ولی الہد اور سلطان کو حق ولایت نہیں ہے، پس ایسے ہو گیا کہ جیسے اقرب موجود ہو تو اس کی موجودگی میں الہد اور حاکم کو ولایت نہیں ہوا کرتی۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ ولایت مبنی بر مصلحت و شفقت ہوتی ہے اور یہ بات خلاف مصلحت ہے کہ امر تزویج اس شخص کے حوالہ کر دیا جس کی رائے سے انشاع نہ کیا جاسکتا ہو پس ہم نے اس کو موقوفہ فی الی الی الی مان لیا اور یہ سلطان پر مقدم ہوگا۔

وولی المعنونة الابن: شیخین کے نزدیک مجنونہ کا ولی اس کا بیٹا ہوگا باپ نہیں اور امام محمدؒ کے نزدیک اس کے برعکس ہے امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ مجنونہ کا باپ، بیٹے کے مقابلے میں زیادہ شفیق ہے، اسی وجہ سے باپ کو جان و مال دونوں میں ولایت حاصل ہوتی، جب کہ بیٹے کو ام مجنونہ کے مال میں ولایت نہیں ہوتی، لہذا باپ، بیٹے کے مقابلے میں ولایت کا زیادہ حق دار ہوگا۔

شیخین کی دلیل یہ ہے کہ مجنونہ کا بیٹا مجنونہ کے باپ پر عصبہ میں مقدم ہے اور اس ولایت اجبار کی بنیاد عصبہ پر ہی نہا ہے اور شفقت کی زیادتی کا اعتبار نہیں ہوگا، جیسے کہ اب الام دوسرے عصبات کے ساتھ واضح رہے کہ جنون اصلی اور جنون طاری میں اس معاملہ میں کوئی فرق نہیں ہے، امام زفرؒ کے نزدیک البتہ جنون طاری میں کسی کو حق نکاح نہیں ہے، امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ مجنونہ کا باپ اور اس کا بیٹا دونوں ولی ہیں پس دونوں میں سے جو بھی مجنونہ کا عقد نکاح کر دے صحیح ہے، البتہ اگر دونوں موجود

ہوں تو باپ کو احتراماً تقدیم حاصل ہوگا، یہی حکم تب بھی ہے جب بجائے اُب کے جد ہو اور مجنونہ کا لڑکا ہو، بہتر یہ ہے کہ دونوں میں سے جو بھی مجنونہ کا نکاح کرے تو دوسرے سے مشاورت کر لے پھر نکاح کرے تاکہ یہ نکاح بالاتفاق درست ہو۔

فصل فی الکفاءة

مَنْ نَكَحَتْ غَيْرَ كُفُوٍ فَارْقَ الْوَلِيُّ وَرَضَا الْبَعْضُ كَالْكُلِّ وَقَبْضُ الْمَهْرِ وَنَحْوَهُ رَضَاءٌ لَا السُّكُوتُ وَالْكَفَاءَةُ تُعْتَبَرُ نَسَبًا فَقَرِيشٌ أَكْفَاءٌ وَالْعَرَبُ أَكْفَاءٌ وَحُرِّيَّةٌ وَأَسْلَامًا وَأَبَوَانِ فِيهِمَا كَالْآبَاءِ وَذِيَانَةٌ وَمَالًا وَحِرْفَةً وَلَوْ نَقَصَتْ عَنْ مَهْرٍ مِثْلَهَا فَلِلْوَلِيِّ أَنْ يُفَرِّقَ أَوْ يَتِمَّ مَهْرَهَا وَلَوْ زَوَّجَ طِفْلَهُ غَيْرَ كُفُوٍ بَغَيْنَ فَاحِشٌ صَحَّ وَلَمْ يَجْزِ ذَلِكَ لِغَيْرِ الْآبِ وَالْجَدِّ.

ترجمہ: فصل ہمسروں کے بیان میں، وہ خاتون جو غیر کفو سے شادی کر لے تو ولی جدائی کر سکتا ہے اور بعض کی رضا کل کی رضا ہے اور مہر وغیرہ پر قبضہ کرنا بھی رضا ہے نہ کہ خاموشی اور کفایت معتبر ہوتی ہے نسب کے لحاظ سے پس قریشی (آپس میں) اور عربی لوگ (آپس میں) کفو ہیں اور آزادی اور اسلام کے لحاظ سے اور باپ دادا آزادی اور اسلام میں چند باپ داداؤں کی طرح ہیں اور دینداری اور مالداری اور پیشے کے لحاظ سے اور اگر عورت مہر مثل سے کم کر دے تو ولی جدائی کر سکتا ہے، یا مہر کامل کر دے اور اگر کوئی اپنے چھوٹے بچے کا نکاح غیر کفو سے یا بہت سا مہر گھٹا کر کر دے تو صحیح ہے مگر یہ باپ دادا کے سواء کسی اور کے لیے جائز نہیں۔

تشریح: اکفاء کفو کی جمع ہے، بمعنی نظیر بولا جاتا ہے ”کافاہ“ وہ اس کے برابر ہے، نکاح میں کفایت سے مراد ایک مخصوص برابری ہے جس کا اعتبار مرد کی جانب سے ہوتا، کیوں کہ شریف عورت کو ذلیل کا فراش ہونا پسند نہیں ہوتا اور وہ خیس کے نیچے رہنا پسند نہیں کرتی، بخلاف مرد کے وہ طالب فراش ہوتا ہے جس کے لیے کمترین فراش باعث تنگ و عار نہیں، کفایت کا اعتبار شروع نکاح میں ہوتا ہے، پس اگر بوقت نکاح مرد عورت کے برابر رہا ہو بعد میں عورت سے کم تر ہو جائے مثلاً فاسق لاخیر ہو جائے تو نکاح فسخ نہ ہوگا۔ یہ بھی یاد رہے کہ کفایت اولیاء کا حق ہے عورت کا نہیں پس اگر کوئی عورت کسی سے نکاح کرے اور عورت کو اس کا حال معلوم نہ ہو اور بعد کو وہ غلام ثابت ہو تو عورت کو اختیار نہ ہوگا بلکہ فسخ کا حق اولیاء کو ہوگا، اور اگر اولیاء کو کفایت کا علم نہ ہو اور وہ عورت کا نکاح اس کی رضا کے ساتھ کر دیں پھر معلوم ہو کہ شوہر کفو نہیں تو نہ اولیاء کو حق فسخ ہوگا اور نہ عورت کو۔

من نکحت غیر کفوء فرق الولی: اور وہ خاتون جنہوں نے غیر کفو سے شادی کر لی بغیر ولی کی اجازت کے تو جب تک اس شوہر کے نطفہ سے کوئی بچہ پیدا نہیں ہوتا ولی کو حق تفریق ہے، امام مالک اور سفیان کا اختلاف ہے ان کے نزدیک کفو صرف باعتبار دین کے ہے حسب و نسب معیار نہیں ہے، کیوں کہ نبی..... کا ارشاد ہے الناس سواسیۃ کانسنان المشط لافضل لعربی علی عجمی إنما الفضل بالتقویٰ کہ لوگ کنگھی کی دانتوں کی طرح برابر ہیں کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی برتری نہیں ہے، بلاشبہ برتری تقویٰ کے اعتبار سے ہے۔

اگر بچہ پیدا ہو جاتا ہے تو تفریق نہیں ہوگی، اور جب بھی تفریق ہوگی ولی کے مطالبہ پر قضاء قاضی سے ہوگی، چنانچہ جب تک قاضی اور حاکم تفریق نہیں کرتا تو حق طلاق وارث باقی رہتا ہے، یہ فرقت جو برہنائے کفو قضاے قاضی سے ہوگی طلاق نہیں ہے اور عورت کے لیے عدم دخول کی صورت میں مہر بھی نہ ہوگا اور اگر دخول ہو چکا تھا تو مہر مسلمی ہوگا۔

ورضا البعض کالکل الخ: اگر غیر کفو میں لڑکی نے رشتہ کر لیا اور بعض اولیاء اس سے راضی تھے تو بعض اولیاء کا راضی ہونا گویا سب اولیاء کا راضی ہونا ہے کسی کو حق اعتراض نہ ہوگا، الا یہ کہ جب راضی ہونے والے ولی سے بھی کوئی قریب تر ولی ہو تو اس کو حق اعتراض رہے گا، امام ابو یوسف فرماتے ہیں بعض کا راضی ہونا سب کا راضی ہونا نہیں سمجھا جاسکتا، بشرطیکہ وہ اولیاء ایک درجہ کے ہوں اس لیے کہ وہ سب کا حق ہے پس حق اعتراض سب کی رضا مندی سے ہی ختم ہوگا، جیسے کہ دین مشترک سب کی رضا مندی سے ہی ختم ہوتا ہے۔
تینچین کی دلیل یہ ہے کہ یہ حق واحد ہے جس میں تجزی نہیں ہوتی اس لیے کہ اس کا ثبوت ایسے سبب سے ہوتا ہے جس میں تجزی نہیں ہے۔

وقبض المہر ونحوہ رضاء: مہر وغیرہ پر قبضہ اور شب زفاف کے قیام کی ترتیب ولی کی رضا مندی سمجھی جائے گی کیوں کہ یہ حکم عقد کی پختگی ہے، ولی کا خاموش رہنا رضا مندی نہیں ہے، پس غیر کفو میں شادی کرنے کے بعد اگر ولی اطلاع ملنے پر خاموش رہا تو گودت کتنی دراز ہو جائے ولی کی جانب سے رضا مندی نہیں ہوگی، بشرطیکہ کوئی اولاد نہ ہوئی ہو، پس اگر خاموش رہا تا آنکہ لڑکی صاحب اولاد ہو گئی تو یہ سکوت دلالتہ رضا مندی ہوگی۔

والکفاءة تعتبر نسباً: کفاءة چھ چیزوں کے اعتبار سے ہوتی ہے، پہلی چیز نسب ہے کیوں کہ لوگ نسب سے اپنے کو معزز سمجھتے ہیں، اور نسب ان کے لیے باعث فخر ہوتا ہے، پس قریش باہم ایک دوسرے کے کفو ہیں خواہ کوئی بھی شاخ ہو اور ان میں باہم تفاضل کا اعتبار نہیں ہوگا، چنانچہ حضرت علی نے اپنی صاحبزادی

حضرت ام کلثوم کا عقد جو بطنِ فاطمہؑ سے تھیں بچپن میں ہی حضرت عمرؓ سے فرما دیا تھا، حالاں کہ ام کلثوم ہاشمی اور عمر عدوی ہیں، اور ماسوائے قریش عرب ایک دوسرے کے کفو ہیں، یعنی ان میں باعتبار قبائل کوئی تفریق اس باب کفایت میں نہیں ہے، رسول اللہ..... نے ارشاد فرمایا قریش اکفاء بعض بطنِ بطن العرب بعضهم اکفاء لبعض قبيلة بقبيلة والموالی بعضهم اکفاء لبعض رجل برجل۔

مبسوط میں ہے الفضل الناس نسباً بنو ہاشم ثم قریش ثم العرب کہ سب سے افضل بنو ہاشم پھر قریش پھر عرب ہیں اس قول کی بنیاد محمد بن علی کی روایت ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ..... نے ارشاد فرمایا ان الله اختار من الناس العرب ومن العرب قریشاً واختار منهم بنی ہاشم واختارنی من بنی ہاشم ولا فخر۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں میں عربوں کا انتخاب فرمایا اور عربوں سے قریش کا اور ان سے بنو ہاشم کا اور بنو ہاشم سے میرا (یعنی رسول اللہ..... کا) اور یہ کوئی فخر نہیں ہے۔

بعض حضرات مطلقاً عربوں کو باہم ایک دوسرے کا کفو نہیں مانتے چنانچہ وہ بنو ہاشم کا استثناء کرتے ہیں کہ گویہ عرب ہیں لیکن عام عربوں کے لیے کفو نہیں ہیں کیوں کہ یہ دنائت اور خست میں مشہور ہیں چنانچہ ایک عربی شاعر کہتا ہے

اذا ولدت حليلة باهلي غلاماً زاد في عدد اللئام

کہ جب کسی باہلی کی عورت کوئی لڑکا جنتی ہے تو کمینوں کی تعداد میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

وحرية واسلاماً: دوسری چیز آزادی اور تیسری چیز اسلام ہے، یعنی کفایت کا اعتبار آزادی اصول اور اسلام اصول میں ہوتا ہے، یعنی وہ عورت جس کا باپ آزاد ہو یا جس کا باپ مسلمان ہو اس کا کفو وہی مرد ہو سکتا ہے جس کا باپ بھی مسلمان اور آزاد ہو لیکن حریت اور اسلام میں کفایت کا اعتبار عجمیوں کے حق میں ہے اس لیے کہ ان کا سرمایہ فخر صرف آزادی اور اسلام ہی ہے، نسب ان کے حق میں قابل فخر چیز نہیں اور ایسا اس لیے ہے کہ کفر عیب ہے اور ایسے ہی رقت عیب ہے اس لیے کہ غلامی کفر کا اثر ہے اور اسلام و حریت اس عیب کو زائل کر دیتے ہیں اس لیے عجمی اسلام و حریت کو ہی مستحق سمجھتا ہے۔

ابوان فيهما: یعنی وہ شخص جس کے باپ اور دادا آزاد اور مسلمان ہوں وہ اس کا کفو ہو سکتا جس کی کئی نسلیں پہلے سے مشرف باسلام چلی آتی ہیں اور وہ کئی نسلوں سے آزاد ہیں اس لیے کہ نسب کی اصل شناخت کے باب میں باپ ہے اور اس کا اتمام جد یعنی دادا سے ہوتا ہے، لہذا حریت اور اسلام کے اعتبار سے کفو کے واسطے اس سے زیادہ شرط نہیں ہے، اور وہ شخص جس کا صرف باپ آزاد اور مسلمان ہو وہ اس کا کفو نہیں ہو سکتا جس کے باپ اور دادا دونوں آزاد اور مسلمان ہیں اسی طرح وہ شخص جو خود مسلمان ہو یا آزاد کیا گیا تو وہ اس کا

کفو نہیں ہے جس کا باپ مسلمان اور آزاد ہے۔

و دیالہ: چوتھی چیز جس کا کفو میں لحاظ ہوتا ہے دین داری ہے یہ شیخین کی رائے ہے، امام محمدؒ کے نزدیک دینداری کا کفو میں لحاظ نہیں ہوگا، کیوں کہ اس کا تعلق امور آخرت سے ہے، لہذا اس پر امور دنیا کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی، ہاں اگر شوہر علی الاطلاق دین و شریعت کے معاملہ میں اتناست ہے کہ لوگ اس کا مذاق اڑاتے ہیں اور نشہ میں دھت ہونے کی وجہ سے بچے اس کے ساتھ کھیل کرتے ہیں تو بلاشبہ یہ اس کو دیندار عورت کا کفو ہونے سے خارج کر دیتا ہے۔

شیخین کی دلیل یہ ہے کہ دینداری انسان کے اعلیٰ مغاخر میں سے ہے اور عورت شوہر کے فقر و فجور سے عار محسوس کرتی ہے بلکہ فتح و فجور کی شرمندگی نسبتی گراوٹ کی شرمندگی سے زیادہ محسوس کرتی ہے۔

مالا: پانچویں چیز کفایت میں قابل لحاظ مال ہے اس لیے کہ رسول اللہ..... نے ارشاد فرمایا الحسب مال کہ حسب مال ہے دوسرے اس لیے بھی مال سے افتخار محسوس کیا جاتا ہے، صاحب مال سے مراد یہاں یہ ہے کہ مہر اور نفقہ کا مالک ہو، مہر سے مراد متجمل ہے اور وہ اتنی مقدار ہے جتنی عموماً علی الفور عورت کو دیا جاتا ہے، باقی کا اعتبار نہیں اور نفقہ سے مراد یہ ہے کہ آدمی ہر دن بقدر نفقہ اور بقدر کسوة کما لیتا ہو مال داری میں مرد کا عورت کے مساوی ہونا شرط نہیں ہے۔

و حرفۃ: چھٹی چیز حرفت ہے یعنی پیشہ اس لیے کہ لوگ بڑے پیشوں سے فخر کرتے ہیں اور کمترین اور ذلیل پیشوں سے عار کرتے ہیں امام ابو حنیفہؒ سے روایت ہے کہ پیشوں میں کفایت کا بالکل لحاظ نہیں ہے اس لیے کہ آج جو پیشہ آدمی کا ہے ساری زندگی یہی پیشہ رہے ضروری نہیں پس پیشہ تو تبدیل ہوتا رہتا ہے، امام ابو یوسفؒ بھی اسی طرح کی رائے ہے الا یہ کہ انتہائی پست پیشہ ہو جیسے حجام، حاکم، دباغ۔

ولو انقصت من مہر مثلها الخ: یعنی اگر عورت نے شادی کی اور اپنا مہر، مہر مثل سے بھی گھٹا دیا تو ولی کو اس پر حق اعتراض ہے تا آنکہ مہر مثل پورا کر دیا جائے یا یہ کہ مفارقت کرادے پس جب میاں بیوی میں اس مسئلہ میں مفارقت کرائی جائے اور ابھی دخول نہیں ہوا تھا تو عورت کے لیے مہر نہ ہوگی اور اگر بعد الدخول مفارقت ہو رہی ہے تو عورت کو مہر مسلمی ملے گا اسی طرح جب قبل التفریق دونوں میں سے کوئی مر جائے تو مہر مسلمی ہوگا یہ امام اعظمؒ کی رائے ہے۔

صاحبین کے نزدیک اولیاء کو مسئلہ مذکورہ میں حق اعتراض نہیں ہے اس لیے کہ مہر عورت کا حق ہے اولیاء کا نہیں پس جب عورت اپنا حق ساقط کر رہی ہے تو کوئی اس پر حق اعتراض نہیں رکھتا، جیسے کہ وہ اگر عقد کے بعد سرے سے مہر سے ہی معاف کر دیتی تو کوئی اعتراض کا مجاز نہ ہوتا۔

لیکن امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ اولیاء مہر کی زیادتی پر فخر کرتے ہیں اور مہر کی کمی سے سبکی اور محنت محسوس کرتے ہیں پس نقصان مہر عدم کفو کے حکم میں ہو گیا، بلکہ اس سے بڑھ کر اس لیے کہ نقصان مہر کا ضرر عدم کفو کے ضرر سے شدید ہے اس لیے کہ وقت کے گزرنے اور عہد کے تقادم کے وقت عورت کے خاندان کا مہر اس کے مہر پر قیاس ہوگا پس اس کا ضرر سارے قبیلہ پر آئے گا، لہذا اولیاء کو اس ضرر کے دور کرنے کا اختیار ہے، بخلاف عقد کے بعد معاف کر دینے کے کہ اس میں اولیاء کو حق اعتراض نہیں ہے، اس لیے کہ عورت کے مہر معاف کر دینے سے ان کا کوئی ضرر نہیں بلکہ معاف کر دینا باب کرم اور مکارم اخلاق سے ہے۔

ولو زوج طفله غیر کفو الخ: یعنی اگر باپ نے اپنے چھوٹے بچے کا غیر کفو سے نکاح کر دیا مثلاً باندی سے نکاح کر دیا یا اپنی چھوٹی بچی کا کسی غلام سے رشتہ کر دیا یا لڑکے کا رشتہ خوب مہر بڑھا کر کر دیا یا بچی کا نکاح بہت کم مہر میں کر دیا تو نکاح درست ہے اور یہ رائے امام اعظمؒ کی ہے، صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ باپ کو غیر کفو سے رشتہ کرنا درست نہیں ہے، نیز مہر بڑھانا اور گھٹانا بھی درست نہیں ہے الا یہ کہ اتنا بڑھایا گھٹا دیا کہ عموماً لوگوں سے ویسا ہو جاتا ہو تو کوئی مضائقہ نہیں، صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ ولایت شفقت و مصلحت کے ساتھ مقید ہے، پس مصلحت اور خیر خواہی کے ختم ہونے سے عقد ختم ہو جائے گا، امام اعظمؒ کی دلیل یہ ہے کہ حکم دلیل نظر و شفقت پر دائر ہے اور وہ ہے قرب القرابت اور نکاح میں اس سے بڑھ کر مقاصد ہوتے ہیں بخلاف بیع کے اس میں مقصود فقط مالیت ہوتی ہے، پس مالیت کے فوت ہونے سے نظر و شفقت فوت ہو جاتی ہے۔

باپ اور دادا کے علاوہ کوئی اور ولی اگر نکاح مذکور کرتا تو صحیح نہ ہوگا اس لیے کہ فور و شفقت اس کے حق میں موجود نہیں ہے۔

فصل

فی الابن ان یزوج بنت عمہ من نفسه وللوکیل ان یزوج مؤکلتہ من نفسه ونکاح العبد والامۃ بلا اذن السید موقوف کنکاح الفضولی ولا یتوقف شطر العقد علی قبول ناکح غائب والمأمور بنکاح امرأۃ مخالف بامراتین لا بامیۃ.

ترجمہ: فصل: چچا زاد بھائی کے لیے اختیار ہے کہ وہ اپنی چچا زاد بہن کا نکاح اپنے ساتھ کر لے اور وکیل کو اختیار ہے کہ وہ اپنی مؤکلہ کا نکاح اپنے ساتھ کر لے اور غلام اور باندی کا نکاح آقا کی اجازت کے بغیر موقوف ہوگا، جیسے فضولی کا نکاح اور آدھا عقد، نکاح کرنے والے غائب شخص کے قبول کرنے پر موقوف نہیں رہتا، اور جو شخص ایک عورت سے نکاح کرانے کا مامور ہو وہ دو عورتوں سے نکاح میں حکم کے

خلاف کرنے والا ہے نہ کہ باندی کے ساتھ۔

تشریح: سب سے پہلے آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ جانبین سے شخص واحد کا وکیل یا ولی ہونا اس بات حکم کیا ہے، پس جانبین سے شخص واحد کا وکیل یا ولی ہونا یا ایک جانب سے اصیل اور دوسری جانب سے ولی ہونا یا ایک جانب سے وکیل اور دوسری طرف سے اصیل ہونا یا ایک جانب سے ولی اور دوسری طرف سے وکیل ہونا ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز ہے اور اگر دونوں طرف سے فضولی ہو یا ایک جانب سے فضولی اور دوسری طرف سے اصیل ہو تو طرفین کے نزدیک جائز نہیں لہذا ایجاب باطل ہو جائے گا، اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے، لہذا ایجاب موقوف ہوگا۔

فضولی ہر اس شخص کو کہتے ہیں جو نہ اصیل ہو نہ ولی ہو اور نہ ہی وکیل اور دوسرے کے واسطے تصرف کرے فضولی سے متعلق قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ اس کا ہر عقد موقوف ہوتا ہے، بشرطیکہ بوقت عقد کوئی مجیز ہو ورنہ باطل ہوتا ہے۔

اب عبارت حل فرمائیے چچا زاد بھائی کے لیے اپنی چھوٹی چچیری بہن کا نکاح خود اپنے سے کر دینا درست ہے بشرطیکہ چچا زاد بھائی بروقت اس کا ولی ہو اور اس کی عبارت ایجاب وقبول کے قائم مقام ہو جائے گی، وہ یوں گواہوں کی موجودگی میں کہے کہ زوجت فلانة من نفسي، اسی طرح وکیل اپنی مؤکلہ کا نکاح گواہوں کی موجودگی میں خود اپنے سے کر سکتا ہے، امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک درست نہیں ہے، کیوں کہ شخص واحد مُمْلِكٌ اور مُتَمْلِكٌ نہیں ہوتا جیسا کہ بیچ میں ہے یعنی ایک آدمی تنہا خود ہی مالک بنانے والا اور خود ہی مالک بننے والا ہو ایسا نہیں ہو سکتا۔

احناف کی دلیل یہ ہے کہ نکاح کرانے والا سفیر محض ہوتا ہے یعنی ایک دونوں جانب سے ممبر اور سفیر ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے، حقوق نکاح وکیل کی طرف نہیں لوٹتے بخلاف بیچ کے کہ وکیل بیچ میں اصیل ہوتا ہے اسی وجہ سے حقوق بیچ اس کی طرف لوٹتے ہیں۔

روی البخاری ان عبد الرحمن بن عوف قال لام حكيم بنت قارظ اتجعلين امرك إلي قالت نعم قال تزوجتك یعنی حضرت عبد الرحمن بن عوف نے ام حکیم بنت قارظ سے کہا کہ کیا تم مجھے اپنا معاملہ نکاح حوالہ کرتی ہو انہوں نے کہا ہاں تو حضرت عبد الرحمن نے فرمایا کہ میں نے تمہیں زوجیت میں قبول کر لیا، پس دیکھئے حضرت نے ایک لفظ سے ہی ان کا عقد فرما دیا۔ وعن عقبه بن عامر انه عليه الصلوة والسلام قال لرجل اترضى ان ازوجك فلانة قال نعم وقال للمرأة اترضين ان ازوجك فلانا قالت نعم فزوج احدهما صاحبه وكان ممن شهد الحديبية کہ حضرت عقبہ بن عامر

فرماتے ہیں کہ رسول اللہ..... نے ایک شخص سے فرمایا کہ تو اس بات سے راضی ہے کہ تیرا فلاں عورت سے عقد کر دوں انہوں نے عرض کیا جی ہاں پھر آپ نے ایک عورت سے پوچھا کہ کیا تم راضی ہو کہ فلاں مرد سے تمہارا نکاح کر دوں، انہوں نے بھی عرض کیا جی حضرت پس رسول اللہ..... نے ایک کا دوسرے سے عقد فرمادیا، معلوم ہوا کہ شخص واحد نکاح کے دونوں طرفوں یعنی ایجاب و قبول کا ذمہ دار ہو سکتا ہے۔

ونکاح العبد ولامۃ بلا ذان اسید الخ: غلام اور باندی کا نکاح بغیر آقا کی اجازت کے موقوف رہے گا، جیسے کہ فضولی کا نکاح موقوف رہتا ہے، یعنی اگر آقا نے اجازت دے دی تو نکاح منعقد ہو جائے گا ورنہ باطل ہو جائے گا، یہی امام مالکؒ، اہل مدینہ اور الحسن وسعید بن المسیب کی بھی رائے ہے، البتہ امام مالکؒ نے تفریق کو طلاق قرار دیا ہے، اور یہ بلا لزوم اس کے نفوذ پر دلالت کرتا ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ یہ نکاح باطل ہوگا اور آقا کی اجازت پر موقوف نہ ہوگا، اس لیے کہ ناکح اثبات حکم یعنی ملک پر قادر نہیں ہے ولایت کے نہ ہونے کی وجہ سے پس بے فائدہ ہونے کی وجہ سے یہ نکاح لغو ہو جائے گا۔

اور احتاف کی دلیل یہ حدیث ہے انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام جعل امر المرأة التي زوجها ائوها بغير اذنها لفقالت قد اجزت ما صنع ابي إنما اردت لأعلم هل للنساء من الامر شيء وأجاز نكاح امرأة زوجها أمها. نبی..... نے اس خاتون کو نسخ نکاح کا اختیار دیدیا جس کا عقد اس کے باپ نے اس کی اجازت کے بغیر کر دیا تھا پس اس خاتون نے کہا کہ میں تو اس شکایت سے صرف یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ اگر نکاح میں عورتوں کو بھی کچھ اختیار ہے میں اپنے والد کے فیصلے سے راضی ہوں، ان روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ فضولی کا نکاح درست ہے البتہ موقوف ہوتا۔

دوسرے اس لیے کہ عقد اس کے اہل سے محل کی طرف منسوب ہو کر صادر ہو رہے ہیں اور اس کے انعقاد میں کوئی ضد نہیں ہے، لہذا اس کے انعقاد کا قائل ہونا واجب اور ضروری ہے۔

ولا يتوقف شطر العقد على قبول ناكح الخ: عقد کا ایک حصہ یعنی ایجاب غائب نکاح کرنے والے کے قبول پر موقوف نہیں ہوگا، بلکہ ایجاب باطل ہو جائے گا، یہاں چھ مسائل ہیں تین اپنے ائمہ کے درمیان مختلف فیہ ہیں اور تین متفق علیہ جب کہ امام شافعیؒ کا ان تین میں بھی اختلاف ہے، ایک صورت یہ ہے کہ فضولی نے کہا زوجت فلانة من فلان اور صورتحال یہ ہے کہ مرد اور عورت دونوں موجود نہیں ہیں اور کسی نے اس کی جانب سے اس کو قبول بھی نہیں کیا، دوسری صورت یہ ہے کہ فضولی نے کہا تزوجت فلانة فلانة کو میں نے اپنے نکاح میں قبول کر لیا، حالاں کہ وہ موجود نہیں ہے، تیسری صورت یہ ہے کہ عورت نے کہا

زَوْجَتُ نَفْسِي مِنْ فُلَانٍ کہ میں نے اپنا نکاح فلاں آدمی سے کر دیا اور وہ موجود نہیں ہے اور دونوں کی جانب سے کسی نے اس کو قبول بھی نہیں کیا، تو امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ نکاح موقوف رہے گا اور اجازت سے تام ہو جائے گا، اس لیے کہ ایک کا کلام باب نکاح میں دو کلاموں یعنی (ایجاب و قبول کے قائم مقام ہوتا ہے، اور اسی وجہ سے اگر مَرْجُوح دونوں جانبوں سے مامور ہو تو نکاح درست ہو جاتا ہے، پس جب وہ مامور نہ ہو تو موقوف ہوگا، طرفین کا کہنا یہ ہے کہ ایک سے صادر ہونے والا کلام عقد کا صرف ایک حصہ یعنی ایجاب ہوا جو اورائے مجلس پر موقوف نہیں ہوتا، چنانچہ طرفین مذکورہ صورتوں میں ایجاب کو باطل مانتے ہیں۔

اور تین صورتیں ہیں جو شیخین اور امام محمد کے نزدیک متفق علیہا ہیں وہ یہ ہے کہ ایک فضولی کہے زَوْجَتُ فُلَانَةٍ مِنْ فُلَانٍ پس دوسرے فضولی نے کہا زَوْجَتُهَا مِنْهُ یعنی ہاں میں نے اس عورت کا اس مرد سے نکاح کر دیا، دوسری صورت یہ ہے کہ فضولی نے کہا تَزَوَّجْتُ فُلَانَةً یعنی فُلَانہ نے شادی کر لی حالاں کہ وہ موجود بھی نہیں ہے پس کسی دوسرے نے کہا زَوْجَتُهَا مِنْكَ تیسری صورت یہ ہے کہ عورت نے کہا زَوْجَتُ نَفْسِي مِنْ فُلَانٍ کہ میں نے اپنی شادی فلاں مرد سے کیا حالاں کہ وہ موجود بھی نہیں ہے، پس عورت کی جانب سے کسی دوسری فضولی نے قبول کر لیا تو نکاح درست ہوگا۔

خلاصہ اس کا وہ ہوا جو ابتدائے بحث میں ذکر کر دیا گیا ہے امام زقر کے نزدیک شخص واحد کی عبارت سے بالکل نکاح درست نہ ہوگا امام شافعی کا بھی یہی مسلک ہے، البتہ بصورت ضرورت وہ گنجائش کے قائل ہیں، جیسے دادا ایک بیٹے کے بیٹے کا دوسرے بیٹے کی بیٹی سے نکاح کرے تو چوں کہ جد یعنی دادا کے درجہ میں کوئی دوسرا نہیں ہے جو ان دونوں کا نکاح کرے لہذا یہ درست ہے۔

وَالْمَأْمُورُ بِنِكَاحِ امْرَأَةٍ مُخَالَفَ بِأَمْرَاتَيْنِ: یعنی جب کسی آدمی نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ اس کا کسی ایک عورت سے نکاح کر دے پس اس نے اس کا دو عورتوں سے نکاح کر دیا تو شخص مامور، آمر کی خلاف ورزی کرنے والا سمجھا جائے گا اور آمر کو دونوں عورتوں میں سے کوئی لازم نہ ہوگی کیوں کہ آمر کے حکم کی خلاف ورزی کرنے کی وجہ سے مَرْجُوح فضولی ہوا پس اس کے فضولی ہونے کی وجہ سے دونوں عورتوں کے نکاح کے تنفیذ کی کوئی وجہ نہیں ہے اور نہ کسی ایک میں غیر متعین طریقہ سے تنفیذ کی کوئی وجہ ہے، کیوں کہ جہالت سے اور کوئی فائدہ نہیں ہے، کیوں کہ اس صورت میں وطی حلال نہ ہوگی، اس لیے کہ وطی معینہ میں واقع ہوتی ہے اور منکرہ اس کی ضد ہے اور نہ ہی کسی ایک کو متعین کیا جاسکتا ہے اولویت کے نہ ہونے کی وجہ سے ہاں اگر اس نے آمر کا نکاح صورت مذکورہ میں کسی لَمَۃً غیر سے کر دیا خواہ وہ مکاتبہ یا ام ولد ہو تو وہ اپنے آمر کی خلاف ورزی کرنے والا شمار نہ ہوگا، اور اگر اس نے آمر کا نکاح اپنی باندی سے کر دیا تو نافذ نہ ہوگا کیوں کہ اس میں تہمت

ہے یہ امام اعظمؒ کی رائے ہے۔

صاحبین کے نزدیک صورت مذکورہ میں مامور پابند ہے کہ وہ آمر کا نکاح کفو میں کرے کیوں کہ مطلق متعارف کی طرف پھیرا جاتا ہے امام اعظمؒ کی دلیل یہ ہے کہ عرف مشترک ہے کیوں کہ آدمی کفو اور غیر کفو دونوں میں نکاح کرتا ہے، پس امر نکاح کو مقید کرنا اور اس کے اطلاق کو ختم کرنا درست نہ ہو گا یا کہ امر بالتزویج عرف عملی ہے جو مقید نہیں ہو سکتا جیسے کسی نے قسم کھائی کہ وہ گوشت نہیں کھائے گا یا کپڑا نہیں پہنے گا پس اس نے سور کا گوشت کھا لیا یا ریشم کا کپڑا پہن لیا تو وہ حادث ہو جائے گا کیوں کہ لفظ لحم متعارف اور غیر متعارف ہر قسم کے گوشت کو اسی طرح ثوب متعارف اور غیر متعارف ہر طرح کے کپڑے کو شامل ہے۔

باب المهر

صَحَّ النِّكَاحُ بِلاَ ذِكْرِهِ وَأَقْلَهُ عَشْرَةُ دَرَاهِمَ فَإِنْ سَمَّاهَا أَوْ ذُوْنَهَا فَلَهَا عَشْرَةُ بِالْوُطَى أَوْ الْمَوْتِ أَوْ الْخُلُوَّةِ وَبِالطَّلَاقِ قَبْلَ الْوُطَى تَنْصِفُ وَإِنْ لَمْ يُسَمِّهِ أَوْ نَفَاهُ فَلَهَا مَهْرٌ مِثْلُهَا إِنْ وَطِئَ أَوْ مَاتَ عَنْهَا وَالْمُتْعَةُ إِنْ طَلَّقَهَا قَبْلَ الْوُطَى وَهِيَ دِرْعٌ وَخِمَارٌ وَمِلْحَفَةٌ وَمَا فَرَضَ بَعْدَ الْعَقْدِ أَوْ زَيْدٌ لَا يَتَنَصَّفُ وَصَحَّ حَطُّهَا وَالْخُلُوَّةُ بِلاَ مَرَضٍ وَخِيْضٍ وَإِحْرَامٍ وَصَوْمٍ فَرَضَ كَالْوُطَى وَلَوْ مُجْبُوبًا أَوْ عَيْنًا أَوْ خَصِيًّا وَتَجِبُ الْعِدَّةُ فِيْهَا وَتُسْتَحِبُّ الْمُتْعَةُ لِكُلِّ مُطْلَقَةٍ إِلَّا لِلْمُقَوَّضَةِ قَبْلَ الْوُطَى وَيَجِبُ مَهْرُ الْمَثَلِ فِي الشُّغَارِ وَخِدْمَةِ زَوْجٍ حُرٍّ لِلْمَهَارِ وَتَعْلِيمِ الْقُرْآنِ وَلَهَا خِدْمَتُهُ لَوْ عَبْدًا وَلَوْ قَبِضَتْ أَلْفَ الْمَهْرِ وَوَهَبَتْ لَهُ فَطَلَّقَتْ قَبْلَ الْوُطَى رَجَعَ عَلَيْهَا بِالنِّصْفِ فَإِنْ لَمْ تَقْبِضْ أَلْفًا أَوْ قَبِضَتْ النِّصْفَ وَوَهَبَتْ أَلْفًا أَوْ مَا بَقِيَ أَوْ وَهَبَتْ غَرَضَ الْمَهْرِ قَبْلَ الْقَبْضِ أَوْ بَعْدَهُ فَطَلَّقَتْ قَبْلَ الْوُطَى لَمْ يَرْجَعْ عَلَيْهَا بِشَيْءٍ وَلَوْ نَكَحَهَا بِأَلْفٍ عَلَى أَنْ لَا يُخْرِجَهَا أَوْ عَلَى أَنْ لَا يَتَزَوَّجَ عَلَيْهَا أَوْ عَلَى أَلْفٍ إِنْ قَامَ بِهَا وَعَلَى الْفَقِيْرِ إِنْ أَخْرَجَهَا فَإِنْ وَلَّى بِهِ وَأَقَامَ بِهَا فَلَهَا أَلْفٌ وَإِلَّا فَمَهْرُ الْمَثَلِ.

ترجمہ: یہ مہر کا باب ہے، اور نکاح بلا ذکر مہر درست ہے، اور مہر کم از کم دس درہم ہے، پس اگر مہر دس درہم یا اس سے کم ٹھہرا تو عورت کے لیے دس درہم ہوں گے وطی سے یا مرجانے یا خلوت سے اور دخول سے پہلے طلاق سے آدھا مہر رہ جاتا ہے، اور اگر مہر نہیں ٹھہرایا یا اس کی نفی کر دی تھی تو مہر مثل ملے گا اگر وطی کر لی ہو یا مر گیا ہو اور متعہ (ملے گا) اگر وطی سے پہلے طلاق دے دی ہو اور متعہ قیص اور اوڑھنی اور چادر

ہے، اور جو چیز ٹھہرائی جائے عقد کے بعد یا زیادہ کی جائے تو اس میں آدھا نہ ہوگا، اور عورت کا اپنا مہر گھٹانا درست ہے اور (عورت کے ساتھ) تنہائی کرنا ان میں سے کسی کی بیماری، حیض نفاس، احرام اور فرض روزہ کے بغیر وطی کے حکم میں ہے، چاہے مرد مقادع الذکر ہو یا نامرد ہو یا آختہ ہو اور ان میں عدت واجب ہوتی ہے، اور ہر مطلقہ کے لیے متہ مستحب ہے سوائے مٹوڑہ کے لئے وطی سے پہلے اور نکاح شغار میں مہر مثل واجب ہوتا ہے اور نیز مہر مثل واجب ہوتا ہے آزاد شوہر کی خدمت کرنے میں مہر کی وجہ سے اور تعلیم قرآن میں (نیز واجب ہوتا ہے) اور عورت کے لیے خدمت لینا ہے اگر شوہر غلام ہو، اگر عورت نے مہر کے ہزار درہم پر قبضہ کر لیا اور شوہر کو ہدیہ کر دیا اور وطی سے قبل طلاق ہو گئی تو شوہر عورت سے نصف مہر اور لے لے گا اور اگر عورت نے ہزار پر قبضہ نہ کیا ہو یا نصف پر قبضہ کیا ہو اور ہزار ہبہ کر دیئے ہوں یا مہر کا سامان ہبہ کر دیا ہو قبضہ سے پہلے یا قبضہ کے بعد اور پھر طلاق ہو گئی وطی سے پہلے تو شوہر اس پر کچھ رجوع نہیں کرے گا (یعنی شوہر اس سے کچھ نہیں لے گا) اگر نکاح کیا ہزار پر بایں شرط کہ اس کو وطن سے نہ نکالے گا یا اس کے ہوتے ہوئے نکاح نہ کرے گا یا نکاح کیا ہزار پر اگر وطن میں رکھے اور دو ہزار پر اگر وطن سے باہر لے جائے تو اگر شرط کو پورا کیا اور وطن میں رکھا تو ہزار روپے دینے پڑیں گے ورنہ مہر مثل دینا ہوگا۔

تشریح: جب فاضل مصنف نکاح کے رکن اور شرط اور ہم معنی شرط کے بیان سے فارغ ہو گئے تو نکاح کا حکم بیان کرنا شروع کیا نکاح کا حکم مہر ہے یا وطی بالشہوة، مہر کہتے ہیں ایسی چیز کو کہ جس کا نکاح کی وجہ سے عورت کو استحقاق ہوتا ہے، مہر کے متعدد نام ہیں مثلاً صداق، خلۃ، اجر، فریضہ، صدقہ، ہبہ، اللہ تعالیٰ مہر کو اجزاء کہتے ہیں۔

وصح النکاح بلا ذکرہ: نکاح مہر بیان کیے بغیر بھی درست ہے حتیٰ کہ مہر کی نفی کے ساتھ نکاح صحیح ہے امام مالکؒ مہر کی نفی کے ساتھ درست نہیں مانتے وہ بیع پر قیاس کرتے ہیں کہ جیسے نفی ثمن کے ساتھ بیع نہیں ہوتی اسی طرح نفی مہر کے ساتھ نکاح درست نہیں، ہمارا کہنا یہ ہے کہ نکاح ایک عقد اسمی اور ازدواجی ہے جو زوجین سے تام ہو جاتا ہے دوسرے اس لیے بھی کہ نکاح میں مقصود تو الد اور ازواج ہے مال نہیں ہے، لہذا نکاح میں مال کا ذکر شرط نہیں ہے، جب کہ بیع میں مال ہی مقصود ہوتا ہے، لہذا ذکر ثمن بیع میں شرط ہے اور اس لیے کہ نکاح شرط فاسدہ سے نہیں باطل ہوتا پس اسی طرح ترک مہر سے بھی باطل نہیں ہوگا۔

واقلة عشرة دراهم: کم از کم مقدار مہر دس درہم ہے خواہ ڈھلے ہوئے ہوں یا ڈھلے ہوئے نہ ہوں، امام مالکؒ ربع دینار یا تین درہم اقل مقدار مانتے ہیں ابن شبرمہ کہتے ہیں کہ پانچ درہم ہے ابراہیم نخعی چالیس درہم اور ایک روایت کے بموجب بیس درہم اقل مہر بیان کرتے ہیں، سعید بن جبیر پچاس درہم مانتے

ہیں اور ہر کوئی اقل مقدار مہر نصاب سرقہ کو قرار دیتا ہے، امام شافعی اور امام احمد قمر ماتے ہیں کہ جو چیز ثمن ہو سکتی ہے وہ مہر بھی ہو سکتی ہے، بعض ظواہر کہتے ہیں کہ جو چیز بہہ ہو سکتی ہے یا جس چیز میں میراث جاری ہو سکتی ہے وہ مہر بھی بن سکتی ہے، گو ثمن نہیں ہو سکتی ہے، جیسے گہوں یا جو کا ایک دانہ، امام شافعی اور احمد حدیث عبد الرحمن سے استدلال کرتے ہیں ان عبد الرحمن بن عوف لما جاء إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم وبه اثر صفرة فاخبره انه تزوج فقال رسول الله كم سقت اليها فقال زنه نواة من ذهب فقال عليه الصلاة والسلام أو لِمَ بِشَاةٍ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبد الرحمن بن عوف کا مہر کھجور کی گھٹلی کے برابر سونا تھا، نیز حضرت جابر کی روایت ہے انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من أعطى في صداق امرأة ملء كفيه سويقاً أو تمرًا فقد استحل رواه ابو داؤد اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ لب بھر کر ستوا اور کھجور بھی مہر ہو سکتا ہے، نیز ارشاد ہے انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ادوا العلق قيل يا رسول الله وما العلق قال ما تراضى به الاهلون رواه الدارقطني اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس مقدار پر میاں بیوی راضی ہوں وہ مہر ہو سکتی ہے، وعن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال في حديث سهل بن سعد الساعدي التمس ولو خاتماً من حديد فالتمس فلم يجد شيئاً فقال عليه الصلوة والسلام هل معك شيء من القرآن قال نعم سورة كذا وسورة كذا سماها فقال عليه الصلاة والسلام قد ملكتلها بما معك من القرآن وبما روى الترمذی ان امرأة تزوجت بنعلين فأجازة عليه الصلوة والسلام ان روايات سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بھی چیز جو ثمن ہو سکتی ہے وہ مہر بن سکتی ہے خواہ کتنی معمولی اور حقیر سی، دلیل عقلی یہ ہے کہ نکاح عقد معاوضہ ہے لہذا عوض کی تقدیر اس میں متعاقبین کے سپرد اور حوالہ ہوگی جیسا کہ بیع اور اجارہ میں ہوتا ہے، پس میاں بیوی جس مقدار پر راضی ہو جائیں خواہ وہ کثیر ہو یا قلیل اس کا طے کرنا درست ہوگا اور مہر کو اجارہ پر قیاس کرنا شبہ ہے اس لیے کہ مہر بدل منفعت ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ عن جابر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا مهر اقل من عشرة دراهم رواه الدارقطني یعنی کم از کم مقدار مہر دس درہم ہو عن علی انہ قال اقل ما تستحل به المرأة عشرة دراهم، اس روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اقل مہر دس درہم ہے دوسرے یہ کہ مہر اللہ تعالیٰ کا حق ہے اسی وجہ سے بندے کوئی مہر کا حق نہیں پہنچتا ہے لہذا تمام حقائق الہیہ کی طرح اس کی تقدیر بھی اللہ کی طرف مفوض ہوگی۔

رہی بات حدیث عبد الرحمن بن عوف کی تو اس میں شوافع اور حنابلہ کے لیے کوئی سامان دلیل نہیں ہے

اس لیے کہ اس روایت میں نواۃ من الذہب مہر دینے کا تذکرہ ہے اور نواۃ اکثر لوگوں کے نزدیک پانچ درہم کو کہتے ہیں اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک تین درہم اور ثلث کو کہتے ہیں اور یہ دو دیناروں سے زائد ہوتا ہے، پس فلس کے جواز پر اس سے استدلال کیسے درست ہو سکتا ہے، دوسرا جواب یہ بھی ہے کہ یہ روایت اور حدیث جابر مقدار مغل پر محمول ہیں کیوں کہ عربوں کا مزاج تھا کہ وہ دخول سے پہلے مہر کا کچھ حصہ نقد دے دیا کرتے تھے، اس کی نظیر نبی..... کا وہ ارشاد ہے جو آپ نے حضرت علی سے فرمایا جب حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہ سے نکاح کے بعد ان کی رخصتی چاہی اُعْطِهَا شَيْئًا فَقَالَ عَلِيٌّ مَا عِنْدِي شَيْءٌ فَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ ابْنُ دَرْعِكَ الْحَطْمِيَّةُ وَلِي رِوَايَةٌ اَعْطَاهَا دِرْعَكَ فَاَعْطَاهَا دِرْعَهُ کہ فاطمہ کو کوئی چیز دے دو تو حضرت علی نے عرض کیا میرے پاس کچھ نہیں ہے تو آپ نے فرمایا ارے بھائی تمہاری زرہ کہاں ہے اور ایک روایت میں ہے کہ ان کو اپنی زرہ دے دو چنانچہ حضرت علی نے حضرت فاطمہ کو اپنی زرہ دے دیا، یہ بات تو معلوم ہے کہ حضرت فاطمہ کا مہر زرہ کے علاوہ تھا جو چار سو درہم ہوتے ہیں۔

فكن سماها او دونها الخ: اگر دس درہم مہر مقرر کیا یا دس درہم سے کم مقرر کیا تو اس کو طوطی یا موت کی وجہ سے دس درہم ملیں گے بہر حال جب اس نے دس درہم مقرر کیا تو اس لیے کہ اس نے وہ چیز مہر قرار دی ہے جو مہر ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے، لہذا وہ دخول سے مؤکد ہو گیا مہر کے بدل یعنی بضع کی سپردگی کے متحقق ہو جانے کی وجہ سے، اسی طرح مسلمی موت سے مؤکد ہو گیا اس لیے کہ موت کی وجہ سے نکاح اپنی انتہاء کو پہنچ گیا اس لیے کہ عقد نکاح ابد کے لیے ہوتا ہے اور اس کا تحقق ان میں سے کسی ایک کی موت سے ہوتا ہے اور شیء بانتهائه اپنے جمیع مواجب کے ساتھ مستحکم ہو جاتی ہے۔

بہر حال اس نے مادون العشر یعنی دس درہم سے کم مہر متعین کیا تو دس درہم اس کو اس لیے ملیں گے کہ مادون العشر یعنی دس سے کم پر راضی ہونے کی وجہ سے وہ یقیناً دس درہم سے راضی ہے پس یہ مقدار طوطی اور طلاق سے مؤکد ہو گئی، امام زفر فرماتے ہیں کہ مہر مثل واجب ہوگا، اس لیے کہ مسلمی یعنی مادون العشر مہر بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا پس ایسے ہو گیا جیسے مہر ہی متعین نہیں ہوا تھا اور ایسی صورت میں مہر مثل ہوتا ہے لہذا دس سے کم مہر ہونے کی صورت میں مہر مثل ہوگا، ہمارا کہنا یہ ہے کہ عشرہ حق شرع کی وجہ سے تقسیم کو قبول نہیں کرتا اور وہ چیز جو غیر قابل تقسیم ہو اس کے بعض کا ذکرنا اس کے کل کا ذکر کرنا ہوتا ہے جیسے طلاق، غفوعن القصاص اور اسقاط شفعہ ہے، تو اب گو اس نے مادون العشر کا تذکرہ کیا ہے لیکن سمجھا یہی جائے گا کہ اس نے پورے عشرہ کا تذکرہ کر دیا ہے لہذا دس درہم واجب ہوں گے۔

بخلاف اس صورت کے کہ جب اس نے سرے سے مہر ہی متعین نہیں کیا یا ایسی چیز کو مہر بنایا جو مال نہیں

ہے تو اس میں مہر مثل واجب ہوگا اس کے قلیل پر راضی نہ ہونے کی وجہ سے۔

وبالطلاق قبل الوطی الخ: دخول اور خلوت صحیحہ سے قبل ہی طلاق ہو جانے کی صورت میں مسلم کا آدھا رہ جاتا ہے پس دس اور دس سے کم کی صورت میں پانچ درہم واجب ہوگا، نیز دس سے زیادہ کی صورت میں اس کا آدھا واجب ہوگا، وجوب نصف کی وجہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے وَإِنْ طَلَقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْسُوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنَصْفُ مَا فَرَضْتُمْ یعنی وہ خواتین جن کا مہر مقرر ہے اگر مجامعت سے قبل طلاق کی نوبت آجائے تو ان کے لیے آدھے مہر کا استحقاق رہتا ہے، امام زفر جب مسلمی دس درہم سے کم ہو تو وجوب متعہ کے قائل ہیں اور دس درہم کی صورت میں تنصیف کے۔

وإن لم يسمه أو نفاه الخ: اگر مہر صحیح مقرر نہیں کیا یا سرے سے مہر ٹھہرایا ہی نہیں یا اس شرط پر شادی ہی کی کہ عورت کے لیے مہر نہ ہوگا تو اگر شوہر جماع کر لیتا ہے یا دونوں میں سے کوئی ایک مرجاتا ہے تو عورت کے لیے مہر مثل کا استحقاق ہوگا اس لیے کہ واجب بالعقد اس جیسے میں مہر مثل ہی ہوتا ہے، اسی لیے عورت کو نکاح مذکور میں دخول سے پہلے مہر مثل کے مطالبہ کا حق ہے پس وہ دونوں میں سے کسی ایک کی موت سے مؤکد اور مستحکم ہو گیا اسی طرح مجامعت سے حق مہر مثل پکا ہو گیا۔

امام شافعی فرماتے ہیں کہ صورت مذکورہ بالا میں نفس عقد سے کچھ واجب نہیں ہوتا اور اسی طرح دخول اور موت سے بھی، بعض کے نزدیک کچھ واجب نہیں ہوتا اس لیے کہ مہر خالص عورت کا حق ہے لہذا ابتداء سے ہی مہر کی نفی پر اس کو قدرت اور اس کا اختیار ہے جیسے کہ وہ انتہاء مہر ساقط کرنے اور معاف کر دینے کا حق رکھتی ہے۔

ہماری دلیل حدیث علقمہ ہے عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ سئل عن رجل تزوج امرأة ولم يفرض ولم يمس حتى مات فردوهم ثم قال اقول فيها برأى فان كان صواباً فمن الله وإن كان خطأ فمِنِي ومن الشيطان ان ارى لها مهرا امرأة من نسائها لا وكس ولا شطط وعليها العدة ولها الميراث فقام معقل بن سنان الاشجعي فقال اشهد ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قضى في بروع بنت واشق امرأة من بنى رؤاس حى من بنى عامر صعصعه وفي رواية ابى داود فقام ناس من اشجع فيهم الجراح وابو سنان فقالوا يا ابن مسعود نحن نشهد ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قضاهنا فينا في بروع بنت واشق وان زوجها هلال بن مرة الاشجعي كما قضيت قال ففرح عبدالله بن مسعود فرحاً شديداً حين وافق قضائه قضاء رسول الله صلى الله عليه وسلم.

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی خاتون جس کا مہر مقرر نہیں ہوا تھا اور نہ ہی مجامعت ہوئی تھی کہ

شوہر کا انتقال ہو گیا تو عبد اللہ بن مسعودؓ نے اس کے مہر مثل کا فیصلہ دیا اور حضرت معقل بن سنان انجمی نے اس کی تصدیق کی کہ رسول اللہ ﷺ نے بروع بنت واشق کے بارے میں جن کا معاملہ مذکورہ حالت کے مثل تھا یہی فیصلہ صادر فرمایا تھا۔

امام شافعیؒ کا یہ کہنا کہ مہر خالص عورت کا حق ہے ناقابل تسلیم ہے بلکہ مہر دس درہم تک اللہ تعالیٰ کا حق ہے، اور مہر مثل تک اولیاء کا حق ہے، اور مہر عورت کا ابتداء و بقاء حق ہے، اور عورت کے لیے وجوب مہر کی راہ میں رکاوٹ کا حق نہیں ہے، کیوں کہ اس سے حق غیر کا ابطال لازم آتا ہے، ہاں عورت بعد الوجوب معاف اور مہر سے بری کر سکتی ہے، اس لیے کہ حالت بقاء میں مہر خالص عورت کا حق ہے۔

والمتمتع ان طلقها قبل الوطی: مسئلہ مذکور میں اگر اس نے وطی اور خلوت سے پہلے طلاق دے دیا تو متمتع واجب ہوگا، مالک، لیث بن ابی لیلیٰ مستحب مانتے ہیں، البتہ شافعی و احمدؒ اس مسئلہ میں احناف کے ساتھ ہیں، امام مالکؒ کا استدلال اس آیت پاک سے ہے **حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ** یعنی مطلقہ مذکور کا متمتع متقین پر ثابت ہے اور حقا علیٰ المحسنین کہ نیکو کاروں پر ثابت ہے۔ واجب کا معاملہ یہ ہے کہ وہ محسن اور متقی اور ان کے علاوہ کے درمیان مختلف نہیں ہوتا ہے بلکہ سب کے حق میں یکساں ہوتا ہے پس اس سے معلوم ہوا کہ متمتع مطلقہ مذکورہ کے لیے واجب نہیں ہے ورنہ علی الاطلاق تمام اہل ایمان کو اس کا حکم دیا جاتا۔

شوافع و احناف کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **وَمَتَّعُوْهُنَّ** کہ مطلقہ مذکورہ کو متمتع دو اور یہ صیغہ امر ہے جو وجوب کے لیے ہوتا ہے، اسی طرح حقا علیٰ المحسنین اور حقا علیٰ المتقین میں حق اور علیٰ کا کلمہ وجوب کے لیے اور لزوم کے لیے ہے اور محسنین اور متبعین کا تذکرہ برائے تاکید ہے، مگر چوں کہ تعمیل وجوب صرف محسنین اور متبعین ہی کرتے ہیں اس لیے بطور خاص انہیں کا تذکرہ کیا۔

وہی درع وخمار الخ: تین کپڑے متمتع میں ہوں گے پیراہن، دامنہ اور چادر حضرت عائشہؓ اور ابن عباسؓ سے یہی تینوں کپڑے مروی ہیں، کپڑے عورت کے حسب حیثیت ہوں گے کیوں کہ یہ مہر مثل کے قائم مقام ہیں اور یہی کرنخی کا قول ہے، صاحب ہدایہ کہتے ہیں مرد کے حال کا اعتبار ہوگا وہ استدلال اللہ کے ارشاد علی الموسع قدرہ و علی المقتر قدرہ سے کرتے ہیں صاحب بدائع کہتے ہیں کہ مرد اور عورت دونوں کے حال اور حیثیت کا لحاظ ہوگا، اور آیت میں اسی کی طرف اشارہ ہے، چنانچہ آیت میں بالمعروف کا لفظ ہے اور یہی قول اشبہ بالفقہ ہے۔

وما فرض بعد العقد او زید لا يتنصف: یعنی جب نکاح کیا اور مہر مقرر نہیں کیا یا مہر کی نفی ہی کر دی تھی اس کے بعد باہمی رضامندی سے مہر مقرر کیا یا مہر مسلمی پر نکاح کیا تھا پھر بعد النکاح مسلمی پر مہر کا اور

اضافہ کیا پھر اس خاتون کو دخول سے پہلے طلاق دے دیا تو مسلمی بعد العقد یعنی عقد کے بعد طے قرار پائے مہر کی تنصیف نہیں ہوگی اسی طرح عقد کے بعد زائد علی مسلمی کی بھی تنصیف نہیں ہوگی، بلکہ پہلی صورت میں متعہ واجب ہوگا اور دوسری میں بوقت عقد مسلمی یعنی طے قرار پائے مہر کا آدھا واجب ہوگا اور نکاح کے بعد زائد علی مسلمی ہو جائے گا۔

امام ابو یوسفؒ اولاً مفروض بعد العقد یعنی عقد نکاح کے بعد طے قرار پائے مہر اور زائد بعد نکاح یعنی مسلمی کے ساتھ نکاح ہونے کے بعد اضافہ علی مسلمی کے تنصیف کے قائل تھے اور مفروض بعد نکاح یعنی نکاح کے بعد طے قرار پائی مقدار مہر میں یہی قول امام شافعیؒ کا بھی ہے زائد بعد نکاح میں نہیں، کیوں کہ امام شافعیؒ کے نزدیک نکاح کے بعد اضافہ علی مسلمی درست نہیں ہے، امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ وہ مہر جو نکاح کے بعد طے قرار پائے وہ مفروض قبل نکاح کے حکم میں ہے اور مفروض قبل نکاح یعنی بوقت نکاح طے قرار پانے والے مہر میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد فنصف ما فرضتم کی وجہ سے نصف مہر بذمہ شوہر واجب ہوتا ہے، بشرطیکہ دخول سے پہلے طلاق کی نوبت آگئی ہو، لہذا مفروض بعد نکاح میں بھی صورت مذکورہ میں نصف مہر کا وجوب ہوگا۔

ہمارا کہنا یہ ہے کہ مفروض بعد نکاح واجب للعقد کی تعیین ہے اور وہ مہر مثل ہے اور مہر مثل میں دخول سے پہلے طلاق کی صورت میں تنصیف نہیں ہوتی، پس اسی طرح مفروض بعد العقد میں بھی تنصیف نہ ہوگی جو کہ مہر مثل کے حکم میں ہے اور اس بات پر دلیل کہ مفروض بعد العقد ماوجب بالعقد یعنی وہ مقدار مہر جو عقد کی وجہ سے واجب ہوگی تعیین ہے یہ ہے کہ مذکورہ عورت کے ساتھ دخول کر لینے یا شوہر کے مرجانے پر مہر مثل ساقط ہو جاتا ہے، اور یہی مسلمی یعنی مفروض بعد العقد واجب ہوتا ہے، پس اگر مفروض بعد العقد مہر مثل کی تعیین نہ ہو تو صورت مذکورہ یعنی بعد الدخول مہر مثل کے ساتھ مفروض بعد العقد بھی واجب ہوتا جیسا کہ جب عورت کا مہر مقرر ہو کر نکاح ہو پھر شوہر مسلمی پر مہر کا اضافہ کر دے تو زیادتی مسلمی کے ساتھ واجب ہوتی ہے، بشرطیکہ شوہر دخول کر لیتا یا شوہر مرجاتا، پس اسی طرح مہر مثل کے ساتھ مفروض بعد العقد بھی واجب ہوتا۔

وصح حطھا: عورت مہر، مہر مثل سے کم کر سکتی ہے، اس لیے کہ مہر بقاء اسی کا حق ہے، اور حط کا موقع حالت بقاء ہی ہے پس عورت مہر کا جتنا حصہ چاہے کل یا بعض ساقط کر سکتی ہے، خواہ شوہر، عورت کی اس کم کرائی کو قبول کرے یا نہیں۔

والخلوة بلا مرض و حیض و احرام: اور عورت کے ساتھ خلوت کرنا، (بایں طور کہ دونوں ایسی جگہ پر ہوں کہ ان دونوں کو اپنے سوا کی اپنے اوپر اطلاع یا بی سے اطمینان ہو یعنی کہ وہ گھر میں ہوں اور

دونوں میں کسی کو کوئی بیماری نہ ہو اور عورت حالتِ خلوت میں نہ تو حیض میں ہو اور نہ نفاس میں ہو نہ ہی حالتِ احرام میں ہو نیز روزے سے نہ ہو (وطی کے حکم میں ہے یعنی خلوت صحیحہ جو بلا کسی مانع کے ہو وطی کے حکم میں ہے پس جیسے مہر کامل وطی سے واجب ہوتی ہے اسی طرح خلوت صحیحہ بلا مانع سے بھی واجب ہوگی۔

امام شافعیؒ کے نزدیک قولِ جدید میں نصف مہر واجب ہوگا ان کا استدلال اللہ تعالیٰ کے ارشاد ان طلقتموهن من قبل ان تمسوهن الخ سے ہے کہ قبل التمسيس یعنی مجامعت سے پہلے طلاق کی صورت میں نصف مہر واجب ہوتا ہے اور خلوت قبل الدخول والی طلاق، طلاق قبل التمسيس ہے، لہذا بجائے پورا مہر واجب ہونے کے آدھا مہر واجب ہوگا، دوسرے یہ کہ معقود علیہ وطی سے وصول ہوتا ہے، لہذا مہر غیر وطی یعنی خلوت سے مؤکد نہیں ہوگا۔

اپنی دلیل نبی..... کا یہ ارشاد گرامی ہے مَنْ كَشَفَ خِمَارَ امْرَأَةٍ وَنَظَرَ إِلَيْهَا وَجِبَ الصَّدَاقُ دَخَلَ أَوْ لَمْ يَدْخُلْ رَوَاهُ الدَّرَقُطَنِيُّ کہ جب آدمی عورت کی اوڑھنی ہٹا کر عورت کو دیکھ لے تو مہر واجب ہو جائے گا خواہ اس نے دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو، یعنی خلوت صحیحہ جو مانع حسی اور طبعی اور شرعی کے بغیر ہو تو اس سے پورے مہر کا وجوب ہو جاتا ہے، امام ابو جعفر طحاوی نے وجوب مہر بالخلوة پر صحابہ کا اجماع نقل کیا ہے۔ ابو بکر رازی نے احکام القرآن میں صدر اول کا اجماع نقل کیا ہے کہ خلوت صحیحہ وطی کے حکم میں ہے، قرآن کی آیت و کيف نأخذونه وقد افضى بعضكم الى بعض سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ خلوت صحیحہ سے پورا مہر واجب ہو جاتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ عورت نے مبدل کو حوالہ کر دیا در انحالیکہ کوئی مانع نہیں ہے اور اتنا ہی عورت کر سکتی ہے، لہذا اس کا حق بیع پر قیاس کرتے ہوئے بدل میں مؤکد ہو گیا۔

رہی بات اللہ تعالیٰ کے ارشاد وان طلقتموهن من قبل ان تمسوهن تو اس میں مس سے مراد خلوة ہے بطریق اطلاق المسبب علی السبب پس یہ آیت احناف کے خلاف نہیں ہے۔

وہ عمر جس میں عورت مجامعت کے قابل ہو جاتی ہے بلوغ ہے، بعض نے نو سال مانا ہے، بشرطیکہ عورت صحت مند ہو اور جماع کے تحمل کی طاقت ہو۔

ولو محبوبا او عینا: یعنی شوہر کی عورت کے ساتھ موانع مذکورہ بالا کے بغیر خلوت صحیح مانی جائے گی گو شوہر محبوب ہو یعنی اس کا ذکر اور خصیتین سب کاٹ دیئے گئے ہوں یا نامرد ہو یعنی اس کے عضو تناسل میں خیزش بند ہوگئی ہو گو سارے آلات سلامت ہیں یا وہ آختہ ہو یعنی خبیث نکال دیئے گئے ہوں۔

محبوب کے مسئلہ میں صاحبین کا اختلاف ہے یعنی اگر شوہر محبوب ہے تو خلوت صحیحہ کا تحقق نہیں ہوگا

کیوں کہ یہ مریض سے زیادہ عاجز ہے اور مرض کے ساتھ خلوت صحیحہ کا تحقق نہیں ہوتا تو حالت مذکورہ میں تو بدرجہ اولیٰ نہیں ہوگا، البتہ احتیاطاً عورت پر عدت ہوگی، بخلاف عین کے کہ چون کہ اس کے اعضاء سلامت ہوتے ہیں اور حکم کا مدار سلامتی آلہ پر ہے اس لیے اس میں صاحبین بھی امام کی طرح خلوت صحیحہ کا تحقق ماننے ہیں۔

محبوب کے مسئلے میں امام صاحب کا کہنا یہ ہے کہ بیوی نے سحاق کے حق میں تو اپنے کو شوہر کے حوالہ کر دیا یعنی وہ موضع ذکر عورت کی شرمگاہ سے رگڑ سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ اگر محبوب کے ساتھ تنہائی کے بعد ولادت ہوئی تو بچہ کا نسب ثابت ہو جائے گا اور عورت کو پورے مہر کا استحقاق ہوگا بشرطیکہ محبوب کو انزال ہوتا ہو۔
وتجب العدة: خلوت ہو جانے کے بعد عدت واجب ہو جاتی ہے، خواہ خلوت صحیحہ ہو یا نہ ہو اس لیے کہ رحم کے مشغول ہونے کا وہم ہے پس یہ حکم عدت احتیاطاً اور احتساناً ہے، دوسرے اس لیے کہ عدت حق شرع ہے اور حق ولد پس حق غیر کے ابطال کے مسئلہ میں مرد اور عورت کی تعدیق نہیں کی جاسکتی، بخلاف مہر کے کہ خلوت صحیحہ کے بغیر اس کا وجوب نہیں ہوگا۔

ومستحب المتعة الا لمفوضة: متعہ یعنی تین کپڑے ہر طرح کی مطلقات کو دینا مستحب ہے، خواہ ان کے ساتھ دخول ہوا ہو یا نہ ہوا البتہ وہ مطلقہ جس نے بغیر مہر کے شادی کر لی تھی اور دخول سے پہلے اس کو طلاق ہو گئی تو اس کے لیے متعہ واجب ہے۔

ویجب مهر المثل فی الشغار الخ: یعنی ان تینوں صورتوں میں مہر واجب ہوگا، نکاح شغار اور آزاد شوہر کی خدمت پر نکاح کرنا یعنی اس کی خدمت کو بیوی کا مہر قرار دینا اور نکاح علی تعلیم القرآن، نکاح شغار کی تفصیل یہ ہے کہ نکاح شغار کہتے ہیں کہ ایک آدمی اپنی لڑکی یا بہن یا باندی کا نکاح دوسرے آدمی سے اس شرط پر کرے کہ وہ اپنی لڑکی یا بہن یا باندی کا نکاح اس آدمی سے کر دے تاکہ عقدین میں سے ایک دوسرے کے مہر کا عوض ہو جائے، پس اس صورت میں مہر مثل کا وجوب ہوگا، کیوں کہ جو چیز مہر بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی اس کو مہر ٹھہرایا جا رہا ہے، کیوں کہ مسکٰی مال نہیں ہے لہذا مہر مثل واجب ہوگا، جیسے کہ جب کوئی مرد مؤمن، مسلمان عورت سے شراب یا مردار پر نکاح کرتا تو مہر مثل کا وجوب ہوتا۔

امام شافعی فرماتے ہیں نکاح شغار فاسد ہو جاتا ہے، حدیث نافع کی وجہ سے عن نافع عن ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن الشغار وليس بينهما صداق کہ شغار سے رسول اللہ نے روکا ہے اور ان میں باہم ایک دوسرے پر کوئی مہر نہ ہوگا، وعن عبد اللہ بن عمر انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا شغار فی الاسلام رواہ مسلم کہ اسلام میں شغار نہیں ہے، دوسرے اس

لیے بھی کہ مژ وچ نے آدھا بضعہ مہر بنایا اور آدھے کو منکوحہ جب کہ اس باب میں کوئی اشتراک نہیں ہے لہذا ایجاب باطل ہو جائے گا۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ نکاح شروط فاسدہ سے باطل نہیں ہوا کرتا اور یہ بھی نکاح میں ایک شرط ہی ہے کہ دونوں عقد دونوں کے مہر کا عوض ہو جائیں اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ اگر مہر ایسی چیزوں کو قرار دے دیا جائے جو مال نہیں ہیں جیسے دم اور میتہ وغیرہ تو بھی نکاح فاسد نہیں ہوتا معلوم ہوا کہ شروط فاسدہ سے نکاح باطل نہیں ہوا کرتا، اور چوں کہ مسلمی مال نہیں ہے لہذا مہر مثل واجب ہوگا۔

رہی بات نہی کی تو وہ کراہت پر محمول ہے، اور امام شافعیؒ کا یہ کہنا کہ نکاح شغار میں نصف بضع کا مہر اور نصف کا منکوحہ قرار دینا لازم آتا ہے، تو اس کی کوئی وجہ نہیں اس لیے کہ نکاح اور مہر بضع واحد میں جمع ہی نہیں ہو سکتے، کیوں کہ بضع میں مہر ہونے کی صلاحیت نہیں ہے پس عدم استحقاق کے ساتھ اشتراک متصور نہیں ہو سکتا، بخلاف اس صورت میں کہ جب عورت نے خود ہی اپنا دو مردوں سے نکاح کیا تو اس میں عقد باطل ہو جائے گا اشتراک کی صلاحیت کے ہونے کی وجہ سے اس لیے کہ وہ عورت دونوں کی علی سبیل البدل بیوی ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

بہر حال دوسری صورت کہ کسی عورت نے کسی آزاد آدمی سے اس شرط پر نکاح کیا کہ شوہر بیوی کی خدمت کرے گا اور یہی خدمت اس کا مہر ہوگی، اسی طرح تیسری صورت کہ شوہر بیوی کو مہر کے عوض قرآن سکھلا دے گا تو ان دونوں شکلوں میں نیز مہر مثل واجب ہوگا، کیوں کہ مسمیٰ ان دونوں میں مال نہیں ہے جب کہ شارع نے ابتغاء نکاح کو مال کے ساتھ مشروع کیا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَأَجَلْ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَلِكَ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ اور خدمت حر اور تعلیم قرآن مال نہیں ہے لہذا مہر مثل واجب ہوگا۔

امام شافعیؒ کے نزدیک دونوں صورتوں میں مہر مثل واجب نہ ہوگا بلکہ عورت کو شوہر سے خدمت اور تعلیم قرآن کا استحقاق ہوگا، امام شافعیؒ کا مستدل سہل بن سعد الساعدي کی حدیث ہے جس میں رسول اللہ..... نے ارشاد فرمایا التَّمَسُّ وَلَوْ خَاتِمًا مِنْ حَدِيدٍ فَالْتَمَسْ فَلَمْ يَجِدْ شَيْئًا فَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لَهُ هَلْ مَعَكَ شَيْءٌ مِنَ الْقُرْآنِ قَالَ نَعَمْ سُورَةٌ كَذَا وَكَذَا سُورَةٌ الَّتِي سَمَاهَا فَقَالَ قَدْ مَلَكَتُكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ وَيُرْوَى اَنْكَحْتُكَهَا وَزَوَّجْتُكَهَا یعنی رسول اللہ..... نے ان کا نکاح بعض تعلیم قرآن فرمادیا لیکن اس روایت سے امام شافعیؒ کا مسلک ثابت نہیں ہوتا، جیسا کہ پیچھے تفصیل گزر چکی ہے، کیوں کہ زواجْتُكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ کا مطلب ہے بِبِرْكَةِ مَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ يَا بِسَبَبِ مَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ يَا مِنْ أَجْلِ أَنْكَ مِنَ الْقُرْآنِ یعنی میں نے تمہارا نکاح اس خاتون سے اس چیز کی برکت سے

کر دیا جو تمہارے پاس ہے یا اس قرآن کے سبب کر دیا جو تمہارے پاس ہے یا اس سے نکاح کر دیا کہ تم قرآن کے ماننے والوں میں سے ہو اس روایت میں اس بات پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ رسول اللہ..... نے تعلیم قرآن کو مہر بنایا ہو۔

دوسرے یہ کہ تعلیم قرآن عبادت ہے اور عبادت میں مہر ہونے کی صلاحیت نہیں ہوتی، جیسے ایمان اور صلوٰۃ و صوم کی تعلیم۔

اور خدمت کے مہر ہونے سے متعلق امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ منافع مال متقوم ہیں پس ایسے ہو گیا جیسے اس نے بکری چرانے پر نکاح کیا ہو یا اس شرط پر کہ دوسرا آزاد آدمی اس کی بیوی کی خدمت کرے گا یا جیسے کہ جب شوہر غلام ہو اور عورت اس سے خدمت لینے پر نکاح کرے تو یہ سب درست ہے، پس ایسے ہی اگر آزاد مرد سے نکاح اس شرط پر کیا کہ وہ آزاد مرد اپنی بیوی کی بعوض مہر خدمت کرے گا تو نکاح بعوض خدمت ہو گا اور خدمت مہر کے قائم مقام ہوگی۔

ہمارا کہنا یہ ہے کہ باب نکاح میں مشروع ابتغاء بالمال ہے اور منافع ہماری اصل پر دال نہیں ہیں حتیٰ کہ منافع کا غضب کی وجہ سے ضمان نہیں ہوتا، اور منافع کا مال ہونا بر بنائے ضرورت عقد کی وجہ سے ہوتا ہے، بشرطیکہ اس کی احتیاج پائی جائے اور اس کا حوالہ کرنا بھی ممکن ہو اور یہاں مسئلہ مذکور میں منافع کی سپردگی ممکن نہیں ہے کیوں کہ اس میں قلب موضوع ہے کہ بجائے اس کے کہ عورت مرد کی خدمت کرتی مرد کا عورت کی خدمت لازم آتی ہے، پس عورت کو مرد سے خدمت لینے کا کسی بھی حال میں استحقاق نہیں ہو سکتا، پس ضرورت معدوم ہے، بخلاف اس کے کہ غلام سے عورت اس معاملہ پر نکاح کرے کہ غلام شوہر عورت کی خدمت کریگا تو یہاں خدمت لینے پر نکاح درست ہے اور خدمت بجائے مہر مثل کے مہر شمار ہوگی وجہ یہ ہے کہ غلام خود مال ہے دوسرے یہ کہ غلام صورت مذکورہ میں درحقیقت آقا کی ہی خدمت کرنے والا سمجھا جائے گا، کیوں کہ وہ بیوی کی خدمت اس کے حکم سے ہی کر رہا ہے، اس لیے کہ اس طرح غلام کا نکاح کرنا اس کی اجازت پر ہی موقوف ہے، پس کوئی تناقض نہیں ہے رہی بات بکری چرائی پر نکاح تو بکری چرانا امور زوجہ کی انجام دہی اور اس کی نگرانی کے باب سے ہے لہذا اس مسئلہ پر مجتہد عنہا کو قیاس کرنا درست نہیں، اسی طرح دوسرے آزاد آدمی کی خدمت پر نکاح کرنا اس کی رضا مندی سے ہے تو یہ منافع اور قلب موضوع نہیں ہے کیوں کہ اس شکل میں شوہر آزاد خدمت کا پابند نہیں ہے، مزید تفصیل کے لیے تبیین الحقائق للزلیلی ملاحظہ فرمائیں۔

ولہا خدمتہ لو عبداً: یعنی اگر غلام شوہر سے نکاح خدمت پر ہوا ہو تو خدمت مہر کے قائم مقام ہو جائے گی وجہ اوپر مذکور ہو چکی ہے۔

ولو قبضت الف المهر الخ: اور اگر عورت نے مہر کے ہزار پر قبضہ کر لیا اور شوہر کو ہدیہ کر دیا پھر عورت کو طلی سے پہلے طلاق ہو گئی تو شوہر کو حق پہنچتا ہے کہ وہ عورت سے نصف مہر یعنی پانچ سو درہم واپس لے لے اس لیے کہ عورت کو دخول سے پہلے طلاق کی وجہ سے نصف مہر کا استحقاق ہوتا ہے، جب کہ اسے پوری مہر یعنی ہزار درہم جو کہ مہر تھا سب مل چکا ہے لہذا عورت کو آدمی مہر یعنی پانچ سو واپس کرنا چاہئے، اب رہی بات یہ کہ شوہر کو بصورت ہدیہ اپنا حق یعنی نصف مہر مل چکا ہے تو یہ مسلم نہیں اس لیے کہ شوہر کو ازراہ ہدیہ عینہ وہ نہیں پہنچا جس کا اسے استحقاق تھا، کیوں کہ درہم عقد میں متعین نہیں ہوتے پس اسی طرح فسخ میں بھی اس لیے کہ فسخ ایسی چیز پر وارد ہوتا ہے جس پر عقد وارد ہوا ہو۔

فان لم تقبض الالف او قبضت النصف الخ: ایک خاتون کا ایک ہزار درہم پر نکاح ہوا خاتون کو ہزار درہم مہر نہیں ملایا آدھا مہر ملا اور اس نے ہزار درہم شوہر کو ہدیہ کر دیا یا آدھا ملنے کی صورت میں باقی آدھا ہدیہ کر دیا، یا مہر کا سامان ہدیہ کر دیا، قبضہ سے پہلے یا اس کے بعد پھر غریب کو طلی سے پہلے طلاق ہو گئی، تو ان تمام صورتوں میں شوہر عورت سے کچھ بھی واپس لینے کا استحقاق نہیں رکھتا۔

در حقیقت عبارت مذکورہ تین فصول کو مضمّن ہے، پہلی یہ ہے کہ عورت نے مہر کی ایک پائی پر بھی قبضہ نہیں کیا اور شوہر کو پوری مہر ہزار درہم سے بری کر دیا تو اس میں حکم یہ ہے کہ بیوی سے شوہر کچھ بھی واپس لینے کا مجاز نہ ہوگا، گو قیاس کا تقاضا یہی تھا کہ وہ بیوی سے نصف مہر رجوع کر سکتا تھا امام زفر کا یہی مسلک ہے، اس لیے کہ شوہر کا ذمہ عورت کے بری کرنے یا ہدیہ کرنے کی وجہ سے ختم ہوا ہے، دخول سے پہلے طلاق کی وجہ سے بری نہیں ہوا ہے، حالاں کہ شوہر کو طلاق کی وجہ سے نصف مہر سے برأت کا استحقاق تھا، پس شوہر عورت سے اس چیز کے رجوع کرنے کا مجاز ہے، جس چیز کا اسے استحقاق حاصل ہے اور ایسا ہے اس وجہ سے سبب کا اختلاف عین کے اختلاف کے حکم میں ہے، پس سمجھا جائے گا کہ عورت نے مہر کے علاوہ کوئی اور چیز ہدیہ کی ہے۔ وجہ استحسان یہ ہے کہ شوہر کو عینہ وہی چیز وصول ہو گئی جس کا استحقاق اسے طلاق قبل الدخول کی وجہ سے ہوتا تھا اور وہ ہے شوہر کے ذمہ کا نصف مہر سے بری ہو جانا، پس حصول مقصد کے وقت سبب کے اختلاف کی پرواہ نہیں کی جاتی۔

فصل ثانی ہے کہ عورت کو نصف مہر مل گیا پھر عورت نے پوری مہر شوہر کو ہدیہ کر دیا یعنی مہر مقبوض اور غیر مقبوض سبھی کچھ پھر شوہر نے قبل الدخول طلاق دیدی تو اس میں حکم یہ ہے کہ شوہر عورت سے کچھ بھی رجوع نہیں کر سکتا، امام اعظم کے نزدیک اور صاحبین کے نزدیک نصف مقبوض عورت سے رجوع کرے گا اس لیے کہ اگر عورت کل مہر پر قبضہ کر لیتی تو شوہر اس سے نصف مہر واپس لینے کا حقدار ہوتا تو ایسے میں نصف کے واپس لینے

کا حق دار جزء کوکل پر قیاس کرتے ہوئے اس شکل میں بھی ہے کہ جب عورت کو آدھا ہی مہر مل پایا تھا دوسرے اس لیے بھی کہ وہ حق جو دوسرے کے ذمہ آتا ہو اس کو ہبہ کرنا ط ہے یعنی مہر گھٹا دیتا ہے اور ط اصل عقد سے جاملتا ہے اور مہر ہونے سے خارج ہو جاتا ہے، پس گویا مقدار مقبوض یعنی نصف الالف ہی حکماً سارا کا سارا مہر ہے پس اب دخول سے پہلے طلاق سے یہ آدھا ہوگا اور شوہر نصف لے لیگا۔

اور امام اعظمؒ کی دلیل یہ ہے کہ طلاق قبل الدخول سے شوہر کا مقصود بلا عوض نصف مہر کی سلامتی ہے اور یہ مقصد اسے مسئلہ مذکور میں حاصل ہو چکا لہذا عورت پر اس کو رجوع کا استحقاق نہیں ہوگا رہی بات ط کی تو در نکاح میں اصل عقد کے ساتھ لاحق نہیں ہوتا البتہ بیع میں لاحق ہوتا ہے اور یہ فرق دونوں عقود کی فرق کی وجہ سے ہے کہ بیع عقد مبادلہ مغابہ ہے جب کہ نکاح عقد مبادلہ اور مغابہ نہیں ہے۔

تیسری فصل یہ ہے کہ خاتون سے کسی صاحب نے متعین سامان پر نکاح کیا پھر مہر کے سامان پر خواہ قبضہ کر لیا یا قبضہ نہیں کیا شوہر کو ہدیہ دے دیا پھر شوہر نے قبل الدخول طلاق دیدی تو شوہر کو کچھ بھی استحقاق رجوع نہیں ہوگا، گو قیاس کا تقاضا یہی تھا کہ شوہر کو آدھے سامان کی قیمت کا حق رجوع ہوتا امام زفرؒ کی یہی رائے بھی ہے اس لیے کہ شوہر کو استحقاق طلاق کی جہت سے حاصل ہے، اور اس جہت سے اس کو کچھ بھی حاصل نہیں ہوا ہے وجہ استحسان یہ ہے کہ شوہر کو بعینہ وہ چیز مل گئی ہے جس کا استحقاق اس کو طلاق قبل الدخول کی وجہ سے ہوا تھا کیوں کہ وہ سامان فسخ میں بھی متعین ہے، جیسے کہ عقد میں متعین تھا اسی وجہ سے شوہر سامان متعین کے سواء اگر اور کوئی چیز بطور مہر کے دینا چاہے تو یہ درست نہ ہوگا اور سامان مہر کے ہدیہ کی صورت میں عورت کے لیے اس کے سوا دوسرا سامان دینا نیز درست نہ ہوگا۔

ولو نکحها باللف الخ: اور اگر عورت سے ایک ہزار مہر پر نکاح کیا اس شرط پر کہ اس کے نکاح میں موجود ہوتے ہوئے وہ کسی دوسرے خاتون سے نکاح نہیں کرے گا یا ایک ہزار پر اس شرط کے ساتھ نکاح کیا کہ وہ اس کے ساتھ عورت کے شہر ہی میں مقیم رہے گا اور دو ہزار پر اگر وہ شہر سے باہر لے گیا پس اگر شوہر نے شرط کی پاسداری کی تو ایک ہزار ہی مہر ہوگا ورنہ بصورت دیگر مہر مثل ہوگا۔

اس مسئلہ کی دو صورتیں ہیں ایک یہ ہے کہ عورت کا مہر متعین اور طے کیا جائے اور اسی کے ساتھ عورت کے لیے کوئی دوسری ایسی چیز شرط قرار دی جائے جو عورت کے لیے نفع بخش ہو مثلاً یہی کہ عورت سے ہزار روپیہ پر نکاح اس شرط کے ساتھ کیا کہ وہ شہر سے باہر نہیں لے جائے گا یا یہ کہ عورت کے نکاح میں ہونے ہوئے وہ کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کرے گا۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ عورت کے لیے مہر کچھ مقرر ہو ایک تقدیر پر اور دوسری تقدیر پر پہلی تقدیر پر

مقرر۔ ہر کے عکاف مہر تجویز ہو مثلاً لہی کہ شہر میں رہنے کی صورت میں ایک ہزار اور شہر سے باہر لے جانے کی صورت میں دو ہزار مہر ہوگا، پس اگر صورت اولیٰ میں شوہر نے شرط پوری کیا تو مہر مسلمی ہو اس لیے کہ وہ مہر ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے اور عورت کی رضا مندی بھی اس کے ساتھ پوری ہو جاتی ہے، اور اگر شوہر نے شرط پوری نہیں کیا مثلاً اس عورت کے ہوتے ہوئے دوسری عورت سے نکاح کر لیا یا اسے شہر سے باہر لے گیا یعنی سفر کر گیا تو عورت کے لیے مہر مثل ہوگا، اس لیے کہ عورت کے لیے لہی چیز کو مہر قرار دیا تھا جس میں نفع تھا پس اس چیز کے فوت ہونے کے وقت عورت کے لیے مہر مثل واجب ہو جاتا ہے، اس کے ساتھ عورت کی رضا مندی کے ختم ہو جانے کی وجہ سے۔

حاجہ کہتے ہیں کہ شرط اگر شوہر پوری نہیں کرتا تو نکاح ہی فسخ ہو جائے گا اس لیے کہ نبی..... کا ارشاد ہے
 احق الشروط ما استحللتم به الفروج ہماری دلیل نبی..... کا یہ ارشاد گرامی ہے کل شرط لیس فی کتب فہو باطل اور یہ شروط بالا کتاب اللہ میں نہیں ہیں نیز نبی..... کا ارشاد ہے المسلمون علی شروطہم الا شرطاً حلّ حراماً او حرم حلالاً اور یہ شروط لہی ہی ہیں کہ حلال کو حرام کرتی ہیں جیسے دوسری شادی کرنا اور شہر سے سفر کرنا اور اس جیسی شروط مرد و دودہوتی ہیں۔

وَلَوْ نَكَحَهَا عَلَىٰ هَذَا الْعَبْدِ أَوْ عَلَىٰ هَذَا الْعَبْدِ حُكْمُ مَهْرٍ الْمَثَلِ وَعَلَىٰ فَرَسٍ أَوْ جِمَارٍ
 يَجِبُ الْوَسْطُ أَوْ قِيمَتُهُ وَعَلَىٰ ثَوْبٍ أَوْ خَمْرٍ أَوْ خَنْزِيرٍ أَوْ عَلَىٰ هَذَا الْخَلِّ فَإِذَا هُوَ
 خَمْرٌ أَوْ عَلَىٰ هَذَا الْعَبْدِ فَإِذَا هُوَ حُرٌّ يَجِبُ مَهْرُ الْمَثَلِ وَإِنْ أَتَاهُمَا الْعَبْدَيْنِ وَاحِدُهُمَا
 حُرٌّ فَمَهْرُهَا الْعَبْدُ وَفِي النِّكَاحِ الْقَائِدِ إِنَّمَا يَجِبُ مَهْرُ الْمَثَلِ بِالْوُطِيِّ وَلَمْ يُرْزَدْ عَلَى
 الْمُسْتَمْنَىٰ وَيُثْبِتُ النَّسَبُ وَالْعِدَّةُ وَمَهْرٌ مِثْلُهَا يُعْتَبَرُ بِقَوْمِ أَبِيهَا إِذَا اسْتَرْتَا شَيْئًا وَجَمَالًا
 وَمَالًا وَبَلَدًا وَعَصْرًا وَعَقْلًا وَدِينًا وَبِكَارَةِ فَإِنْ لَمْ تُوجَدْ فَمِنْ الْأَجَانِبِ وَصَحَّ ضِمَانُ
 الْوَلِيِّ الْمَهْرَ وَتَطَالِبُ زَوْجِهَا أَوْ وَلِيِّهَا وَلَهَا مِنْهُ مِنَ الْوُطِيِّ وَالْإِخْرَاجِ لِلْمَهْرِ وَإِنْ
 وَطَّيْهَا وَلَوْ اخْتَلَفَا فِي قَلْبِ الْمَهْرِ حُكْمُ مَهْرٍ الْمَثَلِ وَالْمَتْعَةُ لَوْ طَلَّقَهَا قَبْلَ الْوُطِيِّ وَلَوْ
 فِي أَصْلِ الْمُسْتَمْنَىٰ يَجِبُ مَهْرُ الْمَثَلِ وَإِنْ مَاتَ وَلَوْ فِي قَلْبِ الْهَرِّ فَالْقَوْلُ لَوْرَثِهِ وَمَنْ
 بَعَثَ إِلَىٰ امْرَأَتِهِ شَيْئًا فَقَالَتْ هُوَ هَدِيَّةٌ وَقَالَ هُوَ مِنَ الْمَهْرِ فَالْقَوْلُ لَهُ فِي غَيْرِ الْمَهْيَا
 لِلْأَكْلِ وَلَوْ نَكَحَ ذِمِّي ذِمِّيَةً بِمِثَّةٍ أَوْ بِغَيْرِ مَهْرٍ وَذَا جَائِزٌ عَنْهُمْ فَوُطِيتْ أَوْ طَلِّقَتْ
 قَبْلَهُ أَوْ مَاتَ لَا مَهْرَ لَهَا وَكَذَا الْحَرَبِيَّانِ ثَمَّةٌ وَلَوْ تَزَوَّجَ ذِمِّيٌّ ذِمِّيَةً بِخَمْرٍ أَوْ خَنْزِيرٍ
 عَيْنٍ فَاُسْلَمَا أَوْ أَسْلَمَ أَحَدُهُمَا لَهَا الْخَمْرُ وَالْخَنْزِيرُ وَفِي غَيْرِ الْعَيْنِ لَهَا قِيمَةُ الْخَمْرِ

ومهر المثل فی الخنزیر.

ترجمہ: اگر عورت سے نکاح کیا اس غلام پر یا اس غلام پر تو مهر مثل کو حکم بنایا جائے گا اور (اگر نکاح کیا) گھوڑے پر یا گدھے پر تو درمیانی واجب ہوگا یا اس کی قیمت (واجب ہوگی) اور (اگر نکاح کیا) کپڑے یا شراب یا خنزیر پر یا اس سرکہ پر اور وہ شراب تھی یا اس غلام پر اور وہ آزاد تھا تو مهر مثل واجب ہوگا، اگر دو غلاموں کو مهر ٹھہرایا دراصل ایک ایک ان میں سے آزاد تھا تو اس کا مهر صرف غلام ہوگا اور نکاح فاسد میں مهر مثل صرف وطی سے واجب ہوتا ہے اور مقررہ مقدار پر زائد نہ کیا جائے گا اور نسب اور عدت ثابت ہوگی، اور عورت کا مهر مثل اس کے باپ کی قوم کا معتبر ہوگا جب کہ وہ دونوں عمر، حسن، مال، شہر، زمانہ، عقل، دینداری اور باکر ہونے میں برابر ہوں، پس اگر کوئی خاتون (باپ کی قوم سے) نہ پائی جائے تو پھر اجانب سے، اور صحیح ہے کہ مہر کی ضمانت لینا اور عورت شوہر سے یا ولی سے مطالبہ کرے، اور عورت کے لیے وطی اور باہر لے جانے سے روکنے کا حق ہے مہر کی وجہ سے گو شوہر اس سے وطی کر چکا ہو اور اگر اختلاف کریں زوجین مقدار مہر میں تو مهر مثل کو حکم بنایا جائے گا اور متعہ کو (حکم بنایا جائے گا) اگر وطی سے پہلے طلاق دیدی ہو اور اگر اصل مہر میں (اختلاف ہو) تو مهر مثل واجب ہوگا، اور اگر زوجین مرجائیں اور اختلاف گو مقدار میں ہو تو شوہر کے ورثہ کا قول معتبر ہوگا اور جس نے اپنی بیوی کے پاس کوئی چیز بھیجی پس عورت نے کہا وہ ہدیہ تھی اور شوہر نے کہا کہ مہر سے تھی تو شوہر کا قول معتبر ہوگا، اس چیز میں جو کھانے کے لیے مہیا نہ ہو، اور اگر ذمی نے ذمیہ سے مردار کے عوض یا بلا مہر نکاح کیا اور ایسا کرنا ان کے یہاں جائز بھی ہو پھر اس سے وطی کی گئی یا طلاق دے دی گئی وطی سے پہلے یا شوہر مر گیا تو عورت کے لیے مہر نہ ہوگا، یہی حکم ہے حربیوں کا کفرستان میں اور اگر ذمی نے ذمیہ سے معین شراب یا خنزیر کے عوض نکاح کیا پھر دونوں مسلمان ہو گئے یا کوئی ایک اسلام لے آیا تو عورت کے لیے شراب اور خنزیر ہے اور غیر معین میں شراب کی قیمت ہے اور خنزیر کی صورت میں مهر مثل ہے۔

تشریح: ولو نکحها علی هذا العبد او علی هذا العبد: اور اگر نکاح کیا اس غلام پر یا اس غلام پر یعنی مہر میں ایسی دو چیزوں کا نام لیا جو قیمت مختلف ہوں ایک اعلیٰ قیمت کی ہو اور دوسری گھٹیا دام کی تو مهر مثل دیا جائے گا، بشرطیکہ مہر مثل دونوں غلاموں کی قیمت کے بیچ بیچ ہو اور اگر مہر مثل دونوں غلاموں میں ارفع کے مثل ہو یا زیادہ تو عورت کے لیے ارفع ہوگا، عورت کے لیے ارفع سے رضا مند ہونے کی وجہ سے اور اگر مہر مثل دونوں غلاموں میں گھٹیا دام والے کے مثل ہو یا اس سے بھی کم تو عورت کو کم دام والا غلام مہر میں ملے گا کیوں کہ وہ کم دام والے سے ہی راضی ہے، صاحبین کے نزدیک ان میں جو اقل ہوگا وہ دیا جائے گا کیوں کہ اقل یقینی ہے، یہ اختلاف دراصل ایک دوسرے اختلاف پر مبنی ہے وہ یہ ہے کہ امام اعظم کے نزدیک

اصل بدل مہر مثل ہے اور تسمیہ کے صحیح ہونے کے وقت مہر مثل کو چھوڑ دیا جاتا ہے اور مسلمہ کو اختیار کر لیا جاتا ہے اور صاحبین کے نزدیک مسلمہ اصل ہے اور مہر مثل کو تسمیہ کے من کل الوجوہ فاسد ہو جانے کے وقت اختیار کیا جاتا ہے اور مسئلہ مذکور میں مسلمہ یعنی رومی کا ایجاب ممکن ہے کیوں کہ وہ کم ہونے کی وجہ سے متعین ہے پس تسمیہ ناسد نہ ہوگا۔

اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک معاملہ یہ ہے کہ موجب اصلی مہر مثل ہے چنانچہ مہر مثل بغیر تسمیہ نفس عقد سے واجب ہو جاتا ہے اور ایسا اس لیے ہے کہ بضع کی قیمت بیع کی قیمت کی طرح ہے کیوں کہ بضع ملک میں دخول کی حالت میں متقوم ہوتا ہے لہذا مہر مثل سے صرف نظر بھی کی جاسکتی ہے جب تسمیہ صحیح ہو۔

و علی فرس و حمار یجب الوسط او قیمتہ: اگر نکاح حیوانات کے عوض کیا اور ان کی جنس بیان کر دی نوع نہیں بیان کی تو اوسط درجہ کا جانور یا اس کی قیمت مہر میں واجب ہوگی جیسے کسی نے گھوڑے پر نکاح کیا یا گدھے کو مہر قرار دیا اور اگر نکاح گھوڑے یا گدھے پر بطریق تردید کیا ہو یعنی یوں کہ اتزو و جتک علی فرس او حمار کہ میں نے تجھ سے نکاح گھوڑے پر کیا یا گدھے پر تو مہر مثل کو حکم بنایا جائے گا امام اعظمؒ کے نزدیک اور اقل قیمت والا واجب ہوگا صاحبین کے نزدیک اسی تفصیل کے مطابق جواب پر گزری۔

اور اگر عورت سے نکاح کسی حیوان کے عوض کیا اور اس کی جنس نہیں بیان کی بایں طور کہ سواری پر نکاح کیا اور اس کی صراحت نہ کی کہ وہ سواری کون سی ہوگی تو تفاحش جہالت کی وجہ سے تسمیہ باطل ہو جائے گا اور مہر مثل واجب ہوگا اور شافعیؒ کے نزدیک دونوں صورتوں میں مہر مثل ہوگا یعنی خواہ جنس بیان کی ہو یا نہ بیان کی ہو کیوں کہ ان کے نزدیک جو چیز بیع میں شمن نہیں ہو سکتی وہ نکاح میں مسلمہ نہیں ہو سکتی اس لیے کہ نکاح اور بیع دونوں عقد معاوضہ ہیں اور ہمارے نزدیک مہر کا استحقاق ایسی چیز کے بطور عوض ہوتا ہے جو مال نہیں ہے یعنی بضع پس ہم نے اس کو شروع ہی سے التزام مال کے حکم میں کر دیا حتیٰ کہ نکاح مطلق جہالت سے جیسے دلبہ فاسد نہیں ہوتا، اور جس نے شرط قرار دیا کہ مسلمہ ایسا مال ہو جس کا اوسط درجہ ہونا معلوم ہوتا کہ دونوں جانبوں کی رعایت ہو جائے اس لیے کہ جنس جید اور ردی دونوں پر مشتمل ہوتی ہے اور وسط کا جانبین سے حصہ ہوتا ہے کیوں کہ ارفع سے کم تر اور ادنیٰ سے بڑھ کر ہوتا ہے، لہذا اوسط درجہ کا جانور واجب قرار دینا یہ زیادہ مناسب ہے مہر مثل واجب قرار دینے سے کیوں کہ مہر مثل کی جہالت اس سے بڑھ کر ہے۔

رہی بات یہ کہ شوہر کو مسلمہ اوسط اور اور اس کی قیمت دینے میں اختیار ہے چنانچہ دونوں میں سے جو بھی ادا کر دیا تو عورت اس کے قبول کرنے پر مجبور ہوگی کیوں کہ اوسط کا علم قیمت سے ہی ہوتا ہے پس قیمت کی ادائیگی اصل ہوگئی ایفاء کے لحاظ سے اور عین یعنی جانور اصل ہو یا اعتبار تسمیہ پس جس کو چاہے اختیار کر سکتا ہے۔

وعلى ثوب او خمر او خنزير الخ: اگر نکاح کیا کپڑے پر یا شراب پر یا سور پر یا اس سرکہ یعنی سرکہ مشارالیه پر پس وہ شراب نکلے یا اس غلام پر کیا اور وہ آزاد نکلا تو ان تمام صورتوں میں مہر مثل واجب ہوگا، اس لیے کہ یہ اشیاء جہالت یا شرعاً حرام ہونے کی وجہ سے عوض ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتیں۔

مذکورہ چیزیں تین طرح کی ہیں اک قسم وہ ہے جو مسلم کی جہالت کی وجہ سے باطل ہے جیسے کپڑا اور دوسری قسم شرعاً حرمت کی وجہ سے باطل ہے اور تیسری قسم وہ ہے جو مشارالیه کے خلاف ہونے کی وجہ سے باطل ہے۔

پوری عبارت میں چار مسئلے بیان ہوئے ہیں (۱) یہ ہے کہ کسی صاحب نے کسی خاتون سے کپڑے پر اسکا وصف بیان کیے ہوئے بغیر نکاح کیا اور کپڑے کی جنس اور نہ اس کے وصف کو بیان کیا تو مہر مثل واجب ہوگا اس لیے کہ یہ جنس کی جہالت ہے اور اگر جنس کو بیان کر دیتا بایں طور کہ کہہ دیتا کہ نکاح ثوب ہر وہی پر مثلاً ہے یا ثوب مروی پر تو تسمیہ درست ہو جاتا اور اوسط درجہ کا کپڑا واجب ہوتا اور شوہر کو کسی کے دینے اور اس کی قیمت کے ادا کرنے کے درمیان اختیار ہوتا اور کسی کے بھی دینے پر عورت اس کے قبول کرنے پر مجبور ہوتی۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ آدمی نے عورت سے شراب یا خنزیر پر نکاح کیا تو نکاح درست ہے اور واجب مہر مثل ہوگا اس لیے کہ خمر اور خنزیر کے قبول کرنے کی شرط ممانعت شرعیہ کی وجہ سے فاسد ہے اور نکاح شرط فاسدہ کی وجہ سے فاسد نہیں ہوا کرتا، امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ بیع کی طرح نکاح بھی شرط فاسدہ سے فاسد ہو جاتا ہے ہم کہتے ہیں کہ بیع شرط فاسدہ سے فاسد ہوتی ہے نکاح نہیں۔

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ شوہر نے عورت سے سرکہ کے اس مکے یعنی مشارالیه مکے پر نکاح کیا پس وہ شراب نکل آیا تو نکاح صحیح ہوگا اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مہر مثل واجب ہوگا اور صاحبین کے نزدیک اس مکے شراب کے وزن کے برابر سرکہ واجب ہوگا اس لیے کہ شوہر نے بطور مہر مال مقرر کیا تھا اور اس کے شراب ظاہر ہونے کی وجہ سے سردست اس کے سپرد کرنے سے عاجز ہے پس اس کی قیمت یا اس کا مثل واجب ہوگا اور سرکہ منکیات میں سے ہے لہذا شراب کا مثل سرکہ واجب ہے۔

اور امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ جب اشارہ اور تسمیہ کسی ایک چیز میں جمع ہو جائیں تو اشارہ کا اعتبار ہوتا ہے، کیوں کہ اشارہ بمقابلہ تسمیہ تعریف میں ابلغ ہے پس ایسا ہو گیا جیسے اس نے خمر پر عیاناً نکاح کیا پس تسمیہ ہو گیا اور مہر مثل واجب ہو گیا۔

چوتھا مسئلہ یہ ہے کہ اس غلام یعنی عبد مشارالیه پر نکاح کیا اور وہ آزاد نکل آیا تو نکاح صحیح ہے اور مہر مثل واجب ہوگا طرفین کے نزدیک امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس کی قیمت واجب ہوگی، غلام ہونے کی تقدیر پر

یعنی اگر وہ غلام ہوتا تو جو اس کی قیمت ہوتی وہ قیمت مہر میں واجب ہوگی، دلیل پیچھے گزر چکی ہے۔

وان امہرا للعبدین واحدهما حر: اگر عورت سے دو غلاموں پر نکاح کیا یعنی مہر دو غلام ٹھہرایا اور ان میں سے کوئی ایک مرد آزاد ثابت ہوا تو اس خاتون کو مہر وہی غلام ہوگا بشرطیکہ وہ دس درہم کے برابر یا اس سے زیادہ کی حیثیت کا ہو اور اگر دس درہم سے اس کی قیمت کم ہے تو دس درہم کی تکمیل کرائی جائے گی امام اعظمؒ کے نزدیک، امام ابو یوسفؒ کے نزدیک وہی مذکور فی اسکی غلام اور حر مسلم کی قیمت غلام ہونے کی تقدیر پر واجب ہوگی کیوں کہ اس نے عورت کو دونوں غلاموں کی سلامتی کی امید دلائی تھی اور کسی کے حائل سے وہ ان دونوں میں سے ایک کی سپردگی سے عاجز ہو گیا لہذا اس کی قیمت واجب ہوگی۔

امام محمدؒ کے نزدیک غلام واجب ہوگا البتہ مہر مثل کی تکمیل کرائی جائے گی، امام ابو حنیفہؒ کی بھی یہی ایک روایت ہے کیوں کہ اگر ایک کے بجائے دونوں آزاد نکل آتے تو مہر مثل ہی واجب ہوتا پس جب کوئی ایک غلام ہے تو غلام واجب ہوگا اور مہر مثل کا اتمام اگر وہ غلام مہر مثل سے کم درجہ کا ہے، امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ عبد مسلم ہے اور وہ مہر ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے کیوں کہ وہ مال ہے پس غلام واجب ہوگا کیوں کہ وجوب مسلمی گو وہ کم حیثیت ہو مہر مثل کے وجوب سے مانع ہوتا ہے۔

وفی النکاح الفاسد الخ: یعنی جب قاضی نکاح فاسد میں زوجین میں وطی سے پہلے تفریق کر دے تو مہر نہ ہوگا مہر مثل کا وجوب تو وطی سے ہوتا ہے اس لیے کہ مہر نکاح فاسد میں محض عقد کی وجہ سے واجب نہیں ہوا کرتا کیوں کہ وہ نکاح فاسد ہے، نیز خلوت کی وجہ سے بھی نکاح فاسد میں مہر کا وجوب نہ ہوگا کیوں کہ فساد نکاح کے ساتھ خلوت غیر صحیحہ ہوگی کیوں کہ قدرت کا ثبوت نہیں ہے اور مانع اور وہ ہے حرمت جو موجود ہے پس یہ خلوت وطی کے قائم مقام نہ ہوگی۔

مہر کا وجوب تو منافع کی وصولی سے ہوتا ہے پس اگر شوہر نے نکاح فاسد میں وطی کر لی تو شوہر پر عورت کا مہر مثل واجب ہو جاتا ہے، البتہ یہ مہر مثل مسلمی سے زیادہ نہ ہوگا، کیوں کہ عورت اپنا حق زیادتی کے بارے میں خود ساقط کر چکی ہے، کیوں کہ وہ مسلمی کی صورت میں اس سے کم پر اپنی رضا مندی دے چکی ہے، پس مسلمی پر زیادتی واجب نہ ہوگی، حتیٰ کہ اگر مہر مثل مسلمی سے کم ہو تب بھی مہر مثل ہی لازم ہوگا۔

امام زفرؒ فرماتے ہیں مہر مثل واجب ہوگا خواہ کتنا ہو جائے اور مسلمی سے بڑھ جائے جیسا کہ بیع فاسد میں ہوتا ہے کہ قیمت واجب ہوتی ہے گو وہ ثمن سے بڑھ جائے ہمار کہنا یہ ہے کہ چون کہ عورت اپنا حق زیادتی میں اس سے کم تر پر راضی ہو جانے کی وجہ سے ساقط کر چکی ہے، لہذا زیادتی واجب نہ ہوگی دوسرے اس لیے کہ منافع مال نہیں ہیں منافع تو عقد یا شبہ عقد کی وجہ سے مقوم ہوتے ہیں پس وہ چیز جس میں عقد اور شبہ عقد نہ ہو تو

اس میں نفع مقوم نہیں ہوتا۔

اور اگر مہر، مسلمی یعنی متعین نہ ہو یا مہر مجہول ہو تو مہر مثل جتنی بھی پہنچ جائے واجب ہوگی۔

وثبت النسب: نکاح فاسد سے پیدا ہونے والے مولود کا نسب ثابت ہو جائے گا اس لیے کہ اثبات نسب میں احیاء للولد احتیاط پر ہوتی ہے، نسب کی مدت کا اعتبار دخول کے وقت سے ہوگا محمدؐ کے نزدیک، اور اسی پر فتویٰ ہے، شیخین کے نزدیک نکاح کے وقت سے ہوگا لیکن یہ بعید ہے کیوں کہ نکاح فاسد حرمت کی وجہ سے وطی کا متقاضی نہیں ہوتا اسی وجہ سے نکاح فاسد سے محض عقد کی وجہ سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی تا وقتیکہ وطی یا لس یا تقبیل کا عمل نہ پایا جائے۔

اور نکاح فاسد میں بعد الوطی عدت کا بھی ثبوت ہو جاتا ہے اس لیے کہ فاسد موضع احتیاط میں صحیح کے ساتھ ملحق ہوتا ہے، اشتباہ نسب سے بچتے ہوئے اور عدت کی ابتداء کا اعتبار تفریق کے وقت سے ہوگا۔

ومہر مثلہا یعتبر بقوم ابیہا: مہر مثل کا اعتبار عورت کے باپ کی قوم والی عورتوں کے لحاظ سے ہوتا ہے، جیسے باپ شریک بہنیں اور پھوپھیاں وغیرہ کیوں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں لہا مہر مثل نسائہا وھن اقارب الاب اور مماثلت آٹھ اوصاف میں معتبر ہے (۱) عمر میں (۲) حسن و جمال میں (۳) مال میں (۴) شہری ہونے میں (۵) ہمعصر ہونے میں (۶) عقل میں (۷) دیانت میں (۸) باکرہ یا ثیبہ ہونے میں، صاحب تبیین الحقائق علامہ فخر الدین عثمان بن علی الزیلعی نے علم و ادب، پاکیزہ اخلاق اور عدم اولاد چار کا اور اضافہ کیا ہے، ان اوصاف مذکورہ میں مساوات اس لیے شرط ہے کہ مہر، ان اوصاف کے مختلف ہونے سے مختلف ہوتا رہتا ہے اس لیے کہ ان میں رغبتیں مختلف ہوتی ہیں۔

بعض حضرات شوہر کی حالت کا بھی اعتبار کرتے ہیں اور کہا گیا ہے کہ حسب و شرف والے گھرانوں میں جمال کا اعتبار نہیں ہوتا ہے اس کا لحاظ میڈل کلاس کے لوگوں میں ہوتا ہے، کیوں کہ ان گھرانوں کی عورتوں میں لوگوں کی رغبت جمال سے ہوتی ہے اور شریف گھرانوں کی عورتیں لوگوں کی شرافت خاندان کی وجہ مرغوب ہوتی ہیں۔

فإن لم یؤخذ فینمّن الاجانب: اگر باپ کی قوم میں اس جیسی عورت نہ پائی جائے تو پھر ان اوصاف کی اجنبیہ عورت کے ساتھ مہر مثل کا اعتبار ہوگا شرح مجمع اور برجندی میں ہے کہ اگر سب اوصاف مذکورہ باپ کی قوم میں نہ ہوں تو جس قدر موجود ہوں ان ہی کا اعتبار ہوگا کیوں کہ ان سب اوصاف کا دو عورتوں میں جمع ہونا بہت مشکل ہے، امام ابوحنیفہؒ کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ اجنبیات کے مہر مثل کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔

وصح ضمان الولی المہر الخ: نکاح میں ولی عورت کے مہر کا ضامن ہو سکتا ہے، اگرچہ ولی ہی

عائد ہو خواہ وہ شوہر کا ولی ہو یا بیوی کا نیز زوجین صغیر ہوں یا جوان، وجہ یہ ہے کہ امر نکاح میں ولی عائد، سفیر محض ہوتا ہے نکاح کے حقوق اس کی طرف راجع نہیں ہوتے یہاں تک کہ شخص واحد کا عائد اور ضامن ہونا لازم آئے، بخلاف عقد بیع کے کہ اس میں ولی عائد و مباشر ہوتا ہے پس اس میں ولی کا عائد و ضامن ہونا صحیح نہیں مگر صحبت ضمان کے لیے دو شرطیں ہیں اول یہ کہ ولی اپنی صحت کی حالت میں ضامن ہوا اگر مرض الموت میں ضامن ہوا تو یہ صحیح نہ ہوگا دوسرے یہ کہ اگر عورت بالغہ ہو تو وہ خود اور اگر صغیرہ ہو تو اس کا کوئی ولی مجلس ضمان میں ولی کی ضمانت قبول کرے ان شرطوں کے ساتھ ضمانت ہو جانے کی عورت کو اختیار ہے، چاہے وہ ولی ضامن سے مہر کا مطالبہ کرے اور چاہے شوہر سے بشرطیکہ شوہر بالغ ہو کیوں کہ اگر شوہر نابالغ ہے تو مطالبہ صرف ولی سے ہوگا شوہر سے نہیں پھر اگر ولی شوہر کے حکم سے ضامن ہوا ہو اور اس نے مہر اپنے پاس سے اداء کیا ہو تو وہ شوہر سے وصول کر لے گا اور اگر بلا حکم ضامن ہوا ہو تو شوہر سے وصول کرنے کا حق دار نہ ہوگا۔

ولہا منعه من الوطی والاخراج للمہر وان وطئها: عورت اپنا مہر متعجل لینے کی خاطر شوہر کو وطی اور دوائی وطی اور سفر میں لے جانے سے روک سکتی ہے، اگرچہ اس سے قبل عورت کی رضامندی کے ساتھ ایک بار وطی ہو چکی ہو اور شوہر کے لیے عورت کو سفر سے باز رکھنے اور گھر سے باہر جانے سے منع کرنے کا حق نہیں ہے، تا آنکہ پورا مہر ادا کر دے اس لیے کہ روکنے کا حق مستحق کی وصولی کے لیے ہوتا ہے اور شوہر کو حق استیفاء، ایفاء سے پہلے نہیں، اس معاملے میں عورت کی رضامندی سے خلوت بحکم وطی ہے، قبل الدخول اور بعد الدخول دونوں کا یکساں حکم ہے یہ رائے امام ابو حنیفہؒ کی ہے۔

صاحبین کے نزدیک رضامندی کے ساتھ وطی ہو جانے کے بعد عورت کو روکنے کا حق نہیں وہ یہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ وطی ہو جانے کے بعد پورا معقود علیہ شوہر کے سپرد ہو گیا یہی وجہ ہے کہ وطی کے بعد پورا مہر ثابت ہو جاتا ہے، لہذا اس کو روکنے کا حق نہیں۔

امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ وطی مستقل تصرف ہے اور ہر وطی کے مقابلے میں جدا جدا مہر لازم ہے پس بعض معقود علیہ کو سپرد کر دینے سے باقی کو سپرد کرنا لازم نہیں آتا۔

واختلفہا فی قدر المہر حکم الخ: اگر مہر کے سلسلے میں میاں بیوی کا اختلاف ہو جائے تو اس کی چند صورتیں ہیں، اختلاف زوجین کی حیات میں ہوگا یا بعد الہمات ہوگا، ایک کے موت کے بعد ہوگا یا دونوں کی موت کے بعد بہر تقدیر اختلاف مہر کی مقدار میں ہوگا یا اصل مہر میں بہر صورت اختلاف بحالت قیام نکاح ہوگا یا طلاق کے بعد، طلاق دخول سے پہلے ہوگی یا دخول کے بعد سوا گرز زوجین کا اختلاف مقدار مہر میں بحالت قیام نکاح ہو تو طرفین کے نزدیک مہر مثل کو حکم بنایا جائے گا اور ظاہر حال جس کا شاہد ہو اسی کا

قول معتبر ہوگا یعنی اگر مہر مثل شوہر کے دعوے کے موافق ہو یا کم ہو تو شوہر کا قول معتبر ہوگا اس کی قسم کے ساتھ اور اگر بیوی کے دعوے کے موافق ہو یا اس سے زائد ہو تو عورت کا قول اس کی قسم کے ساتھ معتبر ہوگا اور اگر ان میں سے کوئی ایک بینہ قائم کر دے تو بینہ قبول کیا جائے گا مہر مثل موافق ہو یا نا موافق اور اگر دونوں بینہ قائم کر دیں تو عورت کا بینہ مقبول ہوگا، اگر مہر مثل مرد کے موافق ہو، اور مرد کا بینہ مقبول ہوگا بشرطیکہ مہر مثل عورت کے موافق ہو، کیوں کہ بینہ کی مشروعیت خلاف ظاہر کو ثابت کرنے کے لیے ہے، اور خلاف ظاہر دعویٰ اسی کا ہے جس کے موافق مہر مثل نہ ہو اور اگر مہر مثل دونوں کے دعووں کے درمیان ہو تو دونوں کو قسم کھلا کر مہر مثل کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہر صورت میں شوہر کا قول اس کی قسم کے ساتھ معتبر ہے اور اگر زوجین کا اختلاف مقدار مہر میں قبل از دخول اور طلاق کے بعد ہو تو متعہ دیا جائے گا یعنی متعہ مثل جس کے دعوے کے مطابق ہوگا اسی کا قول معتبر ہوگا اس کی قسم کے ساتھ بشرطیکہ مہر مسلمی دین یعنی درہم یا دینار ہو اور اگر مہر مسلمی عین یعنی مثل اور قیمتی چیز ہو تو بلا تحکیم متعہ مثل دیا جائے گا اور اگر کوئی بینہ قائم کر دے تو بتفصیل مذکور بینہ مقبول ہوگا، امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہاں بھی ہر صورت میں شوہر کا قول معتبر ہوگا الا یہ کہ وہ مہر کی اتنی کم مقدار ذکر کرے کہ اس کا مہر ہونا متعارف نہ ہو، اور اگر اختلاف بحالت حیات اصل مہر میں ہو تو باتفاق امام اعظمؒ، ابو یوسفؒ، اور امام محمد مہر مثل دیا جائے گا اور اگر زوجین میں سے کسی ایک کی موت کے بعد اختلاف ہو خواہ اصل میں اختلاف ہو یا اس کی مقدار میں ہو تو اس کا حکم وہی ہے جو زوجین کی حیات میں اختلاف کا حکم اوپر مذکور ہوا کیوں کہ ایک کی موت سے مہر مثل ساقط نہیں ہوتا اور اگر اختلاف دونوں کی موت کے بعد مقدار مہر میں ہو تو امام صاحب کے نزدیک شوہر کے ورثہ کا قول معتبر ہوگا ان کی قسم کے ساتھ قلیل و کثیر کے کسی استثناء کے بغیر اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک قول تو شوہر کے ورثہ ہی کا معتبر ہے لیکن قلیل کا استثناء ہے یعنی اگر ورثہ اتنی کم مقدار ذکر کریں کہ اس کا مہر ہونا متعارف نہ ہو تو مسموع نہ ہوگا اور امام محمدؒ کے نزدیک مہر مثل واجب ہوگا جیسا کہ حالت حیات میں اختلاف کے وقت مہر مثل واجب ہوتا ہے، اور اگر اختلاف اصل مہر میں ہو تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک منکر تسمیہ کا قول معتبر ہوگا یعنی شوہر کے ورثہ کا لیکن جب تک مہر مسلمی پر بینہ قائم نہ ہو جائے اس وقت تک کوئی فیصلہ نہ ہوگا، کیوں کہ دونوں کی موت کے بعد امام صاحبؒ کے نزدیک مہر مثل کا حکم نہیں ہوتا اور صاحبین کے نزدیک مہر مثل کا فیصلہ ہوگا امام شافعیؒ امام احمد بھی اسی کے قائل ہیں اور اسی پر فتویٰ ہے۔ (معدن، فتح، تبیین)

ومن بعث الی امرأته شیئاً الخ: وہ شخص جس نے بیوی کو کوئی چیز ہدیہ میں بھیجی اور عورت کہہ رہی ہے کہ وہ ہدیہ ہے اور شوہر نے کہا کہ وہ تیرا مہر ہے یعنی تیرے مہر کا کچھ حصہ ہے یا نفقات واجبہ سے ہے تو اگر

وہ دی ہوئی چیز از قبیل اکل یعنی طعام نہیں ہے تو قسم کے ساتھ شوہر کے قول کا اہبار ہوگا اس لیے کہ شوہر ہی مملک یعنی بیوی کو اس کا مالک بنانے والا ہے پس ملکیت میں دینے والا جہت ملکیت کو خوب جانتا ہے، ہاں اگر کھانے پینے کی چیز شوہر نے دیا تھا جیسے پکا ہوا گوشت یا میوے وغیرہ جو دیر پا نہیں ہوتے تو اس میں عرف کا لحاظ کرتے ہوئے عورت کی بات معتبر ہوگی کیوں کہ ظاہر حال عورت کی ہی تائید کر رہا ہے، جیسا کہ صورت اولیٰ میں ظاہر حال شوہر کے موقف کی تائید میں تھا کہ وہ اپنے مافی الذمہ کے اسقاط میں کوشاں ہوگا۔

ولو نکح ذی ذمۃ الخ: اگر کسی ذمی مرد نے کسی ذمیہ عورت سے بعوض مردار شادی کیا یا بغیر مہر کے ہی نکاح کیا خواہ دونوں نے مہر کی نفی کر دی ہو یا مہر کے حوالہ سے کوئی تذکرہ نہیں ہوا، بلکہ مکمل خاموشی رہی اور اس طرح نکاح بعوض مردار یا بلا نکاح ان کے دین و مذہب میں درست بھی ہو پس عورت سے ہمبستری ہو یا وطی سے پہلے طلاق ہو گئی یا وطی سے پہلے دونوں میں سے کوئی مر گیا تو دونوں صورتوں میں امام اعظمؒ کے نزدیک مہر نہ ہوگا اور یہی حکم دو حریوں کے اسی طرح نکاح کرنے کا ہے کہ دار الحرب میں حربی مرد حربیہ عورت سے بعوض مردار یا بلا مہر کے نکاح کرے اور اس طرح کا نکاح ان کے مذہب باطل میں درست بھی ہو تو مذکورہ بالا صورتوں میں مہر نہ ہوگا البتہ اس جزئیہ خاص میں امام صاحبؒ کے ساتھ صاحبین بھی ہیں جب کہ ذمی کے مسئلے میں صاحبین کا اختلاف ہے، چنانچہ صاحبین کے نزدیک اگر ہم بستری ہو گئی ہے یا شوہر مر گیا ہے تو عورت کو مہر مثل ملے گا اور اگر دخول سے پہلے طلاق ہوئی ہے تو متعہ ہوگا اور یہی امام شافعیؒ کا قول ہے، امام زفرؒ حرمین کے مسئلہ میں بھی مہر مثل کے قائل ہیں اس لیے کہ خطاب عام ہے اور نکاح بغیر مال مشروع نہیں ہوا ہے۔

صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ اہل حرب نے احکام اسلام کا التزام نہیں کیا ہے اور تباہی دار کی وجہ سے حق الزام ولایت بھی منقطع ہے بخلاف اہل ذمہ کے کیوں کہ احکام اسلام ان پر جاری ہوتے ہیں، یعنی نکاح میں استحقاق نفقہ اور عدت اور توارث بالنسب اور توارث بالکھراج اور خیاری بلوغ کا ثبوت اور نکاح محارم کی حرمت اور مطلقہ ثلاث کی حرمت اور زنا، سود وغیرہ اور ولایت الزام، تحقق التزام کے ساتھ ثابت بھی ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ باب دیانات میں اہل ذمہ ہمارے احکام شرع کا التزام نہیں کرتے، جیسے نکاح بغیر شہود نیز ان معاملات میں بھی کہ جن میں ان کا اعتقاد ہمارے اعتقاد کے خلاف ہے جیسے صوم و صلوٰۃ، اسی وجہ سے ہم ان کو شرب خمر اور اکل خنزیر اور اس کی بیج سے نہیں روک سکتے اور ولایت الزام نہ تو بالسیف ہے اور نہ بالحاجہ اور یہ سب باتیں ان سے عقد ذمہ کے لحاظ سے منقطع ہیں پس ہمیں تو یہی حکم ہے کہ ہم ان کو اور ان کے دین کو چھوڑے رکھیں پس جب معاملہ یہ ہے تو وہ اہل حرب کی طرح ہوئے لہذا امر بالترک کے بعد

اور ان سے تلوار ہٹالینے کے بعد محاجہ کا کوئی فائدہ نہیں۔

دوسرے اس لیے کہ تسمیہ مہر اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور کافراں کا مخاطب نہیں ہے۔

ولو تزوج ذی ذمیۃ بخمر الخ: اگر ذمی نے ذمیہ عورت سے ایسی شراب یا خنزیر کے عوض نکاح کیا کہ جس کی اُور بوقت تسمیہ مہر اشارہ کیا گیا پھر دونوں میاں بیوی مسلمان ہو گئے یا ان میں سے کوئی مسلمان ہو گیا تو عورت کو مہر میں شراب یا سور ہی ملے گا اور اگر شراب یا خنزیر کے عوض نکاح کیا تو مگر بوقت تسمیہ مہر شراب یا خنزیر کی طرف اشارہ نہیں کیا گیا تو عورت کو شراب کی صورت میں شراب کی قیمت اور خنزیر کی صورت میں مہر مثل واجب ہوگا، یہ حکم تب ہے جب دونوں یا کسی کا مسلمان ہونا مہر پر قبضہ سے پہلے ہو یہ امام اعظمؒ کی رائے ہے امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ خواہ خمر اور خنزیر متعین ہو یا نہ ہو عورت کو مہر مثل ملے گا اور امام محمدؒ دونوں صورتوں میں قیمت کو واجب مانتے ہیں امام ابو یوسفؒ کا بھی قول اول یہی ہے، معین کی صورت میں امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ تسمیہ بوقت عقد صحیح ہے اور اب اس کے حوالہ کرنے سے بوجہ مسلمان ہو جانے عاجز ہو گیا لہذا قیمت واجب ہوگی اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ مسلمان کے لیے خمر و خنزیر کا مالک ہونا اور ان کا مالک دوسرے کو بنانا نیز ان کو خود وصول کرنا یا دوسرے کے سپرد کرنا سب منع ہے، لہذا جب مسلمی دینا ممکن نہیں رہا تو مہر مثل متعین ہو گیا، امام اعظمؒ کا کہنا یہ ہے کہ وہ عورت خمر و خنزیر کا بوجہ عقد مالک ہوئی ہے لہذا جس چیز پر عقد نکاح ہوا ہے اسی کا استحقاق ہوگا اور غیر معین کی صورت میں خمر کی صورت میں قیمت امام اعظمؒ کے نزدیک لازم ہوگی اور خنزیر کی صورت میں مہر مثل اس لیے کہ خمر و خنزیر کا مالک ہونا باطل ہے لہذا خمر میں قیمت اور خنزیر میں مہر مثل ہوگا کیوں کہ خنزیر کی قیمت کا سپرد کرنا ممکن نہیں ہے اس لیے کہ اس کی قیمت لینا گویا خنزیر کا لینا ہی ہے جب کہ خمر ذوات الامثال میں سے ہے ذوالقیم میں سے خنزیر کی طرح نہیں ہے، پس خمر کی قیمت لینا خمر کے لینے کی طرح نہ ہوگا۔

باب نکاح الرقیق

لم یجز نکاح العبد والامۃ والمکاتب والمُدَبِّرِ وَاَمَّ الْوَلَدِ اِلَّا بِاِذْنِ السَّيِّدِ فَلَوْ نَكَحَ عَبْدٌ بِاِذْنِهِ بَيْعَ فِي مَهْرٍهَا وَسَعَى الْمَدْبُرُ وَالْمَكَاتِبُ وَلَمْ يُبْعَ فِيهِ وَطَلَّقَهَا رَجْعِيَّةً اِجَازَةً لِلنِّكَاحِ الْمَوْقُوفِ لَا طَلَّقَهَا اَوْ فَارِقَهَا وَالْاِذْنُ بِالنِّكَاحِ يَتَنَاوَلُ الْفَاسِدَ اَيْضًا وَلَوْ زَوَّجَ عَبْدًا مَا ذُوْنَا امْرَاَةً صَحَّ وَهِيَ اُسْوَةٌ لِلْغُرَمَاءِ فِي مَهْرِهَا وَمَنْ زَوَّجَ امْتَهُ لَا يَجِبُ تَبْوِیْتُهَا فَتَعْدَمُهُ وَيَطْلُ الزَّوْجُ اِنْ ظَفَرِهَا وَلَهُ اِجْبَارُهَا عَلٰی النِّكَاحِ وَيَسْقُطُ الْمَهْرُ بِقَتْلِ السَّيِّدِ

أَمَّهَ قَبْلَ الْوُطِيِّ لَا يَقْتُلُ الْحُرَّةَ نَفْسَهَا قَبْلَهُ وَالْإِذْنَ فِي الْعَزْلِ لِسَيِّدِ الْأَمَةِ وَلَوْ أُعْصِفَتْ
 أَمَةٌ أَوْ مُكَاتَبَةٌ خَيْرٌ وَلَوْ زَوَّجَهَا حُرًّا وَلَوْ نَكَحَتْ بِلَا إِذْنٍ فَعَصِفَتْ نَفَذَ بِلَا خِيَارٍ فَلَوْ
 وَطِئَ قَبْلَهُ فَالْمَهْرُ لَهُ وَإِلَّا لَهَا وَمَنْ وَطِئَ أَمَةً ابْنَهُ فَوَلَدَتْ فَادَّعَاهُ ثَبَتَ نَسَبُهُ مِنْهُ
 وَصَارَتْ أُمُّ وَلَدِهِ وَعَلَيْهِ قِيمَتُهَا لَا عُقْرُهَا وَقِيمَةُ وَلَدِهَا وَدَعْوَةُ الْجَدِّ كَدَعْوَةِ الْآبِ
 حَالِ عَدَمِهِ وَلَوْ زَوَّجَهَا أَبَاهُ وَوَلَدَتْ لَمْ تَصِرْ أُمُّ وَلَدِهِ وَيَجِبُ الْمَهْرُ لَا الْقِيمَةُ وَوَلَدَهَا
 حُرٌّ قَالَتْ لِسَيِّدِ زَوْجِهَا أُعْصِفْهُ عَنِّي بِالْفِ قَفْعَلْ فَسَدَ النِّكَاحُ وَلَوْ لَمْ تَقُلْ بِالْفِ
 لَا يَفْسُدُ وَالْوَلَاءُ لَهُ.

ترجمہ: غلام اور باندی، مکاتب اور مدبر اور ام ولد کا نکاح بغیر آقا کی اجازت کے درست نہیں ہے، پس اگر کسی غلام نے آقا کی اجازت سے نکاح کیا تو اس کو (اپنی بیوی کے مہر میں) بیچا جائے گا اور مدبر اور مکاتب سعا یہ کرے گا اور مہر میں نہیں بیچا جائے گا اور (آقا کا اپنے غلام سے کہنا) طَلَّقَهَا رَجْعِيَّةً نکاح موقوف کی اجازت ہے، طَلَّقَهَا يَأْتِيهَا (کہنا) نہیں اور (مطلق) نکاح کی اجازت نکاح فاسد کو بھی شامل ہے اور اگر (آقا نے) شادی کردی عبد ماذون کی کسی عورت سے تو نکاح صحیح ہو جائے گا اور وہ عورت (دیگر) قرض خواہوں کے برابر ہوگی اپنے مہر میں (بلسلسلہ مطالبہ دین) اور وہ شخص جس نے اپنی باندی کی شادی (کسی آدمی سے کر دیا تو باندی کا (شوہر کے پاس) رات گزارنا واجب نہیں ہے، پس باندی آقا کی خدمت کرتی رہے گی اور شوہر (باندی کے ساتھ) موقع ملنے پر وطی کرے گا اور مولیٰ کے لیے غلام اور باندی کو نکاح پر مجبور کرنے کی اجازت ہے اور مہر ساقط ہو جاتا ہے آقا کے اپنی باندی کو وطی سے پہلے مار ڈالنے پر نہیں (ساقط ہوتا ہے) حرہ کے اپنے آپ کو وطی سے پہلے مار ڈالنے پر، اور عزل کے بارے میں اجازت کا حق باندی کے آقا کو ہوتا ہے اور اگر (منکوحہ) باندی یا مکاتبہ آزاد کردی گئی تو وہ با اختیار ہوگئی اگرچہ اس کا شوہر آزاد ہو، اور اگر باندی نے بغیر اجازت مولیٰ شادی کیا تھا پس وہ (اجازت نکاح سے پہلے ہی) آزاد ہوگئی تو اس کا نکاح بلا اختیار نافذ ہو جائے گا پس اگر شوہر نے آزادی سے پہلے وطی کر لی تو مہر آقا کے لیے ہوگا ورنہ باندی معتمدہ کے لیے، اور وہ شخص جس نے اپنے لڑکے کی باندی سے وطی کی پس باندی نے بچہ جتا اور باپ نے نسب کا دعویٰ کیا تو لڑکے کا نسب باپ سے ثابت ہو جائے گا اور باندی ام ولد ہو جائے گی اور باپ پر باندی کی قیمت واجب ہوگی نہ کہ باندی کا محقر اور باپ پر اس کے لڑکے کی قیمت (نیز) نہ واجب ہوگی اور دادا کا دعویٰ باپ کے عدم موجودگی میں باپ کے دعوے کی طرح ہے اور اگر لڑکے نے باپ کی باندی کا نکاح کر دیا اور اس نے بچہ جتا تو وہ اس کی ام ولد نہ ہوگی اور باپ پر مہر واجب ہوگا نہ کی قیمت اور اس کا لڑکا آزاد ہوگا کسی آزاد

عورت نے اپنے شوہر کے مالک سے کہا کہ اس کو میری جانب سے ایک ہزار روپیہ میں آزاد کر دیجئے پس اس نے آزاد کر دیا تو نکاح فاسد ہو جائے گا اور اگر اس خاتون نے بالف نہیں کہا تو نکاح فاسد نہ ہوگا اور ولاد مولیٰ کے لیے ہوگی۔

تشریح: جب مصنف آزاد مسلمانوں کے نکاح کے بیان سے فارغ ہو گئے تو غلاموں کے نکاح کا بیان شروع کیا کہ جن میں عموماً اسلام ہوتا ہے پس اس وجہ سے مسلمانوں کے نکاح کا بیان مقدم کیا پھر اس کے بعد اہل شرک کے نکاح کا بیان لائے۔

رق معنی میں ہے ضعف اور کمزوری کے جو کہ عتق کی ضد ہے، مصنف فرماتے ہیں غلام اور باندی، مکاتب اور مدبر اور ام ولد کا نکاح آقا یعنی مالک کی اجازت کے بغیر درست نہیں ہے یعنی آقا کی اجازت پر موقوف رہتا ہے۔

متن میں یہ مسئلہ مکرر بیان ہوا ہے چنانچہ باب الاولیاء میں فرمایا ونکاح العبد والامۃ بلا اذن السید موقوف کہ غلام اور باندی کا نکاح جو آقا کی اجازت کے بغیر ہو تو وہ آقا کی اجازت پر موقوف رہتا ہے، اور اس باب میں مصنف نے لم یَجْزُ فرمایا جس کا حاصل ہوا کہ بغیر آقا کی اجازت کے درست ہی نہیں ہوتا اس لیے درست بات یہ ہے کہ اور خوب ہوتا اگر مصنف یہاں بھی موقوف ہی کا لفظ لاتے یا پھر لا ینفذ فرماتے کہ بغیر آقا کی اجازت کے نکاح نافذ نہیں ہوتا، باقی درست تو ہوتا ہے جیسے کہ فضولی کا نکاح درست ہوتا ہے البتہ موقوف رہتا ہے، امام مالک فرماتے ہیں کہ آقا کی اجازت کے بغیر غلام نکاح نہیں کرے گا لیکن اگر غلام نے کر لیا تو صحیح ہو جائے گا لیکن آقا طلاق دے دینے کا مجاز ہوگا اور آقا کا غلام کی بیوی کو طلاق دینا طلاق قرار پائے گا، بشرطیکہ غلام نے بلا اذن مولیٰ نکاح کیا ہو اسی طرح اگر خود غلام نے اذن مولیٰ سے پہلے طلاق دے دی تو یہ طلاق نافذ ہو جائے گی۔

جب کہ باندی کا نکاح اذن مولیٰ کے بغیر امام مالک کے نزدیک باطل ہے، جو بعد العقد آقا کی اجازت سے بھی صحیح نہ ہو سکے گا، ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوكًا لَا يَقْدِرُ عَلٰی شَیْءٍ کہ غلام کسی چیز کی قدرت اور اختیار نہیں رکھتا اور نکاح بھی ایک چیز ہے لہذا اس کا بھی اسے اختیار نہ ہوگا، پس اذن مولیٰ کے بغیر غلام اور باندی کا نکاح موقوف ہوگا نیز نبی..... کا ارشاد گرامی ہے اَيُّمَا عَبْدٍ تَزَوَّجَ بِغَيْرِ اِذْنِ مَوْلَاهُ فَهُوَ عَاهِرٌ رواہ ابو داؤد والترمذی من حدیث جابر وقال حدیث حسن یعنی جو غلام بلا اذن مولیٰ شادی کرتا ہے تو وہ زانی ہے مطلب صاف ہے کہ اس کا نکاح بلا اذن مولیٰ منعقد نہیں ہوتا، اور مدبر اور ام ولد اور مکاتب جس کے ذمہ پیسہ باقی ہو تو لفظ عبد سب کو شامل ہے، دوسرے اس لیے بھی

مذکورہ غلاموں کے نکاح کو نافذ کرنا ان کو عیب دار بناتا ہے کیوں کہ نکاح ان میں عیب شمار ہوتا ہے، لہذا ان لوگوں کو بغیر اذن مولیٰ نکاح کا حق نہ ہوگا۔

فلو نکح عبد بآذنه: پس اگر غلام نے آقا کی اجازت سے نکاح کیا تو اپنی بیوی کے مہر میں غلام فروخت ہوگا اس لیے کہ یہ دین مولیٰ کے حق میں ظاہر ہوا ہے پس مہر عبد ماذون لہ فی التجارۃ کے دیون کے مشابہ ہو گیا، پس بیوی کو ضرر سے بچانے کے لیے مہر غلام کی ذات اور اس کے رقبہ سے متعلق ہو گیا کیوں کہ اس کا ذمہ ضعیف ہوتا ہے، پس اگر مہر غلام کے رقبہ سے نہ متعلق ہو تو البتہ اس کو یعنی بیوی کو ضرر ہوگا۔

بخلاف اس صورت کے کہ جب غلام نے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح کیا اور عورت کے ساتھ ہم بستری بھی کر لی تو غلام مہر میں نہیں بیچا جائے گا بلکہ مہر کا اس سے آزاد ہونے کے بعد مطالبہ کیا جائے گا اجازت کے مولیٰ سے صادر نہ ہونے کی وجہ سے، جیسے کہ جب غلام کو کوئی دین اس کے اقرار سے لازم ہو جاتا تو اس کا مطالبہ غلام سے آزاد ہونے کے بعد ہوتا۔

پھر جب غلام کو ایک مرتبہ بیچ دیا گیا پھر بھی اس کا ثمن ایفاء مہر کے لیے کافی نہ ہو پایا تو اب غلام کو دوبارہ فروخت نہیں کیا جائے گا بلکہ بقیہ مہر کا آزادی کے بعد مطالبہ ہوگا کیوں کہ جمیع مہر کے سلسلے میں اس کی فروختی ایک مرتبہ ہو چکی ہے، جب کہ نفقہ میں بار بار بیچا جائے گا اس لیے وجوب نفقہ ساعت بساعت ہوتا ہے پس ایک بار کا بیچنا جمیع نفقات کے مقابلہ میں نہ ہوگا۔

اور اگر غلام آقا کی اجازت سے آقا کی باندی سے ہی عقد کرتا ہے تو بعض حضرات کہتے ہیں کہ وجوب مہر ہو کر ساقط ہو جائے گا کیوں کہ وجوب مہر حق شرع ہے اور بعض کہتے ہیں واجب نہیں ہوگا کیوں کہ مولیٰ کے لیے اسی کے غلام پر مہر کا وجوب محال ہے کیوں کہ اس میں آقا کا کوئی فائدہ نہیں اس لیے کہ غلام پر وجوب مہر برائے مولیٰ اس کے غلام کی ہی مالیت میں ہوگا ظاہر ہے یہ مولیٰ کے لیے بے فائدہ ہے۔

وسعی المدبر والمکاتب: مدبر اور مکاتب اسی طرح ام ولد کے لڑکے اور معتق البعض نے جب نکاح کیا اور آقا کی مرضی سے کیا تو اب انہیں بیویوں کے مہر میں فروخت نہیں کیا جائے گا، کیوں کہ وہ ایک ملک سے دوسری ملک منتقلی کو قبول نہیں کرتے لہذا یہ لوگ کما کر مہر کو ادا کریں گے جیسا کہ دیون تجارت کی ادائیگی یہ کما کر ادا کرتے ہیں۔

وطلقها رجعیۃ الخ: یعنی جب غلام نے بغیر اذن مولیٰ شادی کر لی اور مولیٰ نے اس سے کہا کہ تو اپنی بیوی کو طلاق رجعی دے دے تو یہ کہنا نکاح موقوف کے لیے اجازت ہے اور اگر طلقھا کہا یعنی تو اسے طلاق دے دے یا فارقھا کہا یعنی تو اسے علیحدہ کر دے تو یہ کہنا اجازت نہ سمجھا جائے گا، اس لیے کہ طلاق

رجعی نکاح صحیح میں ہی ہوتی ہے، لہذا اجازت متعین ہوگئی اور آقا کا طلقہا یا فارقہا کہنا رو نکاح کا بھی احتمال رکھتا ہے کیوں کہ اس عقد کا رد اور اس کے متارکت کا نام طلاق اور مفارقت رکھا جاتا ہے اور یہی احتمال سرکش غلام کے زیادہ حسب حال ہے، لہذا اسی پر محمول کرنا موزوں ہوگا، ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ آقا کا قول طلقہا نیز اجازت نکاح ہے اس لیے کہ یہ امر مطلق ہے پس یہ جائز کی طرف پھیرا جائے گا، ہمارے لیے دو احتمالات مذکورہ ہیں جنہیں اوپر بیان کیا گیا لہذا اجازت نکاح شک سے ثابت نہیں ہوگا اور اگر آقا نے غلام سے کہا اوقع علیہا الطلاق یا طلقہا تطلیقۃ تقع علیہا یہ اجازت نکاح ہوگا کیوں کہ وقوع طلاق نکاح نافذ کے ساتھ مخصوص ہے پس یہ اجازت ہوگی۔

والاذن بالنکاح: امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مولیٰ کی جانب سے غلام کو نکاح کی اجازت دینا نکاح فاسد کو بھی شامل ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک اجازت نکاح صرف نکاح صحیح کو ہی شامل ہوگا، اس اختلاف کا ثمرہ لزوم مہر کے حق کے سلسلے میں ظاہر ہوتا ہے کہ جب غلام نے کسی عورت سے باذن مولیٰ نکاح فاسد کر لیا اور ہم بستر ہو گیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک فی الحال لزوم مہر ہوگا پس غلام ادائیگی مہر میں فروخت ہوگا اور صاحبین کے نزدیک غلام سے مہر کا مطالبہ آزاد ہونے کے بعد ہوگا۔

نیز امام صاحب کے نزدیک آقا کی جانب سے اذن بالعقد اس نکاح فاسد سے ختم سمجھا جائے گا اور اب اگر غلام کوئی دوسرا نکاح کرتا ہے تو اس کے نفاذ کے لیے آقا سے اذن جدید لینا ضروری ہوگا جب کہ صاحبین کے نزدیک سابقہ اجازت نکاح ابھی باقی سمجھی جائے گی تا آنکہ غلام کوئی دوسرا نکاح صحیح کر لے یا اسی خاتون سے عقد صحیح دوبارہ کر لے صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ نکاح سے مقصود زمانہ مستقبل میں اعفاف اور پاکدامنی ہے جو نکاح جائز سے حاصل ہوتا ہے نہ کہ اس نکاح فاسد سے اس لیے کہ نکاح فاسد حلت کا فائدہ نہیں دیتا پس آقا کی جانب سے اجازت نکاح تو کیل بالنکاح یعنی نکاح سے متعلق وکیل بنانے کی طرح ہوا کہ جو نکاح جائز کو صرف شامل ہوتا ہے نکاح فاسد کو نہیں۔

امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ لفظ مطلق ہے جو عقد نکاح کو شامل ہے، صحیح یا فاسد کسی وصف خاص کے ساتھ مقید ہوئے بغیر پس وہ لفظ اپنے اطلاق پر جاری رہے گا۔

ولو زوج عبدا ماذونا له امرأة صح الخ: اگر آقا نے اپنے غلام کا نکاح کسی عورت سے کیا جسے آقا کی جانب سے کاروبار کرنے کی اجازت تھی تو یہ نکاح صحیح ہے بشرطیکہ مہر مثل پر نکاح ہوا ہو یا مہر مثل سے کم پر تو عورت اپنے مطالبہ مہر میں ان قرض خواہوں کے مساوی ہوگی کہ جن کا قرض غلام ماذون پر ہے پس غلام کو فروخت کر کے تمام قرض خواہوں اور عورت کے مابین بقدر حقوق ثمن کو تقسیم کر دیا جائے گا اور قرض خواہوں کو

تزوج عہد سے آقا کو باز رکھنے کا حق نہ ہوگا، کیوں کہ آقا غلام کے رقبہ کا مالک ہے۔
 اور اگر آقا نے عہد ماذون کا نکاح مہر مثل سے زیادہ کے عوض کیا تو مہر مثل سے زائد مقدار کا مطالبہ غلام سے
 قرض خواہوں کے وصول حق کے بعد ہوگا جیسے کہ دین صحت کے وصول کے بعد دین قرض کی ادائیگی ہوتی ہے۔
 ومن زوج امته لا یجب علیہا تبویطھا الخ: اور وہ شخص جس نے اپنی باندی کا نکاح کسی سے
 کر دیا تو آقا کے ذمہ شب گزاری کا انتظام نہیں ہے بلکہ باندی آقا کی خدمت کرے گی اور شوہر موقع ملنے پر
 اپنی بیوی سے مجامعت کرے گا کیوں کہ مولیٰ کا حق شوہر کے حق سے اقویٰ ہے اس لیے کہ آقا باندی کی ذات
 اور اس کے منافع دونوں کا مالک ہے جب کہ شوہر کو یہ اتھارٹی نہیں حاصل ہے اور اگر شب گزاری کا انتظام آقا
 پر واجب قرار دیا جائے تو خدمت لینے سے متعلق حق مولیٰ باطل ہو جائے گا جب کہ آقا کی خدمت کرنے سے
 شوہر کا حق وطی ختم نہیں ہوتا اس لیے کہ وطی کا عمل گاہے گاہے ہوتا ہے۔

ولہ اجبارھا علی النکاح: غلام اور باندی پر آقا کو حق اجبار حاصل ہے، مطلب یہ کہ اگر آقا نے
 غلام یا باندی کا نکاح بغیر ان دونوں کی رضامندی کے کر دیا تو یہ دونوں کا نکاح ان کی رضامندی کے بغیر نافذ
 ہو جائے گا، امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ عہد میں اجبار نہیں ہے یہی شیخین کی بھی ایک روایت ہے کیوں کہ آقا کا
 غلام کو نکاح پر مجبور کرنا بے فائدہ ہے اس لیے کہ حق طلاق تو غلام کے پاس ہی ہے پس اگر آقا نے نکاح کر ہی
 دیا تو اس سے کیا فائدہ کیوں کہ غلام اسی وقت طلاق دے دے گا جو واقع ہو جائے گی۔

ہمارا کہنا یہ ہے کہ غلام آقا کا مملوک ہے ذات اور قبضہ دونوں اعتباروں سے لہذا اسے اپنی ملک کی زنا
 سے حفاظت کے لیے غلام پر ہر طرح کے تصرف کا حق ہے جیسے کہ باندی پر بشمول نکاح ہر طرح کے تصرف کا
 حق رکھتا ہے، جو محض باندی کے آقا کی رقبہ ویداً مملوکہ ہونے کی وجہ سے ہے پس اسی طرح امر عبد بھی ہے۔

ویسقط المہر بقتل السید امته: آقا نے اپنی باندی کا کسی سے نکاح کر دیا پھر کسی وجہ سے
 شوہر کے ہم بستر ہونے سے پہلے ہی باندی کو مار ڈالا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک شوہر کے ذمہ مولیٰ کو مہر دینا
 واجب نہ ہوگا، اور صاحبین کے نزدیک شوہر سے مہر ساقط نہ ہوگا، جیسا کہ اپنی موت مرنے سے مہر ساقط نہیں
 ہوتا اس لیے کہ مقتول اپنے وقت مقررہ پر مرا ہے اور قتل موت ہے یہی وجہ ہے کہ اگر آقا نے اپنے غلام سے
 کہا کہ ان مٹ فانٹ حر یعنی اگر تو مر جائے تو آزاد ہے پس وہ مار ڈالا گیا تو وہ آزاد ہو جائے گا پس آقا
 کا اپنی منکوحۃ الغیر باندی کا مار ڈالنا ایسے ہے جیسے کسی اجنبی نے اس کو مار ڈالا ہو ظاہر ہے اس صورت میں
 شوہر سے مہر ساقط نہیں ہوتا۔

اور امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ معقود علیہ دخول سے پہلے ہی اس شخص کے فعل کی وجہ سے فوت ہو گیا جو

مہر کا مالک ہے اور وہ مولیٰ ہے، لہذا شوہر پر کچھ واجب نہ ہوگا جیسے کہ اگر آقا منکوحہ باندی کسی نے کسی سے فروخت کر دیتا اور مشتری اس کو شہر سے لے کر چلا جاتا یا آقا اس کو دخول سے پہلے آزاد کر دیتا پس وہ شوہر سے طہیحہ کی اختیار کر لیتی یا آقا اسے ایسی جگہ پہنچا دیتا کہ شوہر کی وہاں تک رسائی معذر ہو جاتی تو اس سے مہر ساقط ہو جاتا پس اسی طرح شکل مذکور میں بھی مہر ساقط ہو جائے گا۔

لا یقتل الحرۃ لنفسہا الخ: اور اگر حرہ نے اپنے کو خود مار ڈالا یعنی خودکشی کر لی حالاں کہ ابھی شوہر نے مجامعت نہیں کی تھی تو دخول سے پہلے ہی حرہ کی خودکشی سے اس کا مہر ساقط نہیں ہوگا امام رحمہما اختلاف ہے ان کے نزدیک حرہ کی خودکشی قبل الدخول سے اس کا مہر ساقط ہو جاتا ہے، کیوں کہ اس نے مہر کو سپرد کرنے سے قبل ہی فوت کر ڈالا، لہذا بدل یعنی مہر بھی فوت ہو جائے گا جیسے کہ مولیٰ کا اپنی باندی کو قتل کر ڈالنا اور اس کا اپنے شوہر کے لڑکے کو بشہوت چومنا کہ پہلی صورت میں مولیٰ اور دوسری صورت میں حرہ مہر سے محروم ہو جاتی ہے۔

ہمارا کہنا یہ ہے کہ آدمی کی خود اپنے اوپر اپنی جنایت کا اعتبار نہیں ہے، چنانچہ جو آدمی خودکشی کرتا ہے اسے غسل بھی دیا جاتا ہے اور نماز بھی پڑھی جاتی ہے۔

دوسرے یہ ہے کہ اگر حرہ کی خودکشی کو تفویض للمہر مانا جائے یعنی مہر کے فوت ہونے کا باعث تو خودکشی کا باعث تفویض ہونا عورت کی موت کے بعد ہوگا جب کہ موت کے ساتھ ہی مہر ورشہ کو منقسل ہو جاتا ہے، پس مہر حرہ کی خودکشی سے ساقط نہ ہوگا اس لیے کہ مہر ورشہ کا حق ہے نہ کہ مرنے والی کا بخلاف مولیٰ کے اپنی باندی مار ڈالنے کے کیوں کہ مہر مولیٰ کے لیے ہوتا ہے لہذا باندی کو قتل کر کے وہ اپنے حق کو خود کھونے والا ہوا۔

والاذن فی العزل لسید الامۃ: عزل کہتے ہیں حالت جماع میں مادہ منویہ کے خروج کے وقت عضو تناسل عورت کی شرمگاہ سے علیحدہ کر لینا تاکہ مادہ منویہ عورت کے رحم میں نہ جاسکے، پس باندی سے مجامعت میں آقا کی اجازت کے بغیر باندی کا شوہر عزل نہیں کر سکتا صاحبین فرماتے ہیں کہ عزل کے سلسلے میں حق اذن بجائے مولیٰ کے باندی کو ہوگا، جیسا کہ حرہ میں شوہر عزل اس کی اجازت کے بغیر نہیں کر سکتا، اس لیے کہ نکاح باندی کو زنا کاری سے بچانے کے لیے مشروع ہوا ہے اور یہ مقصد تب پورا ہوتا ہے جب میاں بیوی دونوں کی شہوت پوری ہو سکے اور عزل اس میں خلل ہوتا ہے لہذا عزل میں عورت کی رضا مندی ضروری ہے۔

بخلاف لمتہ مملوکہ یعنی وہ باندی جس کا آقا نے کسی سے عقد نہیں کیا ہے بلکہ خود ہی اس کے ساتھ مجامعت کرتا ہے تو اس باندی کی اجازت کے بغیر آقا عزل کر سکتا ہے اس لیے کہ اس کا کوئی مطالبہ نہیں ہوتا پس اس کی رضا کا اعتبار بھی نہ ہوگا، جب کہ لمتہ منکوحہ کے لیے حق مطالبہ ہوتا ہے، پس لمتہ منکوحہ کی اجازت کے

بغیر شوہر عزل نہیں کر سکتا۔

امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ قضاء شہوت کے سلسلے میں باندی کا کوئی حق نہیں بنتا ہے اس لیے کہ نکاح باندی کا حق ہو کر نہ ابتداءً مشروع ہوا ہے اور نہ بقاءً آپس لیمۃ منکوحہ تزویج کی وجہ سے آقا سے مطالبہ نہیں کر سکتی، دراصل یہ نخل بالمقصود بھی ہے اور وہ ہے لڑکا اور یہ مولیٰ کا حق ہے باندی کا نہیں بخلاف حرہ کے اسی وجہ سے اگر لیمۃ کا شوہر نامرد ہو تو باندی کو حق خصومت نہیں ہوتا بلکہ اس کے آقا کو ہوتا ہے۔

عزل مکروہ نہیں ہے بشرطیکہ اپنی آزاد بیوی کی رضامندی سے ہو یا مولیٰ کی رضامندی سے ہو جب کہ بیوی باندی ہو اور لیمۃ منکوحہ سے بغیر اس کی رضامندی کے بھی مکروہ نہیں ہے عن جابر کنا لعزل علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والقرآن یمنزل مطلق علیہ وسلم کنا لعزل علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فبلغہ ذالک فلم ینہانا قال جابر لو کان شیفاً ینہی عنہ ینہانا القرآن مطلق علیہ۔

اور ابھی روایتیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ..... کے زمانہ میں صحابہ عزل کرتے تھے اور آپ کو اس امر کی اطلاع بھی تھی قرآن بھی نازل ہو رہا تھا پس نہ آپ نے عزل سے روکا اور نہ قرآن میں اس کی ممانعت وارد ہوئی پس معلوم ہوا عزل بلا کراہت درست ہے۔

ولو اعتقت امة او مکاتبۃ خیوت ولو زوجها حراً: اگر منکوحہ باندی یا منکوحہ مکاتبہ آزاد ہوگئی خواہ اس کا نکاح باذن مولیٰ ہوا ہو یا بغیر مولیٰ کی اجازت کے تو اسے نکاح باقی رکھنے اور ختم کر دینے کا اختیار ہوگا، خواہ اس کا شوہر آزاد کیوں نہ ہو، امام شافعی شوہر کے آزاد ہونے کی صورت میں اختیار کی گنجائش نہیں مانتے، یہی امام مالک کا بھی قول ہے، امام شافعی کا استدلال حدیث بریرہ سے ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خیروھا وکان زوجها عبداً رواہ مسلم کہ رسول اللہ..... نے حضرت بریرہ کو آزادی ملنے پر نکاح کے باقی رکھنے اور ختم کر دینے کا اختیار دیا تھا اور ان کے شوہر غلام تھے معلوم ہوا کہ شوہر غلام ہو تو عورت کو آزادی کے بعد اختیار ملتا ہے، پس اگر شوہر آزاد ہو تو یہ اختیار نہ ہوگا۔

دوسرے اس لیے کہ عبد، معتقہ کا کفو نہیں ہے لہذا اسے اختیار ہونا چاہئے، بخلاف حر کے اور احناف کا استدلال حدیث عائشہ سے ہے جس میں حضرت بریرہ کے شوہر آزاد تھے اس کے باوجود بھی ان کو آزادی ملنے کے بعد اختیار دیا گیا، پس معلوم ہوا کہ لیمۃ منکوحہ اور مکاتبہ منکوحہ کو بعد الحق اختیار ہوگا خواہ شوہر آزاد کیوں نہ ہو اور اس لیے بھی کہ لیمۃ معتقہ کو اختیار اس پر از دیاد ملک کی وجہ سے ہے، پہلے شوہر کو صرف دو طلاقوں کا حق تھا اور اب آزاد ہونے کے ساتھ تین طلاقوں کا حق ہو گیا، کیوں کہ اب باندی آزاد ہو جانے کی وجہ سے تین

طلاق کا مکمل ہوگئی، پس شوہر کی ملکیت طلاق میں اضافہ ہو گیا، جس سے بچنے کے لیے باندی کو اختیار ملتا ہے کہ چاہے تو وہ شوہر کو تیسری طلاق کا مالک ہو جانے دے اور چاہے تو عظیمیگی اختیار کر لے، پس اس میں شوہر کے غلام یا باندی ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

ولو لکحت بلا اذن فعنت الخ: اور اگر کسی باندی نے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح کیا پس وہ آزاد ہوگئی تو نکاح بلا اختیار نافذ ہو جائے گا یعنی نکاح نافذ اور درست ہو جائے گا البتہ اس معتقد کو نکاح کے فسخ کرنے کا حق اور اختیار نہ ہوگا، امام زفر فرماتے ہیں کہ نکاح باطل ہو جائے گا اس لیے کہ نکاح کا توقف آقا کی اجازت پر تھا پس نکاح کا نفاذ آقا کے علاوہ کی جانب سے نہیں ہو سکتا۔

نکاح نافذ تو اس لیے ہو جائے گا کہ عورت اہل عبارت میں سے ہے اور نکاح کا امتناع حق مولیٰ کی ادب سے تھا جو ختم ہو چکا۔

فلو وطی قبلہ فالمرء له الخ: صورت مذکورہ میں اگر باندی کے شوہر نے باندی کی آزادی سے پہلے وطی کر لیا ہے تو باندی کے مہر کا استحقاق آقا کو ہوگا اس لیے کہ اس نے مولیٰ کی مملوکہ کے منافع وصول کیا ہے ورنہ مہر باندی کا حق ہوگا یعنی اگر شوہر نے باندی سے وطی نہیں کیا تھا کہ اس سے پہلے ہی باندی آزاد ہوگئی تو مہر باندی کا حق ہوگا اس لیے کہ شوہر نے ایسی چیز سے منافع وصول کیے ہیں جو معتقد کی ملکیت ہیں۔

مہر سے مراد یہاں مسلمی عند الوقت ہے اس لیے کہ نفاذ عقد وجود عقد کے وقت کی طرف منسوب ہوتا ہے پس تسمیہ صحیح ہے۔

ومن وطی انہ ابنہ: وہ شخص جس نے اپنے بیٹے کی باندی سے وطی کر لیا پس باندی نے بچہ جنم لے باپ نے اس مولود کے نسب کا دعویٰ کیا کہ یہ میرا نطفہ اور لڑکا ہے تو اس بچہ کا نسب باپ سے ثابت ہو جائے گا اور وہ باندی ام ولد ہو جائے گی اور باپ کے اوپر باندی کی قیمت بیٹے کو دینا واجب ہوگا، باندی کا مہر اور بچہ کی قیمت باپ کے ذمہ نہ ہوگی۔

حکم مذکور دو شرطوں کے ساتھ مشروط ہے ایک یہ کہ باپ حر اور مسلمان ہے پس اگر وہ عبد یا مکاتب یا کافر ہو تو اس کا دعویٰ نسب درست نہ ہوگا کیوں کہ کافر کو مسلمان پر ولایت نہیں ہوتی نیز مجنون نہ ہو دوسری شرط یہ ہے کہ وطی کے وقت سے دعویٰ کے وقت تک باندی پر بیٹے کی ملکیت رہی ہو، وجہ یہ ہے کہ باپ بوقت ضرورت بیٹے کے مال کا مالک ہو سکتا ہے، حدیث میں ہے انت ومالك لا بیک اور انسان کا نطفہ اس کا جزو ہے جس کی حفاظت ضروری ہے اس ضرورت سے باپ بیٹے کے مال کا مالک ٹھہرا اور باندی اس کی ام ولد ہوگئی، اب ہمارے نزدیک باپ پر صرف باندی کی قیمت واجب ہوگی مہر اور بچہ کی قیمت واجب نہ ہوگی، باپ

کے مقصود کے حصول کے ساتھ ساتھ بچہ کے مال کی حفاظت کے جذبہ سے اس لیے کہ بیٹے کی ملکیت محترم ہے اور اس کی ملکیت بدل کے ساتھ باندی سے زوال ایسے ہی ہے جیسے کوئی چیز اس کی ملکیت سے نہیں نکلی پس ہم نے باندی کے مسئلہ میں باپ اور بیٹے دونوں کے حقوق کی رعایت کی اور باندی میں باپ کی ملک کو ام ولد بنائے جانے سے قبل ہی ثابت مان لیا تاکہ وطی اپنی ملک میں ہی پائی جائے اور ایسی صورت میں مہر واجب نہیں ہوتا۔

امام زفرؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک مہر واجب ہوگا اس لیے کہ باپ کی وطی ملک غیر یعنی ابن کی ملکیت میں پائی گئی ہے اس لیے کہ باپ کی ملک ام ولد بنانے کو صحیح قرار دینے کی ضرورت سے ثابت ہوتی ہے تاکہ باپ کا نطفہ ضائع نہ ہو پس ملکیت علق سے پہلے ثابت ہوگی پس ملک حالت وطی کی طرف منتقل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں پس ایلاج یعنی دخول غیر کی ملک میں واقع ہوگا اس وجہ سے اگر ایسی باندی جو باپ اور بیٹے کے درمیان مشترک ہو اور باندی کے بچہ پیدا ہو اور باپ ثبوت نسب کا دعویٰ کر دے تو باپ پر مہر لازم ہو جاتا ہے، حالاں کہ وہ بعض کا مالک ہے پس صورت مذکورہ بالا میں تو بدرجہ اولیٰ بالکل سرے سے ملکیت کے نہ ہونے کی وجہ سے مہر لازم ہوگا۔

احناف کا کہنا یہ ہے کہ مصصح للاستیلاہ حقیقت ملک ہے یا اس کا حق ہے اور یہ دونوں باتیں باپ کے لیے باندی میں ثابت نہیں ہیں پس ضروری ہے کہ کہا جائے باپ کی ملک ام ولد ہونے سے پہلے سے ہی ثابت ہے تاکہ وطی کے اپنی ملک میں واقع ہونے سے ام ولد بنانا درست ہو جائے لہذا باپ پر مہر واجب نہ ہوگا، ایسا اس لیے ہے کہ مقصد یہ ہے کہ باپ نہ تو زانی قرار پائے اور نہ اس کا نطفہ ضائع ہو پس اگر وہ ابتدائے ایلاج میں زانی ہو جائے تو اس کا نطفہ ضائع ہو جائے گا کیوں کہ ماعزانی ہر اور بیکار ہوتا ہے اور استیلاہ نام ہے اس فعل کا کہ جس کی وجہ سے بچہ حاصل ہوتا ہے، پس ملک، وطی پر مقدم ہو جائے گی ضرورتاً۔

ودعوة الجدة كدعوة الاب الخ: باپ کے نہ ہونے کے وقت دادا کا دعویٰ نسب باپ کے دوائے نسب کی طرح ہے ساری تفصیلات وہی ہیں جو باپ کے بیٹے کی باندی سے وطی کرنے کی صورت میں ہوتی ہیں، کیوں کہ اب الاب یعنی دادا باپ کا قائم مقام ہوتا ہے۔

ولو زوجها اباه: اگر بیٹے نے اپنی باندی کا نکاح اپنے باپ سے کر دیا اور اس باندی نے بچہ جنما تو باندی ام ولد نہ ہوگی اور باپ پر مہر واجب ہوگا باندی کی قیمت واجب نہ ہوگی اور بچہ آزاد ہوگا کیوں کہ اب یہ بچہ نکاح کے ذریعہ پیدا ہوا ہے ملک کے ذریعہ نہیں اس واسطے کہ جب باندی منکوحہ کا ہر حیثیت سے بیٹا مالک ہے تو من وجہ باپ کا مالک ہونا محال ہے اور جب باندی ام ولد نہ ہوئی تو التزام نکاح کی وجہ سے باپ پر

صرف مہر واجب ہوگا بچہ کی قیمت واجب نہ ہوگی اور بچہ آزاد ہوگا کیوں کہ اس کا بھائی اس کا مالک ہو گیا اور قرابت کی وجہ سے مملوک آزاد ہو جاتا ہے، کیوں کہ حدیث ہے من ملک ذا رحم محرم منه عتق علیہ رواہ ابو داؤد والترمذی والنسائی کہ جو ذی رحم محرم کا مالک ہو تو وہ مملوک اس پر آزاد ہو جائے گا۔

حرة قالت سید زوجها الخ: ایک آزاد خاتون ہے جس نے نکاح ایک غلام سے کر رکھا ہے اب اس نے اپنے شوہر کے آقا سے کہا اعتقه عنی بالف کہ میرے شوہر کو میری جانب سے ایک ہزار درہم کے بدلہ آزاد کر دو پس مالک نے آزاد کر دیا تو نکاح فاسد ہو جائے گا اسی طرح اگر کسی آزاد نے کسی باندی سے شادی کر رکھا تھا اب شوہر نے بیوی کے آقا سے کہا کہ اس کو ہزار درہم کے عوض میری جانب سے آزاد کر دو پس اس نے بیوی کو آزاد کر دیا تو نکاح فاسد ہو جائے گا اور صورت اولیٰ میں مہر ساقط ہو جائے گا کیوں کہ شوہر غلام بن گیا اور اپنے غلام پر اپنا مہر واجب ہو یہ ناممکن ہے اور دوسری صورت میں مہر ساقط نہ ہوگا کیوں کہ وہ تو آقا یعنی باندی کی منکوحہ کے مالک کا حق ہے۔

امام زفر فرماتے ہیں کہ نکاح فاسد نہ ہوگا، اس اختلاف کی اصل یہ ہے کہ ہمارے نزدیک آزادی امر کی جانب سے ہوتی ہے اس لیے حق ولاء امر کو پہنچتا ہے یہاں تک کہ اگر وہ اس عتق سے ادائیگی کفارہ کی نیت کرے تو کفارہ ادا ہو جائے گا، اور امام زفر کے نزدیک آزادی مامور کی طرف سے ہوتی ہے۔

اس اصل کی رو سے امام زفر فرماتے ہیں کہ آمر نے مامور سے اس کے غلام کو اپنی طرف سے آزاد کرنا چاہا ہے اور آدمی جس کا خود مالک نہ ہو اس کو آزاد کرنا محال ہے، لہذا حق مامور کی جانب سے ہو اس لیے نکاح اپنی جگہ پر درست ہے۔

ہم یہ کہتے ہیں کہ یہاں اولاً بطریق اقتضاء ملکیت ثابت ہوگی کیوں کہ آمر کی جانب سے صحت عتق کے لیے ملکیت شرط ہے گویا عورت نے اس حق کہہ کر ایک ہزار کے عوض میں ملکیت طلب کی ہے اس کے بعد اپنی طرف سے آزاد کرنے کا حکم کیا ہے اس صورت میں آزادی عورت کی طرف سے ہوئی اور اولاد وہ اس کی مالک ہوئی اور جب مالک ہوئی تو نکاح فاسد ہو گیا، کیوں کہ ملک نکاح اور ملک یمین دونوں یکجا جمع نہیں ہوتیں ہاں اگر عورت لفظ الف کو ذکر نہ کرے صرف یہ کہے کہ میری طرف سے آزاد کر دے تو نکاح فاسد نہ ہوگا کیوں کہ اب عورت مالک نہیں ہوئی اس صورت میں ولاء کا حق دار مولیٰ ہوگا، کیوں کہ آزاد کرنے والا وہی ہے امام ابو یوسف کے نزدیک یہ مسئلہ اور پہلا مسئلہ دونوں برابر ہیں یعنی عورت مالک ہوگی پھر اسکے بعد عورت کی جانب سے شوہر آزاد ہوگا لہذا حق ولاء عورت کے لیے ہوگا اور نکاح فاسد ہو جائے گا اور مہر ساقط ہو جائے گا۔

باب نکاح الکافر

تَزْوِجُ كَافِرٍ بِمَا شَهِدَ أَوْ فِي عِدَّةِ كَافِرٍ وَذَا فِي دِيْنِهِمْ جَائِزٌ لَمْ أُسْلِمَا أَقْرَأَ عَلَيْهِ وَلَوْ كَانَتْ مُحْرَمَةً لَفُرْقَ بَيْنَهُمَا وَلَا يُنْكَحُ مُرْتَدٌّ أَوْ مُرْتَدَّةٌ أَحَدًا، وَالْوَلَدُ يَتَّبِعُ خَيْرَ الْأَبَوَيْنِ دِيْنًا وَالْمَجْهُوبُ شَرًّا مِنَ الْكِتَابِيِّ وَلَوْ أُسْلِمَ أَحَدُ الزَّوْجَيْنِ غُرَضَ الْإِسْلَامِ عَلَى الْآخَرِ فَإِنْ أُسْلِمَ وَإِلَّا لَفُرْقَ بَيْنَهُمَا وَإِبَانَةُ طَلَاقٍ لَا إِبَانَتَهَا وَلَوْ أُسْلِمَ أَحَدُهُمَا ثَمَّ لَمْ تَبْنِ حَتَّى تَحِيْضٌ ثَلَاثًا وَلَوْ أُسْلِمَ زَوْجُ الْكِتَابِيَّةِ بَقِيَ نِكَاحُهَا وَتَبَايُنُ الدَّارَيْنِ سَبَبُ الْفُرْقَةِ لَا السَّبَبُ وَتُنْكَحُ الْمُهَاجِرَةُ الْحَائِلُ بِمَا عِدَّةٌ وَإِرْتِدَادُ أَحَدِهِمَا فُسْخٌ فِي الْحَالِ فَلِلْمُطَوَّءَةِ الْمَهْرُ كُلُّهَا وَلِغَيْرِهَا نَصْفُهُ إِنْ ارْتَدَّ وَإِنْ ارْتَدَّتْ لَا وَالْإِبَاءُ نَظِيرُهُ وَلَوْ ارْتَدَّا أَوْ أُسْلِمَا مَعًا لَمْ تَبْنِ وَبَانَتْ لَوْ أُسْلِمَا مُتَعَاقِبًا.

ترجمہ: کسی کافر نے بغیر گواہی یا دوسرے کافر کی عدت میں ہی نکاح کر لیا اور یہ ان کے دین میں جائز تھا پھر دونوں مسلمان ہو گئے تو دونوں کو اس نکاح پر باقی رکھا جائے گا، اور اگر کافر (کی منکوحہ) اس کی محرمہ ہو تو دونوں کے درمیان تفریق کر دی جائے گی، مرتد مرد اور مرتدہ عورت کا نکاح کسی سے نہیں کرایا جائے گا اور بچہ اس کے تابع ہوتا ہے جو والدین میں باعتبار دین کے افضل ہو، اور مجوسی اہل کتاب سے بدتر ہوتا ہے اور اگر زوجین میں سے کوئی ایک مسلمان ہو تو دوسرے پر اسلام کو پیش کیا جائے گا تو اگر دوسرا مسلمان ہو جاتا ہے تو (نبہا و نعمت) ورنہ دونوں میں تفریق کر دی جائے گی اور شوہر کا (اسلام قبول کرنے سے) انکار کرنا طلاق ہے نہ کہ عورت کا انکار کرنا اور اگر زوجین میں سے کوئی ایک دار الحرب میں مسلمان ہو تو بیوی نہ واقع ہوگی یہاں تک عورت کو تین حیض آجائے اور اگر کتابیہ کا شوہر مسلمان ہو تو اس عورت کا نکاح باقی رہتا ہے اور تباہی و دار فرقت کا سبب ہے نہ کہ قید اور مہاجرہ غیر حاملہ نکاح کر سکتی ہے عدت گزارے بغیر اور ان میں سے کسی کے مرتد ہو جانے سے فی الحال نکاح ٹوٹ جاتا ہے، پس موطوءہ کے لیے کل مہر ہوگا اور غیر موطوءہ کو نصف مہر ملے گا، اگر مرد مرتد ہو، اور اگر عورت مرتد ہو جائے تو نہیں ملے گا اور انکار کرنا اس کی نظیر ہے اور اگر دونوں مرتد ہونے کے بعد ایک ساتھ مسلمان ہو جائیں تو عورت جدا نہ ہوگی اور جدا ہو جائے گی اگر دونوں اسلام لائے یکے بعد دیگرے۔

تشریح: مصنف نے اہل شرک کے نکاح کو رقیق کے نکاح کے بیان سے مؤخر کیا اس لیے کہ مشرک رقیق مسلمان سے کم مرتبہ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ.

کافر کا لفظ ذمی، مشرک اور مجوسی سب کو شامل ہے، اگر کسی کافر نے کسی کافرہ سے بغیر شہود کے نکاح کر لیا یا ابھی وہ کافرہ کسی دوسرے کافر کی عدت میں تھی کہ ایک نے اس سے شادی رچالی اور حال یہ کہ نکاح بلا شہود اور نکاح معتدہ ان کے دین و مذہب میں درست ہے پھر دونوں مسلمان ہو گئے اور معاملہ ہماری اسلامی عدالت میں پیش کیا تو ان کو اس نکاح سابق علی الاسلام پر باقی رکھا جائے گا اور شریعت اسلامی ان کے میاں بیوی ہونے کو تسلیم کر لے گی اور اگر اس طرح کا نکاح ان کے دین و مذہب میں درست نہ ہو تو بعد التزوج مسلمان ہونے پر شریعت ان کو نکاح سابق پر بجائے باقی رکھنے کے ان میں تفریق کر دے گی یہ امام اعظمؒ کی رائے ہے۔

امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں نکاح فاسد ہے البتہ اسلام سے پہلے یا ہمارے حکام کے پاس کیس لانے سے پہلے ہم ان سے تعرض نہیں کریں گے، صاحبین پہلے مسئلے میں امام اعظمؒ کے ساتھ ہیں اور دوسرے مسئلے میں امام زفرؒ کے ساتھ ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ من جانب اللہ خطابات مؤمن، کافر سب کے لیے عام ہیں البتہ ہم کفار سے ان کے ذمی ہونے کی وجہ سے اور معاہدہ کے احترام میں تعرض نہیں کرتے لہذا جب وہ اپنی پہل پر ہماری عدالتوں میں اس قسم کے مقدمہ لائے یا مسلمان ہو گئے تو حرمت چوں کہ اب بھی قائم ہے لہذا تفریق واجب ہوگی۔

صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ نکاح فی العدة بالاتفاق درست نہیں ہے اور اہل ذمہ نے ہمارے احکام کا التزام کیا پس ان کو احکام کی پاسداری لازم ہوگی اس لیے مسئلہ ثانیہ میں تفریق واجب ہے جب کہ مسئلہ اولیٰ یعنی نکاح بلا شہود مختلف فیہ ہے اور انہوں نے ہمارے جمیع احکامات کا جمیع اختلافات کے ساتھ التزام نہیں کیا پس اس مسئلہ میں ان کو نکاح سابق پر باقی رکھا جائے گا اور تفریق نہ کی جائے گی۔

اور امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ چوں کہ کفار شرع کے مخاطب نہیں ہیں اس لیے عدت کا اثبات حق شرع کے طور پر ممکن نہیں ہے اور نہ ہی حق تزوج کے طور پر اس لیے کہ کافر اس کا معتقد نہیں ہے۔

ولو كانت محرمة فرق بینہما: اگر کافر کی منکوحہ اس کی محرمہ ہو بائیں طور کہ وہ اس کی ماں یا بہن ہو پس ان میں سے کوئی ایک مسلمان ہو جائے یا دونوں مسلمان ہو جائیں تو اب عدم محلیت کی وجہ سے ان میں تفریق کر دی جائے گی پس اس میں ابتداء اور بقاء برابر ہوگا، بخلاف سابقہ صورتوں کے کہ وہاں محلیت معدوم نہیں تھی۔

اب ایک مسئلہ یہ تحقیق طلب ہے کہ اس جیسے نکاح کیا صحیح مانیں جائیں گے یعنی ان کے لیے حکم صحت ہے تو امام صاحب کے نزدیک یہ صحیح ہیں حتیٰ کہ ان پر نفقہ واجب ہوتا ہے اور عقد کے بعد ان جیسی عورتوں سے

جماعت کی وجہ سے ان کا احسان ختم نہیں ہوتا ہے۔

اور ایک قول امام صاحب کا فساد نکاح کا ہے یہی صاحبین کی بھی رائے ہے البتہ ان سے تعرض اسلام

سے پہلے یا ہماری طرف مرافعہ سے پہلے نہ کیا جائے گا۔

ولا ینکح المرتد ومرتدة احداً: مرتد ہونے والے مرد اور مرتدہ ہونے والی عورت کا نکاح کسی سے نہیں کرایا جائے گا، مسلمان غیر مسلمان کسی سے بھی نہیں اس لیے کہ وہ تو واجب القتل ہے اس کو تو مہلت غور و فکر کے لیے دی جاتی ہے اور نکاح کرنے سے غفلت میں پڑ جائے گا اسی طرح مرتدہ کا محض غور و فکر کے لیے ہوتا ہے جس سے ارتداد پر نظر ثانی مقصود ہوتی ہے، جب کہ نکاح اس سے غفلت میں مبتلا کر دے گا، علاوہ ازیں ان کے درمیان مصالح نکاح کا قیام نہیں ہو سکتا حالاں کہ نکاح کی مشروعیت اس کی مصلحتوں کے پیش نظر ہوتی ہے نیز نکاح بقاء کے لیے مشروع ہوا ہے اور مرتد قتل کر دیا جائے گا پس نکاح سے وہ مقصد پورا ہوتا ہوا نظر نہیں آتا، جس کے لیے نکاح کی مشروعیت ہوئی تھی۔

والولد یتبع خیر الابوین الخ: والدین میں سے جو کوئی دین کے اعتبار سے بہتر ہوگا بچہ اس کے تابع قرار دیا جائے گا، بشرطیکہ بچہ اور والدین کے دارمختلف نہ ہوں کیوں کہ بچہ کو خیر الابوین کے تابع قرار دینے میں بچہ کی مصلحت ہے، پس اگر بچہ اور والدین کے دارالاسلام یا دونوں کے دارالحرب میں ہونے کے بجائے باپ دارالاسلام میں آکر مسلمان ہو گیا اور بچہ دارالحرب میں ہے تو ایسا بچہ باپ کے تابع ہو کر مسلمان نہ سمجھا جائے گا البتہ اگر بچہ دارالاسلام میں ہو اور باپ دارالحرب میں مسلمان ہو جائے تو یہاں بچہ باپ کے تابع ہوگا کیوں کہ باپ حکماً دارالاسلام سے مانا جائے گا، والمجوسی شر من الکتابیۃ: مجوسی اہل کتاب یہود و نصاریٰ سے زیادہ بدتر ہیں اس لیے کہ مجوسی کا دعویٰ بھی کوئی دین سماوی نہیں ہوتا اسی وجہ سے اہل کتاب کا ذبیحہ کہ وہ دین سماوی پر ہونے کے مدعی ہیں کھایا جاتا ہے اور ان کی عورتوں کا مسلمانوں سے نکاح درست ہے۔ پس مجوسی اہل کتاب سے بدتر ہوئے حتیٰ کہ اگر مجوسی اور کتابی کے درمیان کوئی بچہ پیدا ہوا تو وہ کتابی کے تابع ہوگا۔ ولو اسلم احد الزوجین الخ: اگر میاں بیوی میں سے کوئی ایک مسلمان ہو گیا تو دوسرے پر اسلام پیش کیا جائے پس اگر دوسرا بھی مسلمان ہو جاتا ہے تو خوب: ورنہ دونوں کے درمیان تفریق کردی جائے گی یہ حکم علی الاطلاق مجوسی اور مشرک میں درست ہے کہ ان میں کسی ایک کے ایمان لانے اور دوسرے کے قبول اسلام سے انکار پر باہم تفریق کردی جائے گی لیکن اگر میاں بیوی کتابی ہیں پس اگر عورت مسلمان ہوئی اور شوہر مسلمان ہونے سے انکار کرتا ہے تو بھی تفریق کردی جائے گی لیکن اگر شوہر مسلمان ہوتا ہے اور بیوی ایمان لانے سے منع کرتی ہے تو تفریق نہ ہوگی کیوں کہ نکاح مسلمان کا کتابیہ سے ابتداً درست ہے تو بقاء

بدرجہ اولیٰ درست ہوگا یہی حکم اس صورت میں بھی ہے کہ جب عورت کتابیہ اور شوہر مجوسی ہو پھر شوہر مسلمان ہو جائے تو نکاح باقی رہے گا اور کتابیہ پر اسلام نہیں پیش کیا جائے گا۔ مسئلہ مذکور میں امام شافعی کا اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ اسلام نے لانے والے کو اسلام نہیں پیش کیا جائے گا اس لیے کہ اسلام پیش کرنا درحقیقت ان سے تعرض کرنا ہوا جب کہ عقد ذمہ کی وجہ سے ہم نے یہ ضمانت لی ہے کہ ہم ان سے تعرض نہیں کریں گے البتہ اتنا ہے کہ ملک نکاح دخول سے پہلے غیر مؤکد ہوتا ہے لہذا نفس اسلام سے نکاح ختم ہو جائے گا اور دخول کے ذریعہ مؤکد ہونے کے بعد تین حیض تک موقع ہوگا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ سیدنا عمر نے نصرانیہ اور نصرانی کے درمیان تفریق کر دی تھی محض نصرانی کے قبول اسلام سے انکار کرنے سے اس کو طحاوی اور ابو بکر بن عربی نے عارضہ میں ذکر کیا ہے اور یہ حکم لوگوں میں ظاہر ہوا تو خلاف کسی سے منقول نہیں ہوا پس یہ ایک طرح کا اجماع ہو گیا، دوسرے اس لیے بھی کہ اسلام کی وجہ سے مقاصد نکاح ان دونوں کے درمیان باقی نہیں رہے یعنی ملک بضع، ازدواج اور قضائے شہوت اور تولد وغیرہ پس ایسا سبب ضروری ہے جو فوات ملک پر دلالت کرے اور اسلام اطاعت ہے جو ثبوت عصمت کا سبب ہے، اس کے انقطاع کا نہیں۔

ولو اسلم احدهما ثمة لم تبين الخ: اگر دار الحرب میں میاں بیوی میں سے کوئی ایک مسلمان ہو گیا اور دونوں اہل کتاب نہیں ہیں یا دونوں کتابی ہیں اور عورت مسلمان ہو گئی تو یہ نکاح باقی رہے گا اور عورت شوہر سے جدا نہ ہوگی مطلقاً خواہ دخول ہوا ہو یا نہ ہوا ہوتا آنکہ عورت کو تین حیض آجائیں پس جب عورت کو تین حیض آجائے گا تو عورت بائنہ ہو جائے گی اور جب شوہر مسلمان ہو اور عورت کتابیہ ہو تو دونوں اپنے نکاح پر باقی رہیں گے۔

امام شافعی فرماتے ہیں کہ جب دونوں میں سے کوئی ایک دخول سے پہلے مسلمان ہوا تو مسلمان ہونے سے ہی فوراً فرقت دونوں میں واقع ہو جائے گی اور اگر مسلمان ہونا کسی کا بھی بعد دخول ہے تو تین قرؤ کے گذرنے پر بینونت واقع ہوگی اختلاف دارین کا امام شافعی کے یہاں کوئی اثر نہیں ہے اور ہمارے نزدیک نفس اسلام موجب للفرقت نہیں ہے، یعنی یہ دو زندگیوں میں تفریق کا سبب نہیں ہے اور عورت سے فساد کا دور کرنا بھی ضروری ہے اور ولایت کے کمزور ہونے سے اسلام پیش کرنا دشوار ہے پس ہم نے فرقت کی شرط کو اور وہ تین حیض کا گذرنا ہے سبب کے قائم مقام بنا دیا ہے۔

یہ تو حکم تب ہوا جب حیض آتا ہو اور اگر عورت کو صغریٰ یا کبریٰ کی وجہ سے حیض نہیں آتا تو پھر تین ماہ گذر جانے کے بعد فرقت واقع ہو جائے گی اور جب بینونت واقع ہو اور عورت حریہ ہو تو اس کی کوئی عدت نہ

ہوگی اور اگر مسلمہ ہے تب بھی کوئی عدت نہ ہوگی امام ائمہ کے نزدیک، صاحبین کا البتہ اختلاف ہے ہاں اگر حاملہ ہے تو وضع حمل تک نکاح حالی کی وہ مجاز نہ ہوگی۔

مصنف کے قول میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ یہ فرقت طلاق کہلائے گی اور یہی صاحبین کا بھی قول ہے۔

وتباين الدارين سبب الفرق لا السبب: اگر زوجین میں سے کوئی ایک مسلمان ہو کر دار الحرب سے نکل آیا کسی ایک کو قید کر لیا گیا تو ان دونوں میں جدائی ہو جائے گی امام شافعی فرماتے ہیں کہ جدائی نہیں ہوگی اور اگر دونوں کو قید کر لیا گیا ہو تو جدائی نہ ہوگی امام شافعی کے یہاں جدائی ہو جائے گی، حاصل یہ ہے کہ جدائی کا سبب ہمارے یہاں تباين دارین ہے قید ہونا نہیں ہے، امام شافعی کے نزدیک اس کا عکس ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ تباين دارین کا اثر انقطاع ولایت میں ہوتا ہے اور یہ فرقت میں مؤثر نہیں بخلاف قید کرنے کے کہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ جس کو قید کیا گیا ہے وہ خالص قید کرنے والے کے لیے ہو اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے کہ جب نکاح منقطع ہو جائے، ہماری دلیل یہ ہے کہ دارین کا حقیقہ اور حکم ہر دو اعتبار سے تباين ہونا مصلح نکاح کو ختم کرنے والا ہے پس یہ محرمیت کے مشابہ ہو گیا، بخلاف قید کے کہ وہ موجب ملک رقبہ ہے اور ملک رقبہ ابتداء نکاح کے منافی نہیں لہذا بقاء ابھی منافی نہ ہوگا۔

وتنكح المهاجرة الخ: وہ خاتون جو دار الحرب چھوڑ کر ہمیشہ کے لیے دارالاسلام آجائے خواہ مسلمان ہو یا ذمیہ بشرطیکہ حاملہ نہ ہو تو وہ دارالاسلام پہنچنے کے ساتھ ہی بلا عدت گزارے نکاح کر سکتی ہے، یہ امام ابو حنیفہ کی رائے ہے، صاحبین، شافعی اور مالک کے نزدیک عدت گزارنا لازم ہے اور اس کے بغیر وہ نکاح کی مجاز نہیں ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ فرقت دارالاسلام میں داخلہ ہونے کی وجہ سے ہوئی ہے لہذا اسے احکام اسلام کی پابندی لازم ہوگی، اور امام ابو حنیفہ کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ولا جناح علیکم ان تنکحواھن الخ ہے کہ تم مہاجرات کے علی الاطلاق نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے پس اس خاتون پر جو غیر حاملہ ہو اور دارالاسلام ہمیشہ کے لیے چلی آئے تو اسے بلا توقف نکاح کی اجازت ہے۔

اور اگر مہاجرہ الی دارالاسلام یعنی دارالاسلام ہجرت کر کے آنے والی حاملہ ہو تو بالاتفاق وضع حمل تک اس سے نکاح منع ہے امام صاحب کے نزدیک ممانعت نکاح وجوب عدت کی وجہ سے نہیں ہے جیسا کہ دیگر ائمہ خیال کرتے ہیں بلکہ اس لیے کہ اس کے بطن میں ولد ثابت النسب ہے پس اس کے احترام میں برہنائے احتیاط ممانعت نکاح کر دی گئی۔

وارتداد احدهما فسخ فی الحال: زوجین میں سے کوئی بھی (نعوذ باللہ) اگر مرتد ہو جاتا ہے تو

یہ اسلام سے برکتی اور انحراف فی الوقت فسخ نکاح ہے خواہ ہمبستری ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو یعنی بغیر طلاق دونوں میں تفریق کر دی جائے گی یہ شیخین کی رائے ہے اور امام محمد فرماتے ہیں اگر ردت عورت کی جانب سے ہے تو مذکورہ بالا ہی حکم ہوگا یعنی یہ فرقت بلا طلاق سمجھی جائے گی، یعنی اس کی وجہ سے عدد طلاق ناقص نہیں ہوگا، ردت کو اس کی وجہ سے طلاق قرار دینا دشوار ہو گیا امام محمد ردت کو إباء عن الاسلام پر قیاس کرتے ہیں، چنانچہ اگر عورت مسلمان ہو جائے اور شوہر اسلام پیش ہونے پر مسلمان ہونے سے منع کر دے تو اس موقع سے قاضی کی تفریق طلاق شمار ہوتی ہے اور عدد طلاق کم ہو جاتا ہے پس اسی طرح ردت میں بھی لیکن امام صاحب فرماتے ہیں کہ ردت کو إباء پر قیاس کرنا مناسب نہیں اس لیے کہ إباء، امساک بالمعروف کو فوت کر دیتا ہے یعنی قاعدے کے موافق بیوی کو نکاح میں روکنے کا حق کھودیتا ہے لہذا تشریح یعنی طلاق واجب ہو جاتی ہے، اسی وجہ سے فرقت بالإباء قضاء قاضی پر موقوف ہوتی ہے اور فرقت یا ردت قضائے قاضی پر موقوف نہیں ہوتی۔

اگر عورت مرتد ہوئی ہے تو عدت واجب ہوگی اور اس کو نفقہ کا استحقاق نہ ہوگا اور اگر شوہر مرتد ہوتا ہے تو تو سکنی کے ساتھ نفقہ کا بھی استحقاق حاصل ہوگا۔

فَلِلْمُوطُوءِ الْمَهْرُ كُلُّهَا الْخ: ارتداد چاہے شوہر کی جانب سے ہو یا عورت کی جانب سے اگر ارتداد سے پہلے طلی ہو چکی تھی تو عورت کا حق پورے مہر کا ہوگا کیوں کہ مہر دخول کی وجہ سے مؤکد ہو چکا ہے جو اب کسی وجہ سے ساقط نہیں ہو سکتا اور اگر غیر موطوء ہے اور ارتداد شوہر کی جانب سے ہے تو عورت کو آدھا مہر ملے گا کیوں کہ فرقت کی ذمہ داری شوہر کے سر ہے البتہ دخول سے پہلے ایسا ہوا ہے لہذا آدھا مہر ہی واجب ہوگا اور اگر دخول سے پہلے ارتداد عورت کی جانب سے ہے تو اسے کچھ نہیں ملے گا کیوں کہ فرقت عورت کی جانب سے ہے جو معصیت کا سبب ہے، لہذا مہر ساقط ہو جائے گا۔

إباء عن الاسلام دوسرے کے اسلام کے بعد ارتداد کی نظیر ہے کہ جب إباء دخول کے بعد ہو تو چاہے جس کی جانب سے ہو پورا مہر واجب ہوگا، اسی طرح ارتداد جب دخول کے بعد ہو تو مرد و زن میں سے جو بھی مرتد ہوگا مہر پورا واجب ہوگا اور اگر إباء دخول سے پہلے ہو تو اگر شوہر کی جانب سے ہو بیوی کے مسلمان ہونے کے بعد تو نصف مہر ہوگا اور اگر انکار عورت کی جانب سے ہو تو شوہر کے مسلمان ہونے کے بعد تو عورت کو کچھ نہیں ملے گا بس اسی طرح ارتداد کی صورت میں ہے کہ قبل الدخول اگر مرد مرتد ہوا تو عورت کو نصف مہر کا استحقاق ہو جائے گا اور اگر عورت مجامعت سے پہلے مرتد ہو گئی تو شوہر پر کچھ بھی مہر واجب نہ ہوگا۔

ولو اردتد اور سلما معا: اگر میاں بیوی دونوں مرتد ہو گئے اور پھر دونوں ایک ساتھ مسلمان ہو گئے تو دونوں استحسانا نکاح سابق پر باقی رہیں گے اور مینونت نہ واقع ہوگی، اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ فرقت واقع ہو جائے یہی امام زفر کا قول ہے، اس لیے کہ جب ایک کا مرتد ہونا یہ نکاح کے منافی ہے تو دونوں کا مرتد ہونا بدرجہ اولیٰ منافی للنکاح ہوگا دوسرے یہ کہ ایک کی ردت دونوں کی ردت میں موجود ہے پس فسخ نکاح کی علت پائی گئی۔

اور وجہ استحسان یہ ہے کہ بنی حنفیہ سب کے سب مرتد ہو گئے اور پھر سب مسلمان ہو گئے اور صحابہ نے ان کو تجدید نکاح کا حکم نہیں دیا حالاں کہ یہ واقعہ عہد ابی بکر میں پیش آیا۔

وبانت لو اسلما متعاقبا: اور اگر مرد و زن مرتد ہونے کے بعد آگے پیچھے مسلمان ہوئے تو فرقت واقع ہو جائے گی اور عورت شوہر سے علیحدہ ہو جائے گی کیوں کہ جب ان دونوں میں سے ایک پہلے مسلمان ہو گیا تو دوسرا اپنی ردت پر باقی رہا پس اختلاف دین متحقق ہو گیا، پس فرقت ہو جائے گی اب یہ ہے کہ اگر اسلام میں تاخیر کرنے والی عورت ہے اور ارتداد دخول سے پہلے دونوں کا ہوا تھا تو مہر ساقط ہو جائے گا اور اسی صورت میں اگر متاخر الاسلام شوہر ہے تو عورت کو نصف مہر کا استحقاق ہوگا۔

باب القسم

الْبَكْرُ كَالثَّيْبِ وَالْجَدِيدَةُ كَالْقَدِيمَةِ وَالْمُسْلِمَةُ كَالْكِتَابِيَّةِ فِيهِ وَلِلْحُرَّةِ ضِعْفُ الْأَمَةِ وَيُسَافِرُ بِمَنْ شَاءَ وَالْقُرْعَةُ أَحَبُّ وَلَهَا أَنْ تَرْجَعَ إِنْ وَهَبَتْ قَسَمَهَا لِلْآخَرَى.

ترجمہ: یہ باب نوبت کے احکام کے بیان میں ہے، باکرہ (نوبت کے معاملہ میں) ثیبہ کی طرح ہے اور نئی پرانی کی طرح ہے اور مسلمان، کتابیہ کی طرح ہے باری میں اور حرہ کے لیے باندی کا دو گنا ہے اور شوہر جس عورت کے ساتھ چاہے سفر کرے اور قرعہ زیادہ بہتر ہے اور عورت کے لیے اختیار ہے کہ باری واپس لے لے اگر اس نے اپنی باری سو کن کو دے دیا ہو۔

تشریح: قسم قاف کے فتح اور سین کے سکون کے ساتھ قَسَمْتُ الشَّيْءَ فانقسم کا مصدر ہے کہ میں نے اسے تقسیم کیا پس وہ منقسم ہو گئی اور قاف کے کسرہ کے ساتھ اقسام کا واحد ہے۔ جب مصنفؒ نے آزاد کے لیے چار اور غلام کے لیے دو عورتوں کا تذکرہ کیا تو نوبت اور باری کا تذکرہ

بھی ناگزیر معلوم ہوا پس قسم لے لیں الانصاء بین الشراکہ کو کہتے ہیں یعنی ساجھے داروں کے درمیان حصول کو متعین کرنا اور قسم شرعاً کہتے ہیں منکوحات میں شب گزاری اور لباس، کھانا پینا، رہائش میں مساوات اور برابری کرنا، مجامعت میں برابر نہیں ہے اس لیے کہ اس کی بنیاد نشاط پر ہوتی ہے آدمی اس میں برابری پر قادر نہیں ہوتا جیسے کہ محبت ہے کہ اس میں برابری ناممکن ہے، کیوں کہ یہ میلان قیل ہے اور قلب پر آدمی کا اختیار نہیں ہوتا اب اگر شوہر حارس ہو اور اس کا کام اور ڈیوٹی رات میں لگتی ہو تو دن میں باری لگائے۔

بیویوں میں نوبت واجب ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ لَا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةٌ أَوْ مَمْلُوكَةٌ أَيْمَانُكُمْ ذَلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ لَا تَعُولُوا پس اگر تم اندیشہ کرو کہ انصاف قائم نہ رکھ سکو گے تو ایک بیوی پر بس کرو یا باندیوں سے کام چلاؤ یہ زیادہ قریب ہے اس کے تم زیادتی نہ کرو پس معلوم ہوا کہ ایک سے زائد عورتوں سے نکاح کا جواز انصافی ہونے کے عدم اندیشہ کے ساتھ مقید ہے، اور نا انصافی کے اندیشہ کے وقت ایک سے زائد عورتوں سے عقد منع ہے، معلوم ہوا کہ متعدد عورتوں کے نکاح میں ہونے کے وقت عدل واجب ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمِيلِ کہ تم (محبت میں) عورتوں میں انصاف کرنا چاہو تو بھی نہیں کر سکتے لہذا کسی ایک کے ہو کر نہ رہ جانا، عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا اَنَّا قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْسِمُ فَيَعْدِلُ وَيَقُولُ اللَّهُمَّ هَذَا قَسَمِي فِيمَا أَمْلِكُ فَلَا تَلْمَنِي فِيمَا تَمْلِكُ وَلَا أَمْلِكُ رواه ابو داؤد والنسائی وابن ماجہ والترمذی۔

پس نوبت میں نئی نویلی دلہن اور پرانی بیوی، باکرہ اور شیبہ، صحت مند اور بیمار، بانجھ بیوی اور وہ بخونہ جس سے ضرر کا اندیشہ نہ ہو اور حائضہ اور نفساء حامل اور غیر حامل اور وہ چھوٹی بیوی جو مجامعت کے قابل بھی نہیں ہے اور وہ عورت جو حالت احرام میں ہو اور وہ عورت جس سے ظہار کر لیا ہو سب برابر ہیں سب کی نوبت برابر ہوگی، کیوں کہ نصوص مطلق ہیں، اب یہ کہ مصنفؒ نے بطور خاص باکرہ اور شیبہ کا تذکرہ اس لیے کیا ہے کہ امام شافعیؒ کا اس میں اختلاف ہے، چنانچہ ان کے نزدیک باکرہ جدیدہ کی نوبت سات دن ہوگی اور شیبہ جدیدہ کی نوبت تین دن ہوگی امام شافعیؒ کا استدلال حدیث انس سے ہے عَنْ أَنَسٍ أَنَّهُ قَالَ مِنَ السُّنَّةِ إِذَا تَزَوَّجَ بَكْرًا قَامَ عَنْهَا سَبْعًا وَإِذَا تَزَوَّجَ لَيًّا أَقَامَ عَنْهَا ثَلَاثًا ثُمَّ قَسَمَ وَأَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ

عليه وسلم يَقُولُ لِلْبُخْرِ سَبْعٌ وَلِلثَّيْبِ ثَلَاثٌ لَمْ يَعُودْ إِلَى أَهْلِهِ أَخْرَجَهُ الدَّارُ قُطْنِي وَرَوَى أَبُو قَلَابَةَ عَنْ النَّسَائِيِّ أَنَّهُ قَالَ عِنْدَ أُمِّ سَلَمَةَ حِينَ تَزَوَّجَهَا ثَلَاثًا وَقَالَ إِنَّهُ لَيْسَ لَكَ عَلَى أَهْلِكَ هُوَ إِنْ سَبْعٌ سَبْعٌ لَكَ وَسَبْعٌ لِنَسَائِي. ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ باکرہ کے لیے سات دن اور ثیبہ کے لیے تین یوم باری ہوگی۔

احناف کا کہنا ہے کہ ان روایات سے باکرہ کی ثیبہ پر تفصیل ثابت نہیں ہوتی اس لیے کہ حدیث سے مراد تفصیل بالبدلہ ہے جدیدہ کے ساتھ زیادتی مقصود نہیں ہے یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ جب باکرہ سے شادی کرو تو اس کے پاس سات روز قیام کرو اس کے بعد دیگر ازواج کے ساتھ بھی اتنی مدت تک قیام کرو اور اگر ثیبہ کے ساتھ شادی کرو تو تین روز کا قیام کرو پھر دیگر ازواج کے ساتھ بھی اتنی مدت کا قیام ہونا چاہئے، پس اس میں زیادتی کہاں ہے البتہ مساوات ہے۔

دوسرے یہ کہ اگر تفصیل بین الزوجات کی گنجائش ہوتی تو قدیمہ کو اس کا استحقاق زیادہ تھا اس لیے کہ موکن کی وجہ سے وہ زیادہ رنجور اور مکسور القلب ہے اور وہ وحشت اور غیظ و غیرت میں زیادہ مبتلاء ہوگی، تیسرے یہ کہ قسم حقوق نکاح سے ہے پس اس میں ساری عورتیں برابر کی مستحق ہوں گی، باری سے مقصود ہر ایک عورت کے پاس ٹھہرنا اور رہنا ہے۔

والمسلمة كالكتابية: مسلمان بیوی اور یہودیہ اور نصرانیہ باری کے معاملہ میں برابر ہیں مسلمہ کو کتابیہ پر اس معاملہ میں کوئی ترجیح نہیں ہے اطلاق نصوص کی وجہ سے۔

وللحرّة ضعف الامة: آزاد بیوی کا حق شب گزاری میں باندی بیوی کے مقابلہ میں دو گنا ہوگا یعنی اگر کسی کی دو بیویاں ہوں ایک آزاد اور دوسری باندی تو آزاد کے لیے دو شب اور باندی کے لیے ایک شب ہوگی، نبی..... کا ارشاد ہے للحرّة ليلتان وللامة ليلة اور اس لیے بھی کہ باندی کی حلت آزاد عورت کی حلت سے نقص ہے اور اس کی تنصیف ممکن نہیں ہے لہذا اس کے حقوق میں تنصیف ہوگئی پس باری میں اور طلاق میں فرق ہو گیا کہ باری میں دو گنا حرہ کا حق ہے اسی طرح طلاق میں بھی نیز حرہ کے نکاح میں ہوتے ہوئے باندی سے نکاح ممنوع ہے، جب کہ اس کے برعکس درست ہے۔

ويسافر عن شاء: وہ شخص جس کی متعدد بیویاں ہوں تو وہ ان میں سے جس کے ساتھ چاہے سفر

کرے اس لیے کہ معیت فی السفر میں ان کا کوئی حق نہیں ہوتا بلکہ شوہر کو یہ بھی درست ہے کہ وہ کسی عورت کو اپنے ساتھ سفر میں نہ لے جائے پس اگر وہ کسی کو لے جانا چاہتا ہے تو وہ بلا تکلف اس کا مجاز ہے کہ وہ کسی دوسری عورت سے اجازت اور قرعہ کے بغیر حسب مصلحت جس کے ساتھ چاہے سفر کرے بلکہ بسا اوقات بعض خواتین کے ساتھ متعدد اسباب بیماری، سستی، اولاد کی کثرت اور موٹاپا وغیرہ کی وجہ سے سفر دشوار اور جو حکم بھرا ہو جاتا ہے، جب کہ بعض دوسری اپنی سمجھ اور پھر تیلہ پن کی وجہ سے باعث راحت ہوتی ہیں اس لیے شوہر جیسی نزاکت سمجھے اس کو اپنے ساتھ ساتھ سفر میں لے جاسکتا ہے، البتہ سب کی دلجوئی کے لیے قرعہ اندازی پسندیدہ عمل ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک قرعہ اندازی واجب ہے ان کا استدلال حدیث عائشہ سے ہے عن عائشہ رضی اللہ عنہا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا اردا سفراً افرغ بین ینسائہ وابتھن غرجت فرعتھا وبہ وروی ایتھا خرج سھمھا خرج بها متفق علیہ کہ جب رسول اللہ..... سفر کا ارادہ فرماتے تو ازواج مطہرات میں قرعہ اندازی فرماتے جس کے نام سے قرعہ لگتا ان کو سفر میں مصاحبت کی سعادت سے بہرہ اندوز فرماتے۔

احناف کا کہنا یہ ہے کہ رسول اللہ..... کا معمول جو حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں وہ استحباب پر دلالت کرتا ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر تسویہ حضر میں واجب نہ تھا اور آپ قرعہ اندازی محض تطیب قلوب کے لیے فرماتے تھے پس سفر میں برابری کیوں کر واجب ہو سکتی ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ ایام جو کسی عورت کے شوہر کے ساتھ سفر میں گزرے ہیں وہ اس کی نوبت کے ایام سے شمار نہیں ہوں گے اور نہ اس کی وجہ سے اس کی باری سے کمی کی جائے گی۔

ولہا ان ترجع الخ: ایک بیوی نے اپنی باری سوکن کو بہہ کر دی تو یہ صحیح ہے کیوں کہ حضرت سودہؓ نے اپنی باری حضرت عائشہؓ کے لیے بہہ کی تھی اس کے بعد اگر وہ اپنی باری رجوع کرنا چاہے تو یہ بھی جائز ہے کیوں کہ زمانہ مستقبل میں عورت کا حق واجب نہیں ہے تو اس کے ساقط کرنے سے ساقط بھی نہ ہوگا، کیوں کہ اسقاط کا تحقق اسی میں ہو سکتا ہے جو پہلے ثابت ہو۔

کتاب الرضاع

هُوَ مَنْ الرُّضِيعِ مَنْ قُدِيَ الْأَدْمِيَّةُ فِي وَقْتٍ مَخْصُوصٍ وَحَرَّمَ بِهِ وَإِنْ قَلَّ فِي ثَلَاثِينَ شَهْرًا مَا حَرَّمَ بِالنَّسَبِ الْأُمُّ أَخِيهِ وَأُخْتُ ابْنِهِ وَزَوْجُ مُرْضِعَةٍ لَبَنُهَا مِنْهُ أَبٌ لِلرُّضِيعِ وَابْنُهُ أَخٌ وَبَنَتُهُ أُخْتُ وَأَخُوهُ عَمٌّ وَاخْتُهُ عَمَّةٌ وَتَحِلُّ أُخْتُ أَخِيهِ رَضَاعًا وَنَسَبًا وَلَا حِلٌّ بَيْنَ رَضِيعِي قُدِيَ وَبَيْنَ مُرْضِعَةٍ وَوَلَدِ مُرْضِعَتِهَا وَوَلَدِ وَلَدِهَا وَاللَّبَنُ الْمَخْلُوطُ بِالطَّعْمِ لَا يَحَرِّمُ وَيُعْتَبَرُ الْغَالِبُ لَوْ بَمَاءٍ وَدَوَاءٍ وَلَبَنُ شَاةٍ وَامْرَأَةٌ أُخْرَى وَلَبَنُ الْبَكْرِ وَالْمَيْتَةِ مُحَرَّمٌ لَا الْإِحْتِقَانُ وَلَبَنُ الرَّجُلِ وَالشَّاةِ وَلَوْ أَرْضَعَتْ ضَرَّتُهَا حَوْمًا وَلَا مَهْرًا لِلْكَبِيرَةِ إِنْ لَمْ يَطَاهَا وَلِلصَّغِيرَةِ نِصْفُهُ وَيَرْجِعُ بِهِ عَلَى الْكَبِيرَةِ إِنْ تَعَمَّدَتْ الْفَسَادَ وَإِلَّا لَا وَيُثَبِّتُ بِمَا يَثْبُتُ بِهِ الْمَالُ.

ترجمہ: یہ باب شیر خوارگی کے احکام کے بیان میں ہے، وہ چوسنا ہے شیر خوار کا کسی عورت کی پستان ایک خاص وقت میں اور حرام ہو جاتے ہیں رضاعت سے گو کم ہو تیس ماہ کے اندر تمام وہ رشتے جو حرام ہوتے ہیں نسب سے، مگر رضاعی بہن کی ماں اور بیٹی کی بہن اور شوہر اس دایہ کا کہ جس کا دودھ اسی سے ہے باپ ہے شیر خوار کا اور اس کا لڑکا اس کا بھائی اور اس کی لڑکی اس کی بہن اور اس کا بھائی اس کا چچا اور اس کی بہن اس کی پھوپھی ہے، اور حلال ہے بھائی کی رضاعی بہن اور نسبی بہن اور نہیں ہے حلت ایک پستان کے دو شیر خواروں میں اور نہ شیر خوار لڑکی اور اس کی دایہ کے لڑکے اور اس کے پوتے کے درمیان اور کھانے کے ساتھ ملا ہوا دودھ حرام نہیں کرتا اور اعتبار کیا جائے گا غالب کا اگر دودھ پانی یا دوا یا بکری یا دوسری عورت کے دودھ کے ساتھ مخلوط ہو اور کنواری عورت اور مردہ عورت کا دودھ محرم ہے نہ کہ حقنہ کرنا، اور مرد کا دودھ اور بکری کا دودھ اور اگر عورت نے اپنی سون کو دودھ پلا دیا تو دونوں حرام ہو جائیں گی اور بڑی کو مہرنہ ملے گا اگر اس سے دلی شوہر نے نہیں کی ہے اور چھوٹی کو نصف مہر ملے گا اور شوہر بڑی سے رجوع کر لے گا اگر اس نے فساد نکاح کا ارادہ کیا ہو ورنہ نہیں اور دودھ پینا اس سے ثابت ہوتا ہے جس سے مال ثابت ہوتا ہے۔

تشریح: جب نکاح سے مقصود بچہ ہی ہے اور بچہ زندگی کے ابتدائی ایام میں بغیر دودھ کے زندہ نہیں رہ سکتا اس لیے رضاعت کے احکام ذکر کر رہے ہیں اور رضاعت چوں کہ نکاح کا اثر ہے اور اثر ذی اثر سے مؤثر ہوتا ہے اس لیے نکاح کے بعد رضاعت کا تذکرہ کر رہے ہیں۔

نکاح اور رضاعت میں مناسبت یہ ہے کہ رضاعت سبب حرمت ہے جیسا کہ نکاح سبب نکاح کے

واسطے سے سبب حرمت ہے پس حاصل یہ کہ نکاح کی طرح رضاعت بھی سبب حرمت ہے۔ فتح المصنوع
رضاع لغت کے لحاظ سے مہس النبی یعنی چھاتی چوسنا ہے اور شرعاً شیر خوار کا ایک مخصوص مدت میں
عورت کی چھاتی چوسنا ہے، مہس سے مراد وصول ہے یعنی عورت کی چھاتی سے بچہ کے پیٹ میں دودھ کا پہنچنا
جانا، نہ کے راستے سے ہو یا ناک کے پس عورت اگر اپنا دودھ کسی شیشی وغیرہ میں نکال کر بچہ کے منہ میں
ٹپکادے تو اس سے بھی حرمت ثابت ہو جائے گی، گو چوسنا نہیں پایا گیا، پس مہس، صب، اور سحوط اور وجور
(یعنی چوسنے، ڈالنے، چڑھانے اور ٹپکانے میں کوئی فرق نہیں ہے جو سنا چوں کہ چھپنے کا سبب ہے اس لیے
مصنف نے مہس سے تعبیر کر دیا گو یا سبب بول کر مہس مراد لیا ہے اور صاحب نہر نے تو یہاں تک کہا ہے کہ
چوسنا یہ بچے کو مستلزم ہے کیوں کہ صاحب قاموس نے مہس کو شرب رقیق سے تعبیر کیا ہے، ہم نے مہس اور
ناک کی قید لگائی ہے اس واسطے کہ کان اور احلیل یعنی ذکر کے سوراخ وغیرہ میں دودھ ٹپکانے سے حرمت
ثابت نہیں ہوتی الا دمیہ کی قید سے مرد اور چوپائے نکل گئے کہ انکے دودھ سے رضاعت ثابت نہیں ہوتی، پھر
آدمیہ مطلق ہے لہذا باکرہ، شیبہ، زندہ، مردہ سب کو شامل ہے۔

وحرّم به الخ: رضعت رضاعت کے سبب سے وہ تمام عورتیں حرام ہو جاتی ہیں جو نسب کے سبب سے
حرام ہیں اگرچہ دودھ کم پیا ہو بس تیس ماہ کے اندر اندر ہونا چاہئے۔

امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک پانچ شکم سیر چسکاریوں کے بغیر رضاعت ثابت نہیں ہوتی
عن عائشة رضي الله عنها انها قالت كان فيما نزل من القرآن عشر رضعات معلومات
يحرّم من ثم نُسَخْنَ بخمسين معلوماً فتوفي رسول الله صلى الله عليه وسلم وهي فيما يقرأ
من القرآن رواه مسلم وعنها انها قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تحرم
المصة والمصتان پس ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک دو چسکاری اور ایک دو مرتبہ چھاتی منہ میں
ڈالنا تحریم کا سبب نہیں ہوتا۔

ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد و أمهاتكم اللاتي أرضعنكم وأخواتكم من الرضاعة ہے پس
اللہ تعالیٰ نے دودھ پلانے کو بغیر کسی عدد کی قید کے ذکر کیا ہے اور تنقید بالعدد قرآن پر زیادتی کرنا ہے اور یہ نسخ
ہے اور خبر واحد کے ذریعہ زیادتی علی الکتاب درست نہیں، نیز حدیث میں ہے انہ صلی اللہ علیہ وسلم
قال يحرم من الرضاع ما يحرم من النسب وعن عائشة رضي الله عنها انه عليه الصلوة
والسلام قال ان الله حرم من الرضاع ما حرم من الولادة متفق عليه پس یہ احادیث بھی مطلق
رضاعت کو باعث حرمت قرار دے رہی ہیں، رہی بات حدیث مذکور جس سے شافعی اور احمد استدلال کرتے

ہیں سو وہ منسوخ ہے اور نسخ کی تصریح حضرت ابن عباسؓ سے ثابت ہے عن ابن عباسؓ انہ قال قولہ لا نَحْرُمُ الرُّضْعَةَ وَلَا الرُّضْعَتَانِ كَانَ فَاَمَّا الْيَوْمَ فَالرُّضْعَةُ الْوَاحِدَةُ تُحْرَمُ یعنی آپ سے پوچھا گیا کہ ایک دو چکاری اس سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی تو آپ نے فرمایا یہ حکم پہلے تھا، اور اب تو ایک چکاری بھی اثبات حرمت کے لیے کافی ہے پس معلوم ہوا کہ حکم سابق منسوخ ہے۔

نیز حدیث عائشہؓ میں اضطراب بھی ہے ابن بطال کہتے ہیں اس حدیث کا ترک ضروری ہے اور کتاب اللہ کی طرف مراجعت۔

فی ثَلَاثِينَ شَهْرًا: مدت رضاعت میں شدید اختلاف ہے امام صاحبؒ کے نزدیک مدت رضاعت ڈھائی سال ہے، مالکؒ وشافعیؒ اور امام احمدؒ اور صاحبین کے نزدیک دو سال ہے امام زفرؒ کے نزدیک تین سال ہے اور بعض حضرات کے نزدیک مدت رضاعت کی کوئی تحدید نہیں ہے، کیوں کہ نصوص مطلق ہیں، ہمارے نزدیک بڑے کو دودھ پلانے سے رضاعت کا ثبوت نہیں ہوتا اور اگر یہ حکم تھا بھی تو وہ منسوخ ہو گیا، اس لیے کہ نبی..... کا ارشاد ہے لَا رِضَاعَ بَعْدَ فَصَالٍ وَلَا يَتِمُّ بَعْدَ احْتِلَامٍ رواہ ابو داؤد کہ دودھ چھوڑنے کے بعد دودھ پینے پر رضاعت ثابت نہیں ہوتی اور بلوغ کے بعد آدمی یتیم نہیں رہ جاتا نیز ارشاد گرامی ہے لَا رِضَاعَ إِلَّا مَا أَنْشَرَ الْعَظْمَ وَابْنَتُ اللَّحْمِ پس یہ روایت ارضاع الکبیر کے رد کے لیے ہے اس لیے کہ مقصد مذکور بڑے کے لیے رضاع سے نہیں حاصل ہوتا بلکہ یہ تو اسے روٹی جیسی چیزوں کے استعمال سے حاصل ہوگا۔

امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ سال رضاعت سے طعام کی طرف پھر جانا ساعیت واحدہ میں ممکن نہیں ہے بلکہ سال میں تغیر طبع کی صلاحیت ہے پس دو سال سے زائد ہونا ضروری ہے من الرضیع لا یمکنہ التحول من الرضاع الی الطعام فی مساعدة واحدة فلا بد من الزیادة والحول حسن للتحول من حال الی حال لا شتمالہ علی الفصول الاربعة۔

صاحبینؒ کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يَتِمَّ الرُّضَاعَةَ کہ مائیں اپنے بچوں کو دو کامل سال دودھ پلائیں یہ حکم اس شخص کے لیے ہے جو مدت رضاعت پوری کرنا چاہتا ہو پس اس کا صیغہ خبر ہے اور اس سے مراد امر ہے اور یہ وجوہ امر میں المفعول ہے اور اتمام مدت کے بعد زیادتی کا اعتبار نہیں ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا بھی صاحبین کا مستدل ہے اس میں حمل اور دودھ چھوڑنے کی مدت تیس ماہ بیان ہوئی ہے اور حمل کی اقل مدت چھ ماہ ہے پس فصال کے لیے دو سال کی

مدت باقی رہی نیز نبی..... کا ارشاد ہے کہ دو سال کے بعد رضاعت نہیں ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کی دلیل بھی یہی آیت ہے وجہ استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو باتوں کو ذکر فرمایا اور دونوں کے لیے ایک مدت بیان فرمائی پس وہ مدت دونوں کے لیے کامل طور پر سمجھی جائے گی جیسے کوئی شخص یوں کہے لفلان علی الف درهم وخمسة الفضة حنطة الى شھرین تو اس میں ایک ہزار درہم اور پانچ قفیز گیہوں میں سے ہر ایک کی مدت دو ماہ ہوتی ہے پس مدت رضاعت بھی ڈھائی سال اور مدت حمل بھی ڈھائی سال ہوئی مگر مدت حمل میں کمی حدیث سے ثابت ہے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ بچہ دو سال سے زیادہ ماں کے پیٹ میں نہیں رہتا، اور مدت رضاعت میں کمی ثابت نہیں ہے اس لیے رضاعت کی مدت پورے ڈھائی سال رہے گی۔

اور دلیل عقلی یہ ہے کہ دودھ چھوڑانا ساعت واحدہ میں نہیں ہو جائے گا بلکہ یہ مقصد دھیرے دھیرے حاصل ہو گا تا آنکہ بچہ دودھ بھول جائے اور دودھ کے علاوہ چیزوں کا عادی ہو جائے، لہذا مدت عظام کے لیے دو سال سے زیادہ مدت درکار ہوئی، پس ہم نے اس کے لیے حمل کی ادنیٰ مدت فرض کی، کیوں کہ ادنیٰ مدت حمل میں یہ صلاحیت موجود ہے کیوں کہ اس مدت میں غذاء بدل جاتی ہے کیوں کہ بچہ چھ ماہ ماں کے پیٹ میں رہتا ہے اور ماں کی غذا کے ساتھ غذا لیتا ہے پھر ولادت ہو کر ماں سے الگ ہو جاتا ہے اور غذا میں خود مختار ہو جاتا ہے اور مستقل فی الغذاء ہو جاتا ہے۔

اور پہلی آیت رضاعت کا مطلب یہ ہے کہ رضاع مستحق کی مدت دو سال ہے چنانچہ باپ پر دو سال کے بعد دودھ پلائی کی اجرت لازم نہیں رہتی اور یہ مطلب نہیں کہ مدت رضاعت ہی دو سال ہے، دوسرے یہ کہ اگر ماں بھی لیا جائے کہ دودھ چھوڑائی کی مدت دو سال ہے تو یہ اس کی اقل مدت ہوگی۔

اب ایک معاملہ یہ ہے کہ حدیث عائشہؓ اور آیت قطعی ہے اور قطعی کی تخصیص ظنی سے درست نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ آیت اپنے ظاہری معنی پر محمول نہیں ہے چنانچہ امام شافعیؒ وغیرہ نے تیس ماہ میں چھ ماہ مدت حمل مانا ہے اور دو سال کو مدت فصال پس آیت مؤل ہو گئی اور مؤل کی دلالت قطعی نہیں ظنی ہوتی ہے لہذا ظنی کی تخصیص ظنی سے ہوئی جو بلاشبہ درست ہے۔

فائدہ: مصنفؒ نے مدت رضاعت کو ثلاثین کے ساتھ مقید کر کے یہ بتایا کہ رضاعت کی مدت گذر جانے کے بعد دودھ پلانے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی، پس اگر رضاعت کی مدت گذرنے سے پہلے دودھ چھوڑا دیا گیا اور بچہ نے مدت کے اندر اندر کسی اور کا دودھ پی لیا تو بھی حرمت ثابت ہو جائے گی۔

الام اختہ: یعنی رضاعت کے سبب وہ تمام رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب کی وجہ سے ہوتے ہیں

سوائے رضاعی بہن کی نسبی ماں اور اپنے بیٹے کی رضاعی بہن کے کہ یہ حلال ہیں جب کہ نسبی بہن کی ماں خود اپنی ماں ہوتی ہے یا اپنے باپ کی موطوہ ہوتی ہے اور یہ دونوں حرام ہیں اور رضاعت میں یہ بات نہیں ہے یعنی رضاعی بہن کی ماں نہ اپنی ماں ہے اور نہ باپ کی مدخلہ، اسی طرح نسب کے اعتبار سے اپنے بیٹے کی بہن یا تو اپنی لڑکی ہوگی یا رپیہ ہوگی رضاعت میں یہ بات نہیں۔

اور بھی بہت سی صورتیں ہیں کہ جن میں نہا حرمت ہے اور رضاعاً حرمت نہیں ہے اسی طرح الام اختہ اور اخت بہتہ میں احتمالات اور متعدد قسمیں ہیں جو مطولات میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔ دیکھئے فتح المصن علی شرح الکفر عن المسکین اور بین الحقائق للزیلعی۔

وزوج مروضۃ لبنھا منه اب للرضیع: وہ عورت جس نے رضاعی بچہ کو دودھ پلایا اس کا شوہر رضاعی بچہ کا رضاعی باپ ہے، بشرطیکہ اس دودھ اترنے کا سبب یعنی مرضعہ کا موجودہ شوہر ہو یعنی دودھ جس مرد کے وطی کرنے پر بسبب ولادت جاری ہوتا ہے اگر یہ موجودہ شوہر سے ہے تو یہ رضیع کا باپ ہوگا اور اگر مرضعہ کا آقا ہے تو پھر وہ رضاعی باپ ہوگا اور اگر مرضعہ کا شوہر سابق ہے تو وہ پھر رضاعی باپ ہوگا اور شوہر موجودہ رضاعی ربیب ہوگا، لہذا رضیع شوہر ثانی کی اولاد سے مناکحت کر سکتا ہے، نیز مرضعہ کے شوہر کا بیٹا رضیع کا بھائی اور اس کی لڑکی رضیع کی بہن اور اس کا بھائی رضیع کا چچا اور اس کی بہن رضیع کی پھوپھی ہوگی، پس رضیع کا ان میں سے کسی سے مناکحت درست نہیں ہے، جیسا کہ نہا ان رشتوں میں مناکحت حرام ہے۔

وقحل اخت اختہ رضاعاً ونسباً: رضاعاً کا تعلق اخت اختہ کے مضاف سے بھی ہو سکتا ہے اور مضاف الیہ سے بھی اور دونوں سے بھی ہو سکتا ہے مضاف کے ساتھ رضاعت کے تعلق کی صورت یہ ہے کہ اس کے نسبی بھائی کی رضاعی بہن ہو اور مضاف الیہ کے ساتھ تعلق کی صورت یہ ہے کہ اس کے رضاعی بھائی کی رضاعی بہن ہو، اور نسب کا تعلق مضاف و مضاف الیہ میں سے تنہا کسی ایک کے ساتھ نہیں بلکہ دونوں کے ساتھ ہے، اس واسطے کہ اگر نسب کا تعلق صرف مضاف سے ہو تو مضاف الیہ رضاعی ہوگا اور اگر صرف مضاف الیہ سے ہو تو مضاف نسبی ہوگا بہر دو صورت تکرار لازم آئے گا کیوں کہ یہ دونوں صورتیں مسئلہ سابق میں داخل ہیں، نسب کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کے دو لڑکے دو بیویوں سے ہوں اور ان دو بیویوں میں سے ایک کی شوہر سابق سے کوئی لڑکی بھی ہو تو یہ لڑکی دوسری بیوی کے لڑکے کے لیے حلال ہے کیوں کہ ان میں کوئی قرابت نہیں، لیکن اسی بی بی کے لڑکے کے لیے حلال نہیں کیوں کہ وہ اس کی اختانی بہن ہے۔

ولا حل بین رضیعی ثدی الخ: رضیعین سے مراد بچہ اور بچی ہیں پس مذکر کو مونث پر غلبہ دے دیا

جوہرہ میں ہے وکل صہین اجتماع علی ثدی فی مدۃ الرضاع لم یجز لاحدہما ان یتزوج بالآخر یعنی ہر ایسے دو بچے جنہوں نے مدت رضاعت میں ایک خاتون کی پستان سے دودھ پیا تو وہ دونوں لڑکے اور لڑکی ہا ہم رضاعی بھائی بہن ہوئے، لہذا ان کی ہا ہم مناکحت حلال نہیں ہے، اب اجتماع علی الرضاع کی مدت خواہ لمبی ہو یا کم، دونوں میں سے ایک کی رضاعت دوسرے سے مقدم ہو یا نہ ہو، بس یہ ہے کہ دونوں نے ایک خاتون کا دودھ پیا ہے جیسے بھی ہو تو ان کا قطعاً ہا ہم رشتہ نکاح قائم نہیں ہو سکتا، کیوں کہ اگر اس عورت کا دودھ دو شوہروں سے ہو تو وہ دونوں آپس میں ماں شریک رضاعی بھائی بہن ہیں اور اگر دودھ ایک شوہر سے ہو تو وہ ماں باپ شریک رضاعی بھائی بہن ہیں۔

اسی طرح شیر خوار لڑکی اور اس کی مرضعہ یعنی دایہ کے بیٹے کے درمیان حلت نہیں کیوں کہ وہ دونوں رضاعی بھائی بہن ہیں، نیز شیر خوار لڑکی اور اس کی دایہ کے پوتے کے درمیان بھی حلت نہیں کیوں کہ دایہ کا پوتا بھتیجا ہوتا ہے۔

واللبن المخلوط بالطعام لا یحرم: اگر دودھ کھانے کے ساتھ ملا ہوا ہو تو دودھ خواہ غالب ہو یا مغلوب امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس سے حرمت ثابت نہیں ہوتی، صاحبینؒ کے نزدیک دودھ کے غالب ہونے کی صورت میں حرمت ثابت ہو جائے گی، مگر یہ اختلاف اس وقت ہے جب کہ دودھ کو آگ پر نہ پکایا گیا ہو پس اگر پکایا گیا ہو تو بالاتفاق حرمت ثابت نہیں ہوتی، صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ مخلوط میں غالب کا ہی اعتبار ہوتا ہے، امام صاحبؒ یہ فرماتے ہیں کہ مقصود (یعنی غذا بیت) کے لحاظ سے کھانا اصل ہے اور دودھ تابع، پس تابع ہونے کی وجہ سے دودھ مغلوب ہی رہے گا چاہے غالب کیوں نہ ہو، بعض حضرات کہتے ہیں کہ اپنے ائمہ احناف کا اختلاف مذکور اس وقت تک ہے جب مخلوط چیز کے کھانے کے وقت بوقت لقمہ اٹھانے دودھ نہ ٹپکتا ہو اور اگر لقمہ اٹھانے کے وقت دودھ ٹپکتا ہے تو امام صاحبؒ کے نزدیک بھی حرمت ثابت ہو جائے گی اور صحیح یہ ہے کہ امام صاحبؒ کے نزدیک کسی بھی حال میں حرمت ثابت نہیں ہوگی خواہ دودھ کا تقاطر ہوتا ہو یا نہ ہوتا ہو، دودھ غالب ہو یا مغلوب۔

ويعتبر الغالب لو بماء الخ: اگر دودھ پانی یا دوا یا بکری کے دودھ کے ساتھ یا کسی دوسری عورت کے دودھ کے ساتھ مخلوط ہو تو غالب کا اعتبار ہوگا اس لیے کہ اس میں گوشت پیدا کرنے اور ہڈی جوڑنے کی صلاحیت ہے اور یہی معتبر ہے، کیوں کہ نبی..... کا ارشاد ہے الرضاع ما انبت اللحم وانشز العظم مغلوب کا اعتبار نہ ہوگا کیوں کہ وہ ظاہر نہیں ہوتا پس وہ معدوم ہونے والا سمجھا جائے گا۔

پانی کے ساتھ مخلوط ہونے کی صورت میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے وہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر پانچ چکاری

کے بقدر دودھ پانی میں ملا ہوا ہو تو حرمت ثابت ہو جائے گی کیوں کہ اس میں حقیقتہً دودھ موجود ہے
اختلاف کا کہنا ہے کہ شئی مغلوب حکماً موجود نہیں ہوتی۔

اور آخری صورت یعنی ایک عورت کے دودھ کے ساتھ دوسری عورت کے دودھ کے مل جانے کی صورت
میں غالب کا اعتبار شیخین کا مسلک ہے، کیوں کہ دونوں عورتوں کے دودھ مل کر شئی واحد ہو گئے، لہذا اقل کو اکثر
کے تابع کر دیا جائے گا امام محمد و امام زفر کے نزدیک بہر صورت حرمت ثابت ہو جائے گی، وہ فرماتے ہیں کہ
جنس، جنس پر غالب نہیں ہوتی کیوں کہ شئی اپنی جنس میں اتحاد مقصود کی وجہ سے ختم اور ضائع نہیں ہوتی۔

ولبن البکر والمیتة محرم: کنواری لڑکی کے دودھ سے بھی حرمت ثابت ہو جاتی ہے، کیوں کہ
نصوص مطلق ہیں دوسرے اس لیے بھی کہ کنواری کا دودھ بھی نشوونما کا سبب ہے پس اس سے بھی بعضیت کا شبہ
ثابت ہو جاتا ہے جیسے کہ دیگر عورتوں کے دودھ سے کیوں کہ لبن البکر حقیقتہً دودھ ہی ہے اور مردہ عورت کے
دودھ سے بھی حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے البتہ امام شافعی کے نزدیک مردہ عورت کے دودھ سے حرمت
رضاعت ثابت نہیں ہوتی ان کی دلیل یہ ہے کہ ثبوت حرمت میں اصل عورت ہے اس کے واسطے سے حرمت
دوسروں تک متعدی ہو جاتی ہے اور مرنے کے بعد وہ محل حرمت ہی نہیں رہی یہی وجہ ہے کہ مردہ عورت کے
ساتھ وطی کرنے سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی ہم یہ کہتے ہیں کہ حرمت رضاع کا سبب شبہ جزئیت
ہے جو دودھ میں بائیں معنی ہے کہ بچہ اس سے نشوونما پاتا ہے اور یہ چیز دودھ میں بہر حال موجود ہے، بخلاف
مسئلہ مصاہرت کے کہ وہاں جو وطی میں شبہ جزئیت ہوتا ہے وہ بائیں معنی ہوتا ہے کہ وہ موضع حرث سے ملاقی
ہوتی ہے اور مرنے کے بعد اس کا محل حرث ہونا زائل ہو چکا۔

الا الحثقان ولبن الرجل الخ: حثقہ لگوانا یعنی دبر کی راہ سے دودھ چڑھوانا اور آدمی کا دودھ اور
بکری کا دودھ حرمت رضاعت کا موجب نہیں ہے الحثقان باللبن تو اس لیے موجب حرمت نہیں کہ تحریم سبب
نشوونما ہونے سے ہوتی ہے اور نشوونما کا مقصد غذا سے پورا ہوتا ہے اور غذا منہ سے لی جاتی ہے دبر سے نہیں،
اور الحثقان باللبن سے بچہ کی نشوونما نہیں ہوتی امام محمد کے نزدیک الحثقان باللبن سے حرمت رضاعت ثابت
ہو جاتی ہے جیسا کہ اس سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے ہمارا کہنا یہ ہے کہ افطار کا تعلق کسی چیز کے معدہ میں پہنچنے سے
ہے جب کہ رضاعت میں محرم معنی نشوونما ہے اور یہ معنی الحثقان باللبن میں موجود نہیں ہیں اور یہی اختلاف
ہے اگر دودھ کے قطرے کان کی سوراخ میں ٹپکائے اور اگر دودھ عضو تناسل کے سوراخ میں ٹپکایا تو اس سے
حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی، کیوں کہ زیادہ سے زیادہ مشانہ تک پہنچے گا اور بچہ اس سے غذا نہیں لیتا اور
اگر کان میں یا حلق میں قطرات لبن ٹپکائے تو بالاتفاق تحریم ان دونوں سے ثابت ہو جائے گی کیوں کہ نشوونما

ان دونوں سے حاصل ہوتی ہے۔

آدمی کا دودھ باعث تحریم اسلئے نہیں ہے کہ وہ درحقیقت دودھ ہے ہی نہیں کیوں کہ دودھ اسی سے تصور ہوتا ہے جس سے ولادت متصور ہو اور آدمی سے چوں کہ ولادت متصور نہیں لہذا مرد کا پستانوں سے نکلنے والا دودھ درحقیقت دودھ نہیں ہے۔

اور بکری کے دودھ سے حرمت رضاعت اس لیے ثابت نہیں ہوتی کہ حرمت کا ثبوت بطریق کرامت ہے شہہ جزیئت کے واسطے سے اور اصل اس میں مرضعہ ہے پھر وہ مرضعہ سے دوسرے کی طرف متعدی ہوتی ہے اور آدمی اور بہائم کے درمیان ولادہ کوئی جزیئت نہیں ہے پس اسی طرح رضاعاً بھی کوئی جزیئت نہ ہوگی لہذا وہ عورت کے علاوہ کی طرف متعدی بھی نہ ہوگی۔

ولو ارضعت ضرثها حرمتا الخ: ایک شخص کے نکاح میں دو عورتیں تھیں ایک کبیرہ ایک صغیرہ کبیرہ نے یہ حرکت کی کہ صغیرہ کو اپنا دودھ پلا دیا تو شوہر پر وہ دونوں حرام ہو گئیں، کیوں کہ اب وہ دونوں آپس میں رضاعی ماں بیٹی ہو گئیں اور رضاعی ماں بیٹی کا اجتماع جائز نہیں جیسا کہ نسباً ماں بیٹی کا ایک شخص کے نکاح میں اجتماع حرام ہے، اب اگر شوہر کبیرہ کے ساتھ طی کر چکا ہو تو مہر لازمی ہے اور اگر وطی نہ کی ہو تو کبیرہ کو مہر نہیں ملے گا کیوں کہ فرقت اسی کی جانب سے ہوئی ہے دخول سے پہلے، پس اس کا معاملہ اس عورت کی طرح ہو گیا جو دخول سے پہلے مرتد ہو گئی ہو تو اس کو کچھ مہر کا استحقاق نہیں ہوتا۔

اور اگر عورت کی جانب سے فرقت نہ ہوئی ہو بایں طور کہ کبیرہ کو دودھ پلانے پر مجبور کیا گیا ہو یا وہ سوئی تھی اور صغیرہ نے دودھ پی لیا یا آدمی نے کبیرہ کا دودھ لے کر صغیرہ کے حلق میں ڈال دیا یا کبیرہ مجنونہ تھی تو اس کو آدھا مہر ملے گا کیوں کہ فرقت کبیرہ کی جانب سے نہیں ہے اور مسئلہ مذکورہ بالا میں صغیرہ کو نصف مہر ملے گا کیوں کہ فرقت دخول سے پہلے ہے اور جو اس کی جانب سے نہیں ہے اور دودھ پینا تو صغیرہ کا فعل ہے مگر اسقاط حق میں اس کا اعتبار نہیں ہے، البتہ شوہر نے جو نصف مہر صغیرہ کو دیا ہے وہ کبیرہ سے وصول کرے گا بشرطیکہ کبیرہ نے فساد نکاح کا قصد کیا ہو اور اگر اس کا مقصد فساد نکاح نہ ہو بلکہ دفع گرسنگی اور بھوک ہو تو پھر رجوع کا بھی حق نہیں ہے امام محمد اور شافعی کے نزدیک بہر صورت شوہر کو حق رجوع ہے کیوں کہ وہ مہر جو سقوط کے لکار پر تھا اسے کبیرہ نے مؤکد کر دیا اور تاکید اختلاف کے قائم مقام ہوتی ہے۔

ہمارا کہنا یہ ہے کہ کبیرہ مسببہ ہے مباشرہ نہیں ہے کیوں کہ اس نے دودھ پلایا ہے اور ارضاع یعنی دودھ پلانا فساد نکاح کے لیے موضوع نہیں ہے، بلکہ ارضاع ایسا سبب ہے جو جزیئت کے ساتھ موضوع ہے اور فساد اس صورت میں باتفاق الحال ثابت ہوتا ہے اور مستبب جب متعدی ہو تب وہ ضامن ہوتا ہے۔

و یثبت لما یثبت المال: ہمارے یہاں رضاعت کا ثبوت اسی حجت سے ہوتا ہے جس سے مال کا ثبوت ہوتا ہے، یعنی دو عادل مردوں یا ایک عادل مرد اور دو عادل عورتوں کی گواہی سے، امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ صرف ایک عادلہ عورت کی گواہی سے بھی رضاعت کا ثبوت ہو جائے گا کیوں کہ حقوق رضاعت منجملہ شرع کے ایک حق ہے پس خبر واحد سے ثابت ہو سکتا ہے، جیسے ایک شخص نے گوشت خریدا اور کسی نے اس کو خبر دے دی کہ یہ مجوسی کا ذبیحہ ہے تو اس کے لیے کھانا جائز نہیں، ہم یہ کہتے ہیں کہ باب نکاح میں ثبوت حرمت زوال ملک سے جدا نہیں ہوتی کیوں کہ بقاء نکاح مع ثبوت حرمت دائمی متصور نہیں ہو سکتا اور بطلان نکاح دو عادل مردوں یا ایک عادل مرد اور دو عادل عورتوں کے بغیر نہیں ہوتا تو حرمت کا ثبوت بھی اس کے بغیر نہیں ہو سکتا، بخلاف گوشت کے مسئلے کے کہ حرمت تناول، زوال ملک سے جدا ہو سکتی ہے جیسے شراب میں حرمت کے باوجود ملک یقیناً ثابت ہو جاتی ہے۔

کتاب الطلاق

هو رفع القيد الثابت شرعاً بالنكاح تطليقها واحدة في طهر لا وطى فيه وتركها حتى تمضي عدتها أحسن وثلاثاً في أظهار حسن وسنن وثلاثاً في صهر أو بكلمة بدعي وغير الموطوءة تطلق للسنة ولو حائضاً وفرق على الأشهر فيمن لا تحيض وصح طلاقهن بعد الوطى وطلاق الموطوءة حائضاً بدعي فیراجعها ويطلقها في طهر ثان ولو قال لموطوءته انت طالق ثلاثاً للسنة وقع عند كل طهر طلاقاً وإن نوى أن يقع الثالث الساعة أو عند كل شهر واحدة صححت ويقع طلاق كل زوج عاقل بالغ ولو مكرهاً وسكراناً وآخرس بإشارته حراً أو عبداً لا طلاق الصبي والمجنون والنائم والسيد على امرأة عبده واعتباره بالنساء فطلاق الحرة ثلاث والأمة ثنتان.

ترجمہ: کتاب الطلاق، طلاق کے احکام کے بیان میں، طلاق اس قید کا دور کرنا ہے جو شرعاً نکاح کے ذریعہ ثابت ہو، عورت کو ایک طلاق دینا ایسے طہر میں جس میں وطی نہ ہو، اور چھوڑ دینا یہاں تک کہ اس کی عدت گزر جائے احسن ہے، اور تین طلاقیں تین طہروں میں دینا حسن اور سنن ہے اور تین طلاق ایک طہر میں یا ایک کلمہ کے ساتھ بدعی ہے اور غیر موطوءہ کو سنی طلاق دی جاسکتی ہے گو وہ حائضہ ہو اور اس عورت کی طلاق کو مہینوں پر متفرق کرے، جس کو حیض نہ آتا ہو اور ان کو وطی کے بعد طلاق دینا صحیح ہے، اور موطوءہ کو حالت حیض میں طلاق دینا بدعی ہے پس اس سے رجعت کر لے اور دوسرے طہر میں طلاق دے، اور اگر اس نے اپنے

موطوہ سے کہا کہ تجھے تین طلاقیں ہیں بطور سنت تو ہر طہر میں ایک طلاق واقع ہوگی اور اگر یہ نیت کر لے کہ تینوں اسی وقت واقع ہوں یا ہر ماہ ایک واقع ہو تو یہ بھی صحیح ہے اور طلاق ہر ایسے شخص کی واقع ہو جاتی ہے جو عاقل بالغ ہو گو اس سے زبردستی (طلاق) لی گئی ہو یا وہ مست ہو اور گونگے کی طلاق اس کے اشارہ کے ساتھ آزاد ہو یا غلام نہ کہ بچہ کی طلاق اور دیوانے کی اور نائم کی اور آقا کی اپنے غلام کی بیوی پر اور طلاق کا اعتبار عورتوں سے ہے پس آزاد عورت کی طلاق تین ہیں اور باندی کی دو۔

تشریح: نکاح طلاق پر چوں کہ طبعاً مقدم ہے، اس لیے احکام نکاح کے بعد طلاق کو ذکر کیا تاکہ وضع طبع کے موافق ہو جائے اور نکاح و طلاق کے درمیان رضاع کو اس مناسبت سے لائے کہ رضاعت سے بھی حرمت ثابت ہوتی ہے اور طلاق سے بھی فرق صرف اتنا ہے کہ رضاعت سے حرمت مؤبدہ ثابت ہوتی ہے اور طلاق سے غیر مؤبدہ پس اشد کو اخف پر مقدم کر دیا۔

طلاق اسم مصدر ہے جو تطلق کے معنی میں ہے جیسے سراح بمعنی تسرح ہے اور اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد الطلاق مرتان ہے طلاق لغت میں مطلقاً بند کھولنے کو کہتے ہیں بولا جاتا ہے اطلق الناقة اس نے اونٹنی کے پاؤں باندھنے کی رسی کو کھول دی، شرعی معنی آگے آرہے ہیں حاصل یہ ہے کہ طلاق بمعنی المغة افعال سے ہے اور طلاق بمعنی الشرع تفعلیل سے ہے۔

طلاق امر مباح ہے اللہ رب العزت نے نکاح بندوں کی مصلحتوں کے لیے مشروع قرار دیا اس لیے کہ بندہ نکاح کے ذریعہ اپنی دینی اور دنیوی ضرورتوں کا انتظام کرتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے طلاق مصلحت کے اکمال کے لیے مشروع فرمایا، اس لیے کہ کبھی بندے کو کوئی نکاح راس نہیں آتا تو وہ خلاصی کا خواہش مند اور ضرورت مند ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کی شکل طلاق کی صورت میں پیدا فرمادی۔

بعض حضرات طلاق مکروہ سمجھتے ہیں اور اس کی گنجائش ضرورتاً مانتے ہیں چنانچہ ان کا استدلال رسول اللہ کے اس ارشاد سے ہے إن ابغض المباحات عند الله الطلاق کہ جملہ مباح چیزوں میں زیادہ بری فی طلاق ہے، نیز نبی کا ارشاد ہے لعن الله كل ذواق مطلق یعنی اللہ تعالیٰ کی پھٹکار ہو طلاق کو مشغلہ بنانے والے پر، نیز ارشاد فرمایا زَوْجُوا وَلَا تَلْقُوا کہ نکاح کرو طلاق مت دو پس معلوم ہوا کہ طلاق مکروہ ہے۔

ہمارا کہنا ہے کہ زوجین کی ناموافقت کے وقت جدائی کے سواء اور کوئی علاج نہیں ہے اور طلاق بلا کراہت درست ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے إِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلَّقُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمْسُوهُنَّ کہ بوقت ضرورت طلاق دے سکتے ہو اور اس

میں کوئی کراہت بھی نہیں ہے، پس آیت اباحت طلاق کا تقاضا کرتی ہے، سرور کائنات..... نے حضرت حفصہ کو طلاق رجعی دی تھی اور صحابہ بھی بغیر کسی نکیر کے طلاق دیا کرتے تھے پس معلوم ہوا کہ ضرورت کے تحت طلاق دینا مکروہ نہیں ہے۔

اب رہی بات یہ کہ حدیث میں طلاق کو مبغوض ہونے کے ساتھ مقید کیا گیا ہے تو اس سے کراہت لازم نہیں آتی اس واسطے کہ خود حدیث مذکور میں اس کا مضاف الیہ المباحات موجود ہے اور فعل التفضیل اپنے مضاف الیہ کا بعض ہوتا ہے اور رہی بات ان روایات کی جنہیں قائل کراہت نے بیان کیا ہے تو وہ بلا ضرورت طلاق پر محمول ہیں۔

معلوم ہونا چاہئے کہ باب طلاق میں سات باتوں کا جاننا ضروری ہے (۱) طلاق کے لغوی معنی (۲) شرعی معنی، چنانچہ لغوی معنی بیان ہو چکے ہیں اور شرعی معنی متن کتاب کا حصہ ہیں جن کی تفصیل آگے آئے گی (۳) رکن طلاق اور وہ طلاق کے الفاظ ہیں (۴) سبب طلاق اور وہ طلاق کی ضرورت کا ہونا ہے (۵) شرط طلاق اور وہ اہلیت اور محل کا ہونا ہے بایں طور کہ طلاق دینے والا عاقل بالغ اور عورت نکاح یا عدت میں ہو (۶) حکم طلاق اور وہ ہے محل سے ملکیت کا ختم ہو جانا عدت طلاق کے کمی کے ساتھ (۷) انواع طلاق جن کا تذکرہ باب ایقاع الطلاق میں آ رہا ہے۔

هو رفع القيد الثابت الخ: طلاق کے شرعی معنی ہیں اس قید کو اٹھا دینا جو شرعاً نکاح سے ثابت ہوتی ہو پس شرعاً کی قید سے احتراز ہو گیا اس قید کے رفع سے جو حساً ثابت ہو اور وہ ہے بیٹری کا کھولنا اور بالنکاح کی قید سے احتراز ہو گیا عتق سے اس لے کہ عتق گواہی قید کا رفع ہے جو شرعاً ثابت ہے لیکن وہ ثابت بالنکاح نہیں ہے۔

تطليقا واحدة الخ: تطليق مصدر ہے جو مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور مفعول کی طرف مضاف ہے تقدیر عبارت ہے تطليق الرجل امرأته، واحدة مصدر محذوف کی صفت ہے یعنی طلاقاً واحدة۔ ترکہا رفع کے ساتھ مبتدا پر معطوف ہے جو مفعول کی طرف مضاف ہے اور فاعل متروک ہے تقدیر عبارت ہوگی وترك هذا لمطلق امرأته مطلب ہے کہ آدمی کا اپنی بیوی کو ایک طلاق ایسے طہر میں دینا جس میں عورت کے ساتھ مجامعت نہ ہوئی ہو اور عدت کے پورے ہونے تک مطلق کا عورت کو چھوڑے رکھنا طلاق احسن ہے لفظ احسن مبتداء مذکور کی خبر ہے اور یہ احسن اس لیے ہے کہ ابراہیم نخعی سے مروی ہے کہ صحابہ ایک طلاق پر انقضاء عدت تک زیادتی نہ کرنے کو پسند کرتے تھے اس لیے کہ اس میں شرمندگی سے بعد ہے اور تدارک کی گنجائش ہے۔

مصنفؒ در حقیقت طلاق کی قسمیں بیان کرنا چاہتے ہیں کہ طلاق کی تین قسمیں ہیں احسن، حسن اور بدعی، پس احسن ایسی طلاق ہے کہ آدمی ایسے طہر میں کہ جس میں بیوی کے ساتھ جماعت نہ ہوئی ہو ایک طلاق دے تا آنکہ اس کی عدت پوری ہو جائے اس سے ترک تعلق رکھے، اور طلاق حسن کہتے ہیں کہ آدمی تین متفرق طہروں میں کہ جن میں جماعت نہ ہوئی ہو تین طلاقات دے فی طہر ایک طلاق اس کو طلاق سنی بھی کہتے ہیں۔

معلوم ہو کہ سنی اور مسنون کا مطلب ہے اس طرح ثابت ہونا جو باعث عتاب نہ ہو اور یہ مطلب نہیں کہ اس عمل کے نتیجہ میں وہ مستحق ثواب ہوگا اسی طرح احسن ہونا بلحاظ دوسرے بعض کے ہے اور یہ مطلب نہیں کہ طلاق کی قسم اول فی نفسہ حسن ہے اور ایسا کیسے ہو سکتا ہے حالاں کہ طلاق بغض المباح ہے۔

امام مالکؒ کہتے ہیں کہ تین طلاقیں دینا گو تین متفرق طہروں میں ہوں بدعت ہے اس لیے کہ طلاق ناپسندیدہ عمل ہے جس پر اقدام محض خلاصی حاصل کرنے کی ضرورت سے ہوگا اور یہ مقصد ایک طلاق سے پورا ہو جاتا ہے، لہذا ایک سے زائد طلاق کی کوئی ضرورت نہیں۔

اور ہماری دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے جو آپؐ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا مَرَّ ابْنُكَ فَلْيُرَاجِعْهَا ثُمَّ يَدْعُهَا حَتَّى تَحِيضَ وَتَطْهَرُ، ثُمَّ يَطْلُقُهَا ثُمَّ تَحِيضُ وَتَطْهَرُ ثُمَّ يَطْلُقُ انْ أَحْبَبْتَ کہ اپنے بیٹے سے کہو کہ وہ بیوی سے رجوع کر لے پھر اس کو چھوڑے رکھے یعنی جماعت نہ کرے تا آنکہ حیض آجائے اور اس سے پاک ہو جائے پھر اس کو طلاق دے پھر یہی معاملہ کرے تا آنکہ حیض آجائے اور پاک ہو جائے پھر اس کو طلاق دے پس اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ طلاق کی ضرورت پیش آنے پر متفرق طہروں میں کہ جن میں جماعت نہ ہوئی تین طلاقیں دی جاسکتی ہیں، اگر یہ عمل بدعت ہوتا تو ابن عمرؓ کو یہ طریقہ اختیار کرنے کی اجازت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قطعی نہ ہوتی۔

طلاق بدعی کہتے ہیں ایک طہر میں تین طلاقیں دینا یا ایک کلمہ کے ساتھ ہی طہر واحد میں تینوں طلاقیں دے ڈالنا، نیز دو طلاقیں متفرق طور پر کلمہ واحد کے ساتھ طہر واحد میں دینا بھی طلاق بدعی کہلاتی ہیں۔

واضح ہو مصنفؒ کے قول ثلاثی طہر سے مراد یہ ہے کہ طہر واحد میں تین طلاقیں اس طرح دی جائیں کہ دو طلاقوں کے درمیان رجعت نہ پائی گئی ہو پس اگر طہر واحد میں طلاق دے کر شوہر نے رجوع کر لیا پھر طلاق دے دی پھر رجوع کر لیا پھر اسی ایک طہر میں تیسری طلاق دے دی تو یہ ابوحنیفہؒ کے نزدیک مکروہ نہیں ہے اور اگر طہر واحد میں اس طرح تین طلاقیں دی کہ طلاق واحد کے بعد عورت سے تجدید نکاح کیا اور پھر طلاق دے دی پھر دوبارہ نکاح کیا اور طلاق دے دی در انحالیکہ یہ سب کچھ ایک ہی طہر میں پیش آیا تو یہ بالاتفاق مکروہ نہیں ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک طہر واحد میں تین متفرق طلاقیں یا کلمہ واحد کے ساتھ تین طلاقیں دینا بدعت نہیں ہے اس لیے کہ طلاق مشروع ہے جس کا اجتماع ممانعت کے ساتھ نہیں ہو سکتا بخلاف حالت حیض میں طلاق کے یا ایسے طہر میں طلاق کے کہ جس میں بیوی کے ساتھ مجامعت ہوئی ہو اس لیے کہ ممانعت اس میں لغیرہ ہے۔ احتلاف کا مستدل حدیث ابن عمرؓ ہے جو اوپر مذکور ہو چکی ہے اس لیے کہ رسول اللہ..... نے الگ الگ طہروں میں طلاق کا حکم دیا ہے پس ایک طہر میں یا ایک بارگی طلاق آپ کے ارشاد کے خلاف ہوگا پس مامود بہ فوت ہو جائے گا جو بلاشبہ بدعت ہوگا، اس کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ اور الدارقطنی میں حدیث عمرؓ میں ان الفاظ کا اضافہ اور صراحت بھی ہے۔

قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَرَأَيْتَ لَوْ طَلَّقْتُهَا ثَلَاثًا قَالَ إِذَا عَصَيْتَ رَبَّكَ وَبَانَتْ مِنْكَ أَمْرُكَ ابْنُ عُمَرَ قَرَّمَاتِي هِيَ كَمَا فِي عَرْضِ كَيْسٍ يَارَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفَرَأَيْتَ إِنْ دُعِيَ دُونَكَ أَنْ تَقُولَ..... نَعَمْ أَرَشَادُ فَرَمَا يَتَّبِعُ تَمَّ أَهْلُ رُبِّكَ كَيْ نَفَرَمَانِي كَرْنِ وَالْشَّارِ هُوَ كَيْ أَوْرَبِيوِي بَعْدَ تَمَّ سَعْدًا هُوَ جَاءَ كَيْ، مَعْلُومٌ هُوَ أَيْكَ سَاطَهُ طَهْرٌ وَاحِدٌ فِي تَمَّ تَلَاقِي دَعِي سَعْتِيوِي وَاقِعٌ تُو هُوَ جَاتِي هِيَ لَيْكِن تَلَاقٍ دَعِي وَالْأَكْنَاهُ كَار هُوَ تَا هِيَ۔

دوسرے اس لیے بھی کہ طلاق متعدد مشروع ہوئی تاکہ بوقت ندامت تدارک اور تلافی ہو سکے لہذا اس مطلق کے لیے اس موقع کو گنوا نا درست نہ ہوگا، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اخبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن رجلٍ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثَ تَطْلِيقَاتٍ جَمِيعًا فَقَامَ غَضْبَانٌ ثُمَّ قَالَ ايْلَعْبُ بِكِتَابِ اللَّهِ وَأَنَا بَيْنَ أَظْهَرِكُمْ ذِكْرَهُ الْقُرْطُبِيُّ فِي شَرْحِ الْمُوطَا رَوَاهُ النَّسَاءُ يَعْنِي جَبَّ آف..... کو اس کی اطلاع ہوئی کہ کسی صاحب نے ایک ساتھ تین طلاقیں دے ڈالی ہیں تو غصہ سے کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے میرے ہوتے ہوئے کتاب اللہ سے کھیل شروع ہو گیا، معلوم ہوا تینوں طلاقیں ایک ساتھ دینا نافرمانی ہے اور غضب الہی کو دعوت دینا ہے۔

وغير الموطوءة تطلق للسنة ولو حائضا: وہ عورت جس کے ساتھ شوہر کی مجامعت نہ ہوئی ہو اسے طلاق سنی دی جاسکتی ہے، گو وہ حالت حیض میں ہو یعنی ایک طلاق اگر دی تو وہ طلاق سنی ہوگی ایک سے زائد نہیں ورنہ طلاق بدعی ہو جائے گی، بعض حضرات کہتے ہیں کہ سنت فی العدد موطوءہ کے ساتھ مخصوص ہے پس اگر غیر موطوءہ کو ایک ساتھ تینوں طلاقیں دی جاتی ہیں تو یہ مکروہ نہ ہوگا۔

امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ حالت حیض میں طلاق مکروہ ہوگی امام مالکؒ کی بھی یہی رائے ہے، اس لیے کہ حالت حیض میں طبعی نفرت اور منع شرعی جس طرح موطوءہ کے حق میں پائی جاتی ہے اسی طرح غیر موطوءہ کے حق

میں بھی موجود ہے، پس جس طرح موطوہ کو حالت حیض میں طلاق مکروہ اور بدعت ہے اسی طرح غیر موطوہ کو بھی حالت حیض میں طلاق دینا مکروہ ہوگا۔

احناف کی دلیل یہ ہے کہ غیر موطوہ میں رغبت اور چاہت صادق ہوتی ہے جب تک آدمی کا مقصد وطی کے ذریعہ عادتاً حاصل نہیں ہو جاتا لہذا آدمی کا طلاق پر اقدام کرنا حاجت کی دلیل ہے، پس غیر موطوہ کے حق میں مطلقاً یعنی تمام اوقات میں طلاق مباح ہوگی، بخلاف مدخول بہا کے کہ اس میں رغبت مرد کی طہر سے از سرے نو پیدا ہوتی ہے پس مرد کے لیے اس حق میں دلیل حاجت نہ پائی گئی، پس طلاق مدخولہ کے حق میں علی الاطلاق مباح نہ ہوگی بلکہ حیض میں منع ہے، گو طلاق دینے پر طلاق ہو جائے گی۔

وفرق علی الاشہر: وہ خواتین جن کو حیض نہیں آتا خواہ صغریٰ کی وجہ سے یا کبر سن کی وجہ سے یا حاملہ ہونے کی وجہ اور انہیں آدمی طلاق سنی دینا چاہتا ہے تو وہ طلاق کو مہینوں پر متفرق کرے گا، یعنی تین مہینوں میں تین طلاقیں فی ماہ ایک طلاق دے گا، امام محمد اور زفر کے نزدیک یہ حکم مذکورہ بالا صغیرہ اور آیسہ کے حق میں تو ٹھیک ہے حاملہ کے حق میں نہیں، بلکہ حاملہ کو طلاق سنت کے طور پر فقط ایک طلاق ہی دے گا، اس لیے کہ مہینہ حاملہ کے حق میں فصول عدت سے نہیں ہے پس حاملہ ممتدة الطہر کی طرح ہوگئی، اور ممتدة الطہر کو طلاق سنت ایک طلاق ہوتی ہے، اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ اباحت علت حاجت کی وجہ سے ہے اور مہینہ حاجت کی دلیل ہے، جیسے کہ صغیرہ اور آیسہ کے حق میں مہینہ حاجت کی دلیل ہوتا ہے، بخلاف ممتدة الطہر یعنی اس عورت کے کہ جسے حیض آتا ہو لیکن سن ایسا سے دور ہونے کے باوجود اس کا طہر دراز ہو جائے کہ سلسلہ طہر ختم ہونے کا نام نہیں لیتا، اس لیے کہ ممتدة الطہر کے حق میں حیض کی امید ہے کہ کسی وقت بھی سلسلہ حیض شروع ہو سکتا ہے، جب کہ حاملہ کے حق میں حاملہ ہوتے ہوئے اس کی امید منقطع ہوتی ہے۔

معلوم ہونا چاہئے کہ مہینہ حیض کا قائم مقام ہوتا ہے، ایک قول یہ بھی ہے کہ مہینہ حیض و طہر دونوں کا قائم مقام ہوتا ہے، لیکن اصح قول اول ہی ہے اس لیے کہ معتبر ذوات الحیض میں حیض ہی ہے، طہر نہیں ہے یہ الگ بات ہے کہ حیض کا تکرار بغیر تحلل طہر کے متصور نہیں ہے، لہذا طہر کی احتیاج ضرورتاً ہے، اور یہ معنی صغیرہ اور آیسہ کے حق میں معدوم ہیں پس طہر کی کوئی ضرورت نہیں، لہذا اس کا اعتبار بھی نہ ہوگا۔

وصح طلاقہن بعد الوطی: وہ عورتیں جو ذوات الاشہر ہیں یعنی صغیرہ اور آیسہ اور حاملہ کو وطی کے بعد طلاق دینا صحیح ہے، بغیر فصل کیے وطی اور طلاق کے درمیان، امام زفر کے نزدیک آیسہ اور صغیرہ کے حق میں ماہ کے ذریعہ وطی اور طلاق کے درمیان فصل کرے گا، یعنی وطی کے بعد علی الفور طلاق نہیں دے گا، بلکہ ایک ماہ گزر جانے کے بعد طلاق دے گا، جیسے کہ دو طلاقیں کے درمیان فصل کرے گا، اس لیے کہ جماعت کی وجہ

سے رغبت میں خلل آگیا، لہذا اتنی مدت کا گزر جانا ضروری ہے، تاکہ از سرے نو رغبت پیدا ہو جائے، بخلاف حامل کے لیے جو جماع کے بعد اس میں بھی من وجہ رغبت ٹھنڈی ہو جاتی ہے، لیکن من وجہ باقی رہتی ہے اور اس لیے بھی کہ حاملہ سے جماع وجہ عدت کے اشتباہ کا سبب نہیں ہوتا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ حیض والیوں میں جماع کے بعد طلاق اس لیے ناپسندیدہ ہے کہ حمل کے ٹھہر جانے کا وہم موجود ہے، کیوں کہ اس وقت وجہ عدت احتمال علوق کی وجہ سے مشتبہ ہو جائے گا اور یہ بات من لا تحض یعنی ان خواتین میں نہیں پائی جاتی جن کو حیض نہیں آتا، پس آیہ اور صغیرہ کا حال حامل کی طرح ہو گیا۔

معلوم ہو کہ صغیرہ سے مراد ایک قول کے مطابق یہ سات سال کی بچی ہے اور دوسرے قول کے مطابق آٹھ سال کی بچی ہے اور آیہ سے مراد وہ خاتون ہے جو بچپن سال کی ہو گئی ہو۔

و طلاق الموطؤۃ حائضا بدعی الخ: وہ عورت جس سے شوہر نے مجامعت کر لی ہو تو اس کو حالت حیض میں طلاق دینا من حیث الوقت بدعت ہے، لہذا رفع بدعت کے لیے وجوہ بار جوع کر لے اور دوسرے طہر میں چاہے طلاق دے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَطَلَّقُونَهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ یعنی لا طہار عدتہن معلوم ہوا کہ حکم ربانی ہے کہ طہر میں طلاق دیجائے، نیز حضرت ابن عمر نے جب اپنی بیوی کو طلاق حالت حیض میں دے دیا تو رسول اللہ..... نے حضرت عمر سے فرمایا مَرُ ابْنُکَ فلیراجعہا صا جزا دے سے کہہ دو رجوع کرے، اسی حدیث سے اہل ظاہر کا رد بھی ہو جاتا ہے، جو کہتے ہیں کہ حالت حیض میں طلاق دینے سے طلاق واقع نہیں ہوتی، اس لیے کہ اس حالت میں طلاق مشروع نہیں، کیوں کہ حدیث میں مراجعت کا حکم ہے اور مراجعت وقوع طلاق کے بغیر محال ہے، دوسرے یہ کہ یہی معنی فی غیرہ ہے یعنی تطویل عدت کی وجہ سے کہ مطلقہ کی خواہ مخواہ عدت لمبی ہوگی پس یہ مشروعیت کے منافی نہیں ہے۔

فائدہ: مسئلہ کی صورت یہ ہوگی کہ جب آدمی نے حالت حیض میں طلاق دیا تو اسی حیض میں رجوع کر لے، حیض کے بعد پاک ہو اور دوبارہ حیض آئے اور اس حیض سے پھر پاک ہو تو اب طلاق دے یہ طہر ثانی ہے، امام ابو حنیفہ سے ایک روایت یہ ہے کہ اس حیض کے بعد والے طہر میں کہ جس میں طلاق ہوئی ہے طلاق دے سکتا ہے، ولو قال لموطؤۃ انت طالق. ایک شخص نے اپنی مدخولہ سے (جو ذوات الحیض میں سے تھی) کہا تجھے بطریق سنت تین طلاق تو ہر طہر میں ایک واقع ہوگی، کیوں کہ للسنۃ میں لام وقت کے لیے ہے، پس گویا کہا وقت السنۃ اور طلاق سنی کا وقت طہر ہی ہے، جس میں جماع نہ ہو یا لام برائے اختصاص ہے، یعنی تین طلاقیں جو سنت کے ساتھ مخصوص ہیں اور طلاق مطلق ہے، پس اس سے فرد کامل مراد ہوگا، اور طلاق سنی کا فرد کامل وہی ہے جو عدد اور وقت ہر دو اعتبار سے سنت ہو لہذا تین طلاق تین طہروں میں واقع ہوں

کی، اور اگر وہ فی الحال تینوں طلاقوں کے واقع ہونے کی نیت کرے یا ہر ماہ کے شروع میں ایک طلاق واقع ہونے کی نیت کر لے تو یہ بھی صحیح ہے، کیوں کہ کلام میں اس کا بھی احتمال ہے۔

امام زفرؒ کے نزدیک اگر اس نے مسئلہ مذکورہ میں تین طلاقوں کی نیت فی الحال کر لی تو صحیح نہیں، اس لیے کہ اس نے خلاف سنت کی نیت کی، اور فی اپنے ضد کا احتمال نہیں رکھتی، ہمارا کہنا یہ ہے کہ اس نے ایسی چیز کی نیت کی ہے کہ لفظ جس کا احتمال رکھتا ہے، لہذا اس کی نیت صحیح ہے، اس لیے کہ یہ وقوعاً سنی ہے، اس حیثیت سے کہ تین طلاقوں کا جملہ وقوع معروف بالسنہ ہے، ایقاعاً نہیں۔

ویقع طلاق کل زوج عاقل: ہمارے نزدیک طلاق ہر عاقل بالغ شوہر کی واقع ہو جاتی ہے، اگرچہ وہ مکروہ ہو یعنی کسی نے زبردستی اس سے طلاق دلوائی ہو یا شوہر بھنگ یا افیون یا خراسانی اجوائن وغیرہ کے نشہ میں مست ہو، ہر حال طلاق واقع ہو جائے گی۔

امام شافعیؒ، مالکؒ، احمدؒ کے نزدیک ان کی طلاق واقع نہیں ہوتی، ان کا استدلال رسول اللہ..... کے ارشاد سے رُفِعَ عَنِ امْتِي الْخَطَا وَالنِّسْيَانُ وَمَا اسْتَكْرَهُوا عَلَيْهِ یعنی اگر لوگوں سے بھول چوک ہو جاتی ہے یا انہیں کسی چیز پر مجبور اور بے بس کر دیا جاتا ہے تو اس کا حکم امت سے منسب ہے۔ نیز نبی..... کا ارشاد ہے لَا طَّلَاقَ وَلَا عِتَاقَ فِيْ اَغْلَاقٍ یعنی طلاق اور عتاق اکراہ کی صورت میں نہیں ہیں۔

دوسرے یہ کہ طلاق تصرف شرعی ہے اور تصرفات شرعیہ کا اعتبار اختیار کے ساتھ ہوتا ہے اور اختیار اکراہ کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا۔

ہماری دلیل رسول اللہ..... کا ارشاد ہے ثَلَاثٌ جِدْثُهُنَّ جِدٌّ وَهَزْلُهُنَّ جِدٌّ النِّكَاحُ وَالطَّلَاقُ وَالرَّجْعَةُ تِمْنٌ حَزِينٌ ہیں جن کی حقیقت تو حقیقت ہے ہی مذاق بھی حقیقت ہے، نکاح، طلاق اور رجعت نیز روایت میں ہے کہ ایک عورت نے تلوار سونت کر شوہر سے کہا یا تو مجھے طلاق دے ورنہ قتل کر ڈالوں گی اس نے طلاق دے دی اور معاملہ حضرت عمرؓ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے اس کی طلاق کو نافذ کر دیا، عقلی دلیل یہ ہے کہ اکراہ میں مکروہ کو قصد و اختیار ہوتا ہے، یہ چیزیں اس سے سلب نہیں ہوتی، اس لیے کہ وہ شرین میں اہول کو اختیار کر رہا ہے تو یہ کھلی دلیل ہے کہ اس کا اختیار سلب نہیں ہوا ہے، زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ وہ اس پر راضی نہیں تو طلاق کا وقوع رضا پر موقوف نہیں، خلاصہ یہ ہے کہ مکروہ کی طلاق واقع ہوتی ہے، رہی بات رُفِعَ عَنِ امْتِي والی حدیث کی تو اس میں بالاجماع حکم اخروی مراد ہے نہ کہ حکم دنیوی اور دوسری حدیث میں امام ابو داؤد اور احمدؒ نے اغلاق کی تفسیر غضب سے کی ہے، حالاں کہ اس کا کوئی قائل نہیں۔

فائدہ: بیس معاملات ہیں جو بحالت اکراہ بھی صحیح ہوتے ہیں، صاحب نہر نے ان کو ان اشعار میں جمع کیا ہے:

طلاق وإيلاء ورجعة نكاح مع الاستيلاء عفو عن العمد
رضاع وإيمان وفي وندرة قبول لا بداع كذا تصلح عن عمد
طلاق على جعل يمين به انت كذا لعق والاسلام تدبير للعبد
وايجاب احسان وعق فهذه تصح مع الاكراه عشرين في العدد
سکران: پیچھے گزر چکا ہے کہ نشہ میں دھت شخص کی بھی طلاق واقع ہو جائے گی، امام کرنی اور طحاوی کہتے ہیں کہ سکران کی طلاق واقع نہ ہوگی، اس لیے کہ اسکے لیے قصد و ارادہ نہیں ہوتا، جیسے کہ نائم اس کے لیے قصد نہیں ہوتا اور ایسا اس لیے ہے کہ تصرف کے صحیح ہونے کی شرط عقل ہے، جو ٹھکانے لگ چکی ہے، پس سکران کا معاملہ ایسے ہو گیا جیسے کسی کی عقل بھنگ یا اسکے علاوہ کسی مباح چیز سے زائل ہو جائے تو اس کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔

اور ہمارا کہنا یہ ہے کہ وہ شرعاً مخاطب ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لا تقربوا الصلاة وانتم سكارىٰ کہ نشہ میں دھت ہو کر نماز کے قریب مت جاؤ، پس جب سکران مخاطب ہو تو اس کے تصرف کا نفاذ بھی واجب اور ضروری ہو اور دوسرے اس لیے بھی کہ اس کے عقل کا زوال ایسے سبب سے ہوا ہے جو معصیت ہے فیجعل باقیا زاجراً له۔

البتہ اگر کسی مباح چیز کی وجہ سے نشہ پیدا ہو گیا اور اس نشہ میں طلاق دے بیٹھا تو طلاق واقع نہ ہوگی۔
وطلاق الاخرس: گوٹے کی طلاق اشارہ سے واقع ہو جاتی ہے، اگر اس کا اشارہ سمجھا جاتا ہو اس لیے وہ بھی طلاق کا برائے خلاصی ضرورت مند ہے جیسے کہ بولنے والا اس کا ضرورت مند ہوتا ہے، تو اگر اس کا اشارہ بولنے والے کی عبارت کے حکم میں نہ مانا جائے تو حرج واقع ہوگا، اور یہ مدفوع بالنص ہے، اسی طرح اس کے تمام تصرفات جیسے اعتاق، بیع و شراء اشارہ سے واقع ہو جائیں گے، بشرطیکہ اس کا اشارہ پہچانا جائے۔
مطلق خواہ آزاد ہو یا غلام اس کی طلاق واقع ہوگی، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يملك العبد والا المكاتب شيئاً الا الطلاق کہ غلام کو طلاق کے علاوہ کسی چیز کی اتھارٹی نہیں ہوتی، دوسرے اس لیے بھی کہ نکاح کی ملکیت آدمیت کے خصائص سے ہے، اور غلام آقا کی ملکیت میں من حیث المال داخل ہوتا ہے، من حیث الآدمی نہیں، اسی وجہ سے غلام کا اقرار بالدم درست ہے، پس مالک طلاق ہونے کی وجہ سے وہ طلاق دے سکتا ہے، مولا نہیں دے سکتا۔

لا طلاق الصبی والمجنون الخ: بچہ اور مجنون اور نام کی طلاق واقع نہیں ہوتی، کیوں کہ ان کے لیے قصد و اختیار نہیں ہوتا، نیز نبی..... کا ارشاد ہے کل طلاق جائز الا طلاق الصبی المجنون کہ بچہ اور مجنون کے طلاق کے ماسوا تمام طرح کی طلاقیں درست ہیں۔

والسید علی امراء عبده: آقا اپنے غلام کی بیوی کو طلاق نہیں دے سکتا، حضرت ابن عباس کی روایت ہے جاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم رجل فقال یا رسول اللہ سیدی زوجی امته وهو یرید ان یفرق بینی و بینہما فصعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم المنبر فقال یا ایہا الناس ما بال احدکم یزوج عبده من امته ثم یرید ان یفرق بینہما إنما طلاق لمن اخذ بالساقی رواہ ابن ماجہ والدارقطنی کہ ایک شخص رسول اللہ..... کے پاس آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ میرے آقا نے اپنی باندی کے ساتھ میرا نکاح کر دیا تھا اب وہ ہم دونوں کے درمیان تفریق کرنا چاہتا ہے، پس آپ منبر پر تشریف لائے اور ارشاد فرمایا لوگو تم کو کیا ہو گیا کہ تم اپنی باندی کے ساتھ اپنے غلام کا نکاح کرتے ہو، پھر دونوں کے درمیان تفریق کرنا چاہتے ہو، سنو طلاق کا حق اسے ہے جو ساق کا مالک ہے، معلوم ہوا کہ شوہر کو حق طلاق ہے آقا کو نہیں۔

واعتبارہ بالنساء: عد و طلاق کا اعتبار عورتوں کے حال سے ہوگا، پس آزاد عورت کی طلاق تین ہوگی اور باندی کی طلاق دو ہوگی، خواہ شوہر آزاد ہو یا غلام اور امام شافعیؒ اور دیگر ائمہ کے نزدیک عد و طلاق میں مرد کا حال معتبر ہے، یعنی اگر شوہر آزاد ہے تو اسے تین طلاق کا حق ہوگا بیوی آزاد ہو یا باندی، اور اگر شوہر غلام ہے تو اسے دو طلاقیں کا اختیار ہوگا بیوی آزاد کیوں نہ ہو ان کا استدلال اس روایت سے ہے کہ رسول اللہ..... نے ارشاد فرمایا الطلاق بالرجال والعدة بالنساء معلوم ہوا کہ طلاق میں مردوں کے حال کا اور عدت میں عورتوں کے حال کا لحاظ ہوگا، دوسرے یہ کہ صفت مالکیت کریمہ ہے اور آدمیت اس کا متقاضی ہے، اور آدمیت کے معنی حر میں اکمل ہوتے ہیں، لہذا حر کی مالکیت بھی ابلغ اور اکثر ہوگی۔

ہماری دلیل حدیث عائشہؓ ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طلاق الامة ثنتان وعدتها حیضتان کہ باندی کی طلاق دو ہے اور عدت دو حیض ہے، معلوم ہوا کہ عورت کے حال کا اعتبار ہوگا، شوہر کے حال کا نہیں اور ائمہ ثلاثہ کے متدل کا جواب یہ ہے کہ اس میں ایقاع طلاق مراد ہے نہ کہ عد و طلاق یعنی طلاق دینے کی اتھاڑی مردوں کو ہوتی ہے۔

باب الطلاق الصریح

ہو کانت طالق و مُطْلَقَةٌ وَ طَلَّقْتُكَ فَيَقَعُ وَاحِدَةٌ رَجْعِيَّةٌ وَإِنْ نَوَى الْأَكْثَرَ أَوْ الْإِبَانَةَ أَوْ لَمْ يَنْوِ شَيْئًا وَلَوْ قَالَ أَنْتِ الطَّلَاقُ أَوْ أَنْتِ طَالِقٌ طَلَاً تَقَعُ وَاحِدَةٌ رَجْعِيَّةٌ بِلَا نِيَّةٍ أَوْ نَوَى وَاحِدَةً أَوْ ثِنْتَيْنِ وَإِنْ نَوَى ثَلَاثًا فَتِلْكَ وَإِنْ أَضَافَ الطَّلَاقُ إِلَى جُمْلَتِهَا أَوْ إِلَى مَا يَعْزُرُ بِهِ عَنْهَا كَالرَّقَبَةِ وَالْعُنُقِ وَالرُّوْحِ وَالْبَدَنِ وَالْجَسَدِ وَالْفَرْجِ وَالرَّاسِ وَالْوَجْهِ أَوْ إِلَى جُزْءٍ شَاتِعٍ مِنْهَا كَبِصْفِهَا وَلِثْنِهَا تُطْلَقُ وَإِلَى الْيَدِ وَالرَّجْلِ وَالذُّبُرِ لَا وَنِصْفِ التَّطْلِيقَةِ أَوْ ثَلَاثِهَا طَلَقَةٌ وَثَلَاثَةُ أَنْصَافِ التَّطْلِيقَتَيْنِ ثَلَاثٌ وَمِنْ وَاحِدَةٍ أَوْ مَا بَيْنَ وَاحِدَةٍ إِلَى ثِنْتَيْنِ وَاحِدَةٌ وَإِلَى ثَلَاثٍ ثِنْتَانِ وَوَاحِدَةٌ فِي ثِنْتَيْنِ وَاحِدَةٌ إِنْ لَمْ يَنْوِ أَوْ نَوَى الضَّرْبَ وَإِنْ نَوَى وَاحِدَةً وَثْنَتَيْنِ فَتِلْكَ وَثْنَتَيْنِ فِي ثِنْتَيْنِ ثِنْتَانِ وَإِنْ نَوَى الضَّرْبَ وَمِنْ هُنَا إِلَى الشَّامِ وَاحِدَةٌ رَجْعِيَّةٌ وَبِمَكَّةَ أَوْ فِي الدَّارِ تَنْجِيزٌ وَفِي إِذَا دَخَلْتَ مَكَّةَ تَعْلِيقٌ.

ترجمہ: طلاق صریح یوں ہے (کہ کوئی کہے) تو طلاق والی ہے یا تو مطلقہ ہے یا میں نے تجھے طلاق دیا ان سے ایک رجعی واقع ہوتی ہے، گویا وہ کی یا بائن کی نیت کرے یا نیت ہی نہ کرے اور اگر کہا تو طلاق ہے یا خاص طلاق والی ہے یا طلاق والی ہے کسی طلاق سے تو ایک طلاق رجعی ہوگی اگر نیت نہ کی ہو یا ایک کی نیت کی ہو یا دو کی اور اگر تین کی نیت کی تو تین واقع ہوں گی، اور اگر طلاق منسوب کیا عورت کے کل کی طرف یا ایسے حصہ کی طرف جس سے کل کی تعبیر ہوتی ہو یا پاؤں یا مقام برازی کی طرف منسوب کیا تو واقع نہ ہوگی، اور آدمی اور تہائی طلاق، پوری طلاق ہے اور دو طلاق کے تین نصف تین طلاق ہیں اور ایک سے یا جو ایک سے دو کے درمیان تک ہے ایک ہوگی اور تین تک دو ہوں گی اور ایک دو میں ایک ہوگی اگر کچھ نیت نہ کرے اور اگر نیت کرے ایک اور دو کی تو تین طلاقیں ہوں گی اور دو دو میں دو ہوں گی گو ضرب کی نیت کرے اور یہاں سے شام تک ایک طلاق رجعی ہوگی اور مکہ کے پاس یا مکہ میں یا گھر میں طلاق تجیزی ہے اور جب تو داخل ہو مکہ میں تعلیق ہے۔

تشریح: جب مصنف اصل طلاق اور وصف طلاق کے بیان سے فارغ ہو گئے تو اب انواع طلاق کا بیان شروع فرما رہے ہیں، طلاق کی من حیث الایقاع بنیادی دو قسم ہیں طلاق یا الفاظ صریحی کے ساتھ ہوگی یا الفاظ کنائی کے ساتھ، طلاق صریحی کہتے ہیں جو غلبہ استعمال کی وجہ سے ظاہر المراد ہو اور طلاق کنائی کہتے ہیں جو مستتر المراد ہو چنانچہ اس میں نیت کی ضرورت ہوتی ہے، پھر طلاق تین حال سے خالی نہیں یا تو وہ مرسل ہوگی یا کسی وقت کی طرف مضاف ہوگی یا کسی شرط کے ساتھ معلق ہوگی، پس مرسل اسی وقت واقع ہو جاتی ہے، وہ خواہ سنی ہو یا بدعی اور وہ جو کسی وقت کی طرف مضاف ہو جیسے کہ جب مُطْلَق نے کہا انت طالق غداً یا انت

طالق رأس الشهر یا انت طالق یوم الجمعة تو طلاق اس وقت کے پائے جانے پر ہی واقع ہوگی، اور معلق بالشرط جیسے مطلق کہے انت طالق ان دخلت الدار یا ان کلمت فلانا فانت طالق تو طلاق وجود شرط پر ہی واقع ہوگی۔

اگر آدمی طلاق صریح الفاظ کے ذریعہ دے مثلاً یوں کہے انت طالق یا انت مُطَلَّقة تو ان الفاظ سے ایک ہی طلاق رجعی واقع ہوگی، خواہ طلاق دہندہ زائد کی نیت کرے یا بائن کی یا سرے سے نیت ہی نہ کرے، بہر حال ایک ہی طلاق واقع ہوگی، کیوں کہ یہ ظاہر المراد ہیں، لہذا حکم عین کلام سے متعلق ہوگا، دوسرے یہ کہ الطلاق مرتان الخ آیت میں طلاق صریح کے بعد رجعت کی اجازت دی گئی ہے، معلوم ہوا کہ طلاق صریح سے رجعی واقع ہوتی ہے، اور شافعی اور زفر کے نزدیک جس کی نیت کی وہی واقع ہوگی، اس لیے کہ وہ اس کے لفظ کا محتمل ہے، اور ہمارے نزدیک جس کی اس نے نیت کی ہے وہ واقع نہ ہوگی کیوں کہ اس نے ایسی چیز کی نیت کی جس کا لفظ احتمال نہیں رکھتا، لہذا اس کی نیت لغو ہو جائے گی، اور ایسا اس لیے ہے کہ اس کا قول انت طالق خبر ہے، جس کا اقتضاء یہ ہے کہ وہ خبر صادق ہو اگر وہ واقع کے مطابق ہو یا کاذب ہو اگر واقع کے مطابق نہ ہو، جیسے اس کا قول انت قائمہ اور بہر حال وقوع من جہۃ الزوج تو لفظ اس کا لفظ تقاضا نہیں کرتا ہے۔

اور بلاشبہ اس کا ثبوت شرع کی وجہ سے اقتضاء ہے تاکہ وہ کاذب نہ ہو اور مقتضی اس کے لیے عموم نہیں ہوتا، اس لیے کہ اس کا ثبوت ضرورت کی وجہ سے ہے اور ضرورت ایک سے ختم ہو جاتی ہے، لہذا ایک سے زائد کی ضرورت نہیں۔

اور اگر اس نے انت مُطَلَّقة بتسکین اللام کہا تو بلا نیت طلاق واقع نہ ہوگی، اس لیے کہ یہ لفظ طلاق کے معنی میں عرفاً استعمال نہیں ہے لہذا صریح نہ ہوگا پس محتاج نیت ہوگا۔

اور اگر طلاق دہندہ ایسی ترکیب اختیار کرے جس میں خبر مصدر ہو یا تاکید خواہ مصدر نکرہ ہو یا معرفہ جیسے انت الطلاق یا انت طالق الطلاق یا انت طالق طلاقاً تو اس میں بھی ایک طلاق رجعی واقع ہوگی، جب کہ کوئی نیت نہ کرے یا دو کی نیت کرے، کیوں کہ طلاق صریح میں نیت کی ضرورت نہیں رہتی، نیز صریح مصدر میں عدد کا احتمال نہیں ہوتا، ہاں اگر تین کی نیت کرے تو تین واقع ہو جائیں گی، کیوں کہ مصدر اسم جنس ہے، لہذا اکل جنس کا ارادہ ہو سکتا ہے، پس تین فرد حکمی ہے یعنی تین کا عدد طلاق کا فرد کامل ہے، بخلاف دو کے کہ وہ نہ فرد حقیقی ہے نہ فرد حکمی، لہذا دو کی نیت صحیح نہ ہوگی۔

امام زفر کہتے ہیں کہ دو کی نیت بھی صحیح ہے اس لیے کہ دو، تین کا بعض ہی ہے، پس دو کی نیت تین کی صحت کی ضرورت کی وجہ سے صحیح ہے، اور ہمارا کہنا یہ ہے کہ دو عدد محض ہے اور لفظ جنس عدد محض پر دلالت نہیں کرتا،

لہذا دو کی نیت لغو ہوگی، جب کہ تین کی نیت صحیح ہے، کیوں کہ تین طلاق جمیع جنس طلاق ہے، اور ایسا اس لیے کہ لفظ مفرد ہے لہذا اس کی رعایت ضروری ہے، علاوہ ازیں فرد کی دو قسمیں ہیں، فرد حقیقی اور وہ ادنیٰ جنس ہے اور فرد حکمی اور وہ جمیع جنس ہے، پس ان میں سے جس کی بھی نیت کر لے گا تو اس کی نیت صحیح ہوگی، اس لیے کہ لفظ اس کا احتمال رکھتا ہے، اور ثنیہ اس طرح کا نہیں ہے لہذا دو کی نیت معتبر نہ ہوگی، البتہ اگر عورت باندی ہو تو دو کی نیت صحیح ہے اس لیے کہ دو طلاق باندی کے حق میں جمیع جنس ہے جیسے کہ تین حرہ کے حق میں جمیع جنس ہے۔

وإن اضاف الطلاق إلى جعلتها الخ: اگر طلاق دہندہ نے طلاق کی نسبت عورت کے کل کی طرف کی بایں طور کہ کہا انت طالق یا ایسے جزء کی طرف کی جس سے کل کی تعبیر ہوتی ہے جیسے رقبہ گردن، گلا، روح، بدن، شرمگاہ وغیرہ یا کسی جزء غیر معین کی طرف کی جیسے نصف ثلث وغیرہ تو ان تینوں صورتوں میں طلاق واقع ہو جائے گی، اس لیے کہ اس نے طلاق کی نسبت اس کے محل کی طرح کیا، بہر حال جب اس نے طلاق منسوب کیا کل عورت کی طرف بایں طور کہ اس نے کہا انت طالق تو انتساب الی محل ظاہر ہے، اس لیے کہ کلمہ انت ضمیر مخاطبہ ہے، اسی طرح روح، بدن، جسد وغیرہ کہ ذکر یہ اعضاء ہوتے ہیں اور مراد کل عورت ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فظلت اعناقہم لہا خاضعین پس مراد اعناق سے ان کی ذات ہے ایسے ہی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فتحریر رقبۃ پس رقبہ سے مراد رقیق کی ذات ہے اور رہی بات جزء شائع کی تو یہ تمام تصرفات کا محل ہے، تو اسی طرح طلاق کا بھی محل ہوگا، مگر یہ کہ حق طلاق میں تقسیم اور تجزی نہیں ہوتی، پس طلاق کل میں ثابت ہوگی، بخلاف بیع کے، اس لیے کہ نفس اس کے حق میں تجزی ہوتی ہے، لہذا وہ جزء مضاف الیہ پر حاجت الی التعدی کے نہ ہونے کی وجہ سے منحصر رہے گا۔

والی الید والرجل الخ: اور اگر طلاق کی نسبت ہاتھ کی طرف کیا بایں طور کہ کہا یدک طالق یا پیر کی طرف کیا اور رجلك طالق کہا یا دبر کی طرف نسبت کیا اور کہا دبرک طالق تو طلاق نہ واقع ہوگی، اس لیے کہ ان اعضاء بدن سے کل کی تعبیر نہیں ہوتی، امام زقر اور امام شافعی کے نزدیک جزء معین غیر شائع کی طرف نسبت کرنے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے، کیوں کہ عقد نکاح کے ذریعہ اس جزء سے بھی فائدہ حاصل ہوتا ہے، پس وہ محل نکاح ہونے کی وجہ سے محل طلاق ہوگا اور اس جزء میں حکم طلاق ثابت ہونے کے بعد کل میں سرایت کر جائے گا، ہم یہ کہتے ہیں کہ محل طلاق وہی جزء ہو سکتا ہے جس میں معنی قید متصور ہوں اور اجزاء مذکورہ میں یہ چیز نہیں یہ پس طلاق واقع نہ ہوگی، جیسے بال ناخن وغیرہ کی طرف منسوب کرنے سے طلاق نہیں ہوتی۔

ونصف التطلیقة او ثلثها طلقة: اگر طلاق دینے والے نے کہا انت طالق نصف التطلیقة یا انت طالق ثلث التطلیقة کہا تو ایک طلاق ہوگی اسی طرح ہر جزء شائع میں ایک طلاق واقع ہوگی، کیوں

کہ ان چیزوں کے بعض کا ذکر کہ جن میں تجزی اور تقسیم نہیں ہوتی ایسے ہے جیسے کل کا ذکر کر دیا گیا ہو مائل بالغ کے کلام کو لغو ہونے سے بچانے کے لیے اور محرم کو میح پر غلبہ دیتے ہوئے، حاصل یہ ہے کہ طلاق میں تجزی چوں کہ نہیں ہوتی اس لیے پوری ایک طلاق واقع ہوگی۔

اور جب اس نے انت طالق ثلثة انصاف التطلیقتین کہا کہ تجھے دو طلاقوں کے تین نصف طلاق ہے تو تین طلاقیں واقع ہوں گی، کیوں کہ دو طلاقوں کا نصف ایک طلاق ہوتا ہے اور اس نے دو طلاقوں کے تین نصف کو جمع کیا ہے تو لازمی طور پر تین طلاقیں واقع ہوں گی گو مناسب تھا کہ دو طلاقیں واقع ہوں جیسے کہ جب وہ کہتا انت طالق واحدة ونصفا تو دو واقع ہوتیں، اس لیے کہ تطلیقتین کا نصف واحد ایک طلاق ہے، پس نصف واحدة ایک طلاق ہوا تو تین نصف بدلتہ تین طلاقیں ہوں گی۔

ومن واحدة او ما بین واحدة الخ: اور اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا انت طالق واحدة الى النہن تجھے ایک سے دو تک طلاق یا کہا انت طالق ما بین واحدة الى ثنتين تو ایک طلاق واقع ہوگی، اور اگر کہا انت طالق من واحدة الى ثلث تجھے ایک سے تین تک طلاق یا کہا انت طالق ما بین واحدة الى ثلث تو دو طلاقیں واقع ہوں گی، یہ امام ابو حنیفہؒ کی رائے ہے، صاحبینؒ کے نزدیک پہلی صورت میں دو اور دوسری صورت میں تین واقع ہوں گی، امام زفرؒ کے نزدیک صرف دوسری صورت میں ایک طلاق واقع ہوگی کیوں کہ زفرؒ کے نزدیک دونوں غایتیں ابتداء اور انتہاء داخل نہیں ہوتی، مثلاً کوئی یوں کہے بعث منک من هذا الحائط الى هذا الحائط تو دونوں دیواریں بیچ میں داخل نہیں ہوتیں، صاحبینؒ یہ فرماتے ہیں کہ اس قسم کے کلام سے عرف میں کل ہی مراد ہوتا ہے، کیوں کہ ابتداء غایت اور انتہاء غایت دونوں حکم میں داخل ہوتی ہیں، جیسے کوئی کہے خذ من مالی من درہم الى مائۃ تو اس کا مطلب ہے ایک تا سو سب لے لو، امام صاحبؒ یہ فرماتے ہیں کہ جب کلام میں ایسے دو عدد ذکر کئے جائیں جن کے درمیان میں بھی عدد ہو جیسے ایک سے تین تک کہ اس میں ایک اور تین کے درمیان دو کا عدد ہے تو اس میں اقل سے زائد مراد ہوگا اور اگر ان کے درمیان عدد نہ ہو جیسے ایک سے دو تک تو اس میں اکثر سے کم واقع ہوتا ہے، جیسے کہتے ہیں کہ سنی من ستین الى سبعین میری عمر ساٹھ سال سے زیادہ اور ستر سے کم ہے بالفاظ دیگر ابتداء غایت حکم میں داخل ہوتی ہے انتہاء غایت نہیں، لہذا پہلی صورت میں ایک طلاق اور دوسری صورت میں دو طلاقیں ہوں گی۔

اور اگر کسی نے اپنی عورت سے کہا انت طالق واحدة فی ثنتين تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگی، خواہ وہ ضرب و حساب کی نیت کرے یا نہ کرے اور اگر ایک اور دو کی نیت کی تو تین طلاقیں واقع ہوں گی، بشرطیکہ عورت مدخول بہا ہو۔

پہلی صورت میں ایک اس لیے واقع ہوگی کہ ضرب مضروب کے اجزاء میں تکثیر کا فائدہ دیتا ہے، اس کے افراد کو نہیں بڑھاتا کیوں کہ طلاق واحد کے اجزاء کی تکثیر خود طلاق واحد کے تعدد کو ثابت نہیں کرتی، پس ہمارے قول واحدة فی ثنتين کے معنی ہوئے واحدة ذو جزأین اور واحدة فی ثلث کا معنی ہوا واحدة ذو اجزاء ثلاثة اور طلاق واحد کو اس کے اجزاء کثیر ہوں وہ ایک سے زائد نہیں ہوتی۔ اور اس لیے بھی کہ مصنف کا قول فی ثنتين حقیقہ ظرف ہے اور یہ اس کے لائق نہیں ہے، لہذا مظرف یعنی ایک واقع ہوگا ظرف یعنی دو واقع نہیں ہوگا۔

امام زفر، مالک، احمد، شافعی رحمہم اللہ کے نزدیک عرف و محاورہ کے حساب سے دو طلاقیں واقع ہوں گی، اور یہی الحسن کا بھی قول ہے۔

دوسری صورت میں تین واقع ہوں گی بشرطیکہ مدخول بہا ہو، اس لیے کہ فی کو واؤ عاطفہ کے معنی میں استعمال کیا ہے، اور اگر عورت مدخول بہا نہ ہو تو صورت مذکور میں ایک ہی طلاق واقع ہوگی وہ ایک سے ہی بانہ ہو جاتی ہے، پس بقیہ دو کے لیے وہ محل ہی نہ رہی۔

اور اگر فی کو مع کے معنی میں استعمال کیا تو تین بیک وقت واقع ہوں گی زوجہ مدخول بہا ہو یا نہ ہو کیوں کہ فی بمعنی مع مستعمل ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد فَاذْخُلِي فِي عِبَادِي یعنی مع عبادی پس جب تین ایک ساتھ واقع ہوں گی تو یہ جیسے مدخول بہا کے حق میں واقع ہوتی ہیں غیر مدخول بہا کے حق میں بھی واقع ہوں گی، کیوں کہ اس پر بیک ساتھ تین واقع ہو سکتی ہیں، البتہ اس پر یکے بعد دیگر تین نہیں واقع ہو سکتی ہیں، کیوں کہ وہ ایک سے ہی بانہ ہو جائے گی۔

اور اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا انت طالق ثنتين فی ثنتين تو وہی واقع ہوں گی خواہ بالکل نیت نہ کرے یا ضرب کی نیت کرے، کیوں کہ پہلے گزر چکا کہ عدد اول کا اعتبار ہوتا ہے، اس میں سابقہ ساری تفصیل مع دلائل سابقہ کے ہے۔

ومن هنا إلى الشام: اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا انت طالق من هنا إلى الشام تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگی، اور امام زفر فرماتے ہیں کہ ایک طلاق بائن واقع ہوگی، اس لیے کہ وصف طلاق طول کے ساتھ ہے، ہماری دلیل یہ ہے کہ وصف طلاق قصر کے ساتھ ہے اس لیے کہ طلاق جب بھی واقع ہوگی تو تمام اماکن میں واقع ہوگی اور نفس طلاق قصر کا احتمال نہیں رکھتا، کیوں کہ وہ جسم نہیں ہے، لہذا اس کا حکم رجعی ہونے کے ساتھ مقصور یعنی منحصر رہا۔

بعض حضرات نے بیان کیا ہے کہ اس کا قول إلى الشام عورت کے لیے ہے طلاق کے لیے نہیں حتیٰ

کہ اگر تطليقة إلى الشام کہہ دیتا تو طلاق بائنہ ہو جاتی۔

وبمكة او في مكة: جب کسی عورت سے اس کے شوہر نے کہا انت طالق بمكة یا انت طالق في مكة یا انت طالق في الدار تو طلاق علی الفور واقع ہو جائے گی، اس لیے کہ طلاق کسی مکان کے ساتھ مخصوص نہیں ہوتا، کیوں کہ طلاق وصف حکمی ہے پس وہ حقیقی کے ساتھ معتبر ہوگا اور اگر اس نے ان اقوال سابقہ سے اذا دخلت مكة مراد لیا تو اس کی تصدیق دیا نہ ہوگی، قضاء نہیں کیوں کہ اضرار، ظاہر کے خلاف ہے لہذا قاضی اس کی تصدیق نہیں کر سکتا۔

اور اگر اس نے انت طالق اذا دخلت مكة کہا تو طلاق دخول مکہ پر معلق ہوگی یعنی جب تک عورت مکہ میں داخل نہ ہوگی طلاق واقع نہ ہوگی، کیوں کہ حقیقت تعلیق پائی جا رہی ہے۔

فصل فی اضافة الطلاق إلى الزمان

یہ فصل زمانہ کی طرف طلاق کی نسبت کے بیان میں

انت طالق غداً أو في غدٍ تُطَلِّقُ عِنْدَ الصُّبْحِ وَبَيْتُ الْعَصْرِ تَصَحُّ فِي الثَّانِي وَفِي الْيَوْمِ غداً أو غداً الْيَوْمَ يُعْتَبَرُ الْأَوَّلُ أَنْتَ طَالِقٌ قَبْلَ أَنْ تَزُوجَ أَوْ أَمْسٍ وَنَكَحَهَا الْيَوْمَ لَغَوٌ وَإِنْ نَكَحَهَا قَبْلَ أَمْسٍ وَقَعَ الْآنَ أَنْتَ طَالِقٌ مَا لَمْ أَطْلِقْ أَوْ مَتَى لَمْ أَطْلِقْ وَسَكَتَ طَلَقْتَ وَفِي إِنْ لَمْ أَطْلِقْ أَوْ إِذَا لَمْ أَطْلِقْ أَوْ إِذَا مَا لَمْ أَطْلِقْ لَا حَتَّى يَمُوتَ أَحَدُهُمَا أَنْتَ طَالِقٌ مَا لَمْ أَطْلِقْ أَنْتَ طَالِقٌ طَلَقْتَ هَذِهِ الطَّلَاقَ أَنْتَ كَذَا يَوْمَ أَنْ تَزُوجَ لَنْ نَكَحَهَا لَيْلًا حَيْثُ بِخِلَافِ الْأَمْرِ بِالْيَدِ أَنَا مِنْكَ طَالِقٌ لَغَوٌ وَإِنْ نَوَى وَتَبَيَّنَ فِي الْبَائِنِ وَالْحَرَامِ أَنْتَ طَالِقٌ وَاحِدَةً أَوْ لَا أَوْ مَعَ مَوْتِي أَوْ مَعَ مَوْتِكَ لَغَوٌ وَلَوْ مَلَكَهَا أَوْ شَقَصَهَا أَوْ مَلَكَتْهُ أَوْ شَقَصَهُ بَطَلَ الْعَقْدُ فَلَوْا اشْتَرَاهَا وَطَلَقَهَا لَمْ يَقَعْ أَنْتَ طَالِقٌ لِنَتَيْنِ مَعَ عِتْقِي مَوْلَاكَ إِيَّاكَ فَاعْتَقَ لَهُ الرُّجْعَةُ وَلَوْ تَعَلَّقَ عِتْقُهَا وَطَلَقْتُهَا بِمَجْئِ الْغَدِ فَجَاءَ الْغَدُ لَا وَعِدْتُهَا ثَلَاثَ حَيْضٍ أَنْتَ طَالِقٌ هَكَذَا وَأَشَارَ بِثَلَاثِ أَصَابِعَ فَهِيَ ثَلَاثُ أَنْتَ طَالِقٌ بَائِنٌ أَوْ الْبَتَّةُ أَوْ أَفْحَشَ الطَّلَاقِ أَوْ طَلَاقِ الشَّيْطَانِ أَوْ الْبِدْعَةِ أَوْ كَالْجَبَلِ أَوْ أَشَدَّ الطَّلَاقِ أَوْ كَالْفِ أَوْ مِلَأَ الْبَيْتِ أَوْ تَطْلِيْقَةً سَتِيْدَةً أَوْ طَوِيلَةً أَوْ عَرِيْضَةً فَهِيَ وَاحِدَةٌ بَائِنَةٌ إِنْ لَمْ يَنْوِ ثَلَاثًا.

ترجمہ: (اگر کسی نے کہا) تو طلاق والی ہے کل یا کل میں تو صبح ہونے پر طلاق واقع ہو جائے

گی، دوسرے لفظ میں عصر کی نیت بھی صحیح ہوتی ہے، اور (ان الفاظ میں) کہ تو طالق ہے آج کل یا کل آج تو پہلے لفظ کا اعتبار ہوگا، تو طالق ہے قبل اس کے کہ میں تجھ سے نکاح کروں یا تو طالق تھی حالاں کہ اس سے آج نکاح کیا ہے (تو یہ) لغو ہے اور اگر نکاح کیا ہو کل گزشتہ سے پیشتر تو اس وقت طلاق پڑے گی اور تو طالق ہے جب تک کہ میں تجھ کو طلاق نہ دوں یا تا وقتیکہ میں تجھ کو طلاق نہ دوں (یہ کہہ کر) خاموش ہو گیا تو طلاق ہو جائے گی اور (ان الفاظ میں) کہ اگر میں تجھ کو طلاق نہ دوں یا جب میں تجھ کو طلاق نہ دوں یا جب تک کہ میں تجھ طلاق نہ دوں تو (طلاق) نہیں واقع ہوگی یہاں تک کہ ان میں سے کوئی مرجائے، تو طالق ہے اس وقت کہ میں تجھ کو طلاق نہ دوں تو طالق ہے تو یہ پچھلی طلاق پڑ جائے گی، تو ایسی ہے جس روز میں تجھ سے نکاح کریں پھر نکاح کیا اس سے رات میں تو حائض ہو جائے گا بخلاف امر بالید کے، میں تجھ سے طالق ہوں لغو ہے گو طلاق کی نیت کرے اور عورت جدا ہو جائے گی لفظ بائن اور لفظ حرام سے، یا تو طالق ہے ایک سے یا نہیں یا میرے یا تیرے مرنے کے ساتھ لغو ہے، اور اگر اس کے کل یا جزء کا مالک ہو گیا یا اس کے کل یا جزء کی مالک ہو گئی تو نکاح باطل ہو جائے گا، پس اگر منکوحہ باندی کو خرید ا پھر طلاق دیا تو طلاق واقع نہ ہوگی، تجھے دو طلاق جوں ہی تیرا آقا تجھے آزاد کرے، پس آقا نے آزاد کر دیا تو اس کو رجعت (کا اختیار) ہے اور اگر آزادی اور دو طلاقیں کل کے آنے پر معلق ہوں اور کل آجائے تو (رجعت) نہیں کر سکتا اور اس کی عدت تین حیض ہوگی، تجھے اتنی طلاق (کہا) اور تین انگلیوں سے اشارہ کیا تو تین (طلاق) ہوں گی، تو طالق ہے بائن یا بتہ یا فحش تر طلاق یا شیطان کی طلاق یا بدعت کی طلاق یا پہاڑ جیسی یا سخت تر طلاق یا مثل ہزار یا گھر بھر کر یا شدید ترین طلاق یا لمبی یا چوڑی تو ان سب میں ایک طلاق بائن ہوگی، اگر تین کی نیت نہ کرے۔

تشریح: اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا انت طالق عداً یا کہا انت طالق فی غد تو طلوع صبح صادق ہوتے ہی طلاق واقع ہو جائے گی، اس لیے کہ عورت کو تمام اوقاتِ عداً طلاق کے ساتھ متصف کیا گیا ہے اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب طلاق اس کے جزء اول میں واقع ہو، اور یہ صبح صادق کا طلوع ہے، امام مالکؒ کے نزدیک علی الفور طلاق کا وقوع ہو جائے گا۔

اور عصر کی نیت دوسری صورت میں صحیح ہے، یعنی اگر شوہر نے انت طالق فی غد کہا اور بولا نویت آخر النہار یعنی میں نے انت طالق فی غد سے غد کا آخری وقت مراد لیا ہے تو یہ دیانۃ اور قضاء دونوں طرح صحیح ہے، جب کہ اگر اس نے انت طالق عداً کہا اور بولا نویت آخر النہار تو قضاء اس کی تصدیق نہیں کی جاسکتی گو دیانۃ اس کی نیت صحیح ہو۔

صاحبین کے نزدیک دونوں صورتوں میں آخر وقت کی نیت کی تصدیق دیانۃ تو ہو سکتی ہے، اور قضاء

دونوں میں نہیں ہوگی اس لیے کہ شوہر نے عورت کو طلاق کے ساتھ تمام اوقات غد میں متصف کیا ہے بعض جب وہ غد کے بعض وقت یعنی آخر وقت کی نیت کرے گا تو بلاشبہ یہ تخصیص فی العام کی نیت ہوگی اور اس میں شوہر پر تخفیف ہے لہذا دونوں صورتوں میں آخر وقت کے تخصیص کی نیت قضاء مصدق نہ ہوگی، کیوں کہ غد ہر صورت ظرف ہے جس میں فی کا ذکر کرنا اور نہ کرنا سب برابر ہے۔

اور امام کا کہنا یہ ہے کہ کلمہ فی ظرف کے لیے ہے اور ظرف استیاب کا تقاضا نہیں کرتا بلکہ جب اس کے کسی بھی جز کو مشغول کر دیا گیا تو یہ کافی ہو جائے گا جیسے کہ بولا جاتا ہے قعدت فی المسجد میں مسجد میں بیٹھا پس اس قول کے صحیح ہونے کے لیے اتنا کافی ہے کہ مسجد کے کسی جز اور گوشہ میں بیٹھا ہو، مسجد کی ہر جگہ بیٹھنا ضروری نہیں ہے، پس جب اس نے بعض کی نیت کی تو اس نے اپنے کلام کی حقیقت کی ہی نیت کی لہذا قضاء تصدیق کی جائے گی، گو تخفیف ہے، بخلاف انت طالق غدا کہ اس میں شوہر نے عورت کو طلاق کے ساتھ جمیع اوقات غد میں متصف کیا ہے اور یہ حقیقت ہے، پس جب اس نے آخر وقت یعنی بعض کی نیت کی تو بلاشبہ اس نے تخصیص فی العام کی نیت کی اور یہ مجاز ہے، لہذا قضاء اس کی تصدیق نہیں کی جاسکتی، جب اس میں شوہر پر تخفیف ہو۔

وفی اليوم غدا او غدا اليوم: اور اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا انت طالق اليوم غدا یا کہا انت طالق غدا اليوم تو ذکر کردہ الفاظ میں پہلے لفظ کا اعتبار ہوگا، لہذا پہلی صورت میں اليوم اور دوسری صورت میں غدا میں واقع ہوگی، اس لیے کہ جب شوہر نے انت طالق اليوم غدا کہا تو اس کا حکم علی الفور ثابت ہو گیا، یعنی اسی وقت طلاق ہو گئی اور جب اس نے انت طالق غدا اليوم کہا تو اس میں طلاق علی الفور نہ ہو کر کل پر معلق ہو گئی، پس جب حکم لفظ اول یعنی اليوم سے پہلی صورت اور غدا سے دوسری صورت میں تجزئاً یا تعلیقاً ثابت ہو گیا تو دوسرے لفظ کے ذکر یعنی غدا سے پہلی صورت میں اور اليوم سے دوسری صورت میں حکم کی تبدیلی نہیں ہوگی، اس لیے کہ مُنْجَزٌ تعلیق کو اور تعلیق تجزئہ کو قبول نہیں کرتی، پس دونوں صورتوں میں دوسرے لفظ کا ذکر لغو ہوگا، لہذا پہلی صورت میں غدا اور دوسری صورت میں اليوم کا ذکر بیکار ہے اور جب ایسا ہے تو صورت اول میں حکم علی الفور نافذ ہوگا اور وہ مطلقہ ہو جائے گی، اور دوسری صورت میں غدا پر معلق ہوگا جب غدا ہوگا تب طلاق واقع ہوگی۔

انت طالق قبل ان اتزوجك الخ: اگر کسی نے اپنی عورت سے کہا انت طالق قبل ان اتزوجك کہ تجھے طلاق قبل ازیں کہ میں تجھ سے نکاح کروں یا کہا انت طالق امس کہ تو کل گزشتہ ہی طلاق والی تھی حالاں کہ اس عورت سے آج نکاح کیا کل گزشتہ نکاح ہی اس عورت سے نہیں ہوا تھا تو یہ کلام لغو

ہے، کیوں کہ اس نے طلاق کو ایسے وقت کی طرف منسوب کیا ہے جس میں وہ طلاق کا مالک نہیں ہے، اس واسطے کہ طلاق کا مالک نکاح کے بعد ہوتا ہے نہ کہ نکاح سے پہلے، ہاں اگر گزشتہ برسوں نکاح کر چکا ہو تو اس وقت طلاق ہو جائے گی، کیوں کہ اس کے کلام کی تصحیح بصورت اخبار ناممکن ہے، لامحالہ انشاء قرار دیا جائے گا اور انشاء فی الماضي انشاء فی الحال ہوتا ہے، ماحصل یہ کہ اس صورت میں فوراً طلاق واقع ہو جائے گی کیوں کہ مطلق نے طلاق ایسی حالت کی طرف منسوب نہیں کی جو اس کی طلاق دینے کی حالت کے منافی ہو۔

انت طالق مالک اطلقک الخ: اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا انت طالق مالک اطلقک یعنی تجھ کو طلاق جب میں تجھے طلاق نہ دوں یا کہا انت طالق متی لم اطلقک جب تک تجھے طلاق نہ دوں تو تجھے طلاق یا کہا انت طالق متی مالک اطلقک تا وقتیکہ طلاق نہ دوں تجھے طلاق یہ کہا اور خاموش ہو گیا تو طلاق واقع ہو جائے گی، کیوں کہ شوہر نے ان تمام صورتوں میں طلاق کو ایسے زمانہ کی طرف منسوب کیا ہے جو تطلق سے خالی ہو اور ایسا زمانہ خاموش ہونے پر پایا گیا کہ جو تطلق سے خالی ہے لہذا طلاق پڑ جائے گی۔

وفی ان لم اطلقک الخ: اور اگر آدمی نے اپنی بیوی سے کہا انت طالق ان لم اطلقک یا کہا انت طالق اذا لم اطلقک یا کہا انت طالق اذا مالک اطلقک تو طلاق نہ واقع ہوگی تا وقتیکہ میاں بیوی میں سے کوئی مرنہ جائے، جب کوئی مرجائے گا تو طلاق پڑ جائے گی، اس لیے کہ ان کا کلمہ حقیقہ شرط کے لیے ہے اور شوہر نے طلاق کو عدم فعل یعنی طلاق نہ دینے پر معلق کیا ہے اور شوہر کا طلاق نہ دینا وقوع طلاق سے مایوسی کے ساتھ ہوگا، اور یہ بات کسی کی موت سے ہی کنفرم ہوتی ہے، لہذا طلاق کا وقوع مرد یا عورت کے زندگی کے آخری لمحوں میں ہوگا، یعنی مرنے والے کی زندگی کے آخری ساعتوں میں اور ایسا اس لیے کہ اس وقت قسم کے پورا ہونے کے امکان ختم ہو جاتے ہیں، پس وہ حائث ہو جائے گا۔

یہی بات انت طالق اذا مالک اطلقک اور انت طالق اذا مالک اطلقک میں پائی جاتی ہے، یہ رائے امام ابو حنیفہؒ کی ہے، صاحبینؒ کے نزدیک اذا لم اطلقک اور اذا مالک اطلقک میں خاموش ہوتے ہی طلاق پڑ جائے گی، اس لیے کہ کلمہ اذا اور اذا ما وقت کے لیے ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ جس وقت سورج بے نور ہو جائے گا پس اذا وقت کے لیے ہے لہذا اذا مالک اطلقک اور اذا مالک اطلقک، متی لم اطلقک اور متی مالک اطلقک کے حکم میں ہوا، پس خاموش ہوتے ہی طلاق واقع ہو جائے گی۔

امام ابو حنیفہؒ کا کہنا یہ ہے کہ یہ بات صحیح ہے کہ اذا وقت کے لیے ہے لیکن شرط کے لیے بھی مستعمل ہے، پس اذا وقت اور شرط دونوں معنوں میں مشترک ہوا پس شوہر کے قول اذا لم اطلقک میں اگر اذا بمعنی

وقت ہو تو فوراً طلاق واقع ہو جائے گی، اور اگر بمعنی شرط ہو تو آخر عمر میں طلاق واقع ہوگی، پس فی الحال طلاق کے واقع ہونے میں شک پیدا ہو گیا، اور طلاق شک سے واقع نہیں ہوا کرتی ہے۔

انت طالق مالم اُطْلِقْ انت طالق: اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا انت طالق مالم اُطْلِقْ انت طالق یعنی انت طالق مالم اُطْلِقْ کہنے کے بعد مطلقاً انت طالق پھر کہہ دیا تو عورت کو دوسری والی طلاق علی الفور پڑ جائے گی، اور امام زفرؒ کہتے ہیں کہ مدخل بہا ہونے کی صورت میں بہر دو صورت دو طلاقیں واقع ہوں گی، خواہ شوہر نے انت طالق مالم اُطْلِقْ کے بعد مطلقاً انت طالق کہا ہو یا سکوت کے بعد کہا ہو یہی قیاس کا بھی تقاضا ہے اس لیے کہ شوہر نے طلاق کو ایسے زمانے کی طرف منسوب کیا جو تطلق سے خالی ہو اور ایسا زمانہ گوتھوڑا ہو پایا گیا اور وہ ہے انت طالق کا زمانہ اس کے تکلم سے فارغ ہونے سے پہلے۔

اور وجہ استحسان یہ ہے کہ زمانہ بر یعنی حائض ہونے سے بری ہونے کا زمانہ یمن میں داخل نہیں ہے اس لیے کہ بر یعنی قسم پوری کرنا ہی مقصود بہ ہے، مگر یہ کہ اس کی تحقیق اس قدر کے یمن سے نکالے بغیر ممکن نہیں۔ اصل اختلاف اس شخص کے بارے میں ہے جس نے قسم کھائی کہ وہ کپڑا نہیں پہنے گا حالاں کہ وہ کپڑا پہنے ہوئے ہے پس جب وہ علی الفور قسم کے بعد کپڑا اتار ڈالے تو امام اعظمؒ اور صاحبینؒ کے نزدیک حائض نہیں ہوگا اور امام زفرؒ کے نزدیک حائض ہو جائے گا۔ تفصیل مذکور ہو چکی۔

انت کذا یوم اتزو جک الخ: اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا انت کذا یعنی طالق جس دن کہ میں تجھ سے نکاح کروں پس اس نے رات میں نکاح کیا تو حائض ہو جائے گا یعنی طلاق واقع ہو جائے گی اس لیے کہ مراد یہاں یوم سے وقت ہے جو دن اور رات سب کو شامل ہے، بخلاف اس کے کہ وہ اپنی بیوی سے کہتا امرک بیدک یوم یقدم زید یعنی تیرا معاملہ تیرے اختیار و قبضہ میں ہے جس دن کی زید آئے، پس وہ بجائے دن میں آنے کے رات میں آیا تو حائض نہ ہوگا اور امیر عورت اس کے ہاتھ میں نہ ہوگا الا یہ کہ وہ دن میں آئے کیوں کہ یہاں یوم سے مراد دن کا اجالا ہے پس جب زید دن میں آتا تو عورت کو اختیار ہوتا ہے۔

وجہ فرق یہ ہے کہ یوم دو معنوں پر بولا جاتا ہے ایک تو نہار اور وہ ہے صبح صادق کے طلوع سے جرم شمس کے غروب تک شرعاً اور جرم شمس کے طلوع سے اس کے غروب تک عرفاً اور یہ اس کے حقیقی معنی ہیں اور دوسرے معنی ہیں مطلق وقت اور یہ معنی مجازی ہیں اور یوم کا اطلاق دونوں معنوں میں شائع اور رائج ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ومن یولہم یومئذ دبرہ میں یوم مطلق وقت کے معنی میں ہے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد وَإِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ میں یوم نہار یعنی دن کے معنی میں ہے، پس جب یوم کا استعمال دونوں معنوں میں عام ہے تو ایک ضابطہ ضروری ہے کہ جس کی وجہ سے دونوں معنی ایک دوسرے سے

متاز ہو جائیں پس اب ہم کہتے ہیں کہ اگر یوم سے کوئی فعل متصل ہے تو اس سے بیاض النہار یعنی دن مراد ہوگا اور مہمد سے مراد ہے وہ فعل جو تاقیت کو قبول کرتا ہو یعنی اس کے لیے بیان مدت صحیح ہو جیسے الامر بالبد اور جب اس سے ایسا فعل متصل ہو جو غیر مہمد ہو یعنی جو تاقیت کو قبول نہ کرتا ہو اور بیان مدت اس کے لیے صحیح نہ ہو جیسے طلاق اور تزویج تو اس سے مطلق وقت مراد ہوتا ہے، پس انت طالق یوم التزوج جک میں الیوم سے مطلق وقت مراد ہے کیوں کہ اس کی اضافت فعل غیر مہمد کی طرف ہے اور وہ تزویج ہے پس حانث ہو جائے گا اگر رات میں نکاح کیا اور امرک بیدک یوم یقدم زید میں یوم سے مراد دن ہے، لہذا رات میں آنے پر حانث نہ ہوگا، اور عورت کو اختیار نہ ہوگا کیوں کہ یوم کی اضافت فعل مہمد کی طرف ہے اور وہ ہے قدم اس لیے کہ قدم سیر سے ہوتا ہے اور وہ مہمد ہے البتہ اگر زید دن میں آئے تو شوہر حانث ہو جائے گا اور عورت با اختیار ہو جائے گی۔

انا منک طالق لغو: اگر کسی نے اپنی بیوی سے انا منک طالق کہا تو یہ کہنا لغو ہوگا اور طلاق نہ واقع ہوگی، گو وہ طلاق کی نیت کرے امام شافعی مالک اور احمد کے نزدیک اگر شوہر طلاق کی نیت کرتا ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی، اس لیے کہ ملک نکاح زوجین کے مابین مشترک ہے، چنانچہ عورت کو وطی کے مطالبہ کا اختیار ہوتا ہے، جیسا کہ شوہر کو اس کے مطالبہ کی ملکیت ہوتی ہے، اور طلاق وضع ہوئی ہے ملک نکاح کے ازالہ کے لیے لہذا طلاق شوہر کی طرف مضاف ہو کر ایسے ہی صحیح ہوگی جیسے کہ عورت کی طرف مضاف اور منسوب ہو کر درست ہوتی ہے۔

ہمارا کہنا یہ ہے کہ طلاق کی مشروعیت ازالہ قید کے لیے ہے، اور قید عورت پر ہے نہ کہ مرد پر اس لیے کہ عورت ہی ممنوعۃ التزوج ہوتی ہے۔

وتبن فی البائن الخ: اگر عورت سے شوہر نے کہا انا منک بائن یا کہا انا علیک حرام اور طلاق کی نیت کی تو وہ بائن ہو جائے گی اس لیے کہ ابانت اور تحریم اس تعلق اور جوڑ کے ختم کرنے کے لیے ہیں جو کہ میاں بیوی کے درمیان مشترک ہے، یہ تب ہے جب حرمت کی اضافت عورت کی طرف کی اور اگر شوہر نے انا بائن کہا، منک نہیں کہا اسی طرح انا حرام کہا علیک نہیں کہا تو طلاق نہ واقع ہوگی گو طلاق کی نیت کرے اس لیے کہ ہو سکتا ہے اس کی کوئی اور دوسری بیوی ہو پس وہاں اس کو اس سے مراد لے رہا ہو۔

انت طالق واحده الخ: اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا انت طالق واحده أو لا تو طالق ہے ایک سے یا نہیں یا شوہر نے کہا انت طالق مع موتی یا کہا انت طالق مع موتک تو یہ تینوں صورتیں لغو ہیں اور ان میں طلاق نہیں واقع ہوگی، یہ رائے امام ابو حنیفہ اور ایک قول کے مطابق امام ابو یوسف کی ہے اور

امام محمدؒ کے نزدیک پہلی صورت میں طلاق واقع ہو جائے گی اور یہی امام ابو یوسفؒ کا دوسرا قول ہے اس لیے کہ واحدہ میں شک داخل ہو گیا کلمہ اَوْ کے واحدہ اور حرف نفی کے درمیان دخول کی وجہ سے لہذا واحدہ کا اعتبار ساقط ہو گیا اور اس کا قول انت طالق بجا، بخلاف اس کے قول انت طالق اَوْ لَا بغیر لفظ واحدہ کے کہ اس صورت میں امام محمدؒ کے نزدیک بھی طلاق نہ ہوگی کیوں کہ شک اصل ایقاع میں واقع ہو گیا، لہذا کچھ بھی واقع نہ ہوگا، اور شیخینؒ کی دلیلیں یہ ہے کہ وصف جب عدد کو مقرون ہو تو وقوع ذکر عدد کے بعد ہوتا ہے اس کی تائید اس امر سے ہوتی ہے کہ اگر کسی نے غیر مدخول بہا سے انت طالق ثلاثا کہا تو اس کو تینوں طلاقیں پڑ جائیں گی اور اگر وقوع وصف کے ساتھ ہو تو ثلاثا کا ذکر لغو اور عبث ہو جائے گا، پس یہ بات ثابت ہوگئی کہ حقیقت میں واقع منعوت ہے جو کہ محذوف ہے اور انت طالق کے معنی تطلیقہ واحدہ ہیں لہذا جب واقع منعوت بالعدد ہے اور شک ایقاع میں داخل ہو گیا ہے تو بر بنائے شک کچھ بھی واقع نہ ہوگا۔

اور دوسری صورت انت طالق مع موتی اور تیسری صورت انت طالق مع موتک میں بالاتفاق طلاق واقع نہ ہوگی، اس لیے کہ شوہر نے طلاق کو ایسی حالت کی طرف منسوب کیا ہے جو طلاق کی حالت کے منافی ہے اس لیے کہ شوہر کی موت اہلیت طلاق کے منافی ہے اور عورت کی موت محلیت طلاق کے منافی ہے، جب کہ وقوع طلاق کے لیے اہلیت اور محلیت دونوں ضروری ہیں تاکہ تصرف کا جواز ثابت ہو۔

ولو ملکھا اور شقصھا الخ: اگر شوہر اپنی بیوی یا اس کے کسی جزء کا مالک ہو گیا یا اس طور کہ وہ کسی کی باندی تھی پس اس نے اپنی بیوی کو اس کے مولیٰ سے خرید لیا یا اس نے بہہ کر دیا یا اسے وراثت میں مل گئی یا عورت اپنے شوہر کی مالک ہوگئی یا اس کے کسی جزء کی بایں طور کہ شوہر کسی کا غلام تھا پس عورت نے مالک سے شوہر کو خرید لیا یا بہہ کر دیا یا وراثت میں عورت کے آگیا تو عقد ان دونوں صورتوں میں باطل ہو جائے گا، بہر حال پہلی صورت میں یعنی جب شوہر بیوی کا مالک ہو تو اس لیے کہ حرہ پر اثبات ملک بقائے نسل کی ضرورت کی وجہ سے ہے پس ملک نکاح بر بنائے ضرورت ہوئی اور یہ ضرورت ملکہ یمین کے قیام سے پوری ہوگئی، جو کہ ملک نکاح سے زیادہ طاقتور ہے کیوں کہ عورت کی حلت مالک رقبہ ہونے کے ساتھ بلا نکاح ہو جاتی ہے پس نکاح کی ضرورت ہی کیا ہے۔

اور دوسری صورت میں یعنی جب عورت شوہر کی مالک ہو تو نکاح اس لیے باطل ہوگا کہ نکاح کی مشروعیت مصالح انسانی کی تنظیم کے لیے ہے، اور مصالح کی تنظیم شخص واحد میں مالکیت اور مملوکیت کے اجتماع کی صورت میں ممکن نہیں اس لیے کہ وہ بحیثیت شوہر مالک ہوگا اور بحیثیت بیوی کے غلام ہونے مملوک ہوگا پس متضاد حیثیتوں کی وجہ سے متضاد تقاضے ہوں گے جن کا نبھاؤ غیر ممکن ہے پس مصالح نکاح کا قیام ناممکن ہے۔

فلو اشتراها وطلقها لم يقع: اگر آدمی نے یعنی شوہر نے اپنی منکوحہ کو خریداجو کسی کی باندی تھی اور طلاق دے دیا تو طلاق واقع نہ ہوگی خواہ اس منکوحہ باندی سے وطی ہوئی ہو یا غیر مدخول بہا ہو اس لیے کہ ان میاں بیوی کے درمیان فرقت تو ملک رقبہ یعنی شوہر کے مالک ہونے کی وجہ سے ہی ہوگئی اور نکاح ختم ہو گیا، جب کہ طلاق قیام نکاح کا تقاضا کرتا ہے اور نکاح یہاں پہلے سے ختم ہو چکا ہے پس جب نکاح نہیں تو پھر طلاق بھی نہیں۔

اسی طرح اگر عورت شوہر کی مالک ہو جائے خواہ پورے کی یا اس کے کسی جزء کی پھر شوہر طلاق دے تو بھی طلاق واقع نہ ہوگی، شیخین کے نزدیک البتہ امام محمد کے نزدیک اس صورت میں طلاق واقع ہو جائے گی، اس لیے کہ صورت مذکورہ میں بالاتفاق عدت واجب ہوگی، اور عدت میں من وجہ نکاح باقی ہوتا ہے، اور وقوع طلاق کے لیے من وجہ بقائے نکاح کافی ہے من کل الوجہ بقا ضروری نہیں ہے، بخلاف اس کے کہ جب شوہر عورت کا کلا یا بعض مالک ہو تو طلاق نہ ہوگی کیوں کہ اس صورت میں عدت نہیں ہوتی اور وطی حلال ہوتی ہے، ہمارا کہنا یہ ہے کہ عدت یہاں پر بھی واجب ہے حتیٰ کہ شوہر مالک کے لیے درست نہیں ہے کہ وہ مملوکہ بیوی کا نکاح کسی دوسرے سے کر دے بغیر انقضاء عدت کے اور اگر شوہر مالک مملوکہ بیوی کو آزاد کرے تو عدت ظاہر ہوگی کہ وہ کسی دوسرے سے نکاح بغیر انقضاء کے عدت نہیں کر سکتی، اور عدت ظاہر نہیں ہوتی مسئلہ مذکور بالا میں بلحاظ مالک شوہر کے اس لیے کہ اس کے لیے وطی اس سے ملک یمین یعنی مالک رقبہ ہونے کی وجہ سے حلال ہے پس یہ بات عیاں ہوگئی کہ امام محمد کا دونوں صورتوں میں فرق درست نہیں ہے۔

انت طالق ثنتين مع عتي مولاك اياك الخ: ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا جو دوسرے کی باندی اور کنیر ہے انت طالق ثنتين مع عتي مولاك اياك یعنی تجھے دو طلاق تجھے تیرے مولیٰ کے آزاد کرنے کے ساتھ پس اس کے آقائے باندی کو آزاد کر دیا تو دو طلاقیں پڑ جائیں گی اور شوہر کو رجعت کا حق ہوگا اس لیے کہ شوہر کی طلاق حرہ کی ہوئی اور حرہ پر دو طلاقیں سے حرمت غلیظہ نہیں واقع ہوا کرتی بلکہ تین سے وہ حرمت غلیظہ کے ساتھ حرام ہوتی ہے، اب یہ مسئلہ کہ شوہر کی طلاق حرہ کو کیسے ہوئی ہے تو ایسا اس لیے ہے کہ مع عتي مولاك معنی میں اعتاق مولاك ہے اس لیے کہ عتي کبھی متعدی ہو کر مستعمل ہوتا ہے پھر جب کہ مولیٰ کا اعتاق اور تطلق کے لیے شرط ہے تو ضروری ہے کہ اعتاق مولیٰ شرط پر مقدم ہو، پس عتي وقوع طلاق پر مقدم ہوگا لہذا طلاق اس حال میں واقع ہوگی کہ باندی حرہ ہو چکی ہوگی پس اس کی طلاق بجائے دو ہونے کے تین ہو جائے گی، لہذا شوہر کو حق رجعت ہو جائے گا، کیوں کہ حرہ میں حق رجعت دو تک رہتا ہے۔

ایک اعتراض سمجھ لیں کہ اگر کوئی کہے کہ صاحب انت طالق ثنتين مع عتي مولاك اياك میں مع

قرآن اور اتصال کے لیے ہے لہذا حق اور طلاق کا وقوع ایک ساتھ ہونا مناسب معلوم ہوتا ہے، پس یہ کیسے تصور ہو کہ بیوی حرمت غلیظہ کے ساتھ حرام نہ ہو کر شوہر کے لیے رجعت کی مجاہدیں باقی رہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ کلمہ مع جس طرح اتصال کے لیے ہوتا ہے اسی طرح معنی تاخیر کے لیے بھی مستعمل ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا** پس یہاں مع تاخیر کے معنی میں ہے یعنی تنگی کے بعد آسانی ہوتی ہے، اتصال کے معنی میں نہیں ہے، کیوں کہ عسر اور یسر دو متضاد امر ہیں جو دونوں جمع نہیں ہو سکتے، پس اسی طرح مع حق مولاک میں بھی مع تاخیر کے لیے ہے لہذا اطلاق اور حق دونوں ایک ساتھ نہ واقع ہو کر حق کے بعد طلاق واقع ہوگی پس باندی بیوی کی تعدد اطلاق آزاد ہوتے ہی دو کے بجائے تین ہو جائیں گی۔

ولو تعلق عتقها و طلقها بمعجى الغد الخ: اگر باندی کا حق اور اس کی طلاق دونوں باتیں کل آئندہ کے آنے پر معلق ہیں مثلاً منکوحہ باندی کہ اس کے آقا نے کہا فاعتقی ان جاء الغد کہ کل اگر آجائے تو تو آزاد ہے اور اتفاق سے اس کے شوہر نے بھی اسی دن اس سے کہا انت طالق فستين ان جاء الغد کہ تجھے دو طلاق اگر کل آجائے، پس کل آگیا تو منکوحہ باندی آزاد بھی ہو جائے گی اور مطلقہ معتقلہ بھی ہو جائے گی اور شوہر کو صورت مذکورہ میں حق رجعت تشخیص کے نزدیک نہیں ہوگا، جب کہ امام محمدؒ کے نزدیک صورت سابقہ کی طرح حق رجعت شوہر کو حاصل ہوگا، اس لیے کہ حق اور طلاق جب دونوں شرط واحد یعنی معجى الغد پر معلق ہیں اور حق، طلاق کے مقابلہ میں وقوع میں اسرغ ہے، کیوں کہ وہ حالت اصلہ کی طرف لوٹ رہی ہوتی ہے، اور یہ شرعاً امر مستحسن اور مندوب ہے، بخلاف طلاق کے کہ وہ انقض المباحات ہے اور پسندیدہ اور مرغوب نہیں ہے، پس واجب ہے کہ عورت مطلقہ حریت کے زمانہ نزول میں ہو، پس طلاق اچانک عورت سے آٹے گی جب کہ عورت آزاد ہو چکی ہوگی لہذا یہ منکوحہ باندی دو طلاقوں سے حرمت غلیظہ کے ساتھ حرام نہ ہوگی جیسا کہ مسئلہ سابقہ میں ہے بلکہ باندی حریت کے طلاق پر کسی درجہ میں مقدم ہونے کی وجہ سے تین طلاقوں کی مالک ہوگی، لہذا شوہر کو حق رجعت ہوگا، یعنی کہ اس کا معتقہ ہونا مطلقہ ہونے پر کچھ نہ کچھ سابق ہے پس اس کے طلاق کی آخری حد، دو نہیں بلکہ تین ہوگئی، تشخیص کی دلیل یہ ہے کہ شوہر نے طلاق اسی چیز پر معلق کیا ہے جس پر آقا نے معلق کیا تھا پس جب طلاق و حق دونوں شی واحد پر معلق ہیں تو حق کا عورت سے مصادفت یعنی اچانک ملنا باندی ہونے کی حالت میں ہوگا پس اسی طرح طلاق کا بھی یعنی حق و طلاق دونوں منکوحہ باندی پر حالت اقلیت میں ہی واقع ہوں گے لہذا وہ حرمت غلیظہ کے ساتھ دو طلاقوں کی وجہ سے حرام ہوگی، کیوں کہ ثبوت حق کا زمانہ لازم و معنی ہے جو ثبوت طلاق کا زمانہ ہے، کیوں کہ دونوں واحد پر معلق ہیں، بخلاف مسئلہ سابق کے کہ اس میں تطلق کو اعتراف مولیٰ پر معلق کیا ہے پس تطلق حق

کے بعد ہوگی اور یہاں دونوں ایک ساتھ ہیں۔

وعدتها ثلث حیض: اور عورت کی عدت احتیاطاً دونوں صورتوں میں تین حیض ہوگی اور اگر صورت مذکورہ میں شوہر بیمار ہو بشرطیکہ شوہر کو آقا کی تعلیق کا علم نہ ہو تو عورت شوہر کے مرنے پر شوہر کے متروکات سے وراثت نہیں پائے گی، اس لیے کہ جب اس نے الفاظ طلاق منہ سے نکالے تو عورت کے لیے بوقت، تکلم بالطلاق یعنی طلاق کے بول بولنے کے وقت ارث کی اہلیت نہیں تھی، پس عورت کے شوہر کا وارث ہونے کی شرط نہیں پائی گئی اور وہ ہے قصد الفرار یعنی عورت کو محروم میراث کرنے کی سازش اور حیلہ بہر حال جب شوہر کو معلوم ہو کہ آقا نے بیوی کے عتق کو کل کے آنے پر معلق کر دیا ہے اب شوہر مرض الوفا میں ہوتے ہوئے عورت کی تعلیق کو بھی اس شرط حریت پر معلق کر دے تو عورت وارث ہوگی کیوں کہ شوہر نے اس عمل سے عورت کو اس تعلیق بالطلاق کے ذریعہ اپنی میراث سے محروم کرنا چاہا ہے۔

انت طالق ہکذا و اشار بثلث اصابع الخ: اگر کسی نے اپنی بیوی سے انت طالق ہکذا کہا کہ تجھے اتنی طلاق اور تین انگلیوں سے اشارہ کیا تو تین طلاقیں ہوں گی اور اگر انگلیوں سے اشارہ تو کرتا لیکن ہکذا نہیں کہتا تو ایک واقعہ ہوتی، ایسا اس لیے ہے کہ اشارہ بالا صابع یعنی انگلیوں سے اشارہ کرنا علم بالعدد عرفاً و شرعاً کا فائدہ دیتا ہے، بشرطیکہ وہ اسم مبہم کے ساتھ متصل ہو، جیسا کہ حدیث میں ہے نبی..... نے ارشاد فرمایا الشهر ہکذا و ہکذا و ہکذا و اشار باصابعه العشرة یعنی ثلاثین یوما یعنی آپ..... نے الشهر ہکذا ہکذا ہکذا فرمایا اور ہر ہکذا کے ساتھ دست مبارک کی دس انگلیوں سے اشارہ فرمایا مطلب مہینہ تیس یوم کا ہوتا ہے، ثم قال الشهر ہکذا و ہکذا و ہکذا و خمس ابہامہ فی الثالثة یعنی تسعة وعشورین یوما یعنی پہلے ارشاد کے بعد پھر فرمایا کہ الشهر ہکذا و ہکذا او ہکذا اور ہر ہکذا کے ساتھ دسوں انگلیوں سے اشارہ فرمایا البتہ تیسری بار ہکذا ارشاد فرماتے ہوئے انگوٹھے کو ملا لیا یعنی مہینہ انتیس دن کا ہوتا ہے مطلب ماہ کبھی تیس اور کبھی انتیس یوم کا ہوتا ہے۔

امر متدل بہ یہ ہے کہ دیکھو حدیث پاک میں اشارہ انگلیوں کا اسم مبہم کے ساتھ ملا ہوا ہے اور مہینہ کے عدد کا فائدہ دے رہا ہے، پس اسی طرح اگر شوہر انت طالق ہکذا کہہ رہا ہے اور تین انگلی سے اشارہ کر رہا ہے تو یہ اشارہ عدد کے علم کا فائدہ دے رہا ہے، لہذا طلاقیں تین واقع ہوں گی کیوں کہ انگلیوں کا اشارہ ہکذا اسم مبہم کے ساتھ مقرون ہو رہا ہے، پس اگر وہ ایک انگلی سے اشارہ کرتا تو ایک طلاق واقع ہوتی اور اگر دو انگلیوں سے صورت مذکورہ میں اشارہ کرتا تو دو واقع ہوتیں، اور جب ہکذا کے بغیر انت طالق کہے اور انگلیوں سے اشارہ کرے تو صرف ایک واقع ہوگی کیوں کہ اس صورت میں اسم مبہم کے ساتھ انگلیوں کے اشارہ

کا اتصال نہیں ہے لہذا یہ علم بالعدد کا فائدہ نہیں دے گا۔

انت طالق بائن او البتہ الخ: اگر کسی نے اپنی بیوی سے انت طالق بائن کہایا البتہ طالق البتہ کہایا انت طالق الفحش الطلاق کہایا انت طالق طلاق الشیطان کہایا البتہ طالق ملا البتہ کہایا انت طالق تطلیقہ شدیدہ کہایا انت طالق تطلیقہ طویلہ کہایا انت طالق تطلیقہ عریضہ کہاتو ان تمام صورتوں میں چاہے دخول عورت کے ساتھ ہو چکا ہو یا نہ ہو اس نے مادون الطلاق کی نیت کی یا نہیں کی ایک بائن واقع ہوگی، بشرطیکہ تین طلاقوں کی نیت نہ کی ہو، کیوں کہ اگر وہ تین طلاقوں کی نیت کر لیتا ہے تو پھر اتنی ہی طلاقیں واقع ہوں گی جتنی کی اس نے نیت کی ایسا اس لیے ہے کہ بینونہ کی بھی انواع ہیں غلیظہ اور خفیفہ پس جس طرح کی بینونت کی شوہر نیت کر لیتا ہے وہ نیت صحیح ہوگی، اور اگر وہ کسی قسم کی نیت نہیں کرتا تو ادنیٰ قسم بالیقین ثابت ہوگی اس لیے کہ اس کا وصف ایسی چیز کے ساتھ ہے جو اس کا احتمال رکھتا ہے، لہذا اس کے دو محتملوں میں سے ایک کے لیے تعین ہے، پس وہ صحیح ہوگا اور اس پر اس کا موجب مرتب ہوگا۔

لیکن تین طلاقوں کی نیت کا اعتبار اخیر کے تین کلموں کے ماسوا کی صورت میں ہوگا وہ تین یہ ہیں البتہ طالق تطلیقہ شدیدہ اور انت طالق تطلیقہ طویلہ اور انت طالق تطلیقہ عریضہ ان تینوں کلموں کے ساتھ تین طلاقوں کی نیت صحیح نہیں کیوں کہ یہ کلمات تین طلاقوں کا احتمال نہیں رکھتے جب کہ نیت ثلاث محتمل میں صحیح ہوتی ہے اور تطلیقہ کی تمام مدورۃ وحدۃ کے لیے موضوع ہے پس ان کلمات ثلاثہ کے ذریعہ تین کی نیت صحیح نہیں ہے، یہ ساری تفصیل امام ابو حنیفہؒ کی رائے کے مطابق ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک ان تمام فصول میں اگر بیوی مدخول بہا ہے تو ایک بائنہ کے بجائے ایک رجعی طلاق واقع ہوگی اس لیے کہ طلاق مشروع ہوئی ہے معقباً للرجعة پس طلاق کا وصف بینونہ کے ساتھ خلاف مشروع ہے پس یہ لغو ہوگا یا یوں کہئے کہ رجعت دخول کے بعد حکم طلاق ہے پس وہ اس کی تبدیلی کا بینونت وصف لا کر مالک نہیں ہوگا، جیسا کہ اگر شوہر بیوی سے کہتا انت طالق علی النی لا رجعة لی علیک تو باوجود اس کہنے کے مدخول بہا پر طلاق رجعی ہی واقع ہوگی پس اسی طرح مسئلہ سابق میں بھی اور ہمارا کہنا یہ ہے کہ وصف طلاق اس چیز کے ساتھ ہے جس کا لفظ طلاق احتمال رکھتا ہو اور وہ ہے بینونت کیا تم نہیں دیکھتے کہ دخول سے پہلے علی الفور بینونت ثابت ہوتی ہے اور دخول کے بعد مال کے ذکر کے وقت یا عدت کے پورے ہو جانے کے بعد اس لیے کہ طلاق اصل میں بینونت ہی کو ثابت کرتی ہے، کیوں کہ طلاق کی مشروعیت رفع نکاح اور اس کے قطع کے لیے ہوتی ہے اور عدت کے گزر جانے کو اس میں کوئی تاثیر نہیں ہے لیکن طلاق صریح میں شرع انقضاء عدت تک تاخیر کے ساتھ وارد ہوئی ہے بشرطیکہ وہ بینونت کے ساتھ موصوف نہ ہو یعنی

جب تک عدت پوری نہیں ہوتی بیّنوت طلاقِ صریح میں واقع نہ ہوگی، لہذا طلاقِ طلاقِ صریح کے ماسواء میں اصل قیاس پر باقی ہے یعنی بیّنوت واقع ہوگی۔

امام محمدؒ کے نزدیک انت طالق طلاق الشیطان اور انت طالق البدعة میں طلاقِ رجعی واقع ہوگی اس لیے کہ یہ وصف کبھی حالتِ غیظ میں بولا جاتا ہے، پس شک کی وجہ سے بیّنوت واقع نہ ہوگی کیوں کہ معلوم نہیں اس نے کس موڈ میں یہ بات کہی ہے، لہذا طلاقِ رجعی ہوگی اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک انت طالق کا الجبل یا انت طالق مثل الجبل میں رجعی واقع ہوگی، اس لیے کہ یہ جبل کے ساتھ تشبیہ ہے ایک ہونے میں یعنی جس طرح پہاڑ ایک ہے اسی طرح طلاق ایک ہے، اور امام محمدؒ کے نزدیک انت طالق کالف میں تین طلاقیں واقع ہوں گی خواہ تین کی نیت کرے یا نہ کرے اسی طرح انت طالق کجائے میں بھی بغیر نیت تین طلاقیں واقع ہوں گی، امام احمد بھی اسی کے قائل ہیں، اس لیے کہ الف اور مائے کثرت کے لیے وضع کئے گئے ہیں پس طلاق کی تشبیہ الف اور مائے کثرت کے ساتھ برائے کثرت ہے اور یہ بات گذر چکی ہے کہ تشبیہ طلاق میں قوت کے اندر ہوتی ہے۔

اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک انت طالق تطلیقة طویلة اور انت طالق تطلیقة عریضة میں رجعی ہوگی امام زفر بھی اسی کے قائل ہیں اس لیے کہ طلاق وصفِ طویل و عریض کو قبول نہیں کرتی لہذا یہ لغو ہے، ہمارا کہنا یہ ہے کہ طویلة اور عریضة سے مراد عظم ہے پس ایسے ہو گیا جیسے کہا ہو انت طالق تطلیقة عظيمة۔ اور انت طالق البدعة میں صاحبینؒ کے نزدیک بغیر نیت کے طلاق بائن واقع نہیں ہوگی اس لیے کہ طلاق بدعی کبھی حالتِ حیض میں من حیث الایقاع ہوتی ہے لہذا نیت ضروری ہے۔

فصل فی الطلاق قبل الدخول بها

طَلَّقَ غَيْرَ الْمُوَطَّؤَةِ ثَلَاثًا وَقَعَنَ وَإِنْ فَرَّقَ بَانَتْ بِوَاحِدَةٍ وَلَوْ مَاتَتْ بَعْدَ الْإِقَاعِ قَبْلَ الْعَدِّ لَعَاوَلُو قَالَ أَنْتَ طَالِقٌ وَاحِدَةً وَفِي بَعْدِ وَاحِدَةٍ أَوْ بَعْدَهَا وَاحِدَةً تَقَعُ وَاحِدَةً وَوَاحِدَةً أَوْ قَبْلَ وَاحِدَةٍ أَوْ قَبْلَهَا وَاحِدَةً أَوْ مَعَ وَاحِدَةٍ أَوْ مَعَهَا ثِنْتَانِ إِنْ دَخَلَ فَانْتَبَ طَالِقٌ وَوَاحِدَةً فَدَخَلَ تَقَعُ وَاحِدَةً وَإِنْ أَخَّرَ الشَّرْطَ فَثِنْتَانِ.

ترجمہ: یہ فصل صحبت سے قبل طلاق دینے کے بیان میں، طلاق دی غیر موطوءہ کو تین تو واقع ہو جائیں گی اور اگر جدا جدا دیں تو ایک ہی سے بائنہ ہو جائے گی اور اگر مرگئی ایقاع طلاق کے بعد عدد سے پہلے تو لغو ہو جائے گی اور اگر تو طالق ہے ایک اور ایک یا ایک سے پہلے یا ایک جس کے بعد ایک ہے تو ایک واقع

ہوگی، اور اس قول میں کہ تو طالق ہے ایک ایک کے بعد یا جس سے پہلے ایک ہے یا جس کے ساتھ ایک ہے دو واقع ہوں گی اگر تو کمر میں داخل ہو تو تجھے ایک اور ایک پس عورت داخل ہوگئی تو ایک واقع ہوگی اور اگر مؤخر ذکر کرے تو دو واقع ہوں گی۔

تشریح: غیر موطوہ سے مراد وہ خاتون ہیں کہ جن کے شوہر نے نہ تو صحبت کی اور نہ ہی خلوت سمجھ ہوئی کیوں کہ اگر کسی نے اپنی غیر موطوہ بیوی کو تین طلاقیں دیں تو تینوں واقع ہو جائیں گی مثلاً شوہر نے یوں کہا انت طالق ثلاثاً کیوں کہ قاعدہ ہے کہ جب طلاق کے بعد عدد مذکور ہو تو طلاق عدد کے مطابق ہوتی ہے، اور غیر مدخولہ کا تین طلاقیں کا محل ہونا حدیث مرفوعہ اور حضرت علی، ابن مسعود، ابن عباس رضی اللہ عنہم کے آثار سے ہے، حسن بصری اور عطاء کے نزدیک غیر مدخولہ تین طلاقیں کا محل نہیں اس لیے ان کے یہاں ثلاثاً کا لفظ لغو ہوگا، کیوں کہ عورت انت طالق کہنے سے ہی بائند ہو جائے گی۔

وإن فرّق بالتبواحدة الخ: اور اگر تین طلاقیں متفرق طور سے دیں جس کی کئی صورتیں ہیں (۱) تفریق بذکر وصف جیسے انت طالق واحدة واحدة وواحدة (۲) تفریق بذکر خبر جیسے انت طالق و طالق و طالق (۳) تفریق بذکر اقوال خواہ عطف کے ساتھ ہو جیسے انت طالق وانت طالق یا بلا عطف ہو جیسے انت طالق انت طالق انت طالق تو ان تینوں صورتوں میں ایک طلاق بائند ہوگی، کیوں کہ اس وقت ہر طلاق کا ایقاع علیحدہ علیحدہ مقصود ہے کیوں کہ آخر کلام میں کوئی ایسی چیز مذکور نہیں جو آغاز کلام کو بدل دے مثلاً عدد اور شرط وغیرہ اس لیے ایک طلاق پڑتے ہی فی الحال بائند ہو جائے گی اور جب پہلی طلاق سے بائند ہوگئی تو دوسری اور تیسری خود ہی لغو ہو جائے گی۔

حضرت امام مالکؒ اور احمدؒ کے نزدیک اگر متفرق طلاقیں حرف عطف کے ساتھ دی جاتی ہیں تو تین واقع ہو جائیں گی یہی ابن ابی لیلیٰ اور ربیعہ اور امام شافعیؒ کا قول قدیم ہے اس لیے کہ وہ بغیر ترتیب کے مطلق جمع کے لیے ہوتا ہے اور ملفوظ بحرف الجمع ملفوظ بلفظ الجمع کی طرح ہے۔

ہمارا کہنا یہ ہے کہ وہ پہلی طلاق سے ہی بغیر عدت کے بائند ہو جائے گی پس پہلی طلاق کے مابعد جتنی طلاقیں ہیں وہ واقع نہ ہوں گی کیوں کہ ان کے لیے موقع ہی وقوع کا نہیں بچا بخلاف مجموع بلفظ الجمع کے کیوں کہ وہ سب یکبارگی واقع ہوتی ہیں۔

ولو مات بعد الايقاع قبل العدد الخ: اگر عورت ایقاع طلاق کے بعد ذکر عدد سے پیشتر مرجائے (خواہ وہ موطوہ ہو یا غیر موطوہ) یعنی انت طلاق ثلاثاً یا اس جیسے میں انت طالق کہنے کے بعد اور ثلاثاً کہنے سے پہلے عورت مرگئی تو شوہر کا کلام لغو ہو جائے گا یعنی طلاق واقع نہ ہوگی کیوں کہ مطلق نے

طلاق کو وصفِ عدد کے ساتھ مقرون کیا ہے پس طلاق عدد کے مطابق ہوگی اور جب عورت عدد ذکر کرنے سے پہلے ہی مرگئی تو وہ محل طلاق ہی نہ رہی، لہذا کلام لغو ہو جائے گا۔

ولو قال انت طالق واحدة وفي بعد واحدة الخ: مسئلہ ذیل کا سمجھنا دو ضابطوں پر موقوف ہے اور یہ ہے کہ جب تفریق طلاق بذریعہ حرف عطف ہو تو ایک طلاق واقع ہوگی، اگر حرف عطف واؤ ہو تو اس لیے کہ واؤ مطلق جمع کے لیے ہوتا ہے، عام ازیں کہ بطریق معیت ہو یا بطریق تقدیم و تاخیر پس اول آخر پر موقوف نہ ہوگا، بلکہ ہر لفظ اپنا عمل کرے گا اس لیے عورت ایک ہی طلاق سے بابتہ ہو جائے گی اور بعد والی طلاق واقع نہ ہوگی۔

دوم یہ کہ لفظ قبل اور لفظ بعد دونوں ظرف ہیں، لفظ قبل اس زمانہ کے لیے اسم ظرف ہے جو اس کے مضاف الیہ سے مقدم ہو اور لفظ بعد اس زمانہ کے لیے اسم ظرف ہے جو اس کے مضاف الیہ سے مؤخر ہو اور جب ظرف دو اسموں کے درمیان واقع ہو اور ہائے کنایہ کے ساتھ مقرون نہ ہو تو وہ اسم اول کی صفت ہوتا ہے جیسے جاءنی زید قبل عمرو اس میں قبلیت زید کی صفت ہے اور اگر ہائے کنایہ کے ساتھ مقرون ہو تو ثانی اسم کی صفت ہوتا ہے جیسے جاءنی زید قبل عمرو اس میں قبلیت عمرو کی صفت ہے جب یہ اصل سمجھ میں آگئی تو اب عبارت سمجھو کہ جب زید نے اپنی بیوی سے کہا انت طالق واحدة و واحدة تو ایک طلاق ہوگی کیوں کہ واؤ مطلق جمع کے لیے ہے تو پہلی طلاق کا وقوع ثانی طلاق کے وقوع پر موقوف نہ رہا بلکہ طلاق واقع ہوگئی اور جب ایک طلاق واقع ہوگئی تو اب وہ دوسری طلاق کا محل نہ رہی اور اگر زید نے انت طالق واحدة قبل واحدة کہا تو اس نے طلاق ثانی سے قبل پہلی طلاق واقع کی ہے لہذا اس سے وہ بابتہ ہوگئی اور عورت دوسری طلاق کا محل نہیں رہی اور اگر انت طالق واحدة بعدها واحدة کہا تب بھی ایک طلاق واقع ہوگی کیوں کہ اگر وہ بعدیت کے ساتھ متصف نہ کرتا تب بھی ثانی طلاق واقع نہ ہوتی تو اب بطریق اولیٰ نہ ہوگی۔

وفي بعد واحدة او قبلها واحدة الخ: اس عبارت میں چار صورتیں ہیں ایک یہ کہ شوہر نے بیوی سے کہا انت طالق واحدة بعد واحدة دوسرے یہ کہ کہا انت طالق واحدة قبلها واحدة تیسرے یہ کہ کہا انت طالق واحدة مع واحدة چوتھے یہ کہ کہا انت طالق واحدة معها واحدة تو دو طلاقیں واقع ہوں گی بہر حال اس کے قول انت طالق واحدة بعد واحدة اور انت طالق واحدة قبلها واحدة تو اس لیے کہ قبلیت اور بعدیت اس کی صفت ہوتے ہیں جو پہلے مذکور ہو بشرطیکہ ظرف ضمیر کنایہ کے ساتھ مقرون نہ ہو ورنہ اس کی صفت ہوں گے جو آخر میں مذکور ہو پس بعدیت اس کے قول انت طالق واحدة بعد واحدة میں اولیٰ کی صفت ہے، کیوں کہ بعد ضمیر کنایہ کے ساتھ مقرون نہیں ہے، لہذا وہ طلاق ثانیہ کے

وقوع کے تقدم کا تقاضا کرتا ہے، اور یہ اس کے بس میں نہیں ہے لہذا دونوں طلاقیں ایک ساتھ واقع ہوں گی اور قبلیت اس کے قول انت طالق واحدة قبلها واحدة میں اخیرہ کی صفت ہے، کیوں کہ ظرف یعنی قبل ضمیر کنایہ کے ساتھ مقرون ہے پس یہ طلاق ثانی کے طلاق اول پر تقدم کا تقاضا کرتا ہے اور وہ اس پر قادر نہیں ہے پس وہ دونوں ایک ساتھ واقع ہوں گی، اس لیے کہ ماضی میں واقع کرنا فی الحال واقع کرنا ہے، ایقاع فی الماضی کی حقیقت کے محال ہونے کی وجہ سے، جیسا کہ جب عورت سے کہا انت طالق امس تو طلاق فی الفور واقع ہو جائے گی۔

اور بہر حال اس کے قول انت طالق واحدة مع واحدة یا انت طالق واحدة معها واحدة میں دو طلاقیں اس لیے واقع ہوں گی کہ کلمہ مع مقارنت کے لیے ہے خواہ وہ ضمیر کنایہ کے ساتھ مقرون ہو یا نہ ہو پس طلاق اول طلاق ثانی پر موقوف رہے گی، مقارنت کے معنی کی تحقیق و تثبیت کے لیے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس آخری دو صورتوں میں ایک طلاق واقع ہوگی، اس لیے کہ کنایہ مکنی عنہ کے وجوداً سبقت اور پہلے پائے جانے کا تقاضا کرتا ہے، پس عورت غیر مدخولہ طلاق واحد سے بابتہ ہو جائے گی، اور دوسری طلاق کے لیے محل نہ رہے گی۔

فائدہ: قبل اور بعد کا ضابطہ فارسی کے اس شعر میں ہے: قبل بے ہا و بعد با ہا را ☆ اندر احکام یک طلاق بدال۔ واضح ہو کہ متن کے موجودہ نسخہ میں عبارت خلط ملط ہو گئی ہے، صحیح عبارت اس طرح ہے ولو قال انت طالق واحدة و واحدة او قبل واحدة او بعدها واحدة تقع واحدة وفي بعد واحدة او قبلها واحدة او مع واحدة او معها ثنتان اسی طرح تبیین الحقائق للزیلعی اور فتح المعین للعلامة السيد محمد ابی السعود المصری الحنفی میں ہے، نیز حاشیہ میں بھی مذکورہ بالا عبارت کے مطابق توضیح و تشریح ہے۔ حاصل یہ ہے کہ عبارت میں کل سات صورتیں بیان ہوئی ہیں تین صورتوں میں ایک طلاق اور چار صورتوں میں دو طلاقیں واقع ہوں گی۔

ان دخلت الدار فانت واحدة و واحدة الخ: یعنی جب شوہر نے اپنی غیر مدخولہ بیوی سے کہا ان دخلت الدار فانت طالق واحد و واحدة پس وہ گھر میں داخل ہو گئی تو ایک طلاق واقع ہوگی اور اگر شرط کو مؤخر کیا اور یوں کہا انت طالق واحدة و واحدة ان دخلت الدار پس وہ گھر میں داخل ہو گئی تو دو طلاقیں واقع ہوں گی یہ امام ابو حنیفہؒ کا مسلک ہے، صاحبینؒ کے نزدیک دونوں صورتوں میں دو طلاقیں واقع ہوں گی اس لیے کہ شوہر نے دونوں طلاقوں کو شرط پائے جانے کے وقت واقع کیا ہے اور وجود شرط کا حال حالت واحدہ ہے پس دونوں طلاقیں ضرورتاً ایک ساتھ واقع ہوں گی کہ جب شرط کو وہ مؤخر کر دے ایسا اس

لے کہ ہے کہ واؤ مطلق جمع کے لیے ہے ترتیب کے لیے نہیں پس وہ وقوع میں اجتماع کا تقاضا کرتا ہے اور اس لیے بھی کہ جملہ ثانیہ ناقص ہے لہذا وہ شرط کے ساتھ تعلق میں پہلے جملہ کا شریک ہوگا۔

امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ جب طلاق شرط پر معلق ہو تو وہ شرط کے پائے جانے کے وقت علی الفور واقع ہونے والی طلاق کے حکم میں ہوتی ہے اور اگر زید مثلاً دوسری طلاق علی الفور دیتا تو وہ واقع نہ ہوتی تو حکماً عجری یعنی علی الفور واقع ہونے کی صورت میں بھی دوسری طلاق واقع نہ ہوگی، بخلاف اس صورت کے کہ جب وہ شرط کو مؤخر کر دے اس لیے کہ صدر کلام آخر میں مؤخر کے پائے جانے کی وجہ سے آخر کلام پر موقوف ہو گیا، پس وہ بیان کے حکم میں ہو گیا، اور یہ بات شرط کے مقدم ہونے کی صورت میں نہیں پائی جاتی کیوں کہ اس صورت میں آخر کلام میں ایسی کوئی بات نہیں ہے جو توقف کو لازم کر دے اور ابتدائے کلام آخر کلام پر موقوف ہو جائے۔

باب کنایات

لَا تُطَلِّقُ بِهَا إِلَّا بِالنِّیَّةِ أَوْ دَلَالَةِ الْحَالِ وَتُطَلِّقُ وَاحِدَةً رَجْعِيَّةً فِی اعْتِدَائِي وَاسْتَبْرَائِي رَحْمَتِكَ وَابْنٍ وَاحِدَةً وَفِی غَيْرِهَا بَائِنَةً وَإِنْ نَوَى ثِنْتَيْنِ وَتَصَحُّحُ نِيَّةِ الثَّلَاثِ وَهِيَ بَائِنٌ بِنَّةٌ حَرَامٌ خَلِیَّةٌ بَرِیَّةٌ حَبْلُكَ عَلَى غَارِبِكَ الْحَقِیُّ بِأَهْلِكَ وَهَبْتُكَ لِأَهْلِكَ سَرَّحْتُكَ فَارَقْتُكَ أَمْرُكَ بِیَدِكَ إِخْتَارِي ابْنِ حُرَّةٍ تَقْنَعُنِي تَحْمَرِي اسْتَرِي أُغْرِبِي أُخْرِجِي إِذْهَبِي فُؤْمِي ابْتِغَى الْأَزْوَاجَ وَلَوْ قَالَ اعْتَدَى ثَلَاثًا وَنَوَى بِالْأَوَّلِ طَلَاقًا وَبِمَا بَقِيَ حَيْضًا صُدِّقَ وَإِنْ لَمْ يَنْوِ بِمَا بَقِيَ شَيْئًا فَهِيَ ثَلَاثٌ وَتُطَلِّقُ بِلَسَنِ لِي بِأَمْرَةٍ أَوْ لَسْتُ لَكَ بِزَوْجٍ إِنْ نَوَى بِذَلِكَ طَلَاقًا وَالصَّرِيحُ يُلْحَقُ الصَّرِيحُ وَالْبَائِنُ وَالْبَائِنُ يُلْحَقُ الصَّرِيحُ لَا الْبَائِنُ إِلَّا إِذَا كَانَ مُعْلَقًا.

ترجمہ: یہ کنایات کا باب ہے، (کنایہ کے احکام کے بیان میں) طلاق نہیں پڑتی کنایات سے مگر نیت یا دلالت حال کے باعث پس ایک رجعی طلاق واقع ہوگی (ان الفاظ سے) تو عدت میں بیٹھ جا، اپنا رحم صاف کر، اور تو طلاق والی ہے ایک طلاق کے ساتھ اور ان کے علاوہ میں بائنے واقع ہوگی چاہے دو کی نیت کرے اور تین کی نیت کرنا صحیح ہے، اور الفاظ کنایات یہ ہیں تو جدا ہے، تو حرام ہے، خالی ہے، بری ہے، تیری ڈور تیری موٹہ سے پر ہے، اپنے اہل سے جامل، میں نے تجھے تیرے اہل کو دیا، میں نے تجھے جدا کیا، میں تجھ سے الگ ہوں، تو جان تیرا کام جانے، آزادی اختیار کر، تو آزاد ہے، گھونٹ نکال، چادر پہن چھپ

جاء دور ہو، نکل جائے، چلی جائے، اٹھ کھڑی ہو، شو ہر تلاش کر اور اگر لفظ اعتدی تین بار کہا اور پہلے سے طلاق کی اور باقی سے حیض کی نیت کی تو تصدیق کی جائے گی اور اگر باقی سے کچھ نیت نہ کی تو تین طلاقیں ہوں گی اور طلاق ہو جائے گی اگر کہا کہ تو میری بیوی نہیں ہے یا میں تیرا شوہر نہیں ہوں بشرطیکہ کی نیت کیا ہو اور طلاق صریح، طلاق صریح اور بائن دونوں سے مل جاتی ہے اور طلاق بائن، طلاق صریح سے ملتی ہے، طلاق بائن سے نہیں، الا سے کہ وہ معلق ہو۔

تشریح: جب طلاق صریح کے احکام بیان کر چکے تو کنایات کا بیان شروع کیا اور صریح کو اصل ہونے کی وجہ سے پہلے ذکر کیا۔

لا تطلق بها الا بنية او دلالة الحال: الفاظ کنایات سے طلاق دوامروں میں سے کسی ایک امر کے ساتھ واقع ہوتی ہے وہ دو امر ہیں نیت اور دلالت الحال یعنی الفاظ کنایات کے ساتھ جب نیت یا حال کی دلالت پائی جائے تو طلاق واقع ہوگی اس لیے کہ الفاظ کنایات طلاق کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں بلکہ ان الفاظ میں معنی طلاق کا احتمال پایا جاتا ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک دلالت حال کا کوئی اعتبار نہیں ہے، بلکہ نیت طلاق ضروری ہے، ہمارا کہنا یہ ہے کہ حال دلالت میں نیت سے اقویٰ ہے اس لیے کہ حالت ظاہری چیز ہے اور نیت امر باطنی ہے وہ شخص جس نے اپنے علاوہ سے کہا یا عقیف یا کہا یا عقیف یا کہا یا بریا من العیوب اور اس جیسے کلمات تو وہ اس کی تعظیم کی حالت میں مدح و ثناء پر محمول ہوگا، جیسے کہ نبی..... کی تعریف کرتے ہوئے حضرت حسانؓ نے فرمایا:

فما حملت من ناقة فوق رحلها ابر واد فی ذمة من محمد

اور شتم و غضب کی حالت میں ذم ہوگا جیسا کہ نجاشی نے ایک قوم کی مذمت کرتے ہوئے کہا:

قبيلة لا يغدرون بذمة ولا يظلمون الناس حبة خردل

خلاصہ یہ کہ دلالت حال نیت کی طرح ہی معتبر ہے، معلوم ہو کہ دلالت حال تین چیزیں ہیں حالت

رضاء، حالت غضب، حالت مذاکرۃ طلاق۔

فتطلق واحدة رجعية الخ: اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا اعتدی یا کہا استبرائی رحمک یا کہا

انت واحدة تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگی گواہی تین یا دو کی نیت کی ہو جیسے کہ صریح میں ہوتا ہے کہ طلاق

صریح میں نیت کا اعتبار نہیں ہوتا، بس شرط یہ ہے کہ ان کلمات کے ذکر کرتے وقت مصدر مذکور نہ ہو، پس پہلے

کلمہ یعنی اعتدی کہنے میں طلاق رجعی اس لیے واقع ہوگی کہ رسول اللہ..... نے ام المؤمنین حضرت سوداء سے

فرمایا اعتدی پھر حضرت سوداء سے آپ نے رجوع فرمایا، دوسرے اعتدی کی حقیقت امر بالحساب ہے، پس

احتمال ہے کہ اعتدی کہہ کر شوہر نے بیوی کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے شمارے کرنے کا حکم دیا ہو یا ان نعمتوں کے شمار کا کہ جو من جانب اللہ اس عورت پر ہوئی ہیں یا ان نعمتوں کے شمار کرنے کو کہا ہو جو شوہر نے عورت پر کیا ہے یا نکاح سے شمار کرنے کو کہا ہو پس جب اس نے طلاق کی نیت کر لی تو ابہام ختم ہو گیا اور دخول کے بعد انقضاء اطلاق ضروری ہو گئی، پس مقتضی طلاق صریح ہو گا گویا شوہر نے عورت سے کہا طَلَقْتُكَ فَاَعْتَدِيْ پس یہ طلاق رجعی ہو گا اور عدد کو قبول نہ کرے گا پس نیت ثلاث معتبر نہ ہوگی، اور بہر حال دوسرے کلمہ یعنی استبرائی رحمک تو یہ اعتداد میں مقصود کے بارے میں صریح ہے اور وہ ہے براءۃ رحم پس یہ مقصود کے حکم میں ہو جائے گا البتہ استبراء کا بھی احتمال رکھتا ہے تاکہ شوہر طلاق دے یا بعد اسکے کہ وہ طلاق دے چکا ہے لہذا اطلاق بلا قرینہ واقع نہ ہوگی، اور بہر حال تیسرے کلمہ میں تو وہ احتمال رکھتا ہے کہ واحدة انت واحدة میں مصدر محذوف کی صفت ہو یعنی انت واحدة عند قومك یا انت واحدة عندی یا انت واحدة لعدم نظیرها فی الجمال او الکمال او فی القبح یعنی تو اپنی قوم میں یکتائے روزگار ہے یا میرے نزدیک یا تو حسن و جمال یا بد صورتی میں بے مثال ہونے کی وجہ سے تنہا ہے پس جب ابہام نیت سے جاتا رہا یا دلالت حال سے دور ہو گیا تو اس کے ذریعہ طلاق صریح واقع ہوگی اور اس کے بعد رجعت کا تحقق ہوتا ہے اور ایک کی تخصیص عدد کے منافی ہے۔ امام زفرؒ کے نزدیک انت واحدة سے ایک بائنہ واقع ہوگی جیسا کہ تمام کنایات سے ایک بائنہ واقع ہوا کرتی ہے، شافعیؒ کے نزدیک کوئی طلاق واقع نہ ہوگی کیوں کہ واحدة عورت کی صفت ہے امام مالکؒ اور احمدؒ نزدیک پہلی دو صورتوں میں بائنہ واقع ہوگی نیز آخری صورت میں میں بھی بائنہ واقع ہوگی۔

وفی غیرها بائنة وان نوى ثنتين الخ: یعنی مذکورہ بالا تین کلمات کے علاوہ سے ایک بائنہ واقع ہوگی، بشرطیکہ شوہر ایک یا دو طلاقیں کی نیت کرے اور بیوی باندی نہ ہو معاملہ یہ ہے کہ عدد کی نیت جنس میں صحیح نہیں ہوتی اور دو کی نیت عدد کی نیت ہے پس دو کی نیت صحیح نہ ہوگی، الا یہ کہ عورت باندی ہو کیوں کہ اس وقت ثنتين کی نیت اس کے حق میں درست ہے کیوں کہ دو طلاق باندی کے حق میں صحیح جنس ہے جیسے کہ تین طلاقیں حرہ کے حق میں صحیح جنس ہیں اور جمع جنس کی نیت کرنا صحیح ہوتا ہے، اس لیے حرہ کے حق میں اگر تین کی نیت کی تو وہ صحیح ہوگی۔

وہی بائن، بة بتلة حرام الخ: الفاظ کنائی بائیں کلمات ہیں بائن، بتة بتلة الفاظ کنائی یوں ہیں کہ یہ تینوں منقطعہ کے معنی میں ہیں پس اس بات کا احتمال ہے کہ شوہر کی مراد انت بائن یا انت بتة یا انت بتلة سے یہ ہو کہ وہ ہر طرح کی ہدایت و رشد یا اخلاق فاضلہ یا عزیز و اقارب سے الگ تھلگ اور کٹی ہوئی

ہے اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ وہ منقطع عن قید النکاح ہو یعنی وہ نکاح کی قید سے آزاد ہو، پس جب شوہر ان الفاظ میں سے کوئی بھی لفظ عورت سے کہے گا اور طلاق کی نیت کرتا ہے یا دلالت حال ہے تو طلاق بائن واقع ہو جائے گی ورنہ نہیں۔

فائدہ: بائن عورت کی صفت ہے، بین بینونة سے مشتق ہے دونوں کے معنی فرقت کے ہیں بئۃ البت سے مشتق ہے جو قطع کے معنی میں ہے اور بتلة البتل سے مشتق ہے اور یہ بھی القطع کے معنی میں ہے۔ حرام: حرمت سے مشتق ہے جو ممنوع کے معنی میں ہے اس لفظ میں طلاق کا بھی احتمال ہے البت حرام کا مطلب ہوا کہ تو مطلقہ ہو جانے کی وجہ سے مجھ پر حرام ہے، اور شتم کے معنی میں بھی حرام ہو سکتا ہے یعنی البت حرام الصحبة پس جب طلاق کی نیت پائی جائے گی تو طلاق واقع ہو جائے گی۔

خلیۃ: خلوة سے مشتق ہے جو خلوة عن الخیرات یعنی بھلائیوں اور خوبیوں سے خالی ہونا یا قید نکاح سے خالی ہونا دونوں معنوں کا احتمال ہے، پس جب اس لفظ سے طلاق کی نیت کرے گا تو طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔

وحبلك على غاربك: تیری ڈوری تیری گردن پر ہے یہ لفظ تخلیہ سے استعارہ ہے اور مطلب ہے اذھبی حیث شئت پس اس کے دو مطلب ہوئے ایک تو یہ کہ جہاں چاہے جا اس لیے کہ میں نے تجھے طلاق دے دی ہے اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ تم آزاد ہو جہاں چاہے جاؤ آؤ، یہ آزادی اس لیے ہے تاکہ تم مجھ سے طلاق کا مطالبہ نہ کرو پس یہ لفظ بھی ذوا احتمالین ہوا پس نیت یا دلالت حال سے جس احتمال کی تائید ہوگی وہ متعین ہو جائے گا۔

الحقی باهلك: اپنے گھر والوں سے جا مل اس لفظ میں بھی دو طرح کے معنوں کا احتمال ہے ایک یہ کہ اپنے گھر والوں سے جا مل کیوں کہ میں نے تجھے طلاق دے دی ہے، دوسرا مطلب یہ ہے کہ تو اپنے گھر والوں کے پاس جانا چاہتی ہے تو جا میری طرف سے اجازت ہے اور مجھ سے طلاق کا مطالبہ مت کر پس نیت اور دلالت حال سے جس احتمال کی تائید ہوگی وہ احتمال متعین ہو جائے گا۔

وهبتك: اس لفظ میں بھی دو احتمال ہیں ایک تو یہ کہ معنی ہوں عفوٹ غنک لاهلک کہ میں نے تجھے تیرے گھر والوں کی خاطر معاف کر دیا دوسرا مطلب یہ ہے کہ میں نے تجھے تیرے گھر والوں کے حوالہ کیا اس لیے کہ میں نے تجھے طلاق دے دی ہے، پس اس لفظ سے معنی طلاق کی نیت کرنا صحیح ہے۔

سرحلتك وفارقتك: یہ دونوں لفظ بھی الفاظ کنایات میں سے ہیں کیوں کہ یہ دونوں لفظ طلاق کے ذریعہ الگ کر دینے اور مفارقت اور علیحدہ کر دینے کے معنی کا احتمال رکھتے ہیں اور بغیر طلاق ایک دوسرے سے

پھڑنے اور جدا ہونے کے معنی پر بھی دلالت کرتے ہیں، پس ایک سے زائد معنی کا احتمال ہو گیا، امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ یہ دونوں لفظ صریح ہیں جو معنی طلاق پر دلالت کے لیے محتاج نیت نہیں ہیں، ہمارا کہنا یہ ہے کہ صریح اسے کہتے ہیں جو معنی واحد میں استعمال کے لیے متعین ہو پس جب تک کوئی لفظ معنی واحد میں استعمال کے لیے متعین نہیں ہوگا وہ صریح بھی نہ ہوگا، اور تشریح و مفارقت عورتوں میں استعمال کے لیے متعین نہیں ہیں، چنانچہ بولا جاتا ہے سَرَحْتُ اہلی میں نے اپنے اونٹ چھوڑ دئے اور کہا جاتا ہے فارقت مالی واصحابی میں نے اپنے مال سے سے ہاتھوں کو جھاڑ لیا اور احباب کو الوداع کہا لہذا ان الفاظ کا حال بھی عام الفاظ کنایات جیسا ہوا۔

امرك بیدك: تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے پس امرک میں امر عمل کے معنی میں ہے اللہ پاک کا ارشاد ہے وَمَا اَمْرٌ فِرْعَوْنَ بِرَشِيدٍ کہ فرعون کا عمل اور برتاؤ ٹھیک نہیں ہے پس امرک بیدك کہنا گویا عملک بیدك کہنا ہوا، اب اس میں احتمال ہے کہ اس کی مراد حق طلاق میں امر بالید ہو تو یہ تفویض ہو جائے گی، یعنی مرد کی جانب سے عورت کو طلاق واقع کر لینے کا پاور دے دینا اور اس کا بھی احتمال ہے کہ امرک بیدك سے شوہر نے عورت کو طلاق کے علاوہ دیگر تصرفات میں باختیار کرنے کا ارادہ کیا ہو۔

اختاری: اس میں بھی احتمال ہے اس امر کا کہ تو اپنے آپ کو نکاح میں مفارقت کے ساتھ منتخب کر لے یا یہ کہ دیگر معاملات میں تو اپنے آپ کو اختیار کر لے، یعنی اپنی مصلحت کے لحاظ سے تو طلاق کے ماسواء دیگر معاملات میں خود مختار ہے، پس امرک بیدك اور اختاری میں جب تک عورت خود اپنے اوپر طلاق واقع نہیں کرتی طلاق واقع نہیں ہوگی کیوں کہ یہ دونوں لفظ الفاظ تفویض ہیں۔

انت حرة: اس میں بھی دو احتمال ہیں ایک تو یہ کہ تو واقعی غلامی سے آزاد ہے یعنی اب تو باندی اور کنیز نہیں رہی تیری ذات مملوکہ نہیں رہی، دوسرے یہ کہ تو نکاح کی غلامی سے آزاد ہے۔

تقنعی تخمیری استیری: گھونگٹ نکال، چادر اوڑھ، چھپ جا، ان تینوں کا ایک مطلب یہ ہے کہ تو ایسا اس لیے کہ کر کہ میرے اور تیرے درمیان رشتہ نکاح ختم ہو چکا ہے، میں نے تجھے طلاق دے دی ہے، لہذا مجھے تجھ کو دیکھنا اور تیرا میرے اوپر نگاہ ڈالنا حرام ہو چکا ہے، دوسرا مطلب یہ ہے کہ ایسا تو اس لیے کرتا کہ دوسرے اجنبی لوگ تجھے نہ دیکھیں۔

اغربی: مجھ سے دور ہو جا اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ تو مجھ سے دور ہو جا کیوں کہ میں نے تجھے طلاق دے دی ہے، یا تو دور ہو جا اپنے گھر والوں کی زیارت و ملاقات کے لیے۔

اخر جی، اذہبی، قومی: نکل جا، جا بھاگ، کھڑی ہو جا ان تینوں میں وہی دونوں احتمال ہیں جو

اغوی کے تحت مذکور ہوئے ہیں یعنی خروج، ذہاب اور قیام میرے پاس اس لیے ضروری ہے کہ میں تجھے طلاق دے چکا یا اس لیے کہ میرے پاس سے جاؤ یا نکلویا کھڑی ہوتا کہ تم اپنے والدین بھائی، بہنوں سے مل آؤ۔

ابتنی الا زواج: اس میں دو طرح کا احتمال ہے ایک یہ کہ تو دوسرا شوہر ڈھونڈ لے کیوں کہ میں نے تجھے طلاق دے دی ہے دوسرا یہ کہ کوئی دوسری عورت ڈھونڈ لے یعنی میری ضرورت تنہا تجھ سے پوری نہیں ہوتی، تاکہ میں اس کو بھی تیری طرح اپنی زوجیت میں لے سکوں کیوں کہ زوج لفظ مشترک ہے جو مرد اور عورت دونوں پر بولا جاتا ہے، پس اگر الفاظ کنائی میں سے کوئی بھی لفظ بولتا ہے تو جب تک نیت طلاق نہ کرے یا دلالت حال نہ پائی جائے طلاق واقع نہ ہوگی اور جب بھی طلاق ہوگی تو ایک بائہ ہوگی الا یہ کہ تین طلاقیں کی نیت کرے جیسا کہ تفصیل گزر چکی ہے۔

ولو قال اعتدی ثلاثاً الخ: اگر شوہر نے اعتدی تین مرتبہ اپنی بیوی سے کہا یعنی اعتدی اعتدی اعتدی اور شوہر نے ان تین الفاظ میں پہلے سے فقط طلاق کی نیت کی اور بقیہ دو لفظوں سے حیض کی تو شوہر کی بات قضاء مانی جائے گی اس لیے کہ اس نے اپنے کلام کی حقیقت کا ارادہ کیا ہے اور اس لیے بھی کہ آدمی عادتاً اپنی بیوی کو اعتداد شمار کرنے کا حکم طلاق کے بعد دیتا ہے، پس ظاہر حال شوہر کا شاہد ہے، اور اگر اس نے ماقبی دو لفظوں سے کسی چیز کی نیت نہیں کی تو تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی اس لیے کہ جب شوہر نے پہلے لفظ سے طلاق کی نیت کی تو حال مذکرہ طلاق ہو گیا، لہذا باقی الفاظ بھی طلاق کے لیے اس دلالت حال کی وجہ سے متعین ہو گئے پس شوہر کی قضاء نیت کی نفی میں تصدیق نہیں کی جائے گی، بخلاف اس صورت کہ جب اس نے کہا کہ میں نے کسی لفظ سے کسی بھی چیز طلاق و حیض کی نیت نہیں کی ہے پھر کوئی طلاق واقع نہ ہوگی، اس لیے کہ ظاہر شوہر کی تکذیب نہیں کرتا، اسی طرح جب شوہر نے کہا کہ میں نے فقط تیسرے لفظ سے طلاق کی نیت کی ہے شروع کے دو لفظوں سے نہیں تو صرف ایک طلاق واقع ہوگی اس لیے شروع کے دونوں لفظوں کے تلفظ کے وقت مذکرہ طلاق کا حال نہیں تھا، اسی وجہ سے اگر اس نے پہلے اور تیسرے لفظ سے نیت طلاق نہیں کیا بلکہ دوسرے لفظ سے فقط طلاق کی نیت کی تو دو طلاقیں واقع ہوں گی، اس لیے کہ جب اس نے دوسرے سے نیت طلاق کی تو مذکرہ طلاق کا حال پیدا ہو گیا، درحقیقت یہ مسئلہ بارہ قسموں پر ہے، جن کی تفصیل تبیین الحقائق للعلامة فخر الدین بن عثمان الزلیعی اور فتح المعین للعلامة المصري میں دیکھی جاسکتی ہے۔

وتطلق بلسب لی بامراة: اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا لست لی بامراة کہ تو میری بیوی نہیں ہے یا کہا لست لک بزواج کہ میں تیرا شوہر نہیں اور اس نے ان دونوں کلاموں سے طلاق کی نیت کی تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک طلاق رجعی ہو جائے گی البتہ صاحبین کے نزدیک نہیں ہوگی، چاہے اس نے طلاق کی نیت

کیوں نہ کی ہو اس لیے کہ نکاح کی نفی طلاق نہیں ہوا کرتی بلکہ یہ نفی جھوٹ قرار پائے گی، کیوں کہ اس کی زوجیت معلوم ہے پس لست لی بامراة کہنا ایسا ہو گیا جیسے اس نے کہا ہو لم اتزوجک کہ میں نے تجھ سے نکاح نہیں کیا ہے۔

امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ یہ الفاظ انکار نکاح کی بھی صلاحیت رکھتے ہیں اور انشاء نکاح کی بھی، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ بلاشبہ درست ہے یہ بات کہ وہ یوں کہے لست لی بامراة لا لی ما تزوجتھا یعنی وہ میری بیوی نہیں ہے کیوں کہ میں نے اس سے نکاح نہیں کیا، پس جب اس نے اس سے طلاق کی نیت کی تو اس نے اپنے لفظ کے محتمل کی نیت کی لہذا طلاق واقع ہوگی، کیوں کہ یہ نیت کرنا صحیح ہے، جیسے کہ اگر شوہر کہتا لا نکاح بینی وینک اور طلاق کی نیت کرتا تو نیت طلاق صحیح ہوتی اور طلاق واقع ہو جاتی۔

والصریح یلحق الصریح: طلاق صریح، طلاق صریح کو لاحق ہوتی ہے، یعنی طلاق صریح کے بعد طلاق صریح دی جاسکتی ہے، مثلاً کسی نے انت طالق کہا تو ایک طلاق واقع ہو جائے گی، پھر اس کہنے کے بعد اس نے انت طالق دوبارہ کہا تو ایک طلاق اور واقع ہو جائے گی، کیوں کہ اب تک نکاح موجود ہے اسی طرح طلاق صریح طلاق بائن کو بھی لاحق ہوتی ہے، یعنی طلاق بائن کے بعد اگر طلاق صریح دیتا ہے تو یہ طلاق واقع ہو جائے گی، مثلاً یوں کہا انت بائن پھر کہا انت طالق تو یہ دوسری طلاق بھی واقع ہو جائے گی، اور طلاق اول بائن نہ ہوگی، کیوں کہ طلاق اول کا بائن ہونا دوسرے کے رجعی ہونے سے مانع ہے، البتہ یہ دوسری طلاق بائن نہ ہوگی، نیز اگر کسی نے انت طالق کہہ کر انت بائن کہا تو طلاق ثانی بھی واقع ہو جائے گی۔

امام شافعی فرماتے ہیں کہ طلاق صریح طلاق بائن کو لاحق نہیں ہوتی، چنانچہ اگر کسی نے اپنی بیوی سے انت بائن کہا یا اس نے عورت سے مال پر خلع کرایا پھر انت طالق کہا تو ہمارے نزدیک یہ طلاق واقع ہوگی امام شافعی کے نزدیک نہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ طلاق کی مشروعیت ملک نکاح کے ازالہ کے لیے ہے اور یہ ملک خلع یا طلاق علی مال کی وجہ سے ختم ہو چکی ہے، پس طلاق صریح کے وقوع کا محل ہی نہیں بچا تو یہ ایسا ہو گیا جیسے عدت ختم ہونے کے بعد وہ طلاق دے ظاہر ہے کہ یہ طلاق واقع نہ ہوگی۔

اور احناف کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فلا جناح علیہما فینما افتدث بہ یعنی اگر میاں بیوی باہمی حقوق کی رعایت میں ناکام ہو رہے ہوں تو خلع کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اس کے بعد ارشاد فرمایا فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ کہ اب دومرتبہ طلاق صریح یا بائن کے بعد شوہر نے تیسری طلاق دے دیا تو وہ عورت شوہر سابق کے لیے حلال نہ رہ جائے گی تا آنکہ وہ اس کے سوا دوسرے شوہر سے نکاح کر لے، ملاحظہ فرمائیں کہ فَإِنْ طَلَّقَهَا میں فاء تعقیب مع الوصل کے لیے ہے پس یہ

دوسرے خلع کے بعد تیسری طلاق کے وقوع پر نص ہے، نیز نبی..... نے ارشاد فرمایا المختلعة یقلعہا صریح الطلاق مادامت فی العدة یعنی خلع کرنے والی عورت کو طلاق صریح لاحق ہوتی ہے جب تک وہ طلاق بائنہ کی عدت میں ہے، اس روایت سے بھی معلوم ہوا کہ خلع یعنی بائن کے بعد طلاق صریح کا موقع رہتا ہے، بشرطیکہ عورت کی عدت ختم نہ ہوئی ہو۔

دوسری بات یہ کہ قید حکمی احکام نکاح کے باقی ہونے کی وجہ سے رہتی ہے اور فوت بائن کے بعد عدت میں استمتاع ہوا ہے اور فائدہ اٹھانے کی اجازت کا نہ ہونا محل میں تصرف سے مانع نہیں ہوتا، جیسا کہ استمتاع کا حیض کی وجہ سے فوت ہونا، حالاں کہ محل میں تصرف درست ہوتا ہے۔

والبائن یلحق الصریح لا البائن الخ: اور بائن صریح کو تو لاحق ہوتی ہے بائن کو نہیں، الا یہ کہ بائن معلق ہو، مثلاً کسی نے انت طالق کے بعد انت بائن کہا تو طلاق صریح کے بعد طلاق بائن واقع ہو جائے گی لیکن بائن کے بعد بائن نہیں واقع ہوگی، مثلاً مدخل بہا سے انت بائن کہنے کے بعد دوسری مرتبہ انت بائن کہہ رہا ہے تو یہ ثانی طلاق بائن نہیں واقع ہوگی، کیوں کہ طلاق ثانی کو اول طلاق سے اخبار ماننا ممکن ہے، لہذا انشاء ٹھہرانے کی ضرورت نہیں گویا اس نے اول کلام سے طلاق واقع کی ہے، اس کے بعد کلام ثانی سے طلاق سابق کے وقوع کی خبر دے رہا ہے، البتہ اگر اول طلاق بائن معلق بالشرط ہو اور ثانی طلاق بائن بلا شرط ہو تو دوسری طلاق بائن بھی واقع ہو جائے گی، مثلاً کسی نے کہا ان دخلت الدار فانت بائن اس کے بعد پھر کہا انت بائن پھر عورت گھر میں داخل ہو تو ثانی طلاق بھی واقع ہو جائے گی، اس لیے کہ اس کے قبل تعلیق کے صحیح ہونے کی وجہ سے ثانی کو اول کی خبر بنانا ممکن نہیں ہے، دوسری طرف وہ شرط پائے جانے کے وقت یعنی مدخل دار کے وقت وہ محل طلاق ہے، لہذا دوسری بھی واقع ہو جائے گی، البتہ امام زفرؒ کے نزدیک معلق بالشرط طلاق منجز یعنی غیر معلق بالشرط کی طرح ہے، شرط کے پائے جانے کے وقت۔

باب تفویض الطلاق

قَالَ لَهَا اخْتَارِي يَنْوِي بِهِ الطَّلَاقَ فَاخْتَارَتْ فِي مَجْلِسِهَا بَأَنَّهُ بِوَاحِدَةٍ وَلَمْ تَصِحَّ نِيَّةُ الثَّلَاثِ فَإِنْ قَامَتْ أَوْ اخَذَتْ فِي عَمَلٍ آخَرَ بَطَلَ وَذَكَرُ النَّفْسِ أَوْ الْاِخْتِيَارَ فِي أَحَدٍ كَلَامِيهِمَا شَرْطٌ فَإِنْ قَالَ لَهَا اخْتَارِي فَقَالَتْ اَنَا اخْتَارُ نَفْسِي أَوْ اخْتَرْتُ نَفْسِي تُطَلِّقُ وَإِنْ قَالَ لَهَا اخْتَارِي اخْتَارِي فَقَالَتْ اخْتَرْتُ الْاُولَى أَوْ الْوُسْطَى أَوْ الْاٰخِرَةَ أَوْ اِخْتِيَارَةً وَقَعَ الثَّلَاثُ بِلَا نِيَّةٍ وَلَوْ قَالَتْ طَلَّقْتُ نَفْسِي أَوْ اخْتَرْتُ نَفْسِي بِتَطْلِيْقَةٍ

بَآئَتْ بِوَاحِدَةٍ أَمْرُكَ بِيَدِكَ فِي تَطْلِيقَةٍ أَوْ إِنْخَارِي تَطْلِيقَةً فَأَخْتَارَتْ لِنَفْسِهَا طُلُقَتْ
وَاحِدَةً رَجْعِيَّةً.

ترجمہ: اور اگر بیوی سے کہا اختیار کر اور اس سے طلاق کی نیت کی اور عورت نے اسی مجلس میں اختیار کر لیا تو ایک طلاق سے بائٹ ہو جائے گی، اور تین کی نیت صحیح نہ ہوگی اور اگر وہ اٹھ کھڑی ہوئے یا اس نے کوئی دوسرا کام شروع کر دیا تو اختیار باطل ہو جائے گا، اور لفظ نفس یا لفظ اختیار کو ان دونوں کے کلاموں میں سے کسی ایک میں ذکر کرنا شرط ہے اور اگر بیوی سے کہا اختیار کر بیوی نے کہا میں اپنی ذات کو اختیار کرتی ہوں یا میں نے اپنی ذات کو اختیار کر لیا تو طلاق پڑ جائے گی، اور اگر اس سے کہا اختیار کر، اختیار کر، اختیار کر، (تین مرتبہ) بیوی نے کہا کہ میں نے اول کو یا درمیانی کو یا آخری کو اختیار کر لیا تو ایک طلاق بائٹ ہو جائے گی، تیرا معاملہ تیرے ہاتھ ہے ایک طلاق میں یا اختیار کر ایک طلاق پس عورت نے اپنی ذات کو اختیار کر لیا تو ایک طلاق رجعی پڑے گی۔

تشریح: جس طلاق کو شوہر بذات خود واقع کرتا اس کی دونوں قسموں (صریح و کنایہ) سے فراغت کے بعد مصنف اس طلاق کا بیان شروع کر رہے ہیں جس کو شوہر کے حکم سے کوئی دوسرا شخص واقع کرے خواہ وہ زوجہ ہو یا کوئی اور اس کی تین قسمیں ہیں تفویض، توکیل، رسالہ، تفویض غیر کو طلاق کا مالک بنانا، وکیل غیر کو طلاق کا وکیل اور نمائندہ بنانا، رسالہ دوسرے کے ذریعہ طلاق کہلا بھیجتا۔

تفویض کے تین الفاظ ہیں تخیر، امر بید اور مشیت۔ اور جب کہ طلاق من الغیر خلاف اصل ہے تو اسے ماہوالاصل کے بیان کے بعد ذکر فرمایا اگر کسی نے اپنی بیوی کو کہا تو اپنی ذات کو اختیار کر لے اور نیت طلاق کی یعنی طلاق دینے کا مالک بنا دیا پس عورت نے اسی مجلس میں اپنی ذات کو اختیار کر لیا تو عورت ایک طلاق سے بائٹ ہو جائے گی اور اگر عورت نے بجائے اپنی ذات کے شوہر کو اختیار کیا تو طلاق واقع نہ ہوگی، اور عورت کو ملا ہو طلاق کا اختیار جاتا رہے گا، اور شوہر کا تین کی نیت کرنا صحیح نہ ہوگا کیوں کہ اختیار میں تنوع نہیں ہوتا اس لیے کہ اختیار خلوص کے معنی کی خبر دیتا ہے اور یہ غیر متنوع ہے جب کہ بینوہ متنوع ہوتی ہے غلیظہ، خفیہ، صغریٰ، کبریٰ لہذا بینوت میں جو بھی نیت کرے گا صحیح ہوگی۔

دوسری بات مسئلہ بالا میں بمقتضائے قیاس طلاق نہیں ہونا چاہئے کیوں کہ شوہر خود لفظ اختیاری سے طلاق واقع کرنے کا مالک نہیں لہذا وہ دوسرے کو بھی مالک نہیں بنا سکتا، مگر استحساناً طلاق واقع ہو جائے گی کیوں کہ محترہ عورت کو مجلس علم میں اپنی ذات کے اختیار کرنے کا حق باجماع صحابہ ثابت ہے، ہاں اگر وہ اس مجلس سے اٹھ کھڑی ہو تو اختیار ختم ہو جائے گا، کیوں کہ یہ اعراض کی دلیل ہے، اسی طرح اگر اس نے دوسرا

کام شروع کر دیا تو بھی۔

واضح رہے کہ مسئلہ مذکورہ بالا میں امام مالکؒ کے نزدیک بغیر نیت بھی تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں اور امام شافعیؒ کے نزدیک تین واقع ہوتی ہیں، بشرطیکہ شوہر کی جانب سے نیت پائی جائے۔

وذكر النفس او الاختيار الخ: لفظ نفس یا تطليق یا الاختيار یا ایسا لفظ جو الاختيار سے کنایہ ہو زوجین میں سے کسی ایک کے کلام میں ذکر کرنا شرط ہے بایں طور کہ شوہر کہے اختاری نفساً تو اس کے جواب میں عورت کہے اختارث نفسی یا شوہر کہے اختاری تو اس کے جواب میں عورت کہے اختارث نفسی اور زوجین میں سے کسی ایک کے کلام میں لفظ نفس وغیرہ کا ذکر اس لیے شرط ہے کہ اختاری سے عورت کو طلاق واقع کر لینے کا حق باجماع صحابہؓ ثابت ہے اور یہ میاں بیوی میں سے کسی کی جانب سے لفظ نفس کے تذکرہ کی صورت میں ہے، دوسرے یہ کہ اختاری مبہم ہے پس اگر اس کے جواب میں عورت نے بھی اختارث بغیر نفس یا الاختيار کے بغیر کہا تو یہ بھی مبہم ہوگا اور لفظ مبہم، مبہم کی تفسیر نہیں ہو سکتا۔

معلوم ہوا کہ اختيار لفظ اختیاری کی تفسیر یوں ہو سکتا ہے کہ تاہم اختیاریہ میں واحده کے معنی پر دلالت کرتی ہے اور عورت کا اپنی طلاق اختیار کرنا توحد یعنی ایک ہونے اور تعدد یعنی متعدد ہونے پر دلالت کرتا ہے، شوہر کا اختیار اس معنی پر دلالت نہیں کرتا کیوں کہ یہ تو ابقاء نکاح سے عبارت ہے پس اس میں اتحاد اور تعدد متحقق نہ ہوگا پس نفس یا اختيار کا ذکر میاں بیوی میں سے کسی کے کلام میں ضروری ہوا اور ائمہ ثلاثہ مالکؒ شافعیؒ، احمدؒ کے نزدیک نفس وغیرہ کا ذکر شرط نہیں۔

پس اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا اختاری پس عورت نے کہا انا اختار نفسی یا عورت نے اس کے جواب میں اختارث نفسی کہا یعنی مضارع کے لفظ کے ساتھ یا ماضی کے لفظ کے ساتھ اختیار کیا تو ایک طلاق بائنہ پڑ جائے گی بشرطیکہ شوہر نے اختاری کہنے سے طلاق کی نیت کی ہو اور ایسا استحسانا ہوگا اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ مضارع کے ساتھ جواب دینے یعنی اختارث نفسی کہنے میں طلاق نہ پڑنا چاہئے اس لیے کہ اس کا جواب یعنی اختارث نفسی وعدہ کا بھی احتمال رکھتا ہے لہذا اس احتمال کے ہوتے ہوئے وہ اختاری کا جواب نہ ہو سکے گا اور وجہ استحسان اجماع صحابہؓ ہے دوسرے یہ کہ شرع نے اس کو ایجاب اور جواب قرار دیا ہے۔

وإن قال لها اختاری الخ: اگر شوہر نے عورت سے کہا اختاری، اختاری اختاری تین مرتبہ پس عورت نے جواب میں کہا کہ میں نے پہلی کو یا بیچ والی کو یا اخیرہ کو اختیار کیا تو بغیر نیت کے ہی تین طلاقیں پڑ جائیں گی ابوحنیفہؒ کے نزدیک کیوں کہ لفظ اختاری کو مکرر ذکر کرنا طلاق پر دال ہے اور صاحبین کے نزدیک ایک طلاق بائنہ ہوگی امام شافعیؒ بھی اسی کے قائل ہیں، دلیل یہ ہے کہ لفظ اولیٰ اور وسطیٰ وغیرہ کا ذکر اگر من حیث

الترتیب مفید نہیں ہے تو من حیث الافراد تو ضروری مفید ہے، لہذا افراد کا اعتبار کیا جائے گا، پس گویا عورت نے یوں کہا کہ اخترت التعلیقة الاولى۔

امام صاحب کا کہنا یہ ہے کہ عورت کا وصف اولیت یعنی پہلی، دوسری یا اخیرہ کہنا لغو ہے اس لیے کہ وہ چیز جو ملک میں جمع ہو تو اس میں ترتیب نہیں ہوتی، یعنی ترتیب ذوات کے افعال میں ہوتی ہے خود ذوات میں نہیں ہوتی اور جس چیز میں ترتیب نہ ہو اس کے لیے ترتیب پر دلالت کرنے والے کلام میں بھی ترتیب کا اعتبار نہیں ہوتا پس جب یہاں اصل ترتیب نہیں رہی تو جو اس پر مبنی ہے یعنی افراد اس میں بھی ترتیب نہیں رہے گی، اور جب دونوں میں ترتیب لغو ہو گئی تو صرف اخترت باقی رہ گیا اور یہ تینوں الفاظ کا جواب ہو سکتا ہے لہذا تینوں طلاقیں واقع ہوں گی، کیوں کہ جب اخترت تینوں الفاظ کا جواب ہو سکتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تینوں طلاقیں عورت کے ملک میں جمع ہو گئیں، وصف ترتیب کا لحاظ کئے بغیر پس نہ کوئی اولیٰ رہی نہ ثانیہ اور نہ اخیرہ لہذا سبھی طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔

اور اگر عورت نے اخترت اختیارة یا اخترت الاختیارة مرة یا اخترت بمرة یا اخترت دفعة یا اخترت بدفعة واحدة یا اخترت اختیارة واحدة تفویض سابق کے جواب میں کہا تو بالاتفاق تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی، اور شوہر کی نیت ضروری نہ ہوگی اور نہ ہی نفس کے ذکر کی کوئی ضرورت، کیوں کہ اختاری کا حکم اس پر خود ہی دلالت کر رہا ہے، اور اگر عورت نے اخترت التعلیقة الاولى تفویض مذکور کے جواب میں کہا تو بالاتفاق ایک واقع ہوگی۔

ولو قال طلقت نفسی الخ: اگر عورت نے تفویض مذکورہ بالا کے جواب میں بجائے سابقہ جوابوں کے کہا طَلَقْتُ نَفْسِي یا کہا اخترت نفسی بتعلیقة تو عورت ایک طلاق کے ساتھ بائنہ ہو جائے گی اس لیے کہ عامل اس میں شوہر کی تخیر ہے عورت کا واقع کرنا نہیں پس عورت نے اگرچہ طلاق لفظ صریح کے ساتھ واقع کیا ہے جس کا تقاضا ایک رجعی ہوتا ہے لیکن اعتبار شوہر کی تفویض کا ہوگا اور تفویض شوہر کی طرف سے بائن کی ہے، کیوں کہ کلمہ اختاری بینوت کا فائدہ دیتی ہے، اسی وجہ سے اگر شوہر عورت کو بائن کا حکم کرے اور عورت نے اس کے جواب میں رجعی واقع کیا یا شوہر کا حکم رجعی کا تھا اور عورت نے بائن خواہا واقع کیا تو اعتبار امر زوج کا ہوگا یعنی وہی طلاق واقع ہوگی جس کا شوہر نے حکم دیا تھا۔

امرك بيدك الخ: اگر شوہر نے عورت سے کہا امرك بيدك فی تعلیقة کہ ایک طلاق میں تیرا معاملہ تیرے حوالے یا شوہر نے کہا اختاری تعلیقة پس عورت نے اخترت نفسی کہہ دیا یعنی اس نے اپنے کو اختیار کر لیا تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اس لیے کہ شوہر نے عورت کو تعلیقة کا اختیار دیا ہے اور اسکے

بعد رجعت ہوئی ہے، اگر کوئی کہے کہ صاحب لفظ امرُک بیدک اور اختاریٰ بینوتہ کا فائدہ دیتا ہے، لہذا اس کو بینوت سے رجعی کی طرف پھیرنا غیر صحیح ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب امرُک بیدک جیسے الفاظ کے ساتھ صریح طلاق متصل ہوگئی تو معلوم ہوا کہ شوہر نے طلاق رجعی کا ارادہ کیا۔

فصل

امْرُكُ بَيْدِكَ يَنْوِي ثَلَاثًا فَقَالَ اخْتَرْتُ نَفْسِي بَوَاحِدَةٍ وَقَعَنْ وَفِي طَلَّقْتُ نَفْسِي بَوَاحِدَةٍ أَوْ اخْتَرْتُ نَفْسِي بِتَطْلِيقَةٍ بَأْتَتْ بَوَاحِدَةٍ وَلَا يَدْخُلُ اللَّيْلُ فِي امْرُكٍ بَيْدِكَ الْيَوْمَ وَبَعْدَ غَدٍ وَإِنْ رَدَّتِ الْأَمْرَ فِي يَوْمِهَا بَطَلَ امْرُ ذَلِكَ الْيَوْمَ وَكَانَ الْأَمْرُ بَيْدِهَا بَعْدَ غَدٍ وَفِي امْرُكٍ بَيْدِكَ الْيَوْمَ وَغَدًا يَدْخُلُ وَإِنْ رَدَّتْ فِي يَوْمِهَا لَمْ يَبْقِ الْأَمْرُ فِي الْغَدِ وَلَوْ مَكَثَتْ بَعْدَ التَّفْوِیْضِ يَوْمًا وَلَمْ تَقُمْ أَوْ جَلَسَتْ عَنْهُ أَوْ إِنْكَاثٌ عَنْ قُعُودٍ أَوْ عَكْسَتْ أَبَاهَا لِلْمَشْهُورَةِ أَوْ شُهُودًا لِلْأَشْهَادِ أَوْ كَانَتْ عَلَى ذَابَّةٍ فَوَقَفَتْ بَقِيَ خِيَارُهَا وَإِنْ سَارَتْ لَا وَالْفُكُ كَالْبَيْتِ.

ترجمہ: (شوہر نے کہا) تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے درانحالیکہ وہ تین طلاقوں کی نیت کرتا ہے پس بیوی نے (اس کے جواب میں) کہا میں نے اپنی ذات کو ایک دفعہ سے اختیار کر لیا تو تین طلاقیں واقع ہوں گی اور اگر (کہے کہ) میں نے اپنی ذات کو ایک طلاق دے لی یا میں نے اپنی ذات کو ایک طلاق سے اختیار کر لیا تو ایک طلاق سے بائیں ہو جائے گی، اور رات نہیں داخل ہوگی (یہ کہنے میں کہ) تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے آج اور پرسوں اور اگر عورت نے اس دن کا اختیار رد کر دیا تو اس روز کا اختیار باطل ہو جائے گا، اور پرسوں کا اختیار اسے رہے گا، اور اگر (کہا) کہ تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے آج اور کل تو رات داخل ہوگی اور اگر اس دن کا اختیار رد کر دیا تو کل میں اختیار نہ رہے گا، اور اگر ٹھہری رہ گئی تفویض کے بعد ایک دن اور کھڑی نہ ہوئی یا (کھڑی تھی) بیٹھ گئی یا بیٹھی تھی تکیہ لگا لیا یا اس کے برعکس کیا یا اپنے باپ کو مشورہ کے لیے بلایا یا گواہوں کو گواہ کرنے کے لیے بلایا یا سواری پر تھی ٹھہر گئی تو اس کا اختیار باقی رہے گا اور اگر چل پڑی تو باقی نہ رہے گا اور کشتی کا حال گھر کا سا ہے۔

تشریح: امرُک بیدک میں امر بمعنی حال ہے اور ید بمعنی تصرف ہے، یعنی تیرا حال تیرے قبضہ و تصرف میں ہے پس کسی آدمی نے اپنی بیوی سے کہا امرُک بیدک اور ان الفاظ کے کہنے سے شوہر تین طلاقوں کا ارادہ کر رہا ہے پس عورت نے اخترت نفسی بواحدة یا اخترت نفسی بمرّة واحدة جواباً کہا تو

تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی، اس لیے کہ اختیار امر بالید کا جواب ہو سکتا ہے، اس لیے کہ امر بالید تخیر ہی کی طرح تملیک ہے، یعنی عورت کو طلاق کا مالک بنانا ہے، اور یہ جنس ہے جو عموم اور خصوص سب کا احتمال رکھتا ہے پس جس کی نیت کر لی وہ نیت معتبر ہوگی اور اگر کوئی نیت نہیں کی تو اقل تو ضرور ثابت ہو جائے گی یعنی ایک طلاق، اور رہی بات اخترت نفسی بواحدة میں واحدة کی تو وہ اختیار کی صفت ہے پس وہ معنی میں اخترت نفسی بمرة واحدة کی طرح ہو گیا اور ان الفاظ سے تین طلاقیں ہوتی ہیں بشرطیکہ شوہر نے تین طلاقیں کی نیت کی ہو کیوں کہ اعتبار شوہر کی تفویض کا ہی ہوتا ہے۔

اور اگر شوہر نے امرک بیدک سے ایک طلاق یا دو طلاق کا ارادہ کیا اور عورت آزاد ہے یا کسی طرح کی نیت ہی نہیں کی تو ایک طلاق واقع ہوگی، دو کی نیت کا اعتبار اس لیے نہیں ہے کہ یہ عدد محض ہے اور جنس عدد کا احتمال نہیں رکھتی، معلوم ہوا کہ جس طرح اختاری کے جواب میں لفظ نفس کا ذکر کرنا شرط ہے اسی طرح امر بالید کے جواب میں بھی نفس یا جو اس کے ہم معنی ہو کا تذکرہ ضروری ہے، اخترت امری یا قبلت نفسی ذکر نفس کے قائم مقام ہو جاتے ہیں، حاصل یہ ہے کہ امر بالید تمام مسائل تخیر کی طرح ہے سوائے تین کی نیت کے کہ تخیر میں تین طلاقیں کی نیت صحیح نہیں ہوتی، کیوں کہ تخیر کے ذریعہ وقوع طلاق خلاف قیاس اجماع صحابہ کی وجہ سے ہے، بخلاف امر بالید کے کہ یہ تملیک ہے پس شوہر کو قیاساً و استحساناً حق پہنچتا ہے کہ جس کا وہ مالک ہے دوسرے کو اس کا مالک بنادے۔

وفی طلقت نفسی بواحدة الخ: اور اگر عورت نے امرک بیدک کے جواب میں طلقت نفسی بواحدة کہا یا اخترت نفسی بتطليقة کہا تو ایک بائنہ واقع ہوگی، پہلی صورت میں تو اس لیے کہ واحدة مصدر محذوف کی صفت ہے تقدیر عبارت ہے طلقت نفسی بطلقة واحدة پس یہ بات متعین ہوگئی کہ موصوف محذوف طلقت کا مصدر ہے اس فعل کے اس پر دلالت کرنے کی وجہ سے لہذا طلاق واحد ہوگی اور دوسری صورت یعنی جب شوہر نے امرک بیدک تین طلاقیں کی نیت کرتے ہوئے عورت سے کہا اور اس نے جواب میں اخترت نفسی بتطليقة کہا تو ایک طلاق تو اس لیے واقع ہوگی کہ جواب میں تطليقة کی صراحت ہے اور یہ ایک ہی ہوتی ہے اور بائنہ اس لیے ہوگی کہ امر بالید کے جواب میں اعتبار شوہر کی تفویض کا ہوتا ہے، عورت کے ایقاع یعنی اس بات کا نہیں کہ اس نے کتنی طلاقیں واقع کی ہیں پس وہ صفت جو تفویض میں مذکور ہے وہی جواب میں بھی مذکور ہوگی۔

ولا يدخل الليل في امرک بیدک الخ: یعنی جب شوہر نے اپنی بیوی سے کہا امرک بیدک اليوم وبعد غد یعنی تیرا معاملہ تیرے حوالے آج اور پرسوں آئندہ تو اس میں رات داخل نہ ہوگی پس رات اس کے

اختیار کرنے کا وقت نہ ہوگا حتیٰ کہ اگر اس نے رات میں اپنے آپ کو اختیار کیا تو طلاق واقع نہ ہوگی، اس لیے کہ شوہر نے یومین میں سے ہر ایک کو مفرد ذکر کیا ہے اور یوم مفرد شب کو شامل نہیں ہوتا پس امر بالید ایسے دو وقتوں میں ہوا جو دونوں الگ الگ ہیں لہذا دونوں وقتوں میں الگ الگ تملیک طلاق ہوئی اچھا دونوں وقتوں کو امر واحد کرنا ممکن نہیں، اس چیز کے دونوں وقتوں کے بیچ میں آجانے کی وجہ سے جو دونوں کے مابین فصل کو ضروری گردانتی ہے اور وہ ہے الیوم اور لیلتان پس جب یہ دو الگ الگ وقت ہوئے تو عورت کا خیار بعد غد باطل نہیں ہوگا اگر وہ الیوم میں حاصل اتھارٹی طلاق کو رد کر دیتی ہے۔

امام زفر کے نزدیک الیوم و بعد غد امر واحد ہیں پس ایک میں خیار رد کرنا دوسرے میں خیار کے رد کو مستلزم ہے، کیوں کہ دو وقتوں میں سے ایک کا دوسرے پر عطف بغیر لفظ امر کے تکرار کے ہوا ہے، پس یہ امر واحد ہوگا اور امرک بیدک الیوم و بعد غد، امرک بیدک الیوم و غذا کی طرح ہوا ہمارا کہنا یہ ہے کہ امر بالید تو قیت کا احتمال رکھتا ہے، لہذا وہ چیز جو لفظ میں داخل نہ ہو اس کو لفظ میں داخل کرنے کی نہ مقصود اور نہ ہی سمجھا کوئی ضرورت ہے۔

وان ردت الامر فی یومها الخ: یہ جزئیہ او پر بیان ہو چکا ہے یعنی اگر عورت نے الیوم میں اپنے خیار کو رد کر دیا تو یوم کا خیار طلاق ختم ہو جائے گا البتہ بعد غد یعنی پرسوں سے متعلق جو عورت کو خیار طلاق ملا تھا وہ باقی رہے گا اس لیے کہ جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ وہ دونوں دو علیحدہ علیحدہ امر ہیں ان دونوں کے وقت کے انفصال کی وجہ سے تو عورت کے لیے خیار دونوں وقتوں میں سے ہر ایک وقت میں الگ الگ ہوگا، پس ان میں سے کسی ایک کے رد سے دوسرے کا رد نہیں ہوتا۔

وفی امرک بیدک الیوم و غذا الخ: اگر آدمی نے اپنی بیوی سے کہا امرک بیدک الیوم و غذا تو نخییر میں رات داخل ہوگی، کیوں کہ مذکورہ دونوں وقتوں کے درمیان ان دونوں کی جنس سے کوئی ایسا وقت نہیں ہے جو امر کو شامل نہ ہو پس وہ امر واحد ہوا اور ایسا اس لیے کہ شب کا بیچ میں ہونا ان دونوں وقتوں کے درمیان فصل نہیں کرتا، اس لیے کہ لوگ مشورہ کے لیے بیٹھتے ہیں کہ دفعہ رات آجاتی ہے اور ان کا مشورہ اور مجلس ختم ہونے کو بھی نہیں آتی۔

وان ردت فی یومها الخ: اگر عورت نے اس خیار کو جو اسے شوہر کی جانب سے طلاق دے لینے کی بابت ملا تھا یوم میں رد کر دیا تو غذا میں بھی رد کر دیا جائے گا یعنی یوم میں رد کرنے سے غذا میں بھی رد ہو جائے گا، کیوں کہ یہ دونوں الگ الگ وقت نہیں ہیں بلکہ امر واحد ہیں جیسے کہ جب شوہر عورت سے کہتا امرک بیدک الیوم پس عورت اول نہار میں اس خیار کو رد کر دیتی تو اس رد سے عورت کے لیے حق طلاق آخر نہار میں بھی رد

مانا جاتا۔

ولو مكثت بعد التفويض الخ: اور اگر عورت شوہر کی تفویض کے بعد ایک دن یا اس سے زیادہ ٹھہر گئی اور کھڑی نہیں ہوئی یعنی اس اختیار طلاق پانے کے بعد کسی دوسرے عمل میں نہیں لگی یا پہلے کھڑی تھی اب بیٹھ گئی یا پہلے بیٹھی تھی اب ٹیک لگا لیا یا اس کے برعکس یعنی ٹیک لگائے ہوئے تھی اب بیٹھ گئی یا اس نے اپنے والد کو مشورہ کے لیے بلوایا یا گواہوں کو اشہاد کے لیے بلایا یا وہ سواری پر تھی پس وہ ٹھہر گئی یا سواری سے اتر آئی تو اختیار باقی رہے گا باطل نہ ہوگا، کیوں کہ عورت کی جانب سے کوئی ایسا عمل نہیں پایا گیا جو اعراض پر دلالت کرے پس اگر تفویض کے بعد عورت کی جانب سے کوئی ایسا امر پایا گیا جو اعراض پر دلالت کرتا ہے تو عورت کا اختیار باطل ہو جائے گا، یہ ساری تفصیل تب ہے جب عورت مجلس تفویض میں موجود ہو پس اگر وہ موجود نہیں ہے تو مجلس علم کا اعتبار ہوگا یعنی جس مجلس میں عورت کو اطلاع ملی کہ شوہر نے ایقاع طلاق کی اس کو اتھارٹی دے دی ہے پس اس علم کے بعد اگر عورت کی طرف سے ایسی کوئی حرکت نہیں ہوتی جو اعراض پر دلالت کرتی ہو تو اختیار باطل نہ ہوگا ورنہ باطل ہو جائے گا۔

وإن سارت لا: اور اگر سواری چل پڑی تو اختیار باقی نہ رہے گا اس لیے کہ دلالت کا چلنا عورت کی طرف منسوب ہے، اس لیے کہ سواری اپنے سوار کے اختیار سے چلتی ہے پس یہ اعراض عن الاختیار کی علامت سے ہے لہذا اختیار ختم مانا جائے گا۔

والفلك كالبیت: اور کشتی گھر کی طرح ہے یعنی اگر میاں بیوی کشتی میں ہوں پس شوہر نے عورت سے کہا امرک بیدک اور عورت شوہر کے کہنے کے بعد اپنی جگہ سے کھڑی نہیں ہوئی اور کشتی رواں دواں رہی تو یہ اعراض نہ ہوگا اور عورت کا اختیار باطل نہ ہوگا اس لیے کہ کشتی بمنزلہ بیت ہے اور کشتی کا چلنا کشتی کے سوار کی طرف منسوب نہ ہوگا، کیوں کہ کشتی کا سوار کشتی کے چلانے اور ٹھہرانے پر قادر نہیں ہوتا پس عورت جب تک اپنی مجلس میں رہتی ہے اس کا اختیار باقی رہے گا پس اگر مجلس بدل جاتی ہے تو اختیار بھی باطل ہو جائے گا، جیسا کہ گھر میں یہی حکم ہے اور امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اگر تفویض کے وقت کشتی کھڑی تھی پس تفویض کے بعد چل پڑی تو اختیار باطل ہو جائے گا۔

فصل

ولو قال لها طلقی نفسك ولم ينو أو نوى واحدة فطلقت وقعت رجعية وإن طلقث لثا ونواه وقعن وبانت نفسى طلقث لا باخترت ولا يملك وتقيد بمجلسها إلا إذا

زَادَ مَتَى شَيْءٌ وَلَوْ قَالَ لِرَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَتِي لَمْ يَتَّقِئْذَ بِالْمَجْلِسِ إِلَّا إِذَا زَادَ إِنْ شَيْءٌ وَلَوْ قَالَ لَهَا طَلَّقِي نَفْسِكَ ثَلَاثًا وَاحِدَةً وَقَعَتْ وَاحِدَةً لَا فِي عَكْسِهِ وَطَلَّقِي نَفْسِكَ ثَلَاثًا إِنْ شَيْءٌ فَطَلَّقَتْ وَاحِدَةً وَعَكْسُهُ لَا وَلَوْ أَمَرَهَا بِالْبَائِنِ أَوْ الرَّجْعِيِّ فَعَكَّسَتْ وَقَعَّ مَا أَمَرَهُ الْبِ طَالِقُ إِنْ شَيْءٌ فَقَالَتْ شَيْءٌ إِنْ شَيْءٌ فَقَالَ شَيْءٌ يَنْبَوِي الطَّلَاقُ أَوْ قَالَتْ شَيْءٌ إِنْ كَانَ كَذَ الْمَعْدُومِ بَطْلٌ وَإِنْ كَانَ لِشَيْءٍ مَضَى طَلَّقَتْ أَلَتْ طَالِقٌ مَتَى شَيْءٌ أَوْ مَتَى مَا شَيْءٌ أَوْ إِذَا شَيْءٌ أَوْ إِذَا مَا شَيْءٌ فَرَدَّتِ الْأَمْرَ لَا يَرْتَدُّ وَلَا يَتَّقِئْذَ بِالْمَجْلِسِ وَلَا تُطَلِّقُ إِلَّا وَاحِدَةً وَفِي كُلِّمَا شَيْءٍ لَهَا أَنْ تَفَرِّقَ الثَّلَاثَ وَلَا تَجْمَعَ وَلَوْ طَلَّقَتْ بَعْدَ زَوْجٍ آخَرَ لَا يَقَعُ وَفِي حَيْثُ شَيْءٌ وَابْنِ شَيْءٍ لَمْ تَطْلُقْ حَتَّى تَشَاءَ فِي مَجْلِسِهَا وَفِي كَيْفِ شَيْءٍ تَقَعُ رَجْعِيَّةٌ فَإِنْ شَاءَتْ بَائِنَةً أَوْ ثَلَاثًا وَنَوَاهُ وَقَعُ وَفِي كَمِ شَيْءٍ أَوْ مَا شَيْءٍ تُطَلِّقُ مَا شَاءَ فِيهِ وَإِنْ رَدَّتِ الْأَمْرَ إِلَّا إِرْتَدَّ وَفِي طَلَّقِي نَفْسِكَ مِنْ ثَلَاثٍ مَا شَيْءٍ تُطَلِّقُ مَا دُونَ الثَّلَاثِ.

ترجمہ: یہ فصل (حکم مشیت کے بیان میں) اگر بیوی سے کہا کہ اپنی ذات کو طلاق دے لے اور کچھ نیت نہیں کی یا ایک طلاق کی نیت کی تو ایک طلاق رجعی واقع ہو جائے گی اور اگر بیوی نے تین طلاقیں دے لیں اور شوہر نے اس کی نیت کر لی تو تین واقع ہو جائیں گی، اور (اگر بیوی نے کہا کہ) میں نے اپنی ذات کو جدا کر لیا تو طلاق واقع ہو جائے گی اور (اگر کہا) کہ میں نے اختیار کر لیا تو طلاق نہ ہوگی اور مرد (تفویض سے) رجوع کا مالک نہیں رہتا، اور اختیار عورت کی مجلس تک رہتا ہے الا یہ کہ شوہر اتنا زیادہ کر دے کہ جب تو چاہے اگر شوہر نے کسی سے کہا کہ میری بیوی کو طلاق دیدے تو یہ مجلس کے ساتھ مقید (اور اس پر منحصر) نہ ہوگا الا یہ کہ وہ بھی یہ کہہ دے کہ اگر تو چاہے اور اگر شوہر نے بیوی سے کہا کہ اپنی ذات کو تین طلاقیں دے دے تو یہ مجلس کے ساتھ مقید (اور اس پر منحصر) نہ ہوگا الا یہ کہ وہ بھی یہ کہہ دے کہ اگر تو چاہے اور اگر شوہر نے بیوی سے کہا کہ اپنی ذات کو تین طلاقیں دے لے پس اس نے ایک طلاق دے لی تو ایک طلاق واقع ہو جائے گی نہ کہ اس کے عکس میں اور اگر کہا کہ تین طلاقیں دے لے اگر تو چاہے بیوی نے ایک طلاق دے لی اور اس کا عکس تو واقع نہ ہوگی اور اگر شوہر نے بیوی کو طلاق بائن یا رجعی کا حکم کیا پس اس نے اس کے برعکس کیا تو وہی واقع ہوگی جس کا حکم کیا تھا تو طالق ہے اگر چاہے پس بیوی نے کہا میں نے چاہا اگر تو چاہے تو شوہر نے کہا میں نے چاہا اور اس سے طلاق کی نیت کی یا بیوی نے کہا میں نے چاہا اگر ایسا ہو کسی معدوم کے لیے تو یہ قول باطل ہو جائے گا اور اگر کسی گزشتہ امر کے متعلق کہا تو طلاق ہو جائے گی، اور تو طالق ہے جب چاہے یا جب

کبھی چاہے عورت نے اس کو رد کر دیا تو رد نہ ہوگا اور نہ مجلس کے ساتھ مقید ہوگا اور اس سے طلاق نہیں دی جاسکتی مگر ایک اور کلمہ اشاعت کی صورت میں عورت علیحدہ علیحدہ تین دے سکتی ہے اور ایک ساتھ نہیں دے سکتی اور اگر طلاق دی دوسرے شوہر کے بعد تو واقع نہ ہوگی (اگر کہا کہ) جہاں تو چاہے اور جس جگہ تو چاہے تو طلاق نہ ہوگی یہاں تک کہ اسی مجلس میں چاہے اور (اگر کہا کہ) جس طرح تو چاہے تو طلاق رجعی ہوگی پس اگر عورت نے بائن یا تین چاہی اور شوہر نے نیت بھی کر لی تو واقع ہو جائے گی اور (اگر کہا کہ) جتنی چاہے یا جو چاہے تو عورت اسی مجلس میں جتنی چاہے طلاق دے لے اور اگر رد کرے تو رد ہو جائے گا، اور (اگر کہا کہ) طلاق دے لے تین میں جتنی چاہے تو تین سے کم طلاق دے سکتی ہے۔

تشریح: اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا طَلَّقْیَ نَفْسِکَ کہ تو اپنی ذات کو طلاق دے لے اور کسی قسم کی کوئی نیت بھی نہیں ہے، یا شوہر نے ایک طلاق کی نیت کی پس عورت نے ایک طلاق دے لی تو طلاق رجعی ہوگی اور اگر عورت نے تین طلاقیں دے لی اور شوہر نے تین کی نیت بھی کر لی تھی تو سب واقع ہو جائیں گی، اب جہاں تک وقوع طلاق کا تعلق ہے تو اس لیے کہ شوہر نے عورت کو اس کا مالک بنا رکھا تھا، اور ایک ہونا تو اس لیے کہ طَلَّقْیَ امر ہے، جس کے معنی ہیں اِفْعَلِیْ فَعْلُ الطَّلَاقِ امر طلاق جنس ہے جو ادنیٰ پر بالیقین واقع ہوتا ہے اور کل کا احتمال رکھتا ہے بشرطیکہ ارادہ اور نیت پائی جائے، جیسے کہ تمام اجناس کا اسی طرح کا حال ہے، اور رجعی ہونا اس لیے ہے کہ عورت کو تفویض طلاق صریح کی ہوئی ہے اور صریح کے بعد رجعت ہوتی ہی ہے، حکم مذکورہ بالاتب ہے جب اس نے کوئی نیت نہیں کی یا ایک طلاق کی نیت کی، اور اگر عورت نے تین طلاقیں دے ڈالیں اور شوہر نے تفویض کے وقت تین کی نیت بھی کی تھی تو تینوں طلاقیں پڑ جائیں گی، اس لیے کہ شوہر کا قول طَلَّقْیَ نَفْسِکَ اس کے معنی اِفْعَلِیْ فَعْلُ التَّطْلِیقِ ہیں جو عورت کے خطاب کے ساتھ مقید ہے پس التَّلَاقِ اسم جنس ہونے کی وجہ سے کل کا احتمال رکھتا ہے جو زوج کی نیت کی وجہ سے متعین ہو گیا، پس جب عورت نے تین طلاقیں واقع کیں تو تینوں واقع ہو جائیں گی۔

اگر شوہر نے ایک کی نیت کی تو امام کے نزدیک کوئی طلاق واقع نہ ہوگی اور صاحبین کے نزدیک ایک واقع ہو جائے گی اور اگر دو کی نیت کی تو اس میں دو کی نیت صحیح نہیں اس لیے کہ وہ عدد محض ہے جس کو مصدر شامل نہیں ہوتا الا یہ کہ منکوحہ باندی ہو تو دو کی نیت بھی درست ہے۔

وبابنت نفسی طَلَّقْتَ النِّخ: یعنی اگر شوہر نے عورت سے کہا طَلَّقْیَ نَفْسِکَ پس عورت نے اس کے جواب میں ابْنَتْ نَفْسِیَ کہا یا طَلَّقْتَ نَفْسِیَ طَلَّاقًا بَائِنًا کہا تو طلاق رجعی واقع ہوگی اس لیے کہ عورت کا قول مذکور شوہر کے طَلَّقْیَ نَفْسِکَ کے جواب میں ہے اور یہ صریح ہے، پس جواب میں صفت ابائت

کالانا باطل ہو گیا اور مطلق طلاق پہنچی اور یہ رجعی ہے، اور ایسا اس لیے ہے کہ اعتبار شوہر کی تفویض کا ہوتا ہے عورت کے ایقاع کا نہیں ہوتا۔

اور اگر عورت نے طلقی نفسک کے جواب میں اخترت کہا تو کوئی طلاق واقع نہ ہوگی اور طلاق دے لینے کا جو اختیار عورت کو ملا ہوا تھا وہ ختم ہو جائے گا، اور فرق یہ ہے کہ ابانت الفاظ طلاق میں سے ہے جو کہ ایقاع طلاق میں کنایہ مستعمل ہوتا ہے، پس جب عورت نے ابنت کہا تو اس نے شوہر کی تفویض کے مطابق ہی جواب دیا، ہاں عورت کی طرف سے اس میں وصف کا اضافہ ہوا ہے، تو یہ لغو ہو جائے گا، جب کہ اخترت وہ الفاظ طلاق سے نہیں ہے نہ صریح اور نہ ہی کنایہ سے یہی وجہ ہے کہ اگر شوہر اختیار کے ذریعہ عورت میں طلاق واقع کرنا بھی چاہے تو طلاق واقع نہ ہوگی، مثلاً شوہر نے عورت سے کہا اخترتک یا اختاری کہے اور نیت اس سے طلاق کی کرے تو کچھ واقع نہ ہوگی اس لیے کہ وقوع طلاق اخترت سے خلاف قیاس ہے جو صحابہ سے جانا گیا ہے، بشرطیکہ وہ اخترت تخیر کا جواب ہو پس یہ اپنے مورد کے ساتھ منحصر رہے گا اور شوہر کا قول طلقی تخیر نہیں ہے پس یہ لغو ہو جائے گا۔

امام ابو حنیفہؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ طلقی نفسک کے جواب میں اگر عورت نے ابنت نفسی کہا تو کوئی طلاق اس سے واقع نہیں ہوگی اس لیے کہ عورت نے شوہر کی تفویض کے خلاف کیا ہے، کیوں کہ مفروض طلاق ہے اور ابانت اطلاق کے حقیقہ حکماً خلاف ہے پس یہ اس سے اعراض ہوگا لہذا عورت کا خیار بعدی سے ایسے ہی باطل ہو جائے گا جیسے کہ اخترت سے باطل ہو جاتا ہے، کیوں کہ عورت شوہر کی مراد کے خلاف کے ساتھ مشغول ہو گئی، اور وجہ ظاہر ہے جس میں ابنت نفسی کے ذریعہ وقوع طلاق کو مانا گیا ہے یہ ہے کہ ابانت الفاظ طلاق سے وضعاً اور حکماً دونوں طرح ہے، پس ابانت کے ذریعہ بھی طلاق واقع ہو سکتی ہے، البتہ رجعی ہوگی کیوں کہ عورت نے شوہر کے تفویض کی وصف میں مخالفت کی ہے۔

ولا يملك الرجوع: اور شوہر کو تفویض کے بعد تفویض کو واپس لینے کا حق نہ ہوگا خواہ یہ تفویض تخیر یا امر بالید یا طلقی نفسک کے لفظ سے ہو اور طلقی نفسک کے ذریعہ جو تفویض ہوگی وہ مجلس تفویض کے ساتھ خاص رہے گی الا یہ کہ شوہر طلقی نفسک متی شئت کا لفظ بڑھادے، تو اب عورت کو مجلس میں اور مجلس سے کھڑے ہونے کے بعد بھی طلاق لینے کا پاور ہوگا، اب رہی یہ بات کہ شوہر کو تفویض کے بعد رجوع کا حق کیوں نہ ہوگا اس لیے کہ اس میں یمین کے معنی ہیں، کیوں کہ یہ طلاق کو عورت کی تطلق پر معلق کرنا ہوا اور یمین تصرف لازم ہوتا ہے، جس سے رجوع صحیح نہیں، اور اختیار مجلس تفویض کے ساتھ اس لیے مقید رہے گا اس لیے کہ یہ تملیک ہے اور تملیکات مجلس میں ہی جواب کا تقاضا کرتی ہیں پس عورت جب تک مجلس میں ہے اس

کو ایقاع طلاق کا اختیار ہے اور جب مجلس سے ماری ہوگئی یا کوئی دوسرا عمل شروع کر دیا پھر طلاق اپنے اوپر واقع کی تو کوئی طلاق نہ پڑے گی اس لیے کہ قیام اور دوسرے عمل کے ساتھ اشتغال کی وجہ سے خیار طلاق جاتا رہا، کیوں کہ یہ اعراض کی علامت ہے۔

البتہ اگر طلقی نفسک پر معنی شنت کا اضافہ شوہر کرے تو تفویض مجلس کے ساتھ خاص نہ ہوگی بلکہ اس لیے کہ کلمہ متی تمام اوقات میں عام ہے پس طلقی نفسک متی شنت کے معنی ہوئے طلقی نفسک ای فی وقت شنت کہ جس وقت بھی تو چاہے اپنے کو طلاق دے سکتی ہے۔

ولو قال لرجل طلق امرأتی الخ: اگر کسی آدمی نے کسی شخص سے کہا طلق امرأتی کہ تو میری بیوی کو طلاق دے دے تو اس آدمی کو اختیار ہے کہ چاہے اس مجلس میں اس موکل کی بیوی کو طلاق دے یا مجلس کے بعد اس لیے کہ یہ مؤکیل ہے کیوں طلقی کہنا ایقاع طلاق کے سلسلے میں امر ہے اور امر علی الفور اشیاء کے وجوب کا تقاضا نہیں کرتا جیسے کہ اوامر شرع توقیت سے آزاد ہوتے ہیں، یعنی غیر مقید بالتوقیت ہوتے ہیں اور شوہر کو وکیل سے رجوع کا بھی حق ہوگا، اس لیے کہ یہ توکیل ہے جو تملیک اور تعلیق کی آمیزش سے خالی ہے۔

الا إذا زاد الخ: ہاں اگر شوہر طلق امرأتی پر ان شنت کا اضافہ کر دے اور یوں کہے طلق امرأتی ان شنت تو یہ مجلس توکیل کے ساتھ خاص ہو جائے گا کیوں کہ جب شوہر نے عورت کے امر طلاق کو مشیت پر معلق کر دیا تو یہ تملیک ہو گیا گو صورتاً تعلیق ہے لہذا یہ مجلس میں ہی جواب کا متقاضی ہو گیا، اور اب شوہر کو اپنی بات سے رجوع کا حق نہ ہوگا اس لیے کہ یہ حقیقتاً تعلیق نہیں ہے، امام زفرؒ مانتے ہیں کہ خواہ طلق امرأتی پر ان شنت کا اضافہ ہو یا نہ ہو وکالت بالطلاق مجلس کے ساتھ مقید نہ ہوگی، کیوں کہ تصریح بالمشیۃ مجلس کے ساتھ ایسے ہی مقید نہیں ہوتی جیسے کہ مشیت کی عدم تصریح مقید بالجلس نہیں ہوتی اس لیے کہ وکیل بالطلاق اپنی مشیت سے تصرف کرتا ہے، پس یہ وکیل بالبیع کی طرح ہو گیا کہ جب اس سے کہا جائے بعہ ان شنت تو اس کی وکالت مجلس توکیل کے ساتھ مقید نہیں رہتی، اسی طرح وکیل بالطلاق جب اس کی وکالت معلق علی المشیت ہو جائے تو وہ بھی مجلس کے ساتھ مقید نہ ہوگی۔

ہمارا کہنا یہ ہے کہ طلق امرأتی ان شنت تملیک ہے اس لیے کہ شوہر نے امر طلاق کو وکیل کی رائے کے حوالہ کر دیا ہے اور مالک وہ ہے جو اپنی چاہت سے تصرف کرتا ہو اور طلاق تعلیق کا بھی احتمال رکھتی ہے، بخلاف بیع کے کہ وہ تعلیق کا احتمال نہیں رکھتی، پس معاملہ طلاق کو معاملہ بیع پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

ولو قال لها طلقی نفسک ثلاثا الخ: اور اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا طلقی نفسک ثلاثا یعنی تو اپنے آپ کو تین طلاق دے لے پس اس نے ایک ہی طلاق دیا تو ایک ہی طلاق واقع ہوگی، کیوں کہ

جس کو تین طلاقیں کے واقع کرنے کا اختیار ہے تو اسے ایک طلاق کے واقع کرنے کا بدرجہ اولیٰ اختیار ہوگا، اور اگر عورت کو ایک طلاق کے واقع کرنے کا شوہر نے اختیار دیا تھا اور اس نے تین طلاقیں واقع کر لیں تو کوئی طلاق واقع نہ ہوگی یہ امام اعظمؒ کی رائے ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک ایک واقع ہو جائے گی اس لیے کہ عورت نے وہ طلاق تو واقع ہی کیا جس کا اسے مالک بنایا گیا تھا، بلکہ اس سے زیادہ بھی پس یہ ایسے ہو گیا جیسے شوہر عورت کو ایک ہزار طلاق دے ڈالے تو اتنی طلاقیں تو لازماً واقع ہی ہوں گی جتنی کا شوہر مالک تھا پس ایسی ہی صورت مذکورہ میں بھی۔

امام اعظمؒ کی دلیل یہ ہے کہ عورت نے اس کے خلاف کیا ہے جس کا اسے مالک بنایا گیا تھا، پس اس کا معاملہ ایسے ہو گیا جیسے اس نے از خود اپنے کو طلاق دی ہو اور ظاہری بات ہے کہ شوہر کی تفویض کے بغیر عورت کی طلاق نہیں واقع ہو سکتی، عورت کا تین طلاقیں ایک طلاق کے اختیار کے جواب میں دینا طلقی نفسک ثلاثاً کا جواب نہ ہوا اس لیے کہ شوہر نے اس کو ایک طلاق کا مالک بنایا تھا اور ثلاث، واحدہ کا غیر ہے کیوں کہ ثلاث عدد مرکب مجتمع ہے جب کہ واحدہ فرد ہے جس میں کوئی ترکیب نہیں، لہذا واحدہ اور ثلاث دونوں غیر غیر ہوئے بخلاف امر زوج کے کہ وہ بحکم الملک تصرف کرتا ہے۔

معلوم ہو کہ یہ اختلاف تب ہے جب عورت نے ایک طلاق کے اختیار کے جواب میں تین طلاقیں ایک کلمہ کے ساتھ واقع کی ہوں اور اگر اس صورت مذکورہ میں تین طلاقیں ایک ایک کر کے واقع کی ہوں تو بالاتفاق ایک واقع ہو جائے گی، اسی طرح یہ حکم طَلَّقَیْ نفسی کے ساتھ مقید ہے پس اگر امرک بیدک شوہر نے کہا اور ایک طلاق کا ارادہ کیا اور عورت نے اس کے جواب میں تین طلاقیں واقع کر لی تو بھی ایک طلاق بالاتفاق واقع ہو جائے گی۔

طلق نفسک ثلاثاً الخ: اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا طَلَّقَیْ نفسک ثلاثاً ان شئت پس اس نے ایک واقع کیا یا اس کے برعکس کہا مثلاً شوہر نے کہا طلقی نفسک واحدہ ان شئت پس عورت نے تین طلاقیں دے ڈالی تو دونوں صورتوں میں کوئی طلاق واقع نہ ہوگی، کیوں کہ پہلی صورت میں مطلب ہوا طَلَّقَیْ نفسک ان شئت الثلاث کہ تو اپنے آپ کو طلاق دے لے اگر تو تین طلاقیں چاہیں پس جب اس نے ایک ہی طلاق واقع کیا تو معلوم ہوا کہ اس نے ثلاث کو نہیں چاہا، جب کہ مشیت وقوع طلاق کے لیے شرط تھی پس یہ ناپائی گئی لہذا کوئی طلاق نہ ہوگی۔

اور دوسری صورت میں اس لیے کہ واحدہ کی مشیت وقوع طلاق کے لیے شرط ہے پس جب اس نے تین طلاقیں واقع کر لی تو معلوم ہوا کہ وقوع طلاق کی شرط یعنی طلاق واحدہ کی مشیت نہیں پائی گئی کیوں کہ

ثلاث کی مشیتِ واحدہ کی مشیت نہیں ہے، لہذا مشروطاً بی وقوع طلاق بھی نہیں پایا جائے گا، یہ رائے امام اعظمؒ کی ہے ورنہ صاحبین کے نزدیک اس دوسری صورت میں ایک طلاق ہو جائے گی اس لیے کہ ثلاث کی مشیت ایک کی مشیت ہے زیادتی کے ساتھ، پس وقوع طلاق کی شرط پائی گئی، امام اعظمؒ کا کہنا یہ ہے کہ شوہر نے عورت کو فقط ایک طلاق کے واقع کرنے کا حق دیا تھا، بطور مقصود کے ایک طلاق کا حق تین کے ضمن میں نہیں دیا تھا پس جب عورت نے ایک طلاق کی تفویض کے جواب میں تین واقع کر لی تو گو یہاں ایک کا ایقاع پایا جا رہا ہے، لیکن قصد انہیں بلکہ ضمناً پس تفویض قصد ایک کے ایقاع کی ہوئی تھی اور جواباً اس نے ایک طلاق تین کے ضمن میں واقع کیا پس شرط کی خلاف ورزی پائی گئی لہذا طلاق کسی طرح کی واقع نہ ہوگی۔

ولو امرها بالبائن او الرجعی الخ: اگر شوہر نے عورت کو بائن کا حکم بایں طور کہ کہا طلقی نفسك طلقاً بائناً یا عورت کو رجعی کا حکم دیا تھا بایں طور کہ طلقی نفسك واحدة رجعیہ کہا پس اس نے تفویض کے برعکس کیا، یعنی بائن کی تفویض صورت میں رجعی واقع کیا، اور رجعی کی تفویض صورت میں بائن واقع کیا تو وہ طلاق واقع ہوگی جس کا شوہر نے حکم دیا تھا وہ طلاق واقع نہ ہوگی جو عورت نے واقع کیا کیوں کہ عورت نے اس معاملہ میں شوہر کی مخالفت کی ہے، اس لیے کہ شوہر نے عورت کو تفویض کیا تھا ذات الطلاق مع الوصف اور عورت نے مفوضہ کی ذات کا تو لحاظ رکھا لیکن وصف میں خلاف ورزی کی پس عورت کا ایقاع طلاق اصل طلاق میں تو موافق ہوا اور وصف طلاق میں مخالف اور اصل کا ابطال وصف کی وجہ سے درست نہیں، پس اصل طلاق اس وصف کے ساتھ واقع ہوگی، جس کو شوہر نے بیان کیا ہے جانب تفویض کا اعتبار کرتے ہوئے، لہذا پہلی صورت میں بائنہ اور دوسری صورت میں رجعی ہی واقع ہوگی جو عورت نے اس کے خلاف واقع کیا ہے۔

انت طالق ان شئت الخ: اگر شوہر نے کہا انت طالق ان شئت پس عورت نے جواباً کہا شئت ان شئت میں نے چاہا اگر آپ نے چاہ لیا تو اس کے جواب میں شوہر نے طلاق کی نیت کرتے ہوئے کہہ دیا شئت یعنی میں نے طلاق چاہ لیا یا عورت نے شوہر کے قول انت طالق ان شئت کے جواب میں کسی معدوم (ممكن الوجود) شی پر معلق کرتے ہوئے کہا شئت ان کا کذا تو ان دونوں صورتوں میں عورت کا کلام لغو ہوگا اور طلاق واقع نہ ہوگی، کیوں کہ شوہر نے طلاق کو مطلق مشیت پر معلق کیا تھا اور عورت نے اپنی مشیت کو ایک قید کے ساتھ مقید کر دیا پس شوہر نے جو شرط لگائی تھی وہ نہیں پائی گئی، اگر عورت تفویض مذکور کے جواب میں کسی ثابت الوجود امر پر معلق کرتے ہوئے کہے شئت ان کا کذا تو طلاق واقع ہو جائے گی، کیوں کہ ثابت الوجود امر پر تعلیق درحقیقت تعلیق نہیں تجبیز ہے۔

انت طالق متی شنب الخ: اگر شوہر نے بیوی سے کہا انت طالق متی شنب یا کہا انت طالق متی ما شنب یا کہا انت طالق اذا شنب یا کہا انت طالق اذا ما شنب پس عورت نے تفویض کو رد کر دیا اور کہا لا اشاء میں طلاق نہیں چاہتی تو اس رد سے تفویض ختم نہ ہوگی، لہذا اسے طلاق دے لینے کا حق اس مجلس کے بعد بھی باقی رہے گا، اور عورت جب چاہے اپنے کو طلاق دے سکتی ہے، کیوں کہ مشیت سے پہلے تملیک نہیں ہوتی، لہذا عورت کو ایقاع طلاق کا حق جو شوہر کی تفویض سے حاصل ہوا ہے وہ رد کرنے سے رد نہ ہوگا۔

اور ایقاع طلاق مجلس تفویض کے ساتھ خاص بھی نہیں رہے گا اس لیے کہ یہ الفاظ تمام اوقات کو عام ہیں، لہذا عورت کے لیے اختیار ہے جب جس وقت چاہے طلاق واقع کر سکتی ہے۔

فائدہ: اب اس کی تھوڑی تفصیل ملاحظہ فرمائیں، کلمہ متی اور متی ما میں ایقاع طلاق کا حق مجلس کے بعد تک رہے گا اس لیے کہ یہ دونوں تمام اوقات میں عام ہیں، پس ایسا ہو گیا جیسے کہ شوہر نے کہا ہو انت طالق فی ای وقت شنب اور کلمہ اذا اور اذا ما تو صاحبین کے نزدیک متی اور متی ما کی طرح ہیں اور امام اعظم کے نزدیک اگرچہ یہ دونوں شرط کے لیے استعمال ہوتے ہیں جیسا کہ وقت کے لیے مستعمل ہیں، لیکن جب ایک بار امر طلاق عورت کے ہاتھ میں چلا گیا تو اب وہ شک کی وجہ سے اس کی ملکیت سے نکلے گا، پس جب معاملہ یہ ہے تو یہ حق ایقاع عورت کے رد کرنے سے رد نہیں ہوگا، اور مجلس کے ساتھ یہ حق ایقاع طلاق مقید نہیں ہوگا، کیوں کہ شوہر نے عورت کو طلاق کا مالک اس وقت میں بنایا ہے جس میں عورت نے چاہا ہے، پس اگر وہ اس مجلس میں ایقاع طلاق نہیں پسند کرتی تو اس کے لیے مشیت دوسری مجلس میں ہوگی۔

ولا تطلق الا واحدة: اس تفویض سے عورت اپنے آپ کو فقط ایک طلاق ہی دے سکتی ہے، اس لیے کہ یہ الفاظ از منہ کی تقیم کے لیے ہیں پس عورت کو تمام زمانوں میں طلاق کی ملکیت حاصل ہوگی، مذکورہ بالا الفاظ افعال کی تقیم کے لیے نہیں ہیں لہذا ایک طلاق دینے لینے کے بعد دوسرے طلاق کی عورت مالک نہیں ہوگی پس ان الفاظ سے فقط ایک طلاق واقع ہوگی۔

وفی کلمہ شنب الخ: اگر شوہر نے عورت سے کہا انت طالق کلمہ شنب تو عورت کے لیے اختیار ہے کہ وہ تین طلاقیں متفرق طور پر واقع کرے، یعنی ایک ایک کر کے وہ تینوں طلاق واقع کر سکتی ہے، بیک لفظ تینوں نہیں واقع کر سکتی، اس لیے کہ کلمہ کلمہ تمام اوقات کو عام ہوتا ہے اور تمام افعال کو بھی، لیکن اوقات اور افعال کی جو عمومیت ہوگی وہ عموم انفرادی ہوگی عموم اجتماعی نہیں، پس یہ ہر بار ایک طلاق کے ایقاع کا تقاضا کرتا ہے تا آنکہ عدو طلاق ختم ہو جائے، مگر یہ کہ یمن ملک قائم یعنی ملک موجود کی طرف رجوع ہوتی ہے، اس لیے کہ اس کی صحت باعتبار ملک کے ہی ہے، لہذا عورت کو تین کے وقوع کے بعد طلاق واقع کرنے کا

حق نہ ہوگا، جب وہ دوسرے شوہر سے نکاح کے بعد پھر اس شوہر سابق کے نکاح میں آجائے اور طلاق واقع کرنا چاہے کیوں کہ کلمہ شت کی تعلیق صرف ملک اول تک تھی اس لیے وہ اس ملک ثانی کو شامل نہ ہوگی، البتہ امام زفرؒ کے نزدیک زوج ثانی کی طرف عود کے بعد اگر عورت نے طلاق واقع کیا تو صحیح ہے اس لیے کہ زفرؒ کے اصل پر ملک بقائے یمین کے لیے شرط نہیں ہے۔

وفی حیث شتِ واین شتِ لم تطلق الخ: اگر شوہر نے بیوی سے کہا انت طالق حیث شت یا کہا انت طالق این شت تو طلاق عورت فقط مجلس میں ہی دے سکتی ہے، پس اگر مجلس تفویض سے طلاق واقع کئے بغیر کھڑی ہوگئی تو اب عورت کے لیے ایقاع طلاق کی مشیت باقی نہ رہے گا اس لیے کہ کلمہ حیث اور این اسمائے مکان سے ہیں پس یہ ایقاع طلاق ایسے مکان میں ہوگا جس میں عورت کی مشیت کا تحقق ہو، جب کہ طلاق اس کا مکان سے کوئی تعلق نہیں ہوتا پس ذکر مکان بے معنی اور لغو ہے لہذا مطلق مشیت بھی پس یہ مشیت مجلس کے ساتھ خاص رہے گی، لہذا عورت اس مشیت کی وجہ سے صرف مجلس میں ہی ایقاع طلاق کی مجاز ہوگی، بخلاف زمان کے کہ طلاق کو اس کے ساتھ تعلق ہوتا ہے، چنانچہ طلاق کسی ایک زمانے میں واقع ہوتی ہے اور دوسرے میں نہیں، پس زمان کا اعتبار خصوصاً ضروری ہے۔

وفی کیف شتِ تقع رجعیۃ: اگر شوہر نے عورت سے کہا انت طالق کیف شتِ تو عورت کی مشیت کے پہلے ہی ایک رجعی واقع ہو جائے گی، پس اگر عورت نے کہا میں نے ایک بائہ چاہا یا تین طلاقیں چاہی اور شوہر نے بھی عورت کی مشیت کی نیت کر لی تھی تو یہ طلاقیں واقع ہو جائیں گی جن کی شوہر نے نیت کی اور عورت نے ان کو چاہا، کیوں کہ شوہر کی نیت اور عورت کی مشیت کے درمیان توافق اور مطابقت موجود ہے، اور محض شوہر کے انت طالق کہنے کی وجہ سے (حالاں کہ ابھی اس نے کیف شتِ نہیں کہا ہے) طلاق رجعی اس لیے واقع ہو جائے گی کہ کلمہ کیف استیناف کے لیے ہے اور وصف، وجود اصل کا تقاضا کرتا ہے، پس جب کیف استفہام کے لیے ہوا تو وہ وجود موصوف کا تقاضا کرے گا لہذا طلاق اپنی اصل کے ساتھ واقع ہوگی اور اس کا وصف عورت کی مشیت کے ساتھ متعلق ہوگا، یہ مسلک امام اعظمؒ کا ہے۔

صاحبینؒ کے نزدیک کیف شتِ سے پہلے محض انت طالق کے تلفظ کی وجہ سے طلاق نہ واقع ہوگی تا آنکہ عورت ایقاع طلاق کرنا چاہے، اس لیے کہ شوہر نے تطلق کو عورت کے سپرد کر دیا ہے جس صفت پر بھی عورت چاہے، لہذا اصل طلاق کی تعلیق عورت کی مشیت کے ساتھ ضروری ہے تاکہ عورت کے لیے تمام احوال میں مشیت ہو جائے دخول سے پہلے بھی اور دخول کے بعد بھی اس لیے کہ اگر اصل طلاق عورت کی مشیت کے متعلق نہ ہو تو کیف شتِ غیر مدخول بہا میں لغوی ہو جائے گا، لیکن حق امام کا ہی مذہب ہے۔

وفی کم شئت او ماشئت الخ: اگر شوہر نے عورت سے کہا انت طالق کم شئت یا کہا انت طالق ما شئت تو عورت کو اختیار ہے کہ وہ مجلس تفویض میں ایک، دو اور تین جتنی طلاقیں چاہے واقع کر سکتی ہے، اس لیے کہ کم اسم عدد ہے لہذا تفویض نفس عدد میں ہوگی اور طلاق صرف عدد سے ہی واقع ہوگی، لہذا عورت کی مشیت سے قبل کچھ واقع نہ ہوگی اور واحد اصطلاح فقہاء میں عدد ہے پس انت طالق کم شئت ایک دو، تین ہر نوع کی طلاق عورت واقع کر سکتی ہے، اور انت طالق ماشئت میں بھی اسی طرح کیوں کہ ماعامہ ہے جو تمام کو شامل ہے، پس اگر عورت مجلس سے اختیار کئے بغیر کھڑی ہوگئی تو تملیک باطل ہو جائے گی اور اس میں چوں کہ وقت مذکور نہیں ہے، لہذا یہ تمام تملیکات کی طرح مجلس میں جواب کا تقاضا کرتا ہے۔

اور اگر اس نے تملیک کو رد کر دیا یا بس طور کہہ دیا لا اشاء میں تملیک ایقاع طلاق نہیں چاہتی، تو اب عورت کو اس کے بعد ایقاع طلاق کا حق نہ ہوگا یہی حکم ہر اس امر کا ہے جو اعراض عن التملیک پر دلالت کرے۔

وفی طلقی نفسک من ثلث ما شئت الخ: اگر شوہر نے عورت سے کہا طلقی نفسک من ثلث ما شئت یعنی تو اپنے آپ کو طلاق دے لے تین میں سے جو چاہے، تو عورت تین طلاقیں پوری نہیں واقع کر سکتی ہے البتہ ایک اور دو طلاقوں کے واقع کرنے کا اختیار ہے، یہ رائے امام اعظمؒ کی ہے اور صاحبین کے نزدیک تینوں طلاقیں اگر چاہے تو عورت واقع کر سکتی ہے، اس لیے کلمہ ما تعیم میں محکم ہے، اور من کا لفظ کبھی تبیین کے لیے ہوتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد فاجتنبوا الرجس من الاوثان میں من بیان یہ ہے پس قول مذکور میں بھی من ثلاث کا من بیان یہ ہے پس عورت کے لیے تینوں طلاقوں کے ایقاع کی گنجائش ہوگئی۔ اور امام اعظمؒ کے نزدیک من حقیقہ تعجیضیہ ہوتا ہے، اور ما تعیم کے لیے لہذا دونوں کے مقتضی پر عمل ہوگا پس دو طلاقیں عام ہیں ایک طلاق کے مقابلے میں اور بعض ہیں تین طلاقوں کے مقابلے میں، لہذا تین سے کم یعنی دو طلاقوں تک کے ایقاع کی عورت مجاز ہوگی۔

باب تعلیق الطلاق

إِنَّمَا يَصِحُّ فِي الْمَلِكِ كَقَوْلِهِ لِمَنْكُوحَتِهِ إِنْ زُرْتِ فَاَنْتِ طَالِقٌ أَوْ مُضَافًا إِلَيْهِ كَأَنْ نَكَحْتُكَ فَاَنْتِ طَالِقٌ فَيَقَعُ بَعْدَهُ فَلَوْ قَالَ لِأَجْنَبِيَّةٍ إِنْ زُرْتِ فَاَنْتِ طَالِقٌ لَمْ تَنْكَحْهَا فَزَارَتْ لَمْ تُطَلَّقْ، وَالْفَاطَةُ الشَّرْطُ إِنْ وَإِذَا وَإِذَا مَا وَكُلٌّ وَكُلَّمَا وَمَتْنِي وَمَتْنِي مَا فَفِيهَا إِنْ وَجَدَ الشَّرْطَ انْتَهَتْ الْيَمْنُ إِلَّا فِي كَلَّمَا لِأَقْتِصَائِهِ عُمُومَ الْأَفْعَالِ كَأَقْتِصَاءِ كُلِّ عُمُومِ الْأَسْمَاءِ فَلَوْ قَالَ كَلَّمَا تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً فَهِيَ طَالِقٌ يَخْنُكُ بِكُلِّ مَرَّةٍ وَلَوْ بَعْدَ

زَوْجٍ آخَرَ وَزَوَّالَ الْمَلِكِ لَا يُبْطَلُ الْيَمِينَ فَإِنْ وَجَدَ الشَّرْطَ فِي الْمَلِكِ طَلَّقَتْ
وَالْحَلَّتْ وَإِلَّا لَا وَإِنْ اخْتَلَفَا فِي وَجُودِ الشَّرْطِ فَالْقَوْلُ لَهُ إِلَّا إِذَا بَرَهَنْتَ وَمَا لَا يُعْلَمُ
إِلَّا مِنْهَا فَالْقَوْلُ لَهَا فِي حَقِّهَا كَمَاِنْ حِضْبٍ فَالْبِ طَالِقٌ وَفُلَانَةٌ وَإِنْ كُنْتَ تُحِبُّنِي
فَالْبِ طَالِقٌ وَفُلَانَةٌ فَقَالَتْ حِضْبُكَ أَوْ أُحِبُّكَ طَلَّقْتُ هِيَ لِقَطٍ وَبِرُوءِيَةِ الدَّمِ لَا يَقَعُ
فَإِنْ اسْتَمَرَ ثَلَاثًا وَقَعَ مِنْ حِينَ رَأَتْ وَفِي إِنْ حِضْبٍ حِيضَةً يَقَعُ حِينَ تَطْهَرُ وَفِي إِنْ
وَلَدَتْ ذَكَرًا فَالْبِ طَالِقٌ وَاحِدَةً وَإِنْ وَلَدَتْ أُنْثَى فَنِثْتَيْنِ فَوَلَدْتُهُمَا وَلَمْ يَدْرَ الْأَوَّلُ
تُطَلِّقُ وَاحِدَةً قَضَاءً وَثْنَتَيْنِ تَنْزُهَا وَمَضَتْ الْعِدَّةُ الْمَلِكُ يُشْتَرَطُ لِآخِرِ الشَّرْطَيْنِ
وَيُبْطَلُ بِتَنْجِيزِ الثَّلَاثِ تَعْلِيقَةً، وَلَوْ عُلِقَ الثَّلَاثُ أَوْ الْعَتَقُ بِالْوُطِيِّ لَمْ يَجِبِ الْعَقْرُ
بِالْبِثِّ وَلَمْ يَصِرْ مُرَاجَعًا بِهِ فِي الرَّجْعِيِّ إِلَّا إِذَا أُولِجَ ثَابِتًا وَلَا تُطَلِّقُ فِي إِنْ نَكَحْتَهَا
عَلَيْكَ فَهِيَ طَالِقٌ فَتَنْكَحُ عَلَيْهَا فِي عِدَّةِ الْبَائِنِ وَلَا فِي الْبِ طَالِقٍ إِنْ شَاءَ اللَّهُ مُتَصِلًا
وَإِنْ مَاتَتْ قَبْلَ قَوْلِهِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ وَفِي الْبِ طَالِقٍ ثَلَاثًا إِلَّا وَاحِدَةً تَقَعُ ثِنْتَانِ وَفِي
الْإِنْتَيْنِ وَاحِدَةً وَفِي إِنْ ثَلَاثًا ثَلَاثٌ.

ترجمہ: تعلیق صرف ملک میں صحیح ہوتی ہے، جیسے نے شوہر اپنی منکوحہ سے کہا اگر تو نے زیارت کی تو تو طالق ہے یا ملک کی طرف مضاف ہو جیسے یوں کہے اگر میں تجھ سے نکاح کروں تو تو طالق ہے، سو اس کے بعد واقع ہوگی پس اگر کسی احتیہ سے کہا اگر تو نے زیارت کی تو طلاق والی ہے، پھر اس سے نکاح کر لیا اور اس نے زیارت کی تو طلاق واقع نہ ہوگی، شرط کے الفاظ یہ ہیں إن، إذا، إذا ما، کُلّ، کُلّما، متی، متی ما پس ان میں اگر شرط پائی گئی تو قسم تمام ہو جائے گی سوائے کُلّما کے کہ وہ افعال کے عموم کو چاہتا ہے، جیسے لفظ کل اسمائے کے عموم کو چاہتا ہے پس اگر کہا کہ جتنی بار میں کسی عورت سے نکاح کروں تو وہ عورت طلاق والی ہے تو ہر عورت کے ساتھ نکاح کرنے سے حادث ہو جائے گا، گو دوسرے شوہر کے بعد ہو اور قسم کے بعد ملک کا زوال ہو جانا اس کو باطل نہیں کرتا، پس اگر شرط ملک میں پائی گئی تو طلاق پڑ جائے گی اور قسم پوری ہو جائے گی اور اگر زوجین نے وجود شرط میں اختلاف کیا تو شوہر کا قول معتبر ہوگا الا یہ کہ عورت حجت پیش کر دے اور جو امور عورت کے بتانے سے ہی معلوم ہوتے ہیں ان میں عورت کا قول معتبر ہوگا، مگر صرف اس کے حق میں جیسے یوں کہے کہ تو اگر حیض سے ہو تو تو اور فلاں عورت طلاق والی ہے، یا اگر تو مجھ سے محبت رکھتی ہے تو تو اور فلاں عورت طالق ہے، پس عورت نے کہا کہ میں حیض سے ہو گئی یا میں تجھ سے محبت رکھتی ہوں تو صرف اسی کو طلاق ہوگی اور صرف خون دیکھنے سے طلاق واقع نہ ہوگی اگر خون تین دن تک مسلسل رہے تو اسی وقت سے طلاق ہو جائے

کی جب سے خون دیکھا تھا اور (اگر کہا کہ) اگر تجھے حیض آجائے تو پاک ہونے کے وقت واقع ہوگی اور (اگر کہا) کہ اگر تیرے لڑکا ہو تو ایک طلاق اور لڑکی ہو تو دو، پس عورت نے دونوں کو جتا اور معلوم نہ ہو سکا کہ پہلے کون ہوا تو قضاء ایک طلاق اور احتیاطاً دو واقع ہوں گی اور اس کی عدت بھی گزر جائے گی، اور ملک شرط ہے دو شرطوں میں سے آخری کے لیے، اور تین طلاقیں کو فی الحال واقع کرنا ان کی تعلیق کو باطل کر دیتا ہے، اور اگر معلق کیا تین طلاقیں کو یا آزادی کو واپس پر تو عقد واجب نہ ہوگا ٹھہرنے کی وجہ سے اور اس کے ذریعہ رجعی میں رجعت کرنے والا نہ ہوگا، مگر یہ کہ دوبارہ داخل کرے اور طلاق نہ پڑے گی اس قول میں کہ اگر فلاں سے نکاح کروں تجھ پر تو وہ طالق ہے پھر اس پر نکاح کر لیا طلاق بائن کی عدت میں اور نہ (طلاق پڑے گی) انت طالق کے بعد مطلقاً انشاء اللہ کہنے میں اگر مر جائے عورت شوہر کے انشاء اللہ کہنے سے پہلے اگر (کوئی کہے) تجھے ایک کم تین طلاقیں ہیں تو وہ واقع ہوں گی اور دو کے استثناء میں ایک اور تین کے استثناء میں تین واقع ہوں گی۔

تشریح: یہ طلاق کی تعلیق کا باب ہے، بعض نسخوں میں تعلیق الشرط ہے جب کہ دوسرے بعض میں باب الایمان فی الطلاق ہے اور بعض میں باب التعلیق ہے، طلاق کی تعلیق کو تجیز طلاق صراحۃً وکنایۃً کے بعد ذکر کیا اس لیے کہ تعلیق طلاق، طلاق اور شرط کے ذکر سے مرکب ہے پس مفرد سے مؤخر کر دیا کیوں کہ مرکب مفرد کے بعد ہوتا ہے، تعلیق لغت میں کہتے ہیں کسی چیز کو معلق کرنا، لٹکانا اور اصطلاح فقہ میں تعلیق نام ہے ایک جملہ کے مضمون کے حصول کو دوسرے جملہ کے مضمون کے حصول کے ساتھ مربوط کرنا، جیسے ان نحو جب من البیت فانٹ طالق پس عورت کے مطلق ہونے کو خروج عن البیت کے مضمون پر معلق کر دیا۔

تعلیق کے لیے چند شرطیں ہیں: (۱) شرط بوقت تکلم معدوم ہو اور جائز الوجود ہو محال نہ ہو پس انت طالق ان کانت السماء فوقنا تعلیق نہیں ہے بلکہ تجیز ہے یعنی فی الحال طلاق پڑ جائے گی، کیوں کہ شرط یعنی آسمان کا اوپر ہونا بوقت تکلم معدوم نہیں ثابت الوجود ہے اور انت طالق ان دخل الجمل فی سم الخیاط لغو ہے اس کہنے سے طلاق کا وقوع نہ ہوگا، کیوں کہ شرط کا تحقق محال ہے اس لیے کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ اونٹ سوئی کے ناکہ میں داخل ہو جائے۔ (۲) شرط مشروط کے ساتھ متصل ہو پس انت طالق کہہ کر سکوت کے بعد شرط ذکر کرنے سے تعلیق نہ ہوگی، مگر یہ کہ سکوت کسی عذر کی وجہ سے ہو، مثلاً یہ کہ وہ ہکلا ہو پوری بات مشکل سے کہہ پاتا ہو۔ (۳) بذریعہ تعلیق عورت کے کلام کا بدلہ دینا مقصود نہ ہو، اگر عورت نے شوہر سے کہا بے غیرت کہیں اس پر شوہر نے کہا ان کنت کما قلت فانٹ طالق اگر میں ویسے ہی ہوں جیسا تو نے کہا تو تجھے طلاق تو یہ تعلیق نہیں ہے لہذا علی الفور طلاق پڑ جائے گی۔ (۴) شرط کے ساتھ مشروط مذکور ہو صرف انت طالق ان کہنے سے طلاق نہ ہوگی اسی پر فتویٰ ہے۔

إنما يصح في الملك الخ: لزوم تعلیق کے لیے ملک کا ہونا شرط ہے، خواہ ملک حقیقی ہو جیسے آقا اپنے غلام سے کہے ان فعلت کذا فانت حر یا حکمی ہو جیسے شوہر اپنی منکوحہ یا معتدہ سے کہے ان زرت اپنے غلام سے کہے ان فعلت کذا فانت حر یا حکمی ہو جیسے کوئی اجنبیہ سے کہے ان نکحتک فانت طالق ان سب فانت طالق یا ملک کی طرف منسوب ہو جیسے عمر اور عبد اللہ بن عمر اور عبد اللہ بن مسعود کا مذہب ہے، حضرت امام شافعی اور احمد کے نزدیک اضافت الی الملک کی صورت میں طلاق نہیں ہوتی ہے، یہی حضرت ابن عباس اور حضرت عائشہ کا مذہب ہے، امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر شوہر تعلیق میں تعلیم کر دیتا ہے بایں طور کہتا ہے کل امرأة اتزو جها طالق میں جس بھی خاتون سے نکاح کروں تو اسے طلاق تو یہ درست نہیں ہے اور اگر عورت کا شہر اور قبیلہ و نام ذکر کر دیا تو طلاق ہوگی ورنہ تعلیق لازم نہ ہوگی، کیوں کہ تعلیم میں اپنے اوپر نکاح کا دروازہ بند کرنا ہے پس یہ صحیح نہیں ہے، امام شافعی کا استدلال اس حدیث پاک سے ہے کہ رسول اللہ..... نے ارشاد فرمایا لا نذر لابن آدم فیما لا یملک ولا طلاق لابن آدم فیما لا یملک ولا بیع فیما لا یملک پس اس روایت سے معلوم ہوا کہ آدمی جس چیز کا مالک نہ ہو تو اس کی نہ تو نذر مان سکتا ہے نہ غیر کو طلاق دے سکتا ہے اور اور نہ اس کی فروختگی کر سکتا ہے، ہماری دلیل یہ روایت ہے کہ اگر کوئی شخص کسی عورت کو طلاق دینے کی قسم کھائے، حالاں کہ ابھی اس نے اس عورت سے نکاح نہیں کیا ہے تو یہ اس پر نکاح کے بعد لازم ہو جائے گا، دوسرے یہ کہ تعلیق بالشرط یمین ہے لہذا اس کی صحت محل کے ملک کے وجود پر موقوف نہیں جیسے کہ یمین باللہ۔ رہی بات اس حدیث کی جو امام شافعی نے بیان کیا ہے تو اول وہ صحیح نہیں ہے دوسرے یہ کہ وہ تنجیز پر محمول ہے کہ اضافت الی الملک کی صورت میں علی الفور طلاق نہیں پڑتی تو اس کا تو کوئی بھی قائل نہیں ہے، اور رہا امام مالک کا استدلال تو اس کا جواب یہ ہے کہ اضافت الی الملک میں تعلیم کی وجہ سے نکاح کا دروازہ اس پر بند نہیں ہوگا، کیوں کہ لفظ کل تعلیم کا تقاضا کرتا ہے تکرار کا نہیں اور شوہر کے لیے ممکن ہے کہ اس عورت پر وقوع طلاق کے بعد کرے، ماحصل یہ ہے کہ اگر ایک آدمی کسی خاتون سے کہتا ہے ان نکحتک فانت طالق کہ اگر میں تم سے نکاح کروں تو تمہیں طلاق پھر وہ آدمی اس عورت سے نکاح کرتا ہے تو چونکہ تعلیق سبب ملک کی طرف مضاف ہے لہذا نکاح جو کہ سبب ملک ہے پائے جاتے ہی طلاق پڑ جائے گی اور اگر کسی اجنبیہ سے کہا ان زرت فلانا فانت طالق تو یہاں زیارت کے بعد طلاق نہ ہوگی اس لیے کہ زیارت سبب ملک نہیں ہے، لہذا اگر وہ اس کہنے کے بعد اس اجنبیہ سے نکاح کر لیتا ہے تو چونکہ نہ تو ملک ہے اور نہ سبب ملک کی طرف متعلق ہے، اس لیے طلاق نہ ہوگی۔

والفاظ الشرط: الفاظ شرط میں ان ہے اور ان ہی شرط و تعلیق میں اصل ہے باقی اذا اور اذا ما

اور کل، کَلَمًا، معنی اور معنی 'ما کو سب الفاظ شرط ہیں، لیکن تعلیق و شرط کے معنی میں اصل نہیں ہیں۔

پس ان مذکورہ الفاظ شرط میں ایک بار شرط پائے جانے کے بعد یحیٰ بن پوری ہو جاتی ہے کیوں کہ یہ الفاظ باہر لغت عموم و تکرار کا تقاضا نہیں کرتے، پس ایک مرتبہ فعل کے پائے جانے سے شرط پوری ہو جاتی ہے اور یحیٰ بن کی بقاء شرط کے ساتھ ہی ہوتی ہے، وجہ یہ ہے کہ لفظ کَلَمًا افعال میں عموم چاہتا ہے اور لفظ کل اسماء میں عموم کا متقاضی ہے، پس اگر کوئی شخص یوں کہے کَلَمًا تزوجتُ امرأَةً فہی طالق تو وہ جب بھی نکاح کرے گا طلاق واقع ہو جائے گی اگرچہ ستر بار نکاح کرے، کیوں کہ اس نے لفظ کَلَمًا کو سبب ملک تزوج پر داخل کیا ہے، تو جب بھی فعل تزوج پایا جائے گا طلاق واقع ہو جائے گی، اس لیے کہ اس یحیٰ بن کی صحت اس ملک کے اعتبار سے ہے جو پائی جائے گی اور حاصل ہوتی رہے گی اور یہ غیر متناہی ہے، کیوں کہ حدود ملک کی کوئی انتہاء نہیں۔

ایک سوال ہے کہ صاحب آپ کا یہ کہنا کہ کَلَمًا میں یحیٰ بن کی انتہاء نہیں ہوتی بلکہ جب بھی مخلوف علیہ لا الی نہایہ پایا جاتا رہے گا تو صاحب یحیٰ بن حانث ہوتا رہے گا ہم کو مسلم نہیں ہے اس لیے کہ معاملہ یہ ہے کہ اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا کَلَمًا دخلت الدار فانت طالق کہ جب بھی تو گھر میں داخل ہوگی تو تجھے طلاق پس وہ تین مرتبہ گھر میں داخل ہوئی تو تینوں کو طلاقوں کے ساتھ باندھ دیا جائے گی، پھر اگر وہ زواج ثانی سے نکاح کرتی ہے اور طلاق وعدت کے بعد اگر شوہر اول کے نکاح میں دوبارہ آ جاتی ہے اور گھر میں داخل ہوتی ہے تو اب کچھ اس پر طلاق واقع نہ ہوگی حالاں کہ حسب ضابطہ پھر طلاق واقع ہو جانا چاہئے، پس معلوم ہوا کہ آپ کی کہی ہوئی بات صحیح نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ دعویٰ بالکل صحیح ہے اور فرق اس لیے ہو گیا کہ وہ فعل جو عورت کے شوہر اول کے نکاح میں عود کر آنے کے بعد موجود ہے وہ فعل اول کا غیر ہے، اس لیے کہ پہلے میں مخلوف علیہ اس ملک کی طلاقیں ہیں اور وہ متناہی ہے تو مخلوف علیہ بھی اس کا متناہی ہوگا اس وجہ سے نہیں کہ لفظ اس کا تقاضا نہیں کر رہا ہے، حتیٰ کہ اگر اس کی اضافت سبب ملک کی طرف کردی گئی بایں طور کہ شوہر نے کہا کَلَمًا تزوجتُ امرأَةً فہی طالق تو ہمیشہ طلاق واقع ہوتی رہے گی اس لیے کہ اس کا انعقاد اس ملک کے سبب سے ہے، جو حادث ہوتی رہے گی اور اس کی کوئی انتہاء نہیں ہے۔

اور جب کل اور کَلَمًا کے درمیان عموم میں اشتراک ہے تو مصنف نے ایک کو دوسرے کے ساتھ تشبیہ و دی اپنے قول کا اقتضاء کل عموم الاسماء سے مگر یہ کہ کَلَمًا کا عموم افعال میں ہوتا ہے اور کل کا عموم اسماء میں اور عموم فعل ہر ایک میں ضروری ہے پس اگر شوہر کہے کَلَمًا تزوجتُ امرأَةً فہی طالق اس کہنے کے بعد شوہر نے کسی خاتون سے نکاح کیا تو شوہر حانث ہوگا اور طلاق پڑ جائے گی اور یہ یحیٰ بن اس مطلقہ خاتون کے حق میں ختم ہو جائے گی، اور اس کے علاوہ دیگر خواتین کے حق میں باقی رہے گی پس اگر اس کے سواء جس

بھی خاتون سے نکاح کرے تو طلاق پڑ جائے گی کیوں کہ یمین اس کے حق میں باقی ہے، البتہ جس بھی خاتون کو ایک مرتبہ طلاق پڑ جانے کے بعد جب دوبارہ اسی خاتون سے نکاح کرے گا تو تجدداً سم کے نہ ہونے کی وجہ سے کوئی طلاق اب نہ واقع ہوگی۔

ولو بعد زوج آخر: یعنی اگر شرط ایک مرتبہ پائی گئی تو یمین ختم ہو جائے گی البتہ کلمہ اس سے مستثنیٰ ہے کہ وہ عموم افعال کا متقاضی ہوتا ہے، پس یمین ختم نہیں ہوئی بلکہ جب جب محلوف علیہ پایا جائے گا تو شوہر حائث ہوتا رہے گا، گو محلوف علیہ زوج ثانی سے نکاح کے بعد پایا جائے بایں طور کہ وہ عورت مطلقہ ثلاث ہونے کی وجہ سے دوسرے شوہر سے نکاح کرے پھر طلاق وعدت کے بعد زوج اول سے دوبارہ نکاح کرے تب بھی وہ حائث ہو جائے گا، اور عورت کو طلاق پڑ جائے گی، اس لیے کہ کلمہ عموم افعال کا تقاضا کرتا ہے البتہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک زوج ثانی سے نکاح کے بعد اگر زوج اول کے نکاح میں آتی ہے تو کوئی طلاق نہ واقع ہوگی اور شوہر ایک ہی عورت میں دو مرتبہ حائث نہ ہوگا، پس امام ابو یوسفؒ کلمہ کو کلمہ کل کی طرح قرار دیتے ہیں اور اگر یمین متعینہ عورت پر ہو بایں طور کہ شوہر کہے کلمہ تزوجتک یا کلمہ تزوجت فلانہ تو جب جب تزوج پائی جاتی رہے گی شوہر حائث ہوتا رہے گا اور طلاق پڑتی رہے گی۔

وزوال الملك لا يبطل الیمن: زوال ملک یمین کو باطل نہیں کرتا، اس کی صورت یہ ہے کہ شوہر نے اپنی بیوی سے کہا ان دخلت الدار فانت طالق پھر عورت کے دخول دار سے پہلے ہی عورت کو جدا کر دیا تا آنکہ ملک نکاح انتضاء عدت سے ختم ہو گیا، پھر عورت سے دخول دار سے پہلے پہلے نکاح کر لیا اب عورت گھر میں داخل ہوئی تو طلاق پڑ جائے گی جو کہ دخول دار پر معلق تھی اس لیے کہ شرط نہیں پائی گئی تھی پس شرط باقی رہی اور جزاء اپنے محل کے بقاء کی وجہ سے باقی رہا پس عورت پر بقائے ملک سے یمین بھی باقی رہی، زوال ملک سے مراد یہ ہے کہ عورت کو ایک یا دو طلاقیں شوہر نے دی ہوں پس اگر تین طلاقیں دے دی ہوں اب زوج ثانی کے ساتھ نکاح کے بعد زوج اول کے نکاح میں آتی ہے تو اب دخول دار سے طلاق نہیں واقع ہوگی، کیوں کہ ملک طلقات ثلاث سے ختم ہوئی تو یمین بھی باطل ہو گئی۔

فان وجد الشرط فی الملك الخ: یہ قاعدہ سابق پر تفریع فرما رہے ہیں کہ جب زوال ملک یمین کو باطل نہیں کرتا تو اگر شرط یعنی دخول دار اس کے قول ان دخلت الدار فانت طالق میں ملک نکاح میں اس کے دوسری بار نکاح کرنے کے بعد پائی جائے تو طلاق پڑ جائے گی شرط پائے جانے اور محل کے نزول جزاء کا محل ہونے کی وجہ سے، اور یمین ختم ہو جائے گی اس لیے کہ بدون شرط یمین کی بقاء کا کوئی مطلب نہیں ہے اور اگر شرط ملک میں نہیں پائی گئی بلکہ غیر ملک میں اس کا وجود ہوتا ہے تو تحلیل کے نہ ہونے کی وجہ سے طلاق

نہ ہوگی، اور ملک غیر میں شرط کے پائے جانے کی وجہ سے یحییٰ ختم ہو جائے گی، اس کی صورت یہ ہے کہ شوہر نے بیوی سے کہا ان دخلت الدار فانك طالق پھر دخول دار سے قبل ہی شوہر نے اسے طلاق دے دیا اور عورت کی عدت بھی پوری ہوگئی اب اس کے بعد عورت گھر میں داخل ہوئی تو کچھ واقع نہ ہوگا، اس لیے کہ یحییٰ عادت بنوۃ میں عورت کے گھر میں داخل ہونے کی وجہ سے ختم ہوگی، ہم نے اس مسئلے کو انقضاء عدت کے ساتھ مقید کیا ہے اس لیے کہ عورت اگر گھر میں دوران عدت داخل ہو تو اس پر طلاق معلق پڑ جائے گی، اس لیے کہ ہائے، ہائے کو لاحق نہیں ہوتی، مگر جبکہ معلق ہو۔

یہاں مسئلہ کی چار صورتیں ہیں: (۱) شوہر نے ان دخلت الدار فانك طالق کہا پس عورت گھر میں داخل ہوئی تو طلاق پڑ جائے گی، یہی ملک میں وجود شرط کی صورت ہے۔ (۲) اسی تعلیق میں دخول دور سے قبل ہی شوہر نے عورت کو طلاق دے دیا، عدت بھی گزر گئی، اب عورت گھر میں داخل ہوتی ہے تو کوئی طلاق واقع نہ ہوگی اور یہ غیر ملک میں وجود شرط کی صورت ہے۔ (۳) عورت کو شوہر نے دخول دار سے قبل ہی طلاق دے دیا پھر عورت دوران عدت گھر میں داخل ہوئی تو بھی طلاق معلق پڑ جائے گی۔ (۴) دخول دار سے قبل ہی شوہر نے طلاق دے دیا اور عدت بھی پوری ہوگئی پھر شوہر نے دوسری بار کسی عورت سے نکاح کیا اب عورت گھر میں داخل ہوئی تو طلاق پڑ جائے گی اور یہ ہے زوال الملك بعد اليمين لا يبطل۔

وان اختلفا فی وجود الشرط الخ: اگر میاں بیوی کا شرط پائے جانے میں اختلاف ہو جائے یعنی شوہر کہہ رہا ہے کہ شرط نہیں پائی گئی یعنی ان دخلت الدار فانك طالق کی صورت میں تو گھر میں داخل نہیں ہوئی اور عورت کہہ رہی ہے کہ شرط پائی گئی یعنی میں گھر میں داخل ہوئی ہوں تو اعتبار شوہر کے قول کا ہوگا اس لیے کہ شوہر متمسک بالاصل ہے پس ظاہر شوہر کا شاہد ہوا اور اس لیے بھی کہ شوہر وقوع طلاق کا منکر ہے جب کہ عورت طلاق کے وقوع کی مدعیہ ہے اور قول تو منکر کا قول ہوتا ہے، یعنی اعتبار منکر کے قول کا ہوتا ہے، یہ حکم تب ہے جب کسی کے پاس اپنے دعویٰ پر دلیل نہ ہو اور اگر شوہر کے پاس ثبوت ہے تو کوئی مسئلہ ہی نہیں، اسی طرح اگر عورت اپنے دعویٰ پر دلیل قائم کر دیتی ہے تو پھر اعتبار اسی کی بات کا ہوگا، کیوں کہ اس کا دعویٰ الواجہت سے مزین ہے۔

وما لا يعلم الا منها الخ: یعنی جب شوہر نے طلاق ایسے امور پر معلق کر دیا کہ جو عورت سے ہی معلوم ہو سکتے ہیں اور انکی معرفت کا کوئی دوسرا ذریعہ نہیں ہے ایسے معاملہ میں شرط کے پائے جانے سے متعلق میاں بیوی کا اختلاف ہو گیا شوہر کہتا ہے کہ شرط نہیں پائی گئی اور عورت کہتی ہے کہ شرط پائی گئی یعنی شوہر اپنی قسم میں حاث ہو گیا ہے اور طلاق پڑ گئی ہے تو اس معاملہ میں گو عورت کے پاس ثبوت نہ ہو لیکن بات عورت کی معتبر

کبھی جائے گی، ہر چند قیاس کا تقاضا یہی ہے کہ عورت کی بات بغیر ثبوت دیگر اور معاملات کی طرح نہ مانا جائے اور اعتبار زوج کے قول کا ہو کیوں کہ وہ منکر ہے وقوع شرط کا لیکن استحساناً عورت کی بات کا اس لیے اعتبار کر لیا گیا کہ اس امر کے علم کا عورت کی خبر کے سواء، اور کوئی راستہ نہیں ہے، جب کہ اس امر پر حکم شرعی کا ترتیب ہوتا ہے، لہذا عورت پر واجب ہے کہ وہ معاملہ کی صحیح اطلاع دے دے تاکہ دونوں حرام میں مبتلا نہ ہوں اس لیے کہ حرام سے اجتناب شرعاً دونوں پر واجب ہے، پس اجتناب عن الحرام کا طریق واجب ہوگا اور وہ ہے اخبار پس عورت اخبار کے ساتھ متعین ہوگئی لہذا عورت کے قول کا قبول کرنا مسئلہ ذیل میں واجب ہو گیا، وہ امور یہ ہیں کہ عورت سے شوہر کہے ان حضرت فانت طالق وفلانة یا شوہر کہے ان فحیثینی فانت طالق وفلانة پس عورت نے جواباً کہا جی ہاں مجھے حیض آتا ہے یا میں تجھ سے کرتی ہوں، یہ لف و نشر مرتب ہے، تو عورت صرف مطلقہ ہو جائے گی دوسری عورت غیر منکوحہ نہیں۔

وہروية الدم لا يقع الخ: یعنی جب شوہر نے عورت سے کہا ان حضرت فانت طالق کہ اگر تو حیض سے ہو تو تجھے طلاق پس عورت نے دم دیکھا تو محض خون دیکھنے کی وجہ سے طلاق واقع نہ ہوگی اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ عورت مستحاضہ ہو کیوں کہ تین یوم سے قبل منقطع ہونے والا خون دم حیض نہیں ہوتا بلکہ دم استحاضہ ہوتا ہے، پس طلاق شک سے واقع نہ ہوگی، ہاں اگر خون تین دن و رات لگا تار آتا رہا تو طلاق اس وقت سے واقع مان لی جائے گی جب عورت نے خون دیکھا تھا، کیوں کہ خون کے امتداد سے یہ بات صاف ہوگئی کہ یہ جاری خون رحم سے آرہا تھا، اس مسئلہ کا فائدہ ظاہر ہوگا جب عورت غیر مدخول بہا ہو کہ جب اس نے خون دیکھتے ہی دوسرے شوہر سے نکاح کر لیا تو اب گر تین دن تک خون کا استمرار رہتا ہے تو نکاح ثانی صحیح سمجھا جائے گا، اسی طرح اگر کسی عورت نے کہا تھا کہ ان حضرت فعبدی حو کہ اگر مجھے حیض ہو تو میرا غلام آزاد تو اب اگر عورت نے خون دیکھا تو یہ اسی وقت سے آزاد سمجھا جائے گا، بشرطیکہ اسے تین یوم تک خون کا استمرار رہے ورنہ نہیں۔

وفی ان حضرت حیضة يقع الخ: اگر شوہر نے عورت سے کہا ان حضرت حیضة فانت طالق تو اس صورت میں عورت جب مطلقہ سمجھی جائے گی، جب وہ اپنے حیض سے پاک و صاف ہو جائے گی، یعنی خون دس یوم پورا ہونے سے ختم ہو جائے، یا دس دن گزر جائے گو خون کا آنا بند نہ ہو، کیوں کہ اس کے بعد کا خون دم استحاضہ ہے حیض نہیں ہے، یا عورت نہاد دھولے یا ایک نماز کا وقت گزر جائے اگر دس یوم سے پہلے سلسلہ دم رک گیا ہو ایسا اس لیے ہے کہ حیضة حیض کا اسم کامل ہے، یعنی ان حضرت حیضة فانت طالق کا مطلب ہوا کہ جب مکمل حیض آجائے تو طلاق اور ظاہر ہے کہ یہ ایام حیض کے پورا ہونے پر ہی طے ہوگا۔

ولم ی ان ولدت ذکر افانت طالق واحده الخ: اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا ان ولدت ذکرًا فانك طالق واحده یعنی اگر تو نے لڑکا جنا تو تجھے ایک طلاق اور اگر تو نے لڑکی جنا تو تجھے دو طلاقیں تو اس کے لڑکا اور لڑکی دونوں ایک ساتھ ہوئے اور معلوم نہیں کہ ان دونوں میں پہلے کون ہوا لڑکا یا لڑکی تو عورت کو ایک طلاق تو قضاء اور دو طلاقیں احتیاطاً پڑ جائیں گی، یعنی دین میں بر بنائے احتیاط دو طلاقیں ہوں گی پس اگر شوہر عورت سے قول مذکور کہنے سے پہلے ایک طلاق دے چکا تھا یا عورت جس سے مذکورہ بات کہی گئی ہے باندی تھی تو اس شوہر کو بغیر دوسرے آدمی کے ساتھ عورت کے نکاح کیے دوبارہ اپنے نکاح میں لینا درست نہ ہوگا۔ مسئلہ مذکورہ بالا میں عدت پوری ہو جائے گی اس لیے کہ اس مسئلہ میں دو یمنین ہیں لہذا عورت کے لڑکا لڑکی کسی بھی نوع کی اولاد ہوتی تو اس سے شوہر حائض ہو جاتا اور اس کی جزاء واقع ہو جاتی، یعنی طلاق ہو جاتی، تو عورت معتدہ ہو جاتی اور دوسرے بچے کی ولادت سے عدت ختم ہو جاتی کیوں کہ حامل کی عدت وضع حمل سے پوری ہو جاتی ہے۔

اور دوسری ولادت سے دوسری یمنین بھی ختم ہو جائے گی کیوں کہ شرط پائی گئی البتہ اس سے کوئی طلاق واقع نہ ہوگی، اس لیے کہ وہ طلاق جو انقضاء عدت کے مقارن ہو تو وہ واقع نہیں ہوا کرتی یہ تفصیل تب ہے جب معلوم نہ ہو کہ بچہ بچی میں سے ولادت پہلے کس کی ہوئی اور اگر معلوم ہو کہ پہلے پیدا دونوں میں سے کون ہوا تو کوئی مسئلہ ہی نہیں، حسب ولادت لڑکا یا لڑکی طلاق واقع ہو جائے گی۔

اور اگر دونوں اختلاف کریں کہ شوہر کہے لڑکی پہلے ہوئی اور عورت کہے کہ لڑکا پہلے ہوا ہے اور ثبوت کسی کے پاس نہ ہو تو شوہر کی بات کا اعتبار ہوگا کیوں وہ منکر ہے۔

اور مذکورہ بالا صورت میں ہی اگر عورت کے ایک لڑکا اور دو لڑکیاں پیدا ہوئیں اور معلوم نہ ہو کہ ولادت پہلے کس کی ہوئی ہے تو قضاء دو طلاقیں اور احتیاطاً تین طلاقیں واقع ہوں گی۔

تذہ سے مراد ہے مظاہرہ حرمت سے دور رہنا یہی احتیاط کہلاتا ہے، اور اگر عورت کے دو لڑکے اور ایک لڑکی ہوئی تو قضاء ایک طلاق اور احتیاطاً تین طلاق واقع ہوں گی۔

والملك يشترط لآخر الشرطين الخ: اگر شرط دو وصفوں کے ساتھ یا دو چیزوں کے ساتھ مشروع ہو تو وقوع طلاق کے لیے آخری شرط کا ملک میں پایا جانا ضروری ہے، مثلاً ایک شخص نے کہا اگر تو زید اور عمر کے گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق سوا اگر شرط ثانی ملک میں پائی گئی تو معلق طلاق واقع ہو جائے گی، ورنہ نہیں اب اس کی چار صورتیں ہیں (۱) دونوں شرطیں ملک میں پائی جائیں اس صورت میں بالاتفاق طلاق ہو جائے گی (۲) دونوں شرطیں ملک میں نہ پائی جائیں تو بالاتفاق طلاق نہ واقع ہوگی (۳) شرط اول ملک

میں اور شرط ثانی غیر ملک میں پائی جائے تو اس شرط میں ابن ابی لیلیٰ کے سواء کسی کے نزدیک طلاق نہیں ہوئی۔
 (۴) شرط ثانی ملک میں اور شرط اول غیر ملک میں پائی جائے مثلاً شوہر نے کہا ان دخلت دار زید و دار عمر فانت طالق اس کے بعد شوہر نے عورت کو طلاق دے دی اور اس کی عدت گزرنے کے بعد ایک شرط پائی گئی پھر شوہر نے اس سے نکاح کر لیا اور اب دوسری شرط پائی گئی تو ہمارے نزدیک طلاق معلق واقع ہو جائے گی امام زفرؒ کے نزدیک واقع نہ ہوگی، کیوں کہ ان کے نزدیک وقوع طلاق کے لیے دونوں شرطوں کا ملک میں پایا جانا ضروری ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ طلاق دونوں شرطوں کی وجہ سے ہی واقع ہوگی اور ملک شرط ثانی کے پائے جانے کے وقت شرط ہے پس اسی طرح شرط اول کے پائے جانے کے وقت بھی ضروری ہے۔
 ہمارا کہنا یہ ہے کہ ملک بوقت تعلیق شرط ہے تا کہ اس پر جزاء مرتب ہو سکے اور شرط اول کے پائے جانے کی حالت بقاء کی حالت ہے، لہذا اس میں ملک شرط نہیں ہے اس شرط کے ملک سے حالت بقاء میں بے نیاز ہونے کی وجہ سے۔

و یبطل تنجیز الثلاث تعلیقہ الخ: تین طلاقوں کا علی الفور واقع کر دینا معلق طلاقوں کو باطل

کر دیتا ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ آدمی نے اپنی بیوی سے کہا ان دخلت الدار فانت طالق ثلاثا پھر علی الفور تین طلاقیں دخول دار کے پائے جانے سے پہلے ہی دے ڈالی تو معلق طلاقیں ختم ہو جائیں گی حتیٰ کہ اب جب زوج ثانی سے نکاح اور طلاق وعدت کے بعد زوج اول سے نکاح کرتی ہے اور گھر میں داخل ہوتی ہے تو کوئی طلاق واقع نہ ہوگی، کیوں کہ تنجیز ثلاث کی وجہ سے معلق تینوں طلاقیں ختم ہو گئیں البتہ امام زفرؒ کا اختلاف ہے ان کے نزدیک تنجیز طلاق سے طلاق معلق باطل نہیں ہوتی ان کی دلیل یہ ہے کہ معلق مطلق طلاق ہے کیوں کہ لفظ مطلق ہے جس کے وقوع کا احتمال تنجیز ثلاث کے بعد بھی باقی رہتا ہے، پس یمین باقی رہی لہذا جزاء شرط پائے جانے پر اتر آئے گی اس لیے کہ شرط صحیح یمین کے بعد ملک میں پائی گئی پس اس حالت میں زوال محل کا تحلیل محل نہیں ہوگا، جیسا کہ زوال ملک کا تحلیل محل نہیں ہوتا، ہمارا کہنا یہ ہے کہ جزاء اس ملک کی طلاقیں ہیں کیوں کہ یمین تو ایسی طلاق کو پختہ کرتی ہے جو جزاء ہونے کے لائق ہو، اب رہی طلاق ملک تو پائی جائیں گی پس وہ جزاء ہونے کے لائق نہیں ہیں پس جب جزاء کی تنقید اس ملک کی طلاقوں کے ساتھ ثابت ہوگئی اور یہ طلاقیں تنجیز کی وجہ سے ختم ہو چکی ہیں پس ضرورتاً تعلیق باطل ہو جائے گی، یہ جو بات کہی گئی کہ تنجیز مدت تعلیق ثلاث کو ختم کر دیتی ہے، یہ تب مطلب ہوگا جب تعلیقہ کی ضمیر کا مرجع الثلاث ہو لیکن اگر اس کا مرجع شوہر ہو تو پھر مطلب ہوگا کہ تنجیز ثلاث شوہر کی مطلق تعلیق کو ختم کر دیتی ہے خواہ تعلیق ایک طلاق کی ہو یا دو کی ہو یا تین کی یہی رائج بھی ہے۔

ولو عتق الثلاث او العتق بالوطی الخ: ایک شخص نے بیوی کی تین طلاقیں یا باندی کی آزادی کو جماع پر مطلق کر دیا اور کہا کہ اگر میں تجھ سے وطی کروں تو تجھے تین طلاق یا تو آزاد ہے، پھر اس سے جماع کیا تو انتقام ختامین ہوتے ہی طلاق اور آزادی واقع ہو جائے گی، اب اگر وہ عورت کی شرمگاہ میں آگے تناسل داخل کرنے کے بعد توقف کرے تو توقف کی وجہ سے عقر (یعنی مہر مثل) واجب نہ ہوگا تا وقتیکہ وہ آگے تناسل نکال کر پھر دوبارہ داخل نہ کرے، کیوں کہ توقف کو وطی نہیں کہہ سکتے، اسی طرح اگر کسی نے آگے تناسل داخل کیا پھر طلاق رجعی دے دی اور ٹھہر گیا تو امام محمد کے نزدیک رجعت ثابت نہ ہوگی امام ابو یوسف کے نزدیک رجعت ثابت ہو جائے گی، کیوں کہ طلاق رجعی کے بعد آگے تناسل کا شرمگاہ میں ٹھہرا رہنا مساس سے خالی نہیں اور مساس سے رجعت ثابت ہو جاتی ہے۔

ولا تطلق فی ان تنکحها علیک فہی طالق الخ: شوہر نے اپنی بیوی سے کہا اگر میں فلاں عورت سے تیرے نکاح میں ہوتے ہوئے نکاح کروں تو اس پر طلاق اس کے بعد بیوی کو طلاق بائن دے دی وہ عدت گزار رہی تھی کہ اس کی عدت کے دوران اس فلاں عورت سے نکاح کر لیا تو عورت کو طلاق نہ ہوگی، کیوں کہ طلاق بائن کے بعد پہلی عورت کا نکاح باقی نہیں رہا، پس طلاق کی شرط نہیں پائی گئی، البتہ اگر بیوی کو طلاق رجعی دی ہو اور وہ اس کی عدت میں ہو اور پھر فلاں عورت سے نکاح کرے تو طلاق ہو جائے گی، کیوں کہ رجعی کے بعد نکاح باقی رہتا ہے۔

ولا فی انت طالق ان شاء اللہ متصلاً: اگر کوئی شخص طلاق کے بعد فوراً استثناء کرے مثلاً یوں کہے انت طالق انشاء اللہ تو طرفین ابن ابی لیلیٰ اور شوافع کے نزدیک طلاق نہ ہوگی امام مالک کہتے ہیں کہ انشاء اللہ کہنے سے طلاق، عتاق اور صدقہ باطل نہ ہوگا ہاں یمین اور نذر باطل ہو جائے گی، امام احمد فرماتے ہیں کہ صرف طلاق باطل نہ ہوگی، احناف کی دلیل یہ حدیث پاک ہے رسول اللہ..... نے ارشاد فرمایا من حلف علی یمن وقال ان شاء اللہ فقد استثنیٰ رواہ النسائی من رواۃ ابی ہریرۃ ورواہ الترمذی جس میں متصلاً انشاء اللہ کو استثناء قرار دیا ہے، یہ روایت امام مالک کے خلاف حجت ہے۔

مصلیٰ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر انت طالق کہہ کر سکوت کیا تو طلاق پڑ جائے گی، بعض حضرات مجلس تک استثناء کی گنجائش کے قائل ہیں ابن عباسؓ سے ایک سال تک بلکہ ہمیشہ اور دوا ان انت طالق یا کوئی بات کہہ کر جب چاہے اس کا استثناء کر سکتا ہے، ان کا استدلال اس حدیث سے ہے کہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال واللہ لا غزوٰن قریشاً ثلاثاً ثم سکت ثم قال ان شاء اللہ کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ قریش سے تین غزوہ کروں گا پھر آپ نے سکوت فرمایا، اس کے بعد ارشاد فرمایا انشاء اللہ،

احناف کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی ہے وَلٰكِنْ يٰۤاٰخِذْكَ بِمَا عٰقَدْتُمُ الْاِيْمَانَ فَكَفَّارَتُهٗ الْاَيَةُ الْخ: اور اگر استثناء منفصلاً درست ہو تو کفارہ کے ایجاب کا کوئی مطلب نہیں، اس لیے کہ وہ اپنی یمن میں ابھی استثناء کر سکتا ہے، نیز ارشاد ہے مَنْ حَلَفَ عَلٰی يَمِيْنٍ فَرَأٰى غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا فَلْيَاْتِ الدِّيَّ هُوَ خَيْرٌ وَلِيَكْفُرْ عَنْ يَمِيْنِهِ پَس اگر منفصلاً استثناء درست ہو تو آپ اس کا حکم کرتے اور کفارہ کبھی واجب نہ ہوتا۔

وَ اِنْ مَاتَ قَبْلَ قَوْلِهِ: اگر عورت انت طالق کہنے کہنے کے بعد اور انشاء کہنے سے پہلے مر گئی تو بھی طلاق واقع نہ ہوگی اور اگر شوہر مر تو طلاق ہو جائے گی، اس لیے کہ کلام استثناء کی وجہ سے ایجاب ہونے سے خارج ہو گیا اور موت موجب منافی ہے مبطل کے نہیں اس لیے کہ موجب محل کا تقاضا کرتا ہے جب کہ موت محل کے منافی ہے پس ایجاب کے بھی منافی ہوگی، بہر حال مبطل تو وہ صحت ایجاب کا تقاضا کرتا ہے اور وہ شوہر کے ساتھ قائم ہے اور موت اس کے منافی نہیں ہے، بلکہ ابطال میں اس کے منافی ہے۔

وَفِيْ اَنْتَ طَالِقٌ ثَلَاثًا الْخ: اگر شوہر نے بیوی سے کہا انت طالق ثلاثا الا واحدة تو دو طلاقیں واقع ہوں گی اور اگر کہا انت طالق ثلاث الاثنین تو ایک واقع ہوگی اور اگر کہا انت طالق ثلاث الا لاثنا تو تین طلاقیں واقع ہوں گی ایسا اس لیے کہ اصل میں قاعدہ یہ ہے کہ کل سے جزء کا استثناء صحیح ہے اور کل سے کل کا استثناء صحیح نہیں ہے پس پہلی اور دوسری صورت میں کل سے جزء کا استثناء ہے یعنی تطلیقات ثلاث سے شکل اول میں ایک طلاق کا لہذا دو طلاقیں واقع ہوں گی اور شکل ثانی میں دو کا استثناء ہے لہذا ایک واقع ہوگی اور شکل ثالث میں تین سے تین کا استثناء ہے جو صحیح نہیں، کیوں کہ کل سے کل کا استثناء غیر صحیح ہے، لہذا تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔

باب طلاق المریض

طَلَّقَهَا رَجْعِيًّا أَوْ بَائِنًا أَوْ ثَلَاثًا فِيْ مَرَضِهِ وَمَاتَ فِيْ عِدَّتِهَا وَرَثَتْ وَبَعْدَهَا لَا وَإِنْ أَبَانَهَا بِأَمْرِهَا أَوْ اخْتَلَعَتْ مِنْهُ أَوْ اخْتَارَتْ نَفْسَهَا بِتَفْوِيْضِهِ لَمْ تَرِثْ وَفِيْ طَلْقِنِيْ رَجْعِيَّةً فَطَلَّقَهَا ثَلَاثًا وَرَثَتْ وَإِنْ أَبَانَهَا بِأَمْرِهَا فِيْ مَرَضِهِ أَوْ تَصَادَقَا عَلَيْهَا فِيْ الصَّحَةِ وَمُضَى الْعِدَّةُ فَأَقْرَبَ بَيْنَ أَوْ أَوْصَى لَهَا فَلَهَا الْأَقْلُ مِنْهُ دَيْنٌ وَمِنْ إِرْثِهَا وَمَنْ بَارَزَ رَجُلًا أَوْ قُدَّمَ لِيُقْتَلَ بِقَوْدٍ أَوْ رَجِمَ فَأَبَانَهَا وَرَثَتْ إِنْ مَاتَ فِيْ ذَلِكَ الْوَجْهِ أَوْ قُتِلَ وَلَوْ مُحْصُورًا أَوْ فِيْ صَفِّ الْقِتَالِ لَا وَلَوْ عَلَّقَ طَلَّاقَهَا بِفَعْلٍ أَجْنَبِيٍّ أَوْ بِمَجِيئِ الْوَقْتِ وَالتَّعْلِيْقُ وَالشَّرْطُ فِيْ مَرَضِهِ أَوْ بِفَعْلٍ نَفْسِهِ وَهُمَا فِيْ مَرَضِهِ أَوْ الشَّرْطُ فَقَطْ أَوْ بِفَعْلِهَا وَلَا بُدَّ لَهَا مِنْهُ وَهُمَا

فِي الْمَرَضِ أَوْ الشَّرْطِ وَرِثَتْ وَلِي غَيْرَهَا لَا وَلَوْ أَبَانَهَا فِي مَرَضِهِ فَصَحَّ فَمَاتَ أَوْ
أَبَانَهَا فَأَرَقَّدَتْ فَأَسْلَمَتْ فَمَاتَ لَمْ تَرِثْ وَأَنْ طَاوَعَتْ ابْنَ الزَّوْجِ أَوْ لَاعَنَ أَوْ إِلَى
مَرِيضًا وَرِثَتْ وَإِنْ إِلَى فِي صِحَّتِهِ وَبَانَتْ بِهِ فِي مَرَضِهِ لَا.

ترجمہ: یہ طلاق المریض کا باب ہے: مریض نے اپنی بیوی کو طلاق رجعی بائن یا تین طلاقیں
اپنی بیماری میں دے دیا اور شوہر کا انتقال اس کی عدت میں ہو گیا تو عورت (شوہر کی) وارث ہوگی اور عدت
کے گزارنے کے بعد نہیں (وارث ہوگی) اور اگر شوہر نے عورت کو اس کہنے کی وجہ سے بائنہ کر دیا یا عورت نے
شوہر سے خلع کیا یا اس نے اپنے کو اختیار کیا شوہر کی تفویض کی وجہ سے تو وارث نہ ہوگی اور (اگر عورت نے
شوہر سے کا) کہ تو مجھے طلاق رجعی دیدے پس شوہر نے اس کو تین طلاقیں دے دیں تو عورت وارث ہوگی اور
اگر شوہر نے عورت کو اس کے کہنے پر اپنی بیماری میں طلاق بائن دیا یا میاں بیوی نے تندرستی کی حالت میں
بینونت اور انقضاء عدت پر اتفاق کر لیا پس شوہر نے عورت کے لیے دین کا اقرار کیا یا عورت کے لیے وصیت کی
تو عورت کے لیے وہ ہوگا جو اقرار وصیت اور عورت کی میراث سے کم ہو اور وہ شخص جس نے کسی آدمی سے
مقابلہ طلب کیا یا شوہر پیش کر دیا گیا تاکہ اسے قصاص یا رجم میں قتل کر دیا جائے پس اس نے عورت کو طلاق
بائن دے دی تو عورت وارث ہوگی اگر شوہر اس وجہ میں مر جاتا ہے یا قتل کر دیا جاتا ہے اور اگر شوہر محصور تھا یا
قتال کی صف میں تھا تو عورت نہیں (وارث ہوگی) اور اگر شوہر نے عورت کی طلاق کسی اجنبی کے فعل پر معلق کیا
یا وقت کے آنے پر در انحالیکہ تعلیق اور شرط شوہر کی بیماری میں ہوئی ہے یا اپنے فعل پر طلاق معلق کیا اور انحالیکہ
تعلیق و شرط اس کی بیماری کی حالت میں ہے یا صرف شرط (اس کی بیماری میں ہوتی ہے) یا طلاق عورت کے
فعل پر معلق کیا اور وہ فعل اس کے لیے ضروری ہے در انحالیکہ تعلیق و شرط دونوں یا صرف شرط بیماری میں ہو تو
عورت وارث ہوگی اور (مذکورہ صورتوں کے) علاوہ میں نہیں اور اگر شوہر نے عورت کو اپنی بیماری میں طلاق
(ثلث) دے دیا پس شوہر صحیح ہو گیا پھر شوہر مر گیا یا عورت کو اس نے طلاق بائن دے دیا پس وہ مرتدہ ہوگی اس
کے بعد مسلمان ہو گئی اس کے بعد شوہر کا انتقال ہو گیا تو وہ عورت وارث نہ ہوگی اور اگر عورت نے شوہر کے
لڑکے کو جماع پر قدرت دی یا شوہر نے لعان کیا یا ایلاء کیا بیماری کی حالت میں تو عورت وارث ہوگی اور اگر
شوہر نے ایلاء کیا اپنی صحت میں اور عورت شوہر سے علیحدہ ہو گئی، اس کی بیماری میں تو نہیں وارث ہوگی۔

تشریح: چوں کہ بیماری عوارض میں سے ہے لہذا اس کا بیان اصل یعنی تندرستی کے احکام کے
بعد بیان کیا اور دونوں باب تعلیق اور باب المریض میں مناسبت یہ ہے کہ تعلیق من وجہ ایقاع ہے
اور من وجہ نہیں ہے وجہ شرط اور عدم شرط کے لحاظ سے اسی طرح مریض کی طلاق من وجہ واقع ہے جیسے کہ تمام

احکام میں اور من وجہ واقع نہیں یہ جیسے کہ حق ارث میں۔

ایسے مریض کے لیے فار بھی بولا جاتا ہے، مریض کی تفسیر اور اس کی مراد کیا ہے اس میں اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ مریض کہتے ہیں کہ جو اپنے طاقت کے سہارے نہ کھڑا ہو سکتا ہو والا یہ کہ کوئی آدمی اس کو سہارا دے اور کھڑا کرے، دوسرا قول یہ ہے کہ جو صاحب فراش ہو اور اپنی ضروریات بلا مشقت پوری نہ کر سکتا ہو اور اس کے حالات سے غالب ہلاک ہونا ہو اور صحیح بات یہ ہے کہ جب مریض گھر میں تو اپنی ضرورتیں پوری اور انجام دے لیتا ہو لیکن خارج بیت انجام دہی سے قاصر ہو تو ایسا مریض مرض الوفا میں مبتلا نہیں سمجھا جائے گا۔ اور عورت مریضہ تب سمجھی جائے گی کہ جب گھر کی داخلی مصالح کی رعایت سے بے بس ہو جائے۔

طلقھا رجعیا او بائنا الخ: ایک آدمی نے اپنی زوجہ حرہ کو طلاق رجعی دے دیا یا مرض الموت میں طلاق بائن دے دیا، گو وہ طلاق بائن سے رضامند نہ رہی ہو اور شوہر عورت کی عدت میں مر گیا تو مطلقہ عورت شوہر کے ترکہ میں وارث قرار پائی جائے گی اور اگر شوہر کا عدت کے بعد انتقال ہوا تو نہیں وارث ہوگی، امام احمد کے نزدیک عدت کے بعد بھی عورت وارث ہوگی بشرطیکہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے، امام مالک کے نزدیک اگر دس عورتوں سے نکاح کرے تب بھی وارث ہوگی، امام شافعی کے نزدیک مطلقہ ثلاث یعنی مطلقہ یعنی خلع کرنے والی وارث نہیں ہوتی خواہ شوہر کا انتقال عدت کے زمانہ میں ہو یا عدت کے بعد ان کی دلیل یہ ہے کہ میراث کا سبب زوجیت ہے اور طلاق بائن سے زوجیت باطل ہوگئی لہذا عورت وارث نہ ہوگی، فتح المعین میں احمد اور مالک کا مسلک ایک ہی نقل کیا ہے، امام مالک فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان نے تناصر بنت اصغ اہلیہ حضرت عبدالرحمن کے بارے میں فرمایا تھا جب کہ انہوں مرض الوفا میں انہیں طلاق دے دی تھی کہ مَنْ فَرَّ مِنْ كِتَابِ اللَّهِ رُدَّ عَلَيْهِ عَنْ قَصْدِهِ کہ جو میراث دینے سے بھاگے گا تو اس کا منصوبہ ناکام کر دیا جائے گا، یہ بات حضرت عثمان نے بغیر کسی تفصیل کے فرمائی تھی، البتہ تبیین الحقائق للزیلعی میں دونوں بزرگوں کا مسلک الگ الگ طرح کا مذکور ہے، امام ابو حنیفہ کا کہنا یہ ہے کہ قیاس تو یہی تھا کہ بائن میں عورت وارث نہ ہو اس لیے کہ سبب وراثت یعنی نکاح ختم ہو چکا ہے تو مناسب یہی تھا کہ عورت شوہر کی وارث قرار نہ پائے جیسا کہ شوہر عورت کا مال مذکور کے بعد وارث نہیں ہوتا، لیکن جب شوہر فار ہو گیا بایں طور کہ اس نے عورت کو تب طلاق دیا ہے جب شوہر کے مال سے عورت کا حق متعلق ہو چکا تھا اور وقت طلاق عورت ان لوگوں میں سے تھی جس کو شوہر سے حق وراثت حاصل تھا کہ دونوں حرتھے متحد الدین تھے اور اب شوہر طلاق دے کر اس سبب کو باطل کرنا چاہ رہا ہے اس لیے کہ قصد کی تاثیر کو عورت سے ضرر دور کرنے کی خاطر انقضاء عدت تک مؤخر کیا جائے گا، کیوں کہ بعض حقوق کے لحاظ سے عدت میں نکاح باقی رہتا ہے، اس لیے حق ارث

میں بھی نکاح باقی رہ سکتا ہے عدت کے بعد اس کا امکان نہیں، دوسرے یہ کہ حضرت عمرؓ نے شریع کو لکھا تھا وَرَثَ امْرَأَةِ الْفَارِ مَا دَامَتْ فِي الْعِدَّةِ کہ امراۃ الفار کو حق وراثت دلاؤ جب تک وہ عدت میں رہے، اور تماضر بنت الاصمخ کے بارے میں احناف کہتے ہیں کہ وہ اس وقت عدت میں تھیں اس لیے حضرت عثمانؓ نے ان کو وراثت دلائی پس فیصلہ عثمانؓ ہمارے خلاف نہیں ہے۔

فائدہ: فی مرضہ بائناً کی قید ہے کیوں کہ طلاق رجعی میں عورت کو علی لا طلاق عدت میں شوہر کے انتقال کی صورت میں حق ارث حاصل ہے سو خواہ طلاق حالت صحت میں ہو یا بیماری میں اسی وجہ سے شوہر کو بھی مطلقہ رجعیہ کے ترکہ سے حق وراثت حاصل ہوگا، بشرطیکہ اس مطلقہ کی وفات عدت میں ہو او لاثلاً کا لفظ زلیعی نے تبیین الحقائق میں ذکر نہیں کیا ہے ار صاحب فتح المعین ابو سعید مصریؒ نے ثلاث کو بائناً پر معطوف نہیں مانا ہے بلکہ عبارت یوں مانا ہے او بائناً من ثلاث .

وان ابانها بامر الخ: اور اگر شوہر نے عورت کو عورت کے کہنے پر طلاق بائن دیا یا عورت نے شوہر سے مرض الوفات میں خلع کیا یا شوہر نے عورت کو حق طلاق دے دیا تھا بایں طور کہ شوہر نے کہہ دیا تھا اختاری نفسک پس عورت نے اپنے کو اختیار کر لیا تو عورت شوہر کے درمیان عدت موت پر وارث نہیں ہوگی، کیوں کہ عورت اپنے حق ارث کے بطلان پر خود ہی راضی ہے، کیوں کہ وہ مبطل حق یعنی طلاق پر راضی ہے، پس گویا وہ بطلان حق پر راضی ہوگئی، اور شوہر کی جانب سے تعدی اور زیادتی نہ پائی گئی، جبکہ شوہر کے قصد کی تاخیر انقضاء عدت تک عورت کے حق کی وجہ سے تھی، البتہ اگر عورت نے شوہر کے مرض الوفات میں اپنے کو تین طلاقیں دے لیں اور شوہر نے اس کی اجازت بھی دے دی تو عورت وارث ہوگی، کیوں کہ مبطل وراثت شوہر کی اجازت ہے، امام مالکؒ کہتے ہیں کہ ان تمام صورتوں میں عورت کو حق میراث حاصل ہوگا، ان کا استدلال واقعہ تماضر بنت الاصمخ سے ہے کہ حضرت عبدالرحمنؓ نے تماضر بنت اصمخ سے فرمایا جب تم پاک ہو جانا تو مجھے بتانا چنانچہ جب وہ حیض سے پاک ہو گئیں تو حضرت عبدالرحمنؓ کو اس کی خبر دی تو حضرت عبدالرحمنؓ نے انہیں طلاق بائن دے دی تو حضرت عثمانؓ نے انہیں تماضر کو عبدالرحمنؓ کا وارث قرار دیا اور تماضر کی رضامندی کا اعتبار نہیں کیا، ہمارا کہنا یہ ہے کہ اس واقعہ میں تماضر کی طلاق پر رضامندی سے متعلق کوئی دلالت نہیں ہے، جو مبطل لارث ہو اس میں تو حیض سے پاک ہونے کی اطلاع ہے اور اس جیسے امر سے ارث باطل نہیں ہوا کرتا۔

وفی طلقنی رجعیۃ الخ: عورت نے شوہر سے کہا طلقنی رجعیۃ کہ مجھے طلاق رجعی دے دو، پس شوہر نے تین طلاقیں دے دیں تو عورت وارث ہوگی کیوں کہ طلاق رجعی سے نکاح ختم نہیں ہوا کرتا، یہی وجہ ہے کہ مطلقہ رجعیہ سے وطی حلال ہے، پس طلاق رجعی کا سوال اپنے حق کے بطلان پر راضی ہونا نہیں سمجھا

جائے گا، اسی طرح اگر شوہر نے ایک طلاق بائن سوال مذکور کے جواب میں دیا تو بھی عورت وارث ہوگی، البتہ شافعی کے نزدیک بائنہ کی صورت میں وارث نہ ہوگی، اور اگر عورت طلاق بائنہ کہتی اور اس کے جواب میں عورت کو شوہر طلاق بائن دیتا تو باتفاق امام شافعی عورت وارث نہ ہوگی۔

وان ابانها بامرهما فی مرض الخ: اگر شوہر نے عورت کے کہنے پر اپنے مرض الوفا میں اس کو طلاق بائن دے دیا یا شوہر نے عورت کو خبر دی کہ میں نے تجھے حالت صحت میں طلاق دے دی تھی اور تیری عدت بھی گزر چکی ہے، پس عورت نے شوہر کی اس امر میں تصدیق بھی کر دی اب شوہر اس عورت کے لیے کسی دین کا اقرار کرتا ہے کہ اتنا قرضہ تیرا میرے ذمہ واجب الاداء ہے یا عورت کے لیے ثلث سے کم مال کی وصیت کرتا ہے تو عورت کو اقرار دین یا وصیت اور ارث میں سے جو مقدار کم ہوگی اس کا استحقاق ہوگا، یہ امام ابوحنیفہ کی رائے ہے اس لیے کہ امام کی اصل یہ ہے کہ شوہر مہتمم کا قول مردود ہوتا ہے، اور وارث کے لیے وصیت باطل ہوتی ہے، پس احتمال ہے کہ میاں بیوی نے باہمی رضامندی سے شکل گھڑ لی ہوتا کہ شوہر کا اقرار اور اس کا عورت کے لیے وصیت کرنا صحیح ہو جائے اور اس کا بھی احتمال ہے کہ شوہر نے واقعہ زمانہ صحت میں طلاق دی ہو اور عدت گزر گئی ہو اس نے عورت کو طلاق بائن مرض الوفا میں اس مقصد سے دی ہوتا کہ وہ عورت کے لیے اقرار دین یا کچھ مال کی وصیت کر سکے لہذا اقرار وصیت اور میراث میں سے جس کی مقدار کم ہوگی وہ ثابت ہوگی اور اقل پر زیادتی کا اثبات تہمت سے بچنے کے لیے ثابت نہ ہوگا، یہ تفصیل تصادق کی صورت میں ہے، اور صاحبین کے نزدیک شوہر کا اقرار اور وصیت مسئلہ مذکور میں صحیح ہے، اور اگر عورت نے شوہر سے طلاق بائن کی درخواست کی ہو اس کے بعد شوہر طلاق بائن دے دے اور پھر اقرار یا وصیت کرے تو بالاتفاق عورت کے لیے اقرار و وصیت اور میراث سے کم مقدار والی چیز کا استحقاق ہوگا، تہمت کی وجہ سے امام زفر فرماتے ہیں کہ مطلقہ بائنہ کے لیے علی الاطلاق اقرار وصیت مال درست ہے اس لیے کہ میراث سوال سے باطل نہیں ہوتی اور اقرار وصیت کی راہ میں جو مانع تھا یعنی وارث ہونا وہ زائل ہو گیا، صاحبین جو مسئلہ سوال ابانت میں امام صاحب کے ساتھ ہیں اور مسئلہ تصادق میں زفر کے ساتھ ان کی دلیل یہ ہے کہ جب میاں بیوی نے طلاق اور انقضاء عدت پر صلح و اتفاق کر لیا تو عورت اپنے شوہر کے حق میں لجبیہ ہوگی لہذا تہمت معدوم ہوگئی پس اقرار و وصیت شوہر کی جانب سے مطلقہ مذکورہ کے لیے درست ہے، چنانچہ اس شوہر کی مطلقہ مذکور کے حق میں گواہی درست ہے بخلاف اس کے کہ جب عورت شوہر سے طلاق کی درخواست کرے اس لیے کہ عدت باقی ہے اور وہی سبب تہمت ہے اور تصادق کی صورت میں کوئی عدت نہیں، لہذا دونوں مسئلوں کی نوعیت الگ لگ ہوگئی، مالک و شافعی اور احمد رحمہم اللہ کا بھی یہی مسلک ہے۔

ومن بارز رجلاً او قدّم ليقْتَلَ بقود الخ: وہ شخص جس نے کسی آدمی سے مقابلہ کرنا چاہا ہاں طور کہ میدان کارزار میں صف بندی کے وقت اپنے سے پہلوان کے مقابلے میں آگے بڑھ گیا، اور مقابلہ کرنا چاہا یا شوہر کو آگے کیا گیا تا کہ اسے قصاص یا رجم میں مار ڈالا جائے یعنی شوہر کو قصاص یا زناہ کرنے کی وجہ سے برائے رجم پیش کر دیا گیا یا وہ شخص کشتی پر سوار تھا کہ وہ ٹوٹ گئی اور وہ صرف ایک تختہ پر رہ گیا یا کسی درندے کے پھندے میں پھنس کر اس کے منہ میں پھنچ گیا ان حالات میں اس نے بیوی کو طلاق بائن دے دی تو اگر شوہر مذکورہ اسباب میں سے کسی بھی سبب سے مارا گیا یا مرا تو عورت وارث ہوگی، ضابطہ اس سلسلے میں یہ ہے کہ زوجہ فارعدت میں شوہر کی وارث ہوتی ہے، لیکن حکم فارتب ثابت ہوتا ہے جب حق زوجہ مال زوج سے متعلق ہو جائے، اور عورت کا حق مال زوج سے ایسی بیماری میں متعلق ہوتا ہے کہ جس میں مرد کی جان کا عموماً خطرہ ہو اور مریض وہ شخص ہے جو بلا تکلف عادتاً اپنی ضروریات گھر میں اپنی ضرورتوں کے انجامد ہی پر قدرت صحت مند آدمی کی طرح نہ رکھتا ہو، گو تکلفا کھڑے ہونے پر قادر ہو، اور جو اپنی ضروریات گھر میں پوری کر لیتا ہو تو وہ فارعدت ہوگا، بعض حضرات کہتے ہیں کہ جو تین قدم بغیر کسی اعانت کے چل لیتا ہو تو وہ حکماً صحیح ہے، اور صحیح بات یہ ہے کہ وہ شخص جو گھر سے باہر اپنی ضروریات کے پورا کرنے پر قادر نہ ہو تو وہ مریض شرعی ہے مگر وہ گھر میں ضروریات کی انجام دہی اور ان کی نگہداشت پر قادر ہو۔

خیر او پر ذکر کردہ تمام صورتوں میں حق زوج شوہر بیمار سے متعلق ہو چکا ہے لہذا عورت وارث ہوگی اور شوہر کے طلاق دینے کو اداء حق سے گریز خیال کیا جائے گا۔

ولو محصور او فی صف القتال: اگر شوہر محصور ہو یا معرکہ کارزار کی صف میں ہو پس اس نے بیوی کو طلاق بائن دے دیا پھر اسی حالت میں مار ڈالا گیا یا اپنی طبعی موت مر گیا تو عورت وارث نہ ہوگی، اس لیے کہ وہ شخص جو قلعہ میں محصور اور قید ہو یا وہ صف جنگ میں تو غالب اس سے سلامتی ہے اس لیے کہ قلعہ خوف دشمن کے دور کرنے کے لیے ہوتا ہے، پس اس سے فرار کا حکم ثابت نہ ہوگا، لہذا عورت وارث بھی نہ ہوگی۔

ولو عتق طلاقها بفعل اجنبی الخ: اگر شوہر نے عورت کی طلاق کو اجنبی آدمی کے فعل پر معلق کر دیا مثلاً کہا انت طالق ان اکل خالد خبزاً یا وقت کے آنے پر معلق کر دیا مثلاً کہا انت طالق اذا جاء رأس الشهر اور معاملہ یہ ہے کہ تعلیق اور شرط دونوں زوج کی بیماری کی حالت میں ہیں یا شوہر نے طلاق کو اپنے کسی فعل پر معلق کیا خواہ فعل ایسا ہو جس سے طبعاً چارہ کار نہ ہو جیسے کھانا، پینا یا وہ فعل شرعاً ضروری ہو جیسے صلوٰۃ و صوم یا وہ فعل ایسا ہو جس سے مفر ہو جیسے زید سے گفتگو یا گھر میں داخل ہونا اور شوہر کا اپنے فعل پر معلق کرنا اور شرط دونوں شوہر کی بیماری کی حالت میں یا صرف شرط شوہر کے مرض میں ہو یا شوہر نے طلاق عورت کے فعل پر

مطلق کیا اور وہ فعل ایسا ہو جو عورت کے لیے ضروری ہو خواہ طبعاً اور خواہ شرعاً اور حالت یہ ہے کہ شرط و تطیق دونوں حالت مرض میں ہوں یا صرف شرط بیماری میں ہو تو عورت ان تمام وجوہ میں وارث ہوگی۔ اس لیے کہ شوہر فار ہے اور جب شوہر فار ہو تو انقضاء عدت سے پہلے پہلے مرد کے مرنے پر عورت کو استحقات وراثت حاصل ہوتا ہے، اور مذکورہ بالا صورتوں کے علاوہ میں عورت وارث نہ ہوگی، اور یہ وہ صورتیں ہیں کہ جب تطیق و شرط مذکورہ بالا تمام صورتوں میں حالت تندرستی میں ہو کیوں کہ ایسی حالت میں شوہر مطلق فار نہ ہوگا، یا وہ صورت کہ شوہر نے تطیق اجنبی کے فعل پر کیا لیکن حالت صحت میں کیا یا تطیق وقت کے آنے پر ہو، یا تطیق جیسی بھی ہو بشرطیکہ تطیق عورت کے ایسے فعل پر ہو جس سے عورت کو چارہ کار نہ ہو درحقیقت پورا مسئلہ سولہ قسموں پر مشتمل ہے جن کی تفصیل مطولات میں ملاحظہ فرمائی جائے۔

ولو ابانها فی مرضہ فصیح: اگر شوہر نے عورت کو مرض الوفا میں تین طلاقیں دے دیں پس شوہر تندرست ہو گیا اسکے بعد کسی دوسری بیماری میں مر گیا یا عورت کو شوہر نے تین طلاقیں دیں اس کے بعد عورت نفوذ باللہ مرتد ہو گئی ارتداد کے بعد پھر مسلمان ہو گئی اس کے بعد شوہر کا انتقال ہو گیا اور عورت عدت میں ہے تو دونوں صورتوں میں عورت شوہر کی وارث نہ ہوگی، بہر حال پہلی صورت کہ جب شوہر نے بیماری میں عورت کو طلاق ثلاث دے دیا ہو پھر صحت مند ہو جانے کے بعد عدت میں انتقال کر گیا ہو تو ہمارے نزدیک وارث نہ ہوگی، زفر کے نزدیک ہوگی اس لیے کہ شوہر نے مرض میں طلاق دے کر فرار کا ارادہ کیا ہے، حالاں کہ وہ عدت میں ہی مر گیا، ہمارا کہنا یہ ہے کہ وہ مرض جس میں عورت کو شوہر کی طرف سے طلاق ہوئی ہے جب شوہر طلاق کے بعد صحت مند ہو گیا تو یہ بات واضح ہو گئی کہ وہ بیماری مرض الوفا نہ تھی لہذا حق زوجہ شوہر کے مال سے متعلق نہ ہوگا پس شوہر فار نہ ہوگا، لہذا عورت کو شوہر درمیان عدت مر گیا میراث نہ ملے گی، اور دوسری صورت میں اس لیے کہ عورت کے ارتداد نے اہلیت ارث یعنی نکاح باطل کر دیا پس وہ شوہر کے مرنے کے بعد گو وہ عدت میں ہو اور مسلمان بھی ہو گئی ہو مستحق میراث نہیں ہوگی، البتہ نفقہ جو ارتداد کی وجہ سے ختم ہو گیا تھا مسلمان ہونے کے بعد عود کر آئے گا، کیوں کہ نفقہ عورت کے احتباس کے ختم ہو جانے کی وجہ سے ساقط ہو گیا تھا، پس جب مسلمان ہونے کی وجہ سے احتباس عود کر آیا تو نفقہ بھی عود کر آئے گا۔

وان طاعت ابن الزوج الخ: اگر شوہر نے بیوی کو تین طلاقیں یا طلاق بائن دے دی اس کے بعد عورت نے شوہر کے بیٹے کو اپنے اوپر برائے جماع قدرت دے دی پھر شوہر کا عدت کے اندر ہی انتقال ہو گیا تو عورت وارث ہوگی اس لیے کہ عورت کی فرقت شوہر کی ابانت کی وجہ سے ہوئی، مطاوعت یعنی عورت کے ابن الزوج کو جماع پر قدرت کی وجہ سے نہیں ہے، دوسرے یہ کہ عورت کو مطاوعت اہلیت ارث سے خارج

نہیں کرتی، کیوں کہ محرمیت ارث کے منافی نہیں ہے، ہاں اگر عورت بقاء نکاح کی اہلیت میں ابن الزوج کو اپنے اوپر قابو دے بیٹھتی تو بلاشبہ اس کو حق وراثت نہ ہوتا کیوں کہ اس صورت میں فرقت مطاوعت کی وجہ سے ہوئی اور یہ عورت کی جانب سے ہے، پس عورت سبب ارث کے بطلان پر راضی سمجھی جائے گی، اور وہ ہے زوجیت لہذا وارث نہ ہوگی، یہی حکم اس صورت میں بھی ہے کہ جب عورت کو طلاق رجعی ہوئی ہو پھر عورت ابن الزوج کو اپنے اوپر قابو دے بیٹھے۔

اولا عن اوالی مریضاً: جب شوہر نے تندرستی کی حالت میں بیوی کو تہمت لگائی اس کے بعد شوہر کے اتہام سے تنگ آکر عورت نے لعان کا مطالبہ کیا چنانچہ میاں بیوی دونوں نے شوہر کی بیماری میں لعان کیا، پھر شوہر کا عدت میں انتقال ہو گیا تو عورت وارث ہوگی اس لیے کہ فرقت تہمت کے سبب ہوئی ہے جو شوہر کی جانب سے پائی گئی ہے، پس شوہر فارمانا جائے گا، اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ شوہر کی جانب سے تہمت و قذف صحت میں ہو یا مرض میں لیکن یہ مسئلہ شیخین کے نزدیک ہے امام محمد فرماتے ہیں کہ جب تہمت صحت میں لگائی اور لعان مرض میں کیا تو عورت وارث نہ ہوگی، اس لیے کہ یہ ایسے ہے جیسے شوہر نے طلاق کو عورت کے ایسے فعل پر معلق کر دیا کہ جس سے چارہ کار ہو پس عورت ہی اپنے حق کو باطل کرنے والی ہوئی موجب قذف کے مطالبہ کی وجہ سے اس لیے کہ لعان تو عورت کے مطالبہ پر ہی ہوتا ہے، شیخین کا کہنا یہ ہے کہ شوہر نے عورت کو طلب لعان پر مجبور کر دیا ہے، کیوں کہ غریب عورت کے پاس سوائے خصومت کے اور کوئی چارہ کار نہیں ہے، اپنے سے عار کے داغ کو دھونے کے لیے پس عورت اس کی وجہ سے اپنے سے اپنے حق کو ساقط کرنے پر راضی نہ ہوئی اور اگر قذف، مرض میں لگا ہو تو بالا اتفاق عورت وارث ہوگی۔

وان الی فی صحته وبانت بہ فی مرضہ لا: اور اگر شوہر نے عورت سے ایلاء کیا جب کہ وہ تندرست تھا اور عورت مدت ایلاء یعنی چار ماہ گزرنے کی وجہ سے بائ نہ ہو گئی لیکن تب شوہر مرض الوفا میں مبتلا ہو چکا تھا تو عورت شوہر کے مرنے پر وارث نہ ہوگی، گو عورت عدت میں ہے کیوں کہ ایلاء تعلیق بمعنی الوقت کے حکم میں ہے اور تعلیق جب صحت میں ہو تو عورت وارث نہیں ہوتی امام زفر کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔

باب الرجعة

ہی استدامة الملك القائم فی العدة وتصح فی العدة لم يطبق ثلاثاً ولو لم ترض برأجعتك وراجعت امرأتی وبما یوجب حرمة المصاهرة والإشهاد مندوب علیہا ولو قال بعد العدة راجعتك فیہا فصَدَّقْتُهُ تصح وإلا لا، كراجعتك فقالت

مُجِيبَةً لَهُ مَضَتْ عِدَّتِي وَإِنْ قَالَ زَوْجُ الْأَمَةِ بَعْدَ الْعِدَّةِ رَاجَعْتُكَ فِيهَا وَصَدَقَهُ سَيِّدُهَا وَكَذَّبَتْهُ أَوْ قَالَتْ مَضَتْ عِدَّتِي وَأَنْكَرَ فَالْقَوْلُ لَهَا وَتَنْقَطِعُ إِنْ طَهَّرَتْ مِنَ الْحَيْضِ الْآخِرِ بِعَشْرَةِ أَيَّامٍ وَإِنْ لَمْ تَغْتَسِلْ وَلَا قَلَّ لَا حَتَّى تَغْتَسِلَ أَوْ يَمْضِيَ وَقْتُ صَلَاةٍ أَوْ تَيَمَّمَتْ وَتُصَلِّيَ وَلَوْ اغْتَسَلَتْ وَنَسِيتَ أَقَلَّ مِنْ غُضُو تَنْقَطِعُ وَلَوْ غُضُوا لَا وَلَوْ طَلَّقَ ذَاتَ حَمَلٍ أَوْ وَلَدَتْ وَقَالَ لَمْ أَطَاهَا رَاجِعَ وَإِنْ خَلَاهَا وَقَالَ لَمْ أَجَامِعْهُمَا ثُمَّ طَلَّقَهَا لَا فَإِنْ رَاجَعَهَا ثُمَّ وَلَدَتْ بَعْدَهَا لَا قَلَّ مِنْ غَامِيزٍ صَحَّتْ تِلْكَ الرَّجْعَةُ وَإِنْ وَلَدَتْ فَانْتِ طَالِقٌ فَوَلَدَتْ وَلَدًا ثُمَّ وَلَدَتْ مِنْ بَطْنٍ آخَرَ فَهِيَ رَجْعَةٌ كُلَّمَا وَلَدَتْ فَانْ طَالِقٌ فَوَلَدَتْ ثَلَاثَةً فِي بَطْنٍ فَالْوَلَدُ الثَّانِي وَالثَّلَاثُ رَجْعَةٌ وَالْمُطَلَّقةُ الرَّجْعِيَّةُ تَتَزَيَّنُ وَتُدْبُ أَنْ لَا يَدْخُلَ عَلَيْهَا حَتَّى يُوْذِنَهَا وَلَا يُسَافِرُ بِهَا حَتَّى يُرَاجِعَهَا وَالطَّلَاقُ الرَّجْعَةُ لَا يَحْرُمُ الْوَطْئَ.

ترجمہ: یہ رجعت کا باب ہے: رجعت باقی رکھنا عدت کے زمانے میں اس ملک کو جو قائم تھی اور رجعت صحیح ہے عدت میں بشرطیکہ تین طلاقیں نہ دی ہوں، اگرچہ عورت راضی نہ ہو (ان الفاظ کے ساتھ کہ) میں نے تجھ سے رجعت کی یا میں نے اپنی بیوی سے رجعت کی اور ان افعال کے ساتھ جو دامادی حرمت ثابت کرتے ہیں اور رجعت پر گواہ کر لینا مستحب ہے، اور اگر شوہر نے عدت کے بعد کہا کہ میں نے تجھ سے عدت کے اندر رجوع کر لیا تھا عورت نے اس کی تصدیق کر دی تو صحیح ہے ورنہ نہیں، جیسے شوہر نے کہا راجعتک بیوی نے جواب دیا کہ میری عدت گزر چکی ہے اور شوہر اور آقا نے انکار کیا تو باندی کا قول معتبر ہوگا، اور رجعت ختم ہو جاتی ہے اگر عورت پاک ہو جائے آخری حیض سے دس دن پر غُسل نہ کیا ہو اور دس دن سے کم پر ہو تو ختم نہ ہوگی، یہاں تک کہ غُسل کر لے یا نماز کا وقت گزر جائے یا تیمم کر کے نماز پڑھ لے، اگر عورت نے غُسل کیا اور ایک عضو سے کم بھول گئی تو ختم ہو جائے گی اور اگر ایک عضو (دھونا) بھولے تو نہیں اور اگر حاملہ کو طلاق دے دی یا اس کے بچہ ہو اور شوہر نے کہا کہ میں نے اس سے وطی نہیں کی تو رجعت کر سکتا ہے اور اگر عورت کے ساتھ خلوت کرے اور کہا کہ میں نے اس سے وطی نہیں کی ہے پھر طلاق دے دے تو رجعت نہیں کر سکتا اگر رجعت کے بعد دو سال سے کم میں بچہ ہو تو وہ رجعت صحیح ہوگی، اگر تو بچہ جنے تو طالق ہے اس کے بعد بچہ ہوا اور ایک اور بچہ ہوا دوسرے پیٹ سے تو یہ رجعت ہے، جتنی بار تو بچہ جنے تو طالق ہے پس عورت کے تین بچے ہوئے جدا جدا حمل سے تو دوسرا اور تیسرا بچہ رجعت کا سبب ہے اور مطلقہ رجعیہ بناؤ سنگار کرے، اور مستحب یہ ہے کہ شوہر نہ داخل ہو اس عورت پر بلا اطلاع اور سفر نہ کرے اس کے ساتھ یہاں تک کہ

رجعت کر لے اور طلاق رجعی محبت کو حرام نہیں کرتی۔

تشریح: باب الرحمۃ کو باب الطلاق کے بعد ذکر کیا اس لیے کہ رجعت طبعاً طلاق کے بعد ہوتی ہے لہذا ذکر میں بھی رجعت کو طلاق سے مؤخر کر دیا اس لیے کہ رجعت کی مشروعیت سبب حرمت کے رفع اور ختم کرنے کے لیے ہوتی ہے اور وہ ہے طلاق اور سبب حرمت کا رفع اور زوال ہمیشہ اس کے وقوع کے بعد ہوتا ہے، رجعت راء کے کسرہ اور فتح دونوں طرح مستعمل ہوتا ہے، لبتہ اصح را کا کسرہ نہیں بلکہ فتح ہے، اور رجعت مشتق ہے رجی رجوعاً سے رجعت کا نام رجعت اس لیے رکھا جاتا ہے کہ یہ سبب زوال کے اثر کو رد کر دینے کے لیے ہوتا ہے۔

ہی استدامة الملك القائم في العدة: رجعت کہتے ہیں جب تک عورت عدت میں ہے ملک نکاح کو جو کہ قائم تھا باقی رکھنا اور اس کا دوام چاہنا، فی العدة کی قید اس لیے ہے کہ بعد العدت رجوع کی گنجائش ختم ہو جاتی ہے، نیز ملک کو قائم کے ساتھ اس لیے مقید کیا کہ بیئوتہ کے ذریعہ زوال ملک کے بعد بھی رجعت کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی، خلاصہ یہ ہے کہ رجوع اور رجعت ہمارے نزدیک کہتے ہیں عدت گزرنے سے پہلے پہلے نکاح موجود کا باقی رکھنا۔

امام شافعی کے نزدیک رجعت کہتے ہیں استباحۃ الوطی کو یعنی مجامعت کی حلت طلب کرنا، کیوں کہ طلاق رجعی سے امام موصوف کے نزدیک وطی حرام ہو جاتی ہے، اس لیے کہ ملک نکاح جواز وطی کے لیے شرط ہے، اور ملک مذکور طلاق کی وجہ سے ختم ہو گئی، احناف کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد وَبَعُولَتُهُنَّ اِحْقُ بَرْدِهِنَّ ہے کہ ان عورتوں کے شوہروں کو ان کو واپس لے لینا کا حق زیادہ ہے، پس بھول زوج ہوا اور زوج کا بغل حقیقہ نام رکھا جانا قیام زوجیت کو مستلزم ہے اور زوجیت کا قیام حلت وطی کو ثابت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد وَبَعُولَتُهُنَّ اِحْق بَرْدِهِنَّ میں زوال ملک پر کوئی دلالت نہیں ہے، اس لیے کہ رد، استدلتہ کے لیے مستعمل ہوتا ہے، جیسے کہ جب بائع مبیع کو بشرط الخیار فروخت کر کے پھر بیع کو فسخ کر دے تو گو بائع کے لیے خیار ہونے کی وجہ سے بسبب بیع، مبیع بائع کی ملک سے خارج نہیں ہوتی، لیکن پھر بھی فسخ کرنے کی وجہ سے بولا جاتا ہے رَدُّ الْبَائِعِ الْمَبِيعِ یعنی بائع مبیع کو باقی رکھا پس اسی طرح یہاں بھی اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد فَاَمْسِكُوهُنَّ بمعروف ہے کہ مطلقات رجعیہ کو قاعدے کے موافق روک لو پس امساک ابقاء کے معنی میں ہے پس یہ قوی ترین اس بات پر دلالت ہوتی کہ رجعت استدامت کے معنی میں ہے اور یہ آیت تین باتوں کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہے: (۱) مشروعیت رجعت (۲) قیام العدت اس لیے کہ انقضاء عدت کے بعد زوج بغل نہ ہوگا (۳) اس کی رضا مندی کی مشروعیت کا نہ ہونا۔

وتصح في العدة: اگر شوہر نے تین طلاقیں نہیں دی ہیں جب بیوی حرہ ہو اور دو طلاقیں نہ دی ہوں جب بیوی باندی ہو اور طلاق کسی عوض مالی کو مقترن نہ ہو اور نہ وہ کسی ایسی صفت کو مقترن ہو جو بینونت یا مشیت کی خبر دے اور نہ وہ طلاق کنائی ہو اور نہ بیوی موطوءہ ہو یعنی اس کے ساتھ شوہر ہمبستری کر چکا ہو اور عورت عدت میں ہو تو شوہر کے لیے رجوع کرنا درست ہے، گو عورت راضی نہ ہو اس سلسلے میں اصل اللہ تعالیٰ کا ارشاد لا مسکوہن بمعروف ہے کہ امساک کا حکم مطلق ہے جو حالت رضا اور عدم رضا سب کو شامل ہے، نیز رجعت اگر اہل اور ہزل اور لعب اور خطاء سب طرح درست ہے، اگر شوہر نے رجعت کے لیے راجعتک کہا جب کہ بیوی موجود ہو یا رجعت امرائی کہا تو بھی رجعت ہو جائے گی، چاہے عورت موجود تھی یا اس کی عدم موجودگی میں کلام مذکور کہا، نیز راجعتک یا ردتک کہا یہ سب رجعت کے الفاظ صریح ہیں الفاظ کنائی میں الب عندہ کما کنت یا انت امرائی نیز وہ افعال جو حرمت کو ثابت کرتے ہیں ان سے بھی رجعت ہو جاتی ہے، جیسے وطی، اسباب وطی۔

مراجعة بالقول بالاتفاق درست ہے اور مراجعة بالفعل مختلف فیہ چنانچہ احناف کے نزدیک درست ہے کہ اس نے رجوع کا اردہ نہ کیا ہو جیسے کہ ہمبستری کر لینا پس مراجعة ثابت ہو جائے گی لیکن ایسا کرنا مکروہ ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک اگر مراجعة بالقول پر قادر ہے بایں طور کہ وہ گونگا نہیں ہے اور زبان سمجھتا ہے تو مراجعة، بالفعل صحیح نہیں ہے، اس اختلاف کی بنیاد اس امر پر ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک طلاق رجعی وطی کو ممنوع کر دیتی ہے، پس رجعت مثبت للخلت ہوگی اور ہمارے نزدیک طلاق رجعی سے وطی حرام نہیں ہوتی ہے، پس رجعت استدامت ہے لہذا ہر وہ فعل جو استدامت پر دلالت کرتا ہو اس سے رجعت ہو جائے گی اور وہ ہر وہ فعل ہے جو نکاح کے ساتھ خاص ہو، لمس اور نظری الزوجۃ بغیر شہوت نکاح کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، چنانچہ نظر ڈاکٹر اور قابلہ کے لیے درست ہے اسی طرح اداء شہادت کے تحمل کے وقت اور زنا میں ہاں اگر عورت کے فرج داخل پر نگاہ ڈالی ہے تو یہ نظر رجعت ہوگی، لہذا اگر شوہر نے لمس یا قبلہ سے رجوع کیا تو افضل یہ ہے کہ وہ عورت سے دوبارہ رجوع بالا شہاد کرے، کیوں کہ سنت رجوع بالقول ہے اور اشہاد تو اس کی اطلاع دینا اور اعلان ہے۔

والاشہاد مندوب علیہا: رجعت بالقول پر گواہ بنالینا مستحب ہے رجعت بالفعل پر اشہاد ناممکن ہے، کیوں کہ وطی پر گواہ کسی کو یکجا کیسے بنایا جاسکتا ہے، امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ شہادت علی التقبیل اور شہادت علی اللبس اسی طرح جذبہ شہوت کے ساتھ نظر پر شہاد مقبول ہی نہیں ہوگی، کیوں کہ شاہد کو ان حالات کا علم نہیں

ہو سکتا، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک رجعت بلا اہلہ مقبول اور درست ہی نہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَأَشْهَدُوا ذَوٰی عَدَلٍ مِنْكُمْ اور یہ امر ہے جو وجوب کے لیے ہوتا اور احناف کا معتدل نصوص مطلقہ ہیں، جیسے کہ فامسکونہن اور ہولعنہن احق ہو دھن ینزلی علیہ الصلاۃ والسلام کا ارشاد حضرت عمرؓ سے مُوَابِلُکَ فَلْتُرَاجِعْہَا ہے کہ اپنے بیٹے سے کہو کہ وہ اپنی بیوی سے رجوع کر لے یہ ارشاد نبویؐ بغیر اہلہ کی قید کے ہے، پس اہلہ کو رجعت کے لیے شرط قرار دینا زیادت علی الکتاب ہے جو کہ ایک طرح سے نسخ ہے اور جو اپنے مثل سے ہی درست ہے، اب اس کے سوا کوئی گنجائش نہیں کہ کہا جائے کہ آیت شہادت ندب پر محمول ہے۔ وَلَوْ قَالَ بَعْدَ الْعِدَّةِ الْخ: اگر شوہر نے عدت کے بعد کہا کہ میں نے تجھ سے عدت کے اندر ہی رجوع کر لیا تھا پس عورت نے شوہر کی اس امر مذکور میں تصدیق کر دی تو رجعت صحیح ہو جائے گی، اس لیے کہ تصادق سے تو نکاح ثابت ہو جاتا ہے تو رجعت بدرجہ اولیٰ ثابت ہو جائے گی اور اگر عورت نے تصدیق نہیں کی تو مراجعت ثابت نہ ہوگی، کیوں کہ شوہر نے ایسی چیز کی خبر دی ہے جس کے انشاء کا وہ مالک نہیں اور اس کا کوئی مصدق بھی نہیں ہاں اگر شوہر اس بات پر برہان پیش کر دے کہ اس نے راجعہا دوران عدت ہی کہہ دیا تھا تو اس کا قول قبول کیا جائے گا اور جب شوہر کے پاس مسئلہ مذکور میں برہان نہ ہو تو عورت پر عدم تصدیق کی وجہ سے یقین نہ ہوگی، امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک، صاحبینؒ کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے، ان کے نزدیک رجعت صحیح ہے اس لیے کہ عورت کی ظاہر عدت ہے۔

کَرَجَعْتُکَ لِقَالَتْ مَجِیْبَةً لِّہِ الْخ: مسئلہ بالا میں اگر عورت تصدیق نہیں کرتی تو رجعت ایسے ہی صحیح نہ ہوگی جیسے کہ اگر شوہر عورت سے کہتا راجعْتُکَ پس عورت شوہر کو جواب دیتے ہوئے کہتی کہ میری عدت ختم ہو چکی ہے تو رجعت صحیح نہیں ہوتی بشرطیکہ عورت نے مضت عدتی کی صورت میں جواب علی الفور شوہر کے کہنے کے بعد دیا ہو۔

وَإِنْ قَالَ زَوْجُ الْأَمَةِ بَعْدَ الْعِدَّةِ الْخ: اگر باندی کے شوہر نے انقضاء عدت کے بعد کہا راجعْتُکَ فیہا کہ میں نے تم سے رجعت عدت میں کر لی تھی پس لمتہ منکوحہ کے آقائے قول شوہر کی تصدیق کر دی اور باندی شوہر کی تکذیب کر رہی ہے یا باندی نے کہا کہ میری عدت گزر چکی ہے اور آقا اور شوہر دونوں انقضاء عدت کا انکار کر رہے ہیں تو بات عورت کی مانی جائے گی یہ امام اعظمؒ کا مسلک ہے، ایسا اس لیے ہے کہ رجعت قیام عدت پر موقوف ہے اور عدت کے بارے میں عورت کے قول کا ہی اعتبار ہے، صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ پہلی صورت میں مولیٰ کے قول کا اعتبار ہوگا، کیوں کہ مولیٰ کی ملک ہے اور یہ خالص اس کا حق ہے اور دوسری

صورت میں بالاتفاق عورت کا قول ہی معتبر ہے، کیوں کہ عورت اپنے حال کو بخوبی جانتی ہے، لہذا اسی کا قول معتبر ہوگا۔

و تقطع ان طہورت الخ: اگر عورت آخری حیض سے دس دن پر پاک ہو جائے گو اس نے غسل نہ کیا ہو رجعت ختم ہو جاتی ہے، کیوں کہ ایام حیض دس یوم سے کون زائد ہوتے ہیں پس محض انقطاع دم کی وجہ سے عورت حیض سے نکل جاتی ہے، پس عدت پری ہو جائے گی اور رجعت ختم ہو جائے گی امام زفر اور شافعی، مالک، اور احمد کا مسلک یہ ہے کہ جب تک غسل نہ کرے رجعت ختم نہیں ہوتی ہے، یہ حضرات دس یوم سے قبل انقطاع دم کی صورت میں غسل کو ضروری مانتے ہیں لہذا جب تک عورت غسل نہ کرے وہ حیض میں ہی ہے لہذا عدت پوری نہ سمجھی جائے گی، پس وہ دس یوم پورے ہونے پر انقطاع دم کی صورت کو اقل یوم پر قیاس کرتے ہیں، ہمارا کہنا یہ ہے کہ جب عورت تیسرے حیض سے نکل گئی تو عدت بھی ختم ہو گئی۔

اور اگر آخری حیض سے دس دن سے قبل پاک ہو گئی ہے تو جب تک غسل نہ کر لے عورت ہر حیض سے فراغت کے بعد اور غسل حیض سے پہلے ایک نماز کا وقت نہ گزر جائے یا اگر پانی پر قادر نہیں تھی لہذا تیمم کر کے نماز پڑھ لے خواہ فرض ہو یا نفل رجعت ختم نہیں ہوتی کیوں کہ اس سے قبل تک عدت پوری نہیں سمجھی جاتی اس صورت میں غسل یا مٹھی وقت اس لیے ضروری ہے کہ دم حیض کے عود کر آنے کا احتمال ہے، لہذا انقطاع دم کا حقیقہ اتصال کے ساتھ یا طہارات کے احکام میں سے کسی حکم کے لزوم کے ساتھ مؤکد ہونا ضروری ہے۔

ولو اغتسلت ونسبت اقل من عضو الخ: اگر معتدہ نے تیسرے حیض سے غسل کر لیا اور ایک عضو سے کم حصہ بدن دھونا بھول گئی تو رجعت ختم ہو جائے گی کیوں کہ عدت پوری ہو گئی اس لیے کہ ایک عضو سے کم حصہ بدن مقدار قلیل ہے جو بھگنے کے بعد بھی بسرعت خشک ہو سکتا ہے، خاص طور سے سخت گرمی میں لیکن عورت کے لیے احتیاطاً تزوج درست نہیں ہے، نیز شوہر کا اس سے وطی حلال ہونا بھی یہاں تک کہ امیر مزوج میں بر بنائے احتیاط اس عضو کو دھو ڈالے یا ایک نماز کا وقت اس پر گزر جائے۔

اور اگر عورت ایک عضو یا اس سے زیادہ حصہ بدن دھونے سے بھول گئی تو رجعت ختم نہ ہوگی، کیوں کہ یہ کثیر ہے اور جناف اس کی طرف سبقت نہیں کرتا، لیکن حکم مذکور استحسانا ہے اور قیاس یہ ہے کہ عضو کامل میں نسیان کی صورت میں رجعت ختم ہو جانا چاہئے اس لیے کہ عورت نے اکثر حصہ بدن کو دھو ڈالا ہے اور اکثر کے لیے کل کا حکم ہوتا ہے۔

ولو طلق ذات حمل الخ: اگر شوہر نے اپنی حاملہ بیوی کو طلاق دے دیا اور وضع حمل سے پہلے رجعت کر لی پھر طلاق کے وقت سے چھ ماہ سے کم ترمدت میں یا نکاح کے وقت سے چھ ماہ یا اس سے زائد

مدت میں عورت کے بچہ ہوا اور شوہر کہتا ہے کہ میں نے اس سے وطی نہیں کی ہے تو رجعت سابقہ صحیح ہوگی وجہ یہ ہے کہ جب حمل اتنی مدت میں ظاہر ہو کہ اس کا شوہر کے مادہ سے ہونا متصور ہو سکے تو وہ عمل اس سے قرار دیا جاتا ہے، کیوں کہ رسول اللہ..... کا ارشاد ہے الولد للفراش اور حمل کا اسکی طرف منسوب ہونا وطی کی دلیل ہے، اسی طرح جب اس سے بچہ کا نسب ثابت ہو گیا تو لامحالہ اس کو وطی کرنے والا قرار دیا جائے گا، کیوں کہ بلا وطی بچہ کا ہونا متصور نہیں ہو سکتا اور جب وطی ثابت ہوگی تو ملکیت مؤکد ہوگئی اور ملکیت مؤکدہ میں طلاق کے بعد رجعت ہو سکتی ہے، پس شوہر جو وطی کا انکار کر رہا ہے، اس کا انکار کرنا باطل ہوگا، کیوں کہ شریعت نے اس کی تکذیب کر دی اور اگر عورت کے ساتھ خلوت کی اس کے بعد اس کو طلاق دے دی تو رجعت نہیں کر سکتا، کیوں کہ ملک وطی کے ذریعہ مؤکد ہوتی ہے اور وطی نہ ہونے کا وہ خود انکار کر چکا تو رجعت جو اس کا حق ہے اس میں اس کی تصدیق کی جائے گی اور اگر خلوت کے بعد وطی کا انکار کر کے طلاق دے کر پھر رجعت کرے اس کے بعد طلاق کے وقت سے دو برس سے کم کی مدت میں عورت کے بچہ پیدا ہو تو رجعت سابقہ صحیح ہوگی، کیوں کہ ولادت کی وجہ سے انکار وطی میں شوہر کی شرعاً تکذیب ہوگئی، پس رجعت سابقہ عدت کے اندر واقع ہوئی اس لیے رجعت صحیح ہوگی۔

وان ولدت فانت طالق الخ: شوہر نے اپنی بیوی سے کہا ان ولدت فانت طالق کہ اگر تو نے بچہ جنا تو تجھے طلاق، عورت کے بچہ ہو گیا تو طلاق ہوگئی اور وہ معتدہ ہوگئی اس لیے کہ چھ ماہ بعد دوسرے پیٹ سے ایک بچہ اور ہوا تو ولادت ثانیہ رجعت ہوگئی کیوں کہ ولد ثانی کا علوق عدت کے زمانہ میں وطی جدید سے سے قرار دیا جائے گا۔

کَلَمَا وَلَدْتَ الْخ: اگر شوہر نے صورت مذکورہ میں کَلَمَا استعمال کیا اور عورت کے تین بچے مختلف بطون سے پیدا ہوئے تو ہر بچہ کی ولادت سے ایک ایک طلاق پڑ جائے گی اور ولد ثانی کی ولادت طلاق اول میں رجعت مانی جائے گی، کیوں کہ اس کا علوق زمانہ عدت میں وطی جدید سے ہوا ہے اس طرح دوسری اور تیسری ولادت کو سمجھ لیجئے کیوں کہ لفظ کَلَمَا افعال کے عموم کا مقتضی ہے۔

والمطلقة الرجعية تنزین الخ: مطلقہ رجعیہ جب اس کا شوہر موجود ہو اور رجعت کی امید ہو تو یہ بناؤ سنگار اختیار کرے گی چہرہ اور رخسار کی آرائش پر توجہ دے گی، اس لیے کہ وہ شوہر کے لیے حلال ہے، کیوں کہ نکاح ابھی جب تک عدت میں ہے باقی ہے اور رجعت مستحب بھی ہے اور تزنین رجعت پر آمادہ کرنیوالی ہے پس تزنین شروع ہوگی۔

بہر حال جب معلوم ہو کہ شوہر شدت غضب کی وجہ سے رجوع نہیں کرے گا یا وہ موجود نہیں ہے تو پھر

مطلقہ رہیہ زیبائش نہیں اختیار کرے گی۔

و ندب ان لا یدخل علیہا الخ: شوہر کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ مطلقہ رجعیہ کے پاس اچانک نہ پہنچے بلکہ اس کے پاس جانے کی اطلاع کر دے بشرطیکہ رجعت کا ارادہ نہ ہو پس اگر رجعت کا ارادہ ہے تو بلا اطلاع بھی اس کے پاس جاسکتا ہے۔

لیکن مصنفؒ نے علی الاطلاق بلا اطلاع کئے عورت کے پاس شوہر کے پہنچنے کو غیر مستحب قرار دیا ہے بلکہ شوہر مطلقہ رجعیہ کے پاس خواہ رجعت کا ارادہ ہو یا نہ ہو اطلاع کے بعد ہی جائے گا، کیوں کہ رجعت فرج داخل پر بشہوت نگاہ پڑنے سے بھی ہو جاتی ہے حالاں کہ یہ مکروہ ہے اور بلا اطلاع پہنچنے پر اس کا اندیشہ ہے۔

ولا يسافر حتى يراجعها: شوہر مطلقہ رجعیہ کے ساتھ سفر نہیں کرے گا جب رجوع نہ کرنے کی شوہر نے صراحت کر دی ہو پس اگر شوہر نے عدم مراجعت کی صراحت نہیں کی ہے تو اس مطلقہ کو اپنے ساتھ سفر میں لے جانا دلالۃ رجعت ہوگی، امام زفرؒ کہتے ہیں کہ شوہر مطلقہ رجعیہ کو بلا تکلف سفر میں لے جاسکتا ہے، کیوں کہ نکاح دونوں کے درمیان قائم ہے پس یہ ایسے ہی ہے جیسے اس نے طلاق ہی اس خاتون کو نہ دی ہو، دوسرے یہ کہ ساتھ میں سفر کرنا دلالۃ رجعت ہے، کیوں کہ سفر بغیر مراجعت ممنوع ہے، اس لیے کہ شرعاً خروج اور اخراج دونوں منع ہیں لہذا شوہر کا ظاہر حال حرام سے اجتناب ہی یہ لہذا سفر کرنا نکاح موقوف میں وطی کی طرح ہو گیا، ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: لَا تَخْرُجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ کہ جو طلاق رجعی کے سلسلے میں نازل ہوئی اس کی دلیل سیاق کلام ہے اور وہ ہے فَطَلَّقُوهُنَّ اس لیے کہ طلاق صریح کے بعد رجعت ہوتی ہے اور یہی رجعت اللہ تعالیٰ کے ارشاد لَعَلَّ اللّٰهَ يَحْدِثَ بِعَدِّ ذَلِكَ امراً سے مراد ہے۔

وللطلاق الرجعی لا یُحرِم الوطی: طلاق رجعی سے ہم بستری حرام نہیں ہوتی امام شافعیؒ کے نزدیک حرام ہو جاتی ہے، اس لیے کہ ملک نکاحِ وطی کے لیے شرط ہے اور یہ ملکیت قاطع ملک یعنی طلاق کے پائے جانے کی وجہ سے ختم ہو گئی، امام مالکؒ بھی اسی کے قائل ہیں، ہماری دلیل یہ ہے کہ زوجیت قائم ہے حتیٰ کہ شوہر کو عورت کی رضا مندی کے بغیر رجعت کی اتھارٹی ہے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد وبعولتھن احق بردھن الخ ہے یعنی شوہروں کو عورت سے مراجعت کر لینے کا زیادہ حق ہے اور بعولۃ در حقیقت ازواج یعنی شوہر ہیں اور اس کے ساتھ تسمیہ قیام زوجیت کو مستلزم ہے اور زوجیت کا قیام بالاتفاق وطی کی حلت کو ثابت کرتا ہے۔

فصل

وَيَنْكِحُ مَبَانَةَ فِي الْعِدَّةِ وَبَعْدَهَا لَا الْمَبَانَةُ بِالثَّلَاثِ لَوْ حُرَّةٌ وَبِالشَّتَيْنِ لَوْ أَمَةٌ حَتَّى يَطَاهَا

غیرہ ولو مراہقاً بنکاح صحیح و تمضی عدتہ لا بملک یمین و کرہ بشرط التحلیل
و ان خلّت لاول و یهدم الزوج الثانی ما دون الثالث ولو اخبرث مطلقۃ الثلاث
بمضی عدتہ و عدۃ الثانی و المدة تحتملہ لہ ان یصدّقہا ان غلب علی ظنہ صدقہا۔

ترجمہ: وہ خاتون جو بائنے ہوئے عدت میں اور عدت کے بعد نکاح کیا جاسکتا ہے مہانہ ثلاث سے نہیں اگر وہ حرہ ہو اور مہانہ ثمنین سے نہیں اگر وہ باندی ہو یہاں تک کہ دوسرا شوہر اس سے وطی کرے گو وہ مراہق ہو نکاح صحیح کے سات، نہ کہ ملک یمین کے ساتھ اور مکروہ ہے تحلیل کی شرط کے ساتھ اگرچہ وہ عورت شوہر اول کے لیے حلال ہو جائے گی اور زوج ثانی ما دون الثالث کو ختم کر دیتا ہے اور اگر مطلقۃ ثلاث نے اس کی عدت اور دوسرے کی عدت گزرنے کی خبر دی اور عدت اس کا احتمال رکھتی ہے تو شوہر اس کی تصدیق کر سکتا ہے اگر اس کے ظن پر اس کا صدق غالب ہو۔

تشریح: وہ خاتون جس کو طلاق بائن دی گئی ہو تو اس کا شوہر اس سے عدت میں بھی اور عدت کے بعد بھی دوبارہ نکاح کر سکتا ہے اس لیے کہ محل کی حلت باقی ہے اس لیے کہ محل کی حلت کا زوال تین طلاقیں کے ساتھ معلق ہے، پس حلت محل کا زوال تین طلاقیں سے قبل ناپید ہے گا، اور غیر شوہر کو مطلقۃ بائن سے دوران عدت نکاح کی ممانعت اس لیے ہے تاکہ نسب میں اشتباہ سے بچا جائے جب کہ اگر شوہر مطلق عدت میں نکاح کرتا ہے تو اشتباہ فی النسب کا کوئی مسئلہ نہیں، اس لیے کہ نسب اسی شوہر سے ہے۔

لا المبانۃ بالثلاث الخ: وہ خاتون جس کو اس کے شوہر نے تین طلاقیں دے دی ہوں بشرطیکہ وہ حرہ یا دو طلاقیں دے دی ہوں جب کہ وہ باندی ہو تو اس کا شوہر ان مطلقات سے تاوقت نکاح نہیں کر سکتا جب تک وہ مطلقات شوہر سابق کے سواء دوسرے سے نکاح صحیح نہ کر لیں اور وہ ان کے ساتھ وطی نہ کر لے گو جس مرد سے نکاح کیا تھا وہ بالغ نہ سہی مراہق یعنی قریب البلوغ ہو، اور شوہر ثانی طلاق دے اور ان کی عدت گزر جائے تب شوہر اول کے نکاح میں دوبارہ جاسکتی ہیں۔

زوج ثانی کا ہم بستری کرنا شرط ہے پس اگر مطلقۃ ثلاث سے شوہر کے علاوہ کسی نے وطی کی تو یہ زوج اول کے لیے محلل نہ ہوگی، پھر یہ وطی نکاح صحیح کے ساتھ ہو، پس اگر بغیر نکاح مثلاً ملک یمین کی وجہ سے وطی ہوئی مثلاً مطلقۃ ثلاث کے آقاء نے اس سے ہم بستری کر لی تو یہ وطی زوج اول کے لیے محلل نہ ہوگی، اسی طرح اگر نکاح فاسد کیا اور ہم بستری ہوئی تو یہ وطی بھی کافی نہ ہوگی، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا صراحۃً حکم ہے فان طلقها فلا تحلّ له حتی تنکح زوجاً غیرہ اسی طرح حدیث عسیلہ مشہور روایت ہے جس میں ایک صحابی نے حضرت رفاعہ سے تین طلاقیں لے کر عبداللہ بن الزبیر سے نکاح کیا لیکن یہ خاتون ان

صاحب سے زیادہ مطمئن نہیں ہو سکیں اور رسول اللہ..... کی خدمت میں حاضر ہو کر شکایت کیاں زوجی کھدبہ ثوبی کہ میرے شوہر ناکام ہیں تو آپ نے فرمایا اتریدین ان تعودی الی رفاعہ کہ کیا پھر رفاعہ شوہر سابق سے نکاح کرنا چاہتی ہو تو انہوں نے عرض کیا جی ہاں رسول اللہ..... تو آپ نے فرمایا لا حتی یدوق عسلک و تذوقی عسلک یعنی دونوں ایک دوسرے کا لطف اٹھا لو مطلب ہم بستر ہو جاؤ، تبھی دوسرا نکاح شوہر اول سے ممکن ہے۔

و کرہ بشرط التحلیل الخ: نکاح تحلیل کی شرط کے ساتھ زوج اول اور زوج ثانی دونوں کے مکروہ تحریمی ہے، البتہ اگر دونوں کے دل میں یہی ہے لیکن زبان سے اس کا اظہار نہیں کیا ہے تو کوئی کراہت نہیں، بلکہ اجر و ثواب ہوگا اس لیے کہ معاملات میں مجردیت معتبر نہیں ہے یہی بات اس روایت کی کہ رسول اللہ..... نے ارشاد فرمایا لعن اللہ المحلل والمحلل لہ کہ حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے کرایا جا رہا ہے دونوں پر اللہ کی لعنت ہو، تو یہ ممانعت تب ہے جب دونوں شوہروں نے اس پر اجرت کی شرط لگائی ہو، دوسرے یہ کہ محلل نے عورت کو شوہر اول کے لیے حلال نہیں کیا بلکہ شرع نے حلال قرار دیا ہے، امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ تحلیل کی شرط کے ساتھ نکاح ہی منعقد نہ ہوگا اور عورت زوج اول کے لیے حلالہ کے عمل سے جائز نہ ہو سکے گی، کیوں کہ یہ توقیت کی شرط کے معنی میں ہے، لہذا یہ متعہ کے معنی میں ہوا پس باطل ہے، اسی وجہ سے حضرت عمرؓ نے فرمایا لا اوتی بمحلل ولا محللۃ الا رجعتھما کہ میں حلال کرنے والے مرد اور عورت کو اگر وہ میرے پاس لائے جاتے ہیں تو میں انہیں سنگ سار کر دوں گا نیز ابن عمرؓ نے کہا لا یزالان زانیین ولو مکثا عشرين سنة محلل اور محللہ زنا کاری میں شمار ہوں گے گو بیسوں سال اسی حال میں رہیں، امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ نکاح تو بشرط التحلیل درست تو ہے لیکن زوج اول کے لیے حلت نہ پیدا ہوگی اس لیے کہ یہ متعہ نہیں ہے البتہ کوئی پسندیدہ عمل بھی نہیں ہے، لہذا حرمان کی صورت میں ایک طرح سے سزا ہوگی۔

امام ابو حنیفہؒ لعن اللہ المحلل والمحلل لہ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں کیوں کہ یہ حدیث صحت نکاح اور زوج اول کے لیے حلت اور کراہیت تینوں باتوں کا تقاضا کرتی ہے، دوسرے اس لیے بھی کہ نکاح شروط فاسدہ سے باطل نہیں ہوا کرتا لہذا نکاح بھی صحیح ہوگا اور زوج اول کے لیے حلت بھی ثابت ہوگی۔

ویہدم الزوج الثانی مادون الثلث: زوج ثانی دخول کے ذریعہ تین سے کم طلاقوں کو باطل کر دیتا ہے جیسا کہ تین کو ختم کر دیتا ہے اور زوج اول نکاح جدید سے تین مستقل طلاقوں کا مالک ہو جاتا ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ شوہر نے اپنی حرہ بیوی کو ایک یا دو طلاقیں دیدیں یا اگر باندی منکوحہ تھی تو اسے ایک طلاق دے دیا عدت گزارنے کے بعد عورت نے دوسرے شوہر سے شادی کر لی اور ہم بستری بھی ہوئی پھر عورت

زوج ثانی سے بھی بابت ہو گئی وارا انقضائے عدت کے بعد پھر زوج اول کے نکاح میں عود کر آئی تو اب یہ خاتون اگر آزاد ہے تو تین طلاقوں کی ملک پر زوج اول کے عقد میں داخل ہوگی اور اگر باندی ہے تو دو طلاقوں کی ملک پر اس کے نکاح میں بیہو نہیگی یہ رائے شیخین کی ہے اور اگر شوہر اول نے بیوی کو ایک یا دو طلاقیں دی تھیں کہ یہ خاتون عدت گزار کر زوج ثانی کے عقد میں آگئی تو اب اگر یہ دخول کے بعد بابت ہو کر عدت کے بعد شوہر اول کے نکاح میں جاتی ہے تو اب زوج اول کو تین طلاقوں کا اختیار ہوگا، ایک طلاق کی صورت میں دو کا اور دو طلاقوں کی صورت میں ایک کی فقط ملک نہ ہوگی، بلکہ ایک طلاق اور دو کا لعدم ہو جائیں گی، اور شوہر اول کو تین طلاقوں کے واقع کرنے کا پاور ہوگا، جیسا کہ اگر وہ نکاح اول میں تین طلاقیں دے دیتا اور پھر زوج ثانی کے عقد کے بعد سابقہ تفصیل کے مطابق زوج اول کے نکاح میں جاتی تو داخلہ تین طلاقوں کی ملک پر ہوتا ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ اور اصحاب ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس کے قائل ہیں، اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ عورت زوج ثانی سے زوج اول کی طرف تین سے ماقبی جب کہ حرہ ہو اور دو سے ماقبی جب کہ بیوی باندی ہو کے ساتھ عود کرے گی، یعنی طلاق واقع کرے سے جتنی طلاقیں زوج اول کے لیے بچی تھیں بس اتنی طلاقوں کی ملک کے ساتھ بیوی زوج اول کے نکاح میں آئے گی، تین طلاقوں کا استحقاق بصورت حرہ اور دو طلاقوں کا استحقاق بصورت باندی نہ ہوگا۔

ولو اخبرت مطلقة الثلاث بمضى عدته الخ: مطلقہ ثلاث نے خبر دی کہ زوج اول اور زوج ثانی دونوں کی عدت گزر گئی اور مدت میں عورت کی خبر کے محل یعنی دو عدتوں کی گنجائش بھی ہے تو اگر زوج اول کو عورت کی راستی اور سچائی کا ظن غالب ہو تو وہ اس کی تصدیق کر سکتا ہے یعنی اس سے نکاح کر سکتا ہے کیوں کہ یہ تو ایک معاملہ ہے بایں معنی کہ بوقت دخول بضع ایک شی متقوم ہو جاتی ہے یا امر دینی ہے بایں معنی کہ اس کے ساتھ حلت متعلق ہے، ان میں سے جو بھی ہو بہر حال ایک کا قول معتبر ہے بالخصوص جب کہ مدت میں اس کی گنجائش بھی ہو۔

فائدہ: زوج اول اور زوج ثانی دونوں کی عدتوں میں سے ہر ایک کی عدت کی اقل مدت جس میں عورت کی تصدیق کی جاسکتی ہے امام اعظمؒ کے نزدیک حرہ کے حق میں دو ماہ اور باندی کے حق میں چالیس روز ہیں بایں طور کہ شوہر اول نے عورت کو اول طہر میں طلاق دی تو اقل طہر یعنی پندرہ دن کا اعتبار کیا جائے گا، کیوں کہ اکثر طہر کی کوئی حد نہیں ہے، پس تین طہر کے پینتالیس دن ہوئے اور ایک حیض کی مدت پانچ روز مانی جائے گی کیوں کہ طہر اقل ہو اور حیض بھی اقل ہو ایک عورت میں ان دونوں کا اجتماع نادر ہے، لہذا حیض میں اوسط کا اعتبار کیا جائے گا لہذا تین حیض کے پندرہ دن ہوئے تو پینتالیس یوم اور پندرہ یوم کل ساٹھ دن ہوئے

یہ تقریر امام ابوحنیفہؒ کے قول کی امام محمدؒ کی تخریج پر ہے اور الحسن کی تخریج پر قول ابوحنیفہؒ کی تقریر یہ ہوگی کہ یہ سمجھا جائے گا کہ شوہر اول نے عورت کو آخر طہر میں طلاق دیا تاکہ عورت کے عدت کی طولانی سے بچا جاسکے، پس عورت کا حیض دس یوم قرار دیا جائے گا، اور طہر پندرہ یوم مانا جائے گا، کیوں کہ جب ہم نے عورت کے لیے اقل طہر مانا تو حیض کی اکثریت کا اعتبار کر لیا تاکہ دونوں میں اعتدال قائم رہے، پس اس میں دو طہر تیس یوم کے اور تین حیض تیس یوم کے ہوئے، پس مجموعہ ساٹھ یوم ہو گیا، یہ تو زوج اول کی عدت ہوئی اسی طرح زوج ثانی کے لیے بھی عدت کی احتیاج ہوگی اور ایک مزید طہر کی الحسن کی تخریج پر، اور صاحبینؒ کے نزدیک ادنیٰ مدت جس میں عورت کی تصدیق کی جاسکتی ہے انتالیس یوم ہیں بایں طور کہ شوہر اول نے عورت کو آخر طہر میں طلاق دیا پس عورت کا حیض تین یوم اور طہر پندرہ یوم ہوگا دونوں میں اقل کا اختیار عمل بالیقین کی وجہ سے ہے لہذا اس میں دو طہر کے تیس یوم اور تین حیض کے ۹ یوم ہوئے اور اسی طرح زوج ثانی کے حق میں بھی ضرورت ہوگی اور پندرہ دن والے ایک طہر کی مزید یہ تفصل حرہ کے حق میں ہوئی۔

بہر حال باندی تو امام محمدؒ کی تخریج کے مطابق امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک چالیس یوم ہوں گے اور الحسن کی تخریج پر پینتیس دن ہوں گے پھر اسی کے مثل پندرہ یومیہ ایک طہر کے اضافہ کے ساتھ زوج ثانی کے حق میں بھی ضرورت ہوگی، اور صاحبینؒ کے نزدیک زوج اول کے لیے اکیس یوم ہوں گے اور زوج ثانی کے لیے ایک طہر کے اضافہ کے ساتھ اسی کے مثل ہوگا۔

اس قدر مدت کا اعتبار اس لیے کیا گیا تاکہ شوہر اول کے لیے عورت کے دعویٰ کے قبول کرنے کی گنجائش رہے، کیوں کہ جب عورت اس سے کم میں انقضائے عدت کا دعویٰ کرے گی تو عادت اس کی تکذیب کر دے گی اور مکذب عادت مکذب حقیقہ کی طرح ہوتا ہے۔

باب الایلاء

هو الحلف على ترك قربانها اربعة اشهر أو أكثر كقوله واللّٰه لا اقربك اربعة اشهر أو واللّٰه لا اقربك فإن وطئ في المدة كفر وسقط الايلاء والأبانت وسقط اليمين لو حلف على اربعة اشهر وبقيت لو على الأبد فلو نكحها ثانياً ومضت المدة بلأ في بانت بأخرين فإن نكحها بعد زوج آخر لم تطلق ولو وطئها كفر لبقاء اليمين ولا ايلاء فيما دون اربعة اشهر واللّٰه لا اقربك شهرين وشهرين بعد هذين الشهرين ايلاء ولو مكث يوماً ثم قال واللّٰه لا اقربك شهرين بعد الشهرين الأولين أو قال لا

اَقْرُبُكَ سَنَةً اِلَّا يَوْمًا اَوْ قَالَ بِالْبَصْرَةِ وَاللّٰهُ لَا اَدْخُلُ مَكَّةَ وَهِيَ بِهَا لَا وَاِنْ حَلَفَ بِحَجٍّ اَوْ صَوْمٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ عَتَقٍ اَوْ طَلَاقٍ اَوْ اِلَىٰ مِنَ الْمَطْلُوعَةِ الرَّجْعِيَّةِ فَهُوَ مُؤَلِّقٌ وَمِنْ الْمُبَانَةِ وَالْاَجْنَبِيَّةِ لَا وَمُدَّةُ اِيْلَاءِ الْاِمَةِ شَهْرَانِ وَاِنْ عَجَزَ الْمَوْلَىٰ عَنْ وَطْئِهَا بِمَرْضِهِ اَوْ مَرْضِهَا اَوْ بِالرَّتْقِ اَوْ بِالصَّغْرِ اَوْ بَعْدَ مَسَافَةٍ فَفَيْئُهُ اِنْ يَقُولَ فَتَتْ اِلَيْهَا وَاِنْ قَدَرَ فِى الْمُدَّةِ فَفَيْئُهُ بِالْوَطْئِ وَاَنْتِ عَلَيَّ حَرَامٌ اِيْلَاءٌ اِنْ نَوَىٰ التَّحْرِيْمَ اَوْ لَمْ يَنْوِ شَيْئًا وَظَهَارٌ اِنْ نَوَاهُ وَكَذَبَ اِنْ نَوَىٰ الْكُذْبَ وَبَائِنَةٌ اِنْ نَوَىٰ الطَّلَاقَ وَثَلَاثٌ اِنْ نَوَاهُ وَفِى الْفَتَاوَىٰ اِذَا قَالَ لَا مَرْئِيَّ اَنْتِ عَلَيَّ حَرَامٌ وَالْحَرَامُ عِنْدَهُ طَلَاقٌ وَلَكِنْ لَمْ يَنْوِ طَلَاقًا وَقَعَ الطَّلَاقُ وَجُعِلَ نَاوِيًا عَرَفًا.

ترجمہ: یہ ایلاء کا باب ہے، وہ چار ماہ یا اس سے زائد تک بیوی کے پاس نہ جانے پر قسم کھانا ہے جیسے شوہر کا قول بخدا میں تیرے قریب چار ماہ تک نہ آؤں گا یا بخدا میں تیرے قریب نہ آؤں گا پس اگر اس مدت میں وطی کی تو کفارہ دے اور اس صورت میں ایلاء ختم ہو جائے گا ورنہ عورت بائنه ہو جائے گی، اور ساقط ہو جائے گی، یہیں اگر چار ماہ پر قسم کھائی ہو اور باقی رہے گی اگر ہمیشہ کے لیے قسم کھائی ہو پس اگر اس سے دوبارہ اور سہ بارہ نکاح کیا اور دونوں مدتیں بلا رجوع گزر گئیں تو بائنه ہو جائے گی، آخری دو سے پس اگر اس سے (یعنی اس خاتون سے جو اس سے ایلاء کی وجہ سے تین مرتبہ بائنه ہو چکی ہے) دوسرے شوہر کے بعد نکاح کیا تو وہ (اسکے بعد ایلاء اول کی وجہ سے) مطلقہ نہ ہوگی اور اگر (اس مبائنه بالثلاثہ سے زوج اول نے وطی کی تو وہ بقاء یمین کی وجہ سے کفارہ دے گا، اور چار ماہ سے کم کی صورت میں ایلاء نہیں ہے اور (اگر بیوی سے کہا) بخدا میں تجھ سے دو ماہ اور دو ماہ ان دو مہینوں کے بعد نہیں قریب ہوں گا یا کہا کہ میں تجھ سے سال بھر نہیں قریب ہوں گا مگر ایک دن یا اس نے بصرہ میں کہا بخدا میں مکہ میں داخل نہیں ہوں گا جب کہ عورت مکہ میں ہی ہے تو ایلاء نہ ہوگا، اور اگر شوہر نے قسم کھائی حج پر یا روزہ یا صدقہ یا آزادی یا طلاق پر یا مطلقہ رجعیہ سے ایلاء کیا تو ایلاء کرنے والا ہوگا اور (اگر ایلاء کیا) مطلقہ بائنه یا اجنبیہ عورت سے تو ایلاء کرنے والا نہ ہوگا، اور باندی کے ایلاء کی مدت دو ماہ ہے اور اگر مولیٰ (یعنی ایلاء کرنے والا) عورت کی وطی سے عاجز ہوا اپنے مرض کی وجہ سے یا اسکے بیمار کی وجہ سے یا رحم کے منہ بند ہونے کی وجہ سے یا عورت کے بچی ہونے کی وجہ سے یا درازی مسافت کی وجہ سے تو ان (صورتوں) میں شوہر کا رجوع یہ ہے کہ وہ (زبانی کہدے) میں نے اس سے رجوع کر لیا اور اگر مدت (ایلاء) میں (جماع) پر قادر ہو گیا تو اس کا رجوع وطی کے ساتھ ہی ہوگا اور (اگر شوہر نے عورت سے کہا) اَنْتِ عَلَيَّ حَرَامٌ (تو یہ) ایلاء ہے اگر تحریم کی نیت کی یا کسی چیز کی نیت نہیں کی، یا ظہار ہے اگر ظہار

کی نیت کی اور کذب ہوگا اگر کذب کی نیت کی اور (عورت) باندھ ہو جائے گی اگر طلاق کی نیت کی اور تین طلاقیں ہوں گی اگر اس نے طلاقات ثلاث کی نیت کی اور فتاویٰ میں ہے کہ جب اس نے اپنی بیوی سے کہا اِنِّیْ عَلَیْ حَرَامٍ اور حال یہ کہ حرام اس آدمی کے نزدیک طلاق ہے اور لیکن اس نے طلاق کی نیت نہیں کی تو طلاق واقع ہو جائے گی اور اسے عرفاً نیت کرنے والا قرار دے دیا جائے گا۔

تشریح: ایلاء اور طلاق میں مناسبت یہ ہے کہ طلاق سبب حرمت ہے اور رجعت حرمت کو ختم کر دیتی ہے، اسی طرح ایلاء سبب حرمت ہے اور فی اس کو مٹا دیتا ہے، اب رہی یہ بات کہ رجعت کو ایلاء پر مقدم کیوں کیا حالاں کہ دونوں اس امر میں مشترک ہیں کہ دونوں علی الفور باعث حرمت نہیں ہیں، بلکہ انقضاء عدت کے بعد رجعتی میں اور انقضاء مدت کے بعد ایلاء میں حرمت ثابت ہوتی ہے تو معاملہ یہ ہے کہ حرمت لفظ طلاق کے ساتھ تجبیز آیا تعلیقاً یہ اصل ہے اب ظاہر ہے کہ حرمت ایلاء میں لفظ طلاق کے ساتھ نہیں ہوتی پس اصل کو خلاف اصل پر مقدم کیا۔

ایلاء لثمة قسم کھانے کو کہتے ہیں لیکن شرعاً چار ماہ یا اس سے زیادہ مدت تک عورت سے ہم بستر ہونے کے ترک پر قسم کھا لینا ایلاء کہلاتا ہے، جیسے شوہر اپنی منکوحہ سے کہے وَاللّٰہ لَا اَقْرُبُکَ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ یَّہِ اِیْلَہ مَوْتِکِ مِثَال ہے یا کوئی قسم کھائے وَاللّٰہ لَا اَقْرُبُکَ تُو یہ ایلاء مؤبد ہے۔

فَاِنْ وَطِیْ فِی الْمَدَّةِ کُفْرًا: اگر شوہر نے چار ماہ کے اندر اندر عورت سے وطی کر لی تو وہ اپنی قسم سے حائض ہو گیا لہذا کفارہ دے پس اگر حائض ہونے سے پہلے کفارہ دے دیا تو جائز نہ ہوگا، بہر حال اگر حلف یمین باللہ ہے تو اس کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا ان کو کپڑا پہنانا ہے یا ایک غلام آزاد کرنا ہے، البتہ جو شخص ان میں سے کسی چیز کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو اس کا کفارہ تین روزے رکھنا ہے، اور اگر حلف یمین بغیر اللہ ہو جیسے کہ اس نے حج یا صوم یا صدقہ یا حلق و طلاق پر قسم کھائی تو ایسی صورت میں وہ چیز جسے حائض ہونے پر جزاء قرار دیا ہے وہ حالف کو لازم ہو جائے گی اور حائض ہونے والے کو منذور کے ایفاء اور کفارہ یمین میں اختیار ہوگا جو چاہے اختیار کر لے اور اگر حائض ہونے پر جزاء حلف طلاق یا عتاق کو قرار دیا تھا تو طلاق اور عتاق واقع ہو جائے گی۔

اور امام شافعیؒ کے نزدیک حالف اپنی قسم میں حائض ہو جائے گا اور اس کو کفارہ لازم نہ ہوگا، حسن بصریؒ بھی فرماتے ہیں کہ کفارہ لازم نہ ہوگا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَاِنْ فَاوَا فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ یعنی اگر شوہر رجوع کر لے یعنی عورت کو ضرر رسانی کا جو اس نے ارادہ کیا تھا اس سے باز آ جائے اور ترک مجامعت سے توبہ کرے یعنی عورت سے مجامعت شروع کر دے تو اللہ تعالیٰ چوں کہ غفور رحیم ہیں اس لیے قصد اضرار عورت کو معاف فرمادیں گے، ہمارا کہنا یہ ہے کہ اس سے مراد آخرت میں عقوبت کا اسقاط ہے کفارہ کا

اسقاط مراد نہیں ہے اس کی تائید اس امر سے ہوتی ہے کہ قتل خطاء سے کفارہ واجب ہوتا ہے ہر چند کہ اللہ تعالیٰ نے مغفرت کا وعدہ فرمایا ہے، اور ایلاء اس کے بعد ختم ہو جائے گا کیوں کہ یمین حٹ سے ختم ہو جاتی ہے، پس حائث ہونے کے بعد یمین باقی نہیں رہتی اور بغیر یمین کے ایلاء نہیں ہوتا۔

والا بانٹ: یعنی اگر شوہر نے مدت ایلاء کے اندر وطی نہیں کی اور پوری مدت گزر گئی تو عورت کو ایک طلاق بائن پڑ جائے گی، یہی ابن عباس، ابن عمر، ابن عباس، زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کا قول ہے، نیز حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ اور جمہور تابعین کا قول ہے اور شافعیؒ فرماتے ہیں کہ عورت محض مدت کے گزرنے کی وجہ سے بائنہ نہیں ہوگی البتہ اس کا حکم مدت کے بعد موقوف رہے گا اور شوہر سے کہا جائے گا کہ وہ عورت سے رجوع کرے اسے طلاق دے دے اگر شوہر نے ایسا کر لیا تو بہت خوب ورنہ قاضی دونوں کے درمیان تفریق کر دے گا۔

پس ہمارا اور امام شافعیؒ کا اختلاف دو جگہوں میں ہے ایک یہ کہ امام شافعیؒ کے نزدیک شوہر کی جانب سے رجوع مدت ایلاء کے گزرنے کے بعد ہوگا، دوسرے یہ کہ فرقت قاضی کی تفریق یا قاضی کے پاس تطلق زوج سے ہوگی اور اسی کے قائل امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ ہیں، امام شافعیؒ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ قاضی تفریق نہیں کرے گا لیکن شوہر پر اتنی تنگی کرے گا کہ وہ یا تو عورت سے رجوع کرے یا طلاق دے دے۔ اور احناف کے نزدیک محض مدت ایلاء کے گزرنے سے تفریق واقع ہو جائے گی، امام شافعیؒ وغیرہ کا استدلال اللہ تعالیٰ کے ارشاد فَاِنْ فَاَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ سے ہے، کیوں کہ فَاِنَّ اللّٰهَ میں فاء تعقیب کے لیے ہے پس وہ جواز فی یعنی رجوع کا مدت کے بعد تقاضا کرتا ہے، اسی طرح تفریق کا بھی۔

ہماری دلیل حضرت ابن مسعودؓ اور ابی بن کعبؓ کی قرأت ہے فَاِنْ فَاَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ پس اس کا تقاضا یہ ہے کہ رجوع مدت کے اندر ہونا چاہئے پس یہ قرأت امام شافعیؒ وغیرہ کے خلاف حجت ہے اور آیت میں فاء ایلاء پر رجوع کی تعقیب کے لیے ہے یعنی یہ بتانے کے لیے کہ رجوع ایلاء کے بعد ہوگا اسکی دلیل یہ ہے کہ اشہر کے گزرنے سے پہلے رجوع درست ہے پس اگر بات وہ ہوتی جو امام شافعیؒ وغیرہ فرما رہے ہیں تو قبل مضمیٰ الاشہر یعنی مدت ایلاء کے گزرنے سے پہلے رجوع درست نہ ہوتا۔

لو حلف علی اربعة اشهر الخ: اور یمین ساقط ہو جائے گی جب عورت مضمیٰ مدت کی وجہ سے بائنہ ہوگی یعنی شوہر نے چار ماہ تک وطی نہ کرنے کی قسم کھائی تھی اور اس نے اس عرصہ میں مجامعت نہیں کی پس شوہر اپنی قسم میں بری ہو گیا اور عورت چار ماہ کے گزرتے ہی بائنہ ہو گئی اور یمین بھی ختم ہو گئی، چنانچہ بذریعہ ایلاء بائنہ ہونے کے بعد اگر شوہر نے دوبارہ نکاح کر لیا اور چار ماہ تک مجامعت نہیں کی تو عورت بائنہ نہیں ہوگی، کیوں کہ سابقہ یمین ساقط ہو چکی ہے، اس لیے کہ وہ چار ماہ کے ساتھ موقت تھی پس چار ماہ کے گزرنے

کے ساتھ بیمن بھی گذر گئی۔

و بقیہ لو علی الابد: اور اگر شوہر نے بغیر کسی وقت کی تحدید کے علی الاطلاق عورت سے مجامعت نہ کرنے کی قسم کھائی ہو اور اسے چار ماہ یا اس سے زائد مدت کے ساتھ مقید نہ کیا ہو چاہے ابد کہا ہو یا نہ کہا ہو تو اگر ایسی صورت میں چار ماہ تک اس عورت سے مجامعت نہیں کرتا ہے تو عورت بائنہ ہو جائے گی اور بیمن بھی ساقط نہ ہوگی، بلکہ باقی رہے گی، کیوں کہ یہ بیمن، مطلقہ ہے لہذا ابد کی طرف پھیری جائے گی جیسے کوئی کہے واللہ لا اکلم فلانا کہ میں فلاں سے بات نہیں کروں گا تو یہ بیمن چار ماہ گذرنے سے باطل نہ ہوگی، کیوں کہ حائض ہونا یا وقت کا گذرنا جو مبطل ہو سکتا تھا وہی معدوم ہے البتہ یہ ہے کہ گو بیمن ساقط نہ ہوگی مگر طلاق بھی مکرر نہ ہوگی، جب تک شوہر اس مبانہ بالا ایلاء سے دوبارہ نکاح نہ کرے۔

محیط میں ہے کہ اگر عورت چار ماہ گذرنے کی وجہ سے بائنہ ہو گئی پھر دوسرے چار ماہ گذر گئے اور حال یہ کہ عورت ابھی عدت میں ہی ہے تو دوسری طلاق بائن واقع ہو جائے گی پس اگر پھر تیسری بار چار ماہ کی مدت گذرتی ہے اور وہ عدت میں ہی ہے تو تیسری طلاق بائن واقع ہو جائے گی لیکن اصح اول قول ہی ہے۔

ہاں اگر شوہر نے ایلاء کرنے کی صورت میں چار ماہ گذرنے سے پہلے ہی عورت کو طلاق تجبیزی دے کر جدا کر دیا تو اب اگر عورت عدت میں ہی ہے اور اس کی مدت ایلاء گذرتی ہے تو دوسری طلاق ایلاء کی وجہ سے پڑ جائے گی، کیوں کہ ایلاء تعلیق بمضی الزمان کے حکم میں ہے اور معلق تین سے کم طلاقوں کی تجبیز سے باطل نہیں ہوا کرتا، ہاں طلاق ثلاث کی تجبیز سے باطل ہو جاتا ہے۔

خیر جب یہ بات طے ہو گئی کہ وہ صورت جو متن میں مذکور ہے اس میں بھلے بیمن ختم نہ ہو طلاق بھی مکرر نہ ہوگی تا وقتیکہ شوہر اس خاتون سے کہ جو ایلاء کی وجہ سے بائنہ ہو گئی دوبارہ نکاح نہ کرے پس اگر شوہر نے اس عورت سے دوبارہ نکاح کیا اور مدت ایلاء میں رجوع نہیں کیا، پھر تیسری بار نکاح کیا اور اس مرتبہ بھی مدت ایلاء گذر گئی اور رجوع نہیں کیا تو یہ عورت دو اور طلاقوں کے ساتھ بائنہ ہو جائے گی، یعنی اب تین طلاق بائنہ کے ساتھ عورت پر حرمت غلیظہ واقع ہو جائے گی، اسلیے کہ جب شوہر نے اس عورت سے نکاح کیا تو عورت کا حق جماع میں ثابت ہوا لیکن شوہر نے جماع سے باز رہ کر عورت پر زیادتی کی لہذا اسے نعمت نکاح کے ازالہ کی صورت میں مدت ایلاء کے گذرنے پر سزا دی گئی، اس مبانہ ثلاث بالا ایلاء سے اس کے زوج ثانی سے نکاح کے بعد پھر نکاح کیا تو اب ایلاء اول کی وجہ سے اگر چار ماہ پھر گذرتے ہیں تو طلاق نہ واقع ہوگی، کیوں کہ ایلاء اول ملک سابق کی طلاقوں کے ساتھ مقید ہے دوسرے یہ کہ تین سے زائد طلاقیں ملک میں نہیں ہوتیں اور مضاف الی الملک یہی ہیں لہذا تعلیق صحیح نہ ہوگی البتہ حکم ایلاء کے ثبوت کے بغیر بیمن باقی رہے گی البتہ زفر کے نزدیک بقاء بیمن کی وجہ سے ایلاء لوٹ آئے گا۔

ولو وطیہا: پس گو حکم ایلاء کا ثبوت نہ ہو یمین بہر حال کفارہ کے حق میں رہتی ہے گو طلاق کے حق میں نہ باقی رہے، لہذا اگر شوہر اول نے زوج ثانی کے عقد و طلاق کے بعد نکاح ثانی کر لینے پر اس مہانہ بالا ایلاء المؤبد سے وطی کیا تو کفارہ دینا پڑے گا، کیوں کہ حائث ہونا پائے گا اور ایسا اس لیے ہے کہ یمین ایلاء مؤبد میں باقی رہتی ہے کیوں کہ یمین مطلقہ ہے اور حائث ہونا پایا نہیں گیا تھا کہ اس سے یمین مرتفع ہو جاتی۔

ولا ایلاء فیما دون اربعة اشهر الخ: چار ماہ سے کم کی صورت میں ایلاء نہیں ہے، یعنی اگر آدمی نے قسم کھائی کہ وہ چار ماہ سے کم مدت تک اپنی آزاد بیوی سے ہمبستری نہیں کرے گا تو وہ شرعاً مؤولی نہیں ہوگا، لہذا اگر مدت قسم کے پورا ہونے سے پہلے وطی کر لیا تو کفارہ حائث ہونے کی وجہ سے لازم ہوگا اور اگر مدت قسم کے پورا ہونے تک جماع نہیں کیا تو اپنی قسم سے بری ہو جائے گا اور بیوی کو طلاق بائن بھی نہیں پڑے گی۔

البتہ ابن ابی لیلیٰ کا مذہب یہ ہے کہ چار ماہ سے کم مدت تک ترک جماع کی قسم سے بھی آدمی مؤولی یعنی ایلاء کرنے والا ہو جاتا ہے، لیکن مدت یمین کے گزرنے کے ساتھ ہی عورت بائنہ نہ ہوگی بلکہ جب چار ماہ ترک جماع پر گزر جائیں گے تو عورت بائنہ ہوگی، امام اعظم ابو حنیفہ بھی اولاً اسی کے قائل تھے لیکن جب ان کو ابن عباس کا فتویٰ پہونچا کہ لا ایلاء فیما دون اربعة اشهر کہ چار ماہ سے کم مدت میں ایلاء نہیں ہے تو انہوں نے اپنے قول سابق سے رجوع کر لیا۔

واللہ لا اقربك شہرین وشہرین بعد ہذین الشہرین الخ: اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا واللہ لا اقربك شہرین وشہرین بعد ہذین الشہرین تو یہ قول شوہر کی جانب سے ایلاء ہوگا، اس لیے کہ جمع بحرف الجمع ایسے ہی ہے جیسے کہ جمع بلفظ الجمع ہوتا ہے اور بعد ہذین الشہرین قید اتفاقی ہے، اسی وجہ سے اگر کسی نے کہا بعثك بالف الی شہر وشہر تو اجل دو ماہ ہوگی اور اگر کہا واللہ لا اکلم فلانا یومین ویومین تو یہ کہنا ایسے ہوگا جیسے وہ شخص یوں کہتا لا کلم اربعة ایام اصل ضابطہ یہ ہے کہ جب عطف بغیر حرف نفی کے اعادہ کے ہو اور اللہ تعالیٰ کے اسم کا تکرار نہ ہو تو یمین ایک ہوگی اور اگر حرف نفی کا اعادہ کیا اور اسم الہی کا تکرار کیا تو یمین دو ہوں گی اور دونوں کی مدت کا تذخل ہو جائے گا۔

ولو مکث یوما ثم قال واللہ لا اقربك الخ: اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا واللہ لا اقربك شہرین پھر ایک دن خاموش رہا یا ایک ساعت خاموش رہا اس کے بعد پھر کہا واللہ لا اقربك شہرین بعد الشہرین الاولین تو ایلاء ثابت نہ ہوگا کیوں کہ یہاں دونوں مہینوں کے چار ماہ ہوئے اور درمیان ایک دن توقف کا ساقط ہو گیا، صورت اولیٰ میں اور ایک ساعت توقف کی ساقط ہو گئی، دوسری صورت میں تو ایک دن کم چار ماہ یا ایک ساعت کم چار ماہ ہوئے حالاں کہ مدت ایلاء پورے چار ماہ ہیں۔

یا کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا واللہ لا اقربك سنة الا یوماً تو وہ مؤولی نہ ہوگا کیوں کہ مؤولی اسے

کہتے ہیں جس کو بلا لزوم شی چار ماہ تک وطی کرنا ممکن نہ ہو اور یہاں کسی شی کے لازم آئے بغیر اس کے لیے قربان یعنی جماعت ممکن ہے، اس واسطے کہ اسے استثناء میں لفظ یوم مکرہ کا ذکر کیا ہے پس پورے سال میں جس دن کو چاہے مستثنیٰ قرار دے سکتا ہے۔

امام زفر کہتے ہیں کہ مولیٰ ہو جائے گا اور استثناء آخر سال کی طرف پھیر دیا جائے گا، جیسے کہ اگر کہتا اجرتك داری سنة الا یوماً تو مطلب ہوتا کہ صاحب میں نے اپنا گھر تمہیں سال بھر کے لیے کرایہ پر دیا، مگر ایک دن یعنی سال کے آخری دن میں اسی طرح واللہ لا قربك سنة الا یوماً میں عدم قربان کا استثناء سال کے آخری دن سے متعلق ہوگا، یعنی سال کے آخری دن کے سواء باقی پورے سال میں تم سے وطی نہیں کروں گا۔

ہمارا کہنا یہ ہے کہ اجارہ میں استثناء کو آخر سہ کی طرف اس لیے پھیرا تا کہ عقد اجارہ صحیح ہو جائے کیوں کہ عقد اجارہ جہالت کے ساتھ درست نہیں ہے، بخلاف یمین کے کہ وہ جہالت کے ساتھ درست ہے، لہذا یمین میں استثناء کو آخر سال کی طرف پھیرنے کی کوئی ضرورت نہیں، پس شوہر کو حق ہے کہ پورے سال میں جس دن کو چاہے مستثنیٰ قرار دے دے۔

اور اگر ایسے شخص نے جو بصرہ میں رہتا ہے اس نے کہا واللہ لا ادخل مكة حالاں کہ بیوی مکہ میں ہی رہتی یہ تو بھی شوہر مولیٰ نہ ہوگا کیوں کہ عورت کو مکہ سے بلا کر وطی کرنا ممکن ہے۔

وان حلف بحج او صوم او صدقة الخ: جب مصنف یمین باللہ کے بیان سے فارغ ہو گئے تو اب یمین بغیر اللہ کے بیان کو شروع کیا پس اگر شوہر نے حج پر قسم کھائی مثلاً کہا ان قربتك فللہ علی حج یا صدقہ پر قسم کھائی مثلاً کہا ان قربتك فللہ علی ان اتصدق بمائة درهم یا صوم غیر معین پر قسم کھائی اور کہا ان قربتك فللہ علی صوم شہر یا عتق معین یا غیر معین پر قسم کھائی مثلاً یوں کہا ان قربتك فبعدي هذا حر یا ان قربتك فللہ علی عتق رقبة یا طلاق پر قسم کھائی اور کہا ان قربتك فامرأتی طالق یا شوہر نے مطلقہ رجمیہ سے ایلاء کیا مثلاً یوں کہا لا قربك اربعة اشهر حالاں کہ وہ عدت میں ہے، تو ان تمام صورتوں میں شوہر مولیٰ ہو جائے گا، بہر حال ان تمام صورتوں میں کہ جس میں شرط و جزاء مذکور ہیں تو اس لیے کہ یہ مذکورہ بالا جزائیں ان مشقتوں کی وجہ سے جو ان میں یعنی حج و صوم وغیرہ میں ہیں مانع عن الوطی ہیں، لہذا یہ یمین کے معنی میں ہو گئیں اور مطلقہ رجمیہ تو اس لیے کہ وہ زوجہ ہے، لہذا انص اس کو شامل ہوگا۔

ومن المبانة والاجنبية لا: اور وہ شخص جس نے ایسی خاتون سے ایلاء کیا جسے طلاق بائن پڑ چکی ہے، لیکن ہے اپنی عدت میں تو وہ شرعاً مولیٰ نہ ہوگا اسی طرح وہ شخص جس نے لجنبیہ یعنی غیر منکوحہ سے ایلاء کیا تو یہ بھی مولیٰ نہ ہوگا، کیوں کہ محل ایلاء بیوی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے للذین یؤثون من نسائهم

تربص اربعة اشهر اور یہ دونوں طرح کی عورتیں بیوی نہیں ہیں، مہانہ تو اس لیے کہ نکاح اس میں موجود ہی نہیں ہوتا دوسرے اس لیے بھی کہ اگر اس میں ایلاء درست ہوتا تو البتہ مینومہ مدت ایلاء کے گزرنے سے ہوتی اور بائن، بائن کو لاحق نہیں ہوا کرتی اور غیر منکوحہ تو محل ایلاء ہی نہیں ہے، پس محلیت کے نہ ہونے کی وجہ سے اس کی بابت کلام باطل ہے۔

ومدة ایلاء الامة الخ: لمتہ منکوحہ کے ایلاء کی مدت دو ماہ ہے خواہ اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام پس اگر لمتہ منکوحہ مدت ایلاء کے درمیان میں ہی آزاد ہوگئی تو اس کی مدت ایلاء حرائر کی سی ہو جائے گی، امام شافعیؒ کے نزدیک لمتہ منکوحہ کی مدت ایلاء چار ماہ ہے اس اختلاف کی بنیاد اس پر ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک یہ مدت حق جماع کی ادائیگی سے انکار کے متعلق اظہار ظلم کے لیے ہے، اور آزاد اور باندی دونوں معاملہ میں برابر ہیں، اور احتاف کے نزدیک مدت مینومہ کی اجل و میعاد ہو کر مقرر ہوئی ہے، لہذا مدت ایلاء عدت کی مدت کے مشابہ ہوگئی، لہذا رقیقہ کی وجہ سے باندی کی مدت ایلاء میں تنصیف ہو جائے گی، کیوں کہ یہ حقوق نکاح میں سے ہے۔

والعجز المولی عن وطیہا الخ: اگر ایلاء کرنے والا اس خاتون سے کہ جس سے ایلاء کیا ہے عورت کے بیمار ہونے یا خود بیمار ہونے کی وجہ سے یا فم رحم کے بند ہونے کی وجہ سے خواہ گوشت سے رحم کا منہ بند ہو یا ہڈی یا کسی اور سبب سے یا شوہر بیوی کے کم سن ہونے یا بعد مسافت یعنی چار ماہ کے بقدر دوری کی وجہ سے جماع نہ کر سکتا ہو اور ایلاء سے رجوع کرنا چاہتا ہے تو اس شوہر مجبور کار رجوع کرنا یہ ہے کہ اپنی زبان سے کہہ دے کہ میں نے اپنی بیوی سے رجوع کر لیا یا میں نے ایلاء باطل کر دیا تو ایلاء ساقط ہو جائے گا البتہ حادث ہوگا جب وطی کرے گا اور حقیقت فی یعنی رجوع دو قسموں پر ہے اصل اور خلف پس اصل تو جماع ہے اور خلف یہ ہے کہ اپنی زبان سے مولی کہہ دے کہ میں نے رجوع کر لیا جب تک رجوع بالوطی ممکن ہے رجوع باللسان درست نہیں اور جب رجوع بالوطی ممکن نہ ہو تو رجوع باللسان درست ہے پس سابقہ صورتوں میں رجوع بالوطی ممکن نہیں ہے لہذا رجوع باللسان کی گنجائش ہے عجز سے عجز حقیقی مراد ہے، پس عجز حکمی کی صورت میں رجوع باللسان ناقابل اعتبار ہوگا۔

اور اگر وہ شخص جو رجوع بالوطی پر قادر نہیں تھا لیکن مدت ایلاء میں ہی جماع پر قادر ہو گیا تو اب اس کا رجوع وطی سے ہی ہوگا اور رجوع باللسان باطل ہو جائے گا۔

سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ رجوع مطلقاً صرف جماع ہی سے ہو سکتا ہے ابو ثور سے بھی یہی مروی ہے اور یہی امام طحاویؒ کے نزدیک مختار ہے یہی امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کا قول ہے کیوں کہ ایلاء سے رجوع کرنا دو حکموں کو مستلزم ہے ایک وجوب کفارہ دوسرے انتفاء فرقت اور وجوب کفارہ میں قولی رجوع کا اعتبار نہیں تو حکم

جانی یعنی انتقائے فرقت میں بھی اس کا اعتبار نہیں ہونا چاہئے۔

ہم یہ کہتے ہیں کہ شوہر بوقت ایلاء جماع کرنے سے عاجز ہے پس ایلاء سے اس کا مقصد عورت کا حق روکنا نہیں ہے بلکہ صرف ایذاء رسانی مقصود ہے تو جیسے اس نے زبان سے تکلیف نہ ہو نچائی ہے ایسے ہی زبانی رجوع سے راضی کر لے گا اور جب اس نے راضی کر لیا تو قصور ختم ہو گیا لہذا اب طلاق سے بدلہ نہیں دیا جائے گا۔

انت علی حرام الخ: ایک شخص نے بیوی سے کہا انت علی حرام تو اس کی نیت دریافت کی جائے گی جیسی نیت ہوگی ویسا ہی حکم ہوگا اگر کسی چیز کی نیت نہ ہو یا حرمت کی نیت ہو تو ایلاء ہوگا کیوں کہ حلال کی تحریم یحییٰ ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لم تحرم ما احل اللہ لک محبوب اس چیز کو آپ حرام کیوں فرما رہے ہیں جسے اللہ نے حلال قرار دیا، پھر ارشاد ربانی ہوا قد فرض اللہ لکم تحلة ایمنکم کہ اللہ نے آپ پر آپ کے قسم کی حلت کو ضروری قرار دیا معلوم ہوا کہ حلال کی تحریم یحییٰ ہوتی ہے۔

اور اگر ظہار کی نیت ہو تو ظہار ہوگا شیخین کے نزدیک۔ امام محمدؒ کے نزدیک ظہار نہ ہوگا کیوں کہ ظہار میں محلہ کو محرمۃ کے ساتھ تشبیہ ضروری ہے اور یہاں تشبیہ نہیں ہے پس گویا رکن ظہار معدوم ہے، شیخین یہ فرماتے ہیں کہ یہاں مطلق تحریم ہے اور ظہار میں ایک خاص قسم کی حرمت ہوتی ہے والمطلق یحتمل المقید یعنی مطلق میں مقید کا احتمال ہوتا ہے اور اگر کذب مراد ہو تو کلام لغو ہوگا اور اگر طلاق کی نیت ہو تو طلاق بائنہ ہوگی، کیوں کہ انت علی حرام کنایات میں سے ہے اور اگر تین کی نیت ہو تو تین طلاقیں ہوں گی کیوں کہ انت علی حرام میں تین کی نیت کرنا درست ہے۔

وفی الفتاویٰ اذا قال لامرأته انت علی حرام الخ: فتاویٰ میں ہے کہ جب شوہر نے بیوی سے کہا انت علی حرام اور حال یہ ہے کہ حرام اس آدمی کے نزدیک طلاق کے معنی میں ہے، لیکن اس قول سے اس نے طلاق کی نیت نہیں کی ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی، خواہ نیت کرے یا نہ کرے کیوں کہ عرف یہی ہے کہ وہ اس جملہ کو طلاق پر بولتے ہیں لہذا اگر اس نے طلاق کے علاوہ کی نیت کی تو اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا قضاء، امام شافعیؒ کا مذہب اس سلسلے میں یہ ہے کہ اگر اس نے طلاق یا ظہار کی نیت کی تو ویسا ہی ہوگا، جیسا اس نے نیت کی اور اگر اس نے یحییٰ کی نیت کی یا کسی طرح کی نیت نہیں کی تو کفارہ یحییٰ اس پر لازم ہوگا، امام مالکؒ کے نزدیک انت علی حرام مدخول بہا میں تین طلاقیں ہوں گی اور غیر موطوہ میں ایک اور امام احمدؒ کے نزدیک ظہار ہے خواہ نیت کی ہو یا نہ کی ہو اور دوسری روایت مطلقاً یحییٰ کی ہے اور تیسری روایت مطلقاً طلاق کی ہے، اگر کسی کے چار بیویاں تھیں اور اس نے انت علی حرام کہہ دیا تو ہر ایک کو ایک ایک طلاق بائن ہو جائے گی اور ایک قول یہ ہے کہ فقط ایک کو بائن ہوگی اور یہی اظہر اور اشبه ہے۔

باب الخلع

هُوَ الْفَصْلُ مِنَ النِّكَاحِ وَالْوَالِغِ بِهِ وَبِالطَّلَاقِ عَلَى مَالٍ طَلَاقُ بَائِنٍ وَلَزِمَهَا الْمَالُ وَكَمْبَرَةٌ لَهُ أَحَدُ شَيْءٍ إِنْ تَشَرُّوا أَنْ تَشَرَّتْ لَا وَمَا صَلَّحَ مَهْرًا صَلَّحَ بَدَلُ الْخُلْعِ فَإِنْ خَالَعَهَا أَوْ طَلَّقَهَا بِعَمَرٍ أَوْ خِنْزِيرٍ أَوْ مَيْتَةٍ وَقَعَ بَائِنٌ فِي الْخُلْعِ وَرَجَعِيٌّ فِي غَيْرِهِ مَجَانًا كَخَالَعْنِي عَلَى مَالِي يَدِي وَلَا شَيْءٍ فِي يَدَيَّ وَإِنْ زَادَتْ مِنْ مَالٍ أَوْ مِنْ دِرْهَمٍ رَدَّتْ عَلَيْهِ مَهْرَهَا أَوْ ثَلَاثَةَ دَرَاهِمٍ وَإِنْ خَالَعَهَا عَلَى عَبْدٍ أَوْ عَلَى نَفْسٍ أَوْ عَلَى بَرِيَّةٍ مِنْ ضَمَانِهِ لَمْ تَبْرَأْ قَالَتْ طَلَّقْنِي ثَوْبًا بِأَلْفٍ فَطَلَّقَ وَاحِدَةً لَهُ ثَلَاثُ أَلْفٍ وَبَائِنٌ وَفِي عَلَى وَقَعَ رَجَعِيٌّ مَجَانًا طَلَّقْنِي نَفْسِكَ ثَلَاثًا بِأَلْفٍ أَوْ عَلَى فَطَلَّقَتْ وَاحِدَةً لَمْ يَقَعْ شَيْءٌ أَلْتَ طَلَّقَ بِأَلْفٍ أَوْ أَلْتَ حُرٌّ وَعَلَيْكَ أَلْفٌ فَطَلَّقَتْ وَعَتَقَ مَجَانًا وَصَحَّ شَرْطُ الْخِيَارِ لَهَا فِي الْخُلْعِ لَا لَهُ طَلَّقْتُكَ أَمْسِ بِأَلْفٍ فَلَمْ تَقْبَلِي وَقَالَتْ قَبِلْتُ صَدَّقَ بِخِلَافِ الْبَيْعِ وَيُسْقِطُ الْخُلْعُ وَالْمُبَارَاةُ كُلَّ حَقٍّ لِكُلِّ وَاحِدٍ عَلَى الْآخَرِ مِمَّا يَتَعَلَّقُ بِالنِّكَاحِ حَتَّى لَوْ خَالَعَهَا أَوْ بَارَاهَا بِمَالٍ مَعْلُومٍ كَانَ لِلزَّوْجِ مَا سَمَتْ لَهُ وَلَمْ يَبْقَ لِأَحَدِهِمَا قَبْلَ صَاحِبِهِ دَعْوَى فِي الْهَرِّ مَقْبُوضًا كَانَ أَوْ غَيْرَ مَقْبُوضٍ قَبْلَ الدَّخُولِ بِهَا أَوْ بَعْدَهُ وَإِنْ خَلَعَ صَغِيرَتَهُ بِمَالٍ لَمْ يَجْزَ عَلَيْهَا وَطَلَّقَتْ وَلَوْ بِأَلْفٍ عَلَى أَنَّهُ ضَامِنٌ طَلَّقَتْ وَالْأَلْفُ عَلَيْهَا.

ترجمہ: یہ باب خلع (احکام خلع کے بیان میں) ہے خلع وہ نکاح کو ختم کرنا ہے اور وہ چیز جو خلع سے واقع ہو اور طلاق علی مال سے (وہ) طلاق بائن ہے اور عورت پر مال لازم ہو جائے گا اور شوہر کے لیے کسی چیز کا لینا مکروہ ہے اگر زیادتی شوہر کی ہے اور اگر زیادتی عورت کی ہے تو نہیں مکروہ ہے، اور ہر وہ چیز جو ہر ہو سکتی ہو وہ بدل خلع بھی ہو سکتی ہے، پس اگر شوہر نے عورت سے خلع کیا یا شوہر نے عورت کو طلاق دے دیا شراب کے بدلہ میں یا خنزیر کے بدلہ میں یا مردار کے بدلہ میں تو خلع میں طلاق بائن اور اس کے علاوہ میں طلاق رجعی ہوگی، مفت جیسے کہ (عورت کا اپنے شوہر سے کہنا) خَالَعْنِي عَلَى مَا فِي يَدِي. (کہ تو مجھ سے اس چیز پر خلع کرے جو میرے ہاتھ میں ہے) حالاں کہ اس کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں اور اگر عورت نے اضافہ کیا لفظ من مال یا من درہم کا تو عورت یا تو اپنا مہر واپس کرے یا تین درہم دے، اور اگر شوہر نے عورت کے بھگوڑے غلام پر خلع کیا اس شرط پر کہ عورت اس کے ضمان سے بری ہے تو بری نہ ہوگی، عورت نے کہا کہ مجھے ہزار کے عوض میں تین طلاقیں دے دے پس اس نے ایک طلاق دی تو شوہر کے لیے ٹکٹ ہزار ہوگا، اور عورت

ایک سے بائند ہو جائے گی اور علی الف کی صورت میں مفت رجعی واقع ہوگی اور (اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا) اپنے کو تین طلاقیں دے لے ایک ہزار کے بدلے یا ایک ہزار پر پس عورت نے ایک طلاق دے لیا تو کچھ واقع نہ ہوگا (اور اگر شوہر نے کہا) انت طالق بالف یا علی الف پس عورت نے الف کو (اسی مجلس میں) قبول کر لیا تو مال اس کو لازم ہو جائے گا اور عورت بائند ہو جائیگی (اور اگر شوہر نے کہا) انت طالق عليك الف یا (مولیٰ نے اپنے غلام سے کہا) انت حر و عليك الف تو عورت خلع میں مطلقہ ہو جائے گی اور غلام مفت آزاد ہو جائے گا اور صحیح ہے خیال کی شرط عورت کے لیے خلع میں نہ کہ شوہر کے لیے (اور اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا) کہ میں نے تجھے گذشتہ کل ایک ہزار کے بدلے طلاق دی تھی پس تو نے قبول نہیں کیا اور عورت نے کہا کہ میں نے قبول کر لیا تھا تو (شوہر کی) تصدیق کی جائے گی بخلاف بیع کے اور خلع اور بری کرنا ساقط کر دیتا ہے ہر اس حق کو جو زوجین میں سے ایک کا دوسرے کے اوپر ہے ان چیزوں میں سے جو نکاح سے تعلق رکھتے ہیں حتیٰ کہ اگر شوہر نے عورت سے خلع کیا یا عورت کو بری کیا مال معلوم کے بدلہ تو شوہر کے لیے وہ مال ثابت ہوگا جو عورت نے بیان کیا اس کے لیے اور نہیں باقی بچے گا زوجین میں سے کسی کے لیے اپنے ساتھی کی جانب سے کوئی دعویٰ مہر کے بارے میں خواہ مہر مقبوض ہو یا غیر مقبوض دخول سے پہلے ہو یا اس کے بعد اگر خلع کرے صغیرہ کا ولی اس کے شوہر سے اس کے مال کے عوض تو جائز نہ ہوگا صغیرہ پر اور طلاق پڑ جائے گی اور اگر ہزار کے عوض خلع کرے اس شرط پر کہ وہ ضامن ہے تو طلاق پڑ جائے گی اور ہزار ولی پر لازم ہوں گے۔

تشریح: باب الایلاء کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک کبھی معصیت ہوتا ہے اور کبھی مباح مگر خلع میں تعین مال ایک زائد فی ہے اس لیے اس کو ایلاء سے مؤخر کیا ہے، خلع لغتہ مصدر بمعنی اتارنا ہے بولا جاتا ہے خلعت النعل میں نے جوتا اتار دیا، اصطلاح میں ازالہ ملک کو کہتے ہیں جو لفظ خلع یا اس کے ہم معنی الفاظ کے ساتھ ہو اس کی صحت عورت کے قبول کرنے پر موقوف ہے، ملک نکاح کی قید سے نکاح فاسد میں خلع کرنا اسی طرح طلاق بائن اور مرتد ہونے کے بعد خلع کرنا شرعی سے نکل گیا کیوں کہ وہ عدم ملکیت کی وجہ سے لغو ہوتا ہے اگر شوہر بیوی سے بہ نیت طلاق یوں کہے خلعتک تو یہ طلاق بائن ہوگی، نہ کہ خلع پس یہ قبولیت عورت کی قید سے خارج ہو گیا، کیوں کہ طلاق عورت کے قبول کرنے پر موقوف نہیں ہے، لفظ خلع کی قید سے طلاق بعوض مال خارج ہوگئی، کیوں کہ طلاق مذکور مسقط زوجیت نہیں ہے اور خلع کے ہم معنی الفاظ سے مبارات اور خلع بلفظ بیع و شراء داخل ہو گیا کیوں کہ خلع کی طرح یہ بھی مسقط زوجیت ہیں۔

مصنف نے خلع کی تعریف ہو الفصل من النکاح سے کی ہے حالاں کہ یہ تعریف طلاق بعوض مال سے ٹوٹ کا جاتی ہے، کیوں کہ اس میں فصل نکاح ہے حالاں کہ یہ خلع نہیں ہے ذیلی نے اس مذکور فی

المعن تعریف کو چھوڑ دیا ہے اور تعریف ان الفاظ میں کی ہے الخلع فی الشرع عبارة عن اخذ المال بازاء ملك النکاح بلفظ الخلع کہ خلع شریعت میں لفظ خلع کے ساتھ ملک نکاح کے مقابلہ میں مال لینے کا نام ہے، لیکن معنف کی تعریف میں اگر باخذ المال بلفظ النکاح کی قید ملحوظ مان لی جائے تو کوئی پریشانی نہ ہوگی۔

والواقع به وبالطلاق علی مال النخ: خلع اور طلاق علی مال (بایں طور کہ شوہر کہے طلقک علی مال) کے ذریعہ طلاق بائن واقع ہوگی، امام شافعی کے قول قدیم میں فسخ ہے طلاق نہیں ہے حتی کہ اگر متعدد بار اس نے عورت سے خلع کیا تو بھی حلالہ کے بغیر نکاح ان دونوں کے درمیان منعقد ہو جائے گا امام احمد بھی اسی کے قائل ہیں، اور امام شافعی کا ایک قول یہ ہے کہ خلع طلاق رجعی ہے اور ان کا قول اصح ہمارے مذہب کی طرح ہے، کیوں کہ نبی..... کا ارشاد ہے الخلع تطليقة بائنة کہ خلع طلاق بائن ہے یہ مسلک حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ سے موقوفاً اور مرفوعاً دونوں طرح مروی ہے دوسرے یہ کہ خلع کنایات میں سے ہے اور وہ طلاق جو کنایات سے واقع ہوتی ہے بائنہ ہوتی ہے اس لیے کہ مال کا ذکر نیت کے ذکر سے بے نیاز کر دیتا ہے، نیز اس لیے بھی کہ عورت شوہر کو اسی شرط پر مال سپرد کرتی ہے کہ وہ جواب میں عورت کو عورت کی ذات اور شخصیت حوالہ کر دے گا اور یہ بینونت کے ذریعہ ہی ہوگا اور اگر شوہر کہے میں نے طلاق مراد نہیں لی تھی تو شوہر کی اس امر میں تصدیق نہیں کی جائے گی، کیوں کہ عوض کا ذکر بتلا رہا ہے کہ اس کی مراد طلاق ہے اور اگر عوض کو شوہر ذکر نہ کرے تو خلع اور مبارات میں اس کی بات مانی جائے گی کیوں کہ یہ از قبیل کنایات ہیں اور لفظ طلاق اور بیع میں نہیں کیوں کہ یہ خلاف ظاہر ہوگا، اسی طرح طلاق علی مال سے بھی طلاق بائن ہوگی، کیوں کہ عورت اپنا مال اپنے نفس کو چھٹکارے کے لیے خرچ کرتی ہے اور اس کی خلاصی بینونت سے ہی ہو سکتی ہے، خلع لفظ بیع اور مبارات سے بھی ہو سکتا ہے۔

ولزمها المال: عمل خلع کے بعد عورت پر مال لازم ہو جائے گا کیوں کہ شوہر اپنی ملک سے بیع کے نکلنے پر محض مال کی وجہ سے راضی ہوا ہے اور خروج بیع کا عوض اور بدلہ لینا جائز ہے، گو یہ مال نہیں ہے جیسا کہ حق قصاص پس مال خلع کے التزام سے لازم ہو جائے گا۔

وكره له اخذ شيء ان نشز النخ: اگر زیادتی شوہر کی ہے تو خلع کے نتیجہ میں عورت سے کچھ بھی کم اور زیادہ لینا مکروہ تحریمی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وان ارثتم استبدال زوج مگان زوج وآتيتهم اخذاهن قنطاراً فلا تاخذوا منه شيئاً کہ بیوی سے دی ہوئی چیز مت واپس لو دوسرے اس لیے بھی کہ شوہر نے فراق کے ذریعہ اس کو وحشت زدہ کر دیا ہے پس مزید برآں مال لے کر اس کے تو حش کو دو چند کرنے

کی شوہر کو اجازت نہ ہوگی۔

اور اگر غلطی عورت کی ہے تو شوہر کے لیے بدلہ خلع لینا مکروہ نہ ہوگا البتہ یہ کہ دیئے ہوئے مہر سے زیادہ لینا بہر حال مکروہ ہے، ثابت ابن قیس بن شماس کی بیوی نے جب حضرت ثابت سے فرقت اور خلع چاہی تو رسول اللہ..... نے ان کی اہلیہ سے دریافت فرمایا اتر دین علیہ حدیقتہ کہ کیا تم ثابت کو ان کا مہر میں دیا ہوا باغ واپس کر دو گی تو انہوں نے عرض کیا نعم و زیادة ہاں مزید برآں بھی دوں گی تو آپ..... نے ارشاد فرمایا اما الزیادة فلا کہ جہاں تک زیادتی کی بات ہے تو نہیں یعنی شوہر کے دیئے ہوئے سے زیادہ نہیں دیا جائے گا۔

اور اگر مہر سے زائد شوہر نے لے ہی لیا یا اسی طرح زیادتی شوہر کی ہی ہے اور اس نے بدلہ خلع لے ہی لیا تو درست ہے البتہ مکروہ تحریمی ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ كَا مُتَقَضًى اس کے جواز کا ہے۔

وما صَلَحَ مَهْرُ الْخ: یعنی ہر وہ مال جو مہر بن سکتا ہے اس کا بدلہ خلع ہونا بھی درست ہے، اس لیے کہ بضع ملک میں دخول کی حالت میں متقوم ہوتا ہے، اور ملک سے خارج ہونے کی حالت میں غیر متقوم ہے، پس وہ چیز جو متقوم کا عوض ہو سکتی ہو وہ غیر متقوم کا بدرجہ اولیٰ عوض ہو سکتی ہے۔

فَإِنْ خَالَعَهَا أَوْ طَلَقَهَا بِخُمْرٍ الْخ: پس اگر شوہر نے خلع کا معاملہ منظور کر لیا یا مسلمان شوہر نے عورت کو خمر یا خنزیر یا مردار کے بدلہ میں طلاق دیدیا تو خلع میں طلاق بائن اور غیر خلع یعنی طلاق میں طلاق رجعی مفت واقع ہوگی، جیسے کہ اگر عورت شوہر سے کہتی کہ میرے ہاتھ میں جو کچھ ہے اس کے بدلے مجھ سے خلع منظور کر لو اور عورت کے ہاتھ میں حقیقتہً کچھ نہیں تھا پس شوہر کے خلع منظور کر لینے پر مفت کی طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔

حاصل یہ ہے کہ اگر شوہر عورت سے ایسی چیز کے بدلہ میں خلع کرے جو مال نہیں ہے یا اسی طرح غیر مال کے بدلہ طلاق دے تو شوہر کے لیے کچھ واجب نہ ہوگا اور عورت خلع کی صورت میں بائنہ اور طلاق کی صورت میں رجعیہ ہو جائے گی اس لیے کہ خلع اور طلاق دونوں معلق بالقبول تھے اور قبول پایا گیا البتہ خلع میں بینونت اور طلاق میں رجعییت اس لیے ہوگی کہ جب خلع میں عوض باطل ہو گیا تو اس کا لفظ باقی بچا اور وہ کناہیہ ہے جس سے بائن واقع ہوا کرتی ہے، اور جب عوض طلاق میں باطل ہوا تو طلاق صریح بچا اور یہ رجعت کا متقاضی ہے۔

اور مفت اس لیے ہوگی کہ شوہر کے لیے مال متقوم بیان اور مقرر نہیں ہوا تھا لہذا عورت اس طرح کے معاملہ میں دھوکہ باز نہیں ہوئی، اسی طرح اگر عورت نے خالغنی علی ما فی یدی شوہر سے کہا تھا حالاں

کہ اس کے ہاتھ میں کچھ نہ تھا پس جب شوہر نے معاملہ منظور کیا تو مفت کی طلاق بائن ہو گیا اور عورت پر کچھ لازم نہ ہوگا، ایسے کہ عورت نے مال مقرر کر کے دھوکہ تو دیا نہیں کیوں کہ کلمہ ماعام ہے جو مال اور غیر مال سب کو شامل ہے ہاں اگر عورت دھوکہ دیتی تو حکم مفت کا نہ ہوتا۔

اور اگر عورت نے صورت مذکورہ میں من مال یا من دراہم کا اضافہ کر دیا یعنی اس نے خالغنی علی ما فی یدی من مال کہا یا خالغنی علی ما یدی من دراہم کہا حالاں کہ اس کا ہاتھ خالی تھی پس شوہر نے خلع منظور کر لیا تو عورت پر لازم ہوگا کہ وہ شوہر کو یا تو مہر واپس کر دے یا کم از کم تین درہم تو دے ہی کیوں کہ اس نے شوہر کو مال کی لالچ دلا کر دھوکہ دیا، لہذا شوہر عورت سے اس کا بدلہ رجوع کرے گا ایسا اس لیے ہے کہ جب عورت نے مال کی صراحت کر دی تو اب شوہر اپنی ملک سے بغیر عوض کے نکلنے پر راضی نہ ہوگا، اب ما وجب کی فقط تین شکلیں ہیں: مال مسمی یا قیمت بضع یعنی مہر مثل یا مہر پس مسمی تو واجب نہیں ہو سکتا کیوں کہ وہ مجہول ہے اور قیمت بضع بھی واجب نہ ہوگی کیوں کہ بضع حالت خروج میں غیر مقوم ہوتا ہے، پس ما قام بہ علی الزوج یعنی مہر مقبوض متعین ہو گیا اور اگر شوہر نے عورت کو مہر ادا ہی نہیں کیا تھا تو شکل مذکور میں عورت کے ذمہ کچھ واجب الاداء نہ ہوگا اسی طرح اگر عورت نے شوہر کو مہر مسمی سے بری کر دیا تھا اور شافی کے نزدیک مہر مثل لازم ہوگا۔

اور خالغنی علی ما فی یدی من دراہم کہنے کی صورت میں تین درہم عورت پر لازم ہوں گے اس نے دراہم جمع ذکر کیا ہے اور اقل تین ہے پس عورت پر تین درہم یقین کے لیے واجب ہوں گے۔ اگر کوئی سوال کرے کہ کلمہ من تبعیض کے لیے بھی ہوتا ہے پس مناسب ہے کہ بعض درہم واجب ہوں اور یہ ایک درہم یا دو درہم ہوتے ہیں ہم کہیں گے کہ کبھی من بیان جنس کے لیے بھی ہوتا ہے پس ہر ایسی جگہ جہاں کلام بالذات پورا ہو جائے البتہ ایک گو نہ ابہام پر مشتمل ہو تو وہ بیان کے لیے جیسے فاجتنبوا الرجس من الاولان ورنہ من تبعیض کے لیے ہوگا، اور عورت کا قول خالغنی علی ما فی یدی کلام تام بنفسہ ہے حتیٰ کہ اس پر اکتفاء کرنا درست ہے ہاں کچھ ابہام ہے اس لیے کہ معلوم نہیں کہ عورت کے ہاتھ میں جو کچھ ہے وہ کس جنس سے ہے پس من کا بیان کے لیے ہونا متعین ہو گیا۔

وان خالغها علی عبد ابق لها الخ: اور اگر شوہر نے عورت سے اس کے بھگوڑے غلام پر خلع اس شرط پر کیا کہ عورت اس کے ضمان سے بری ہے تو وہ بری نہ ہوگی اس لیے کہ یہ عقد معاوضہ ہے جو عوض کے سلامتی کا تقاضا کرتا ہے اور سلامتی سے برأت کی شرط، شرط فاسد ہے، پس شرط موجب عقد کے مخالف ہونے کی وجہ سے باطل ہوگی اور خلع باطل نہ ہوگا، کیوں کہ وہ نکاح کی طرح شرط فاسد سے باطل نہیں ہوا کرتا، پس

جب شرط باطل ہوگئی تو عورت پر عین مسکی واجب ہے، بشرطیکہ وہ اس کے حوالہ کرنے پر قادر ہو ورنہ اس کی قیمت واجب ہوگی، اگر اس کے سپرد کرنے سے بے بس ہے البتہ اگر غلام کے عیب سے برأت کرتی تھی تو یہ برأت صحیح ہے۔

قالت طلقنی ثلاث بالف الخ: عورت نے شوہر سے کہا کہ مجھے تین طلاقیں ایک ہزار کے بدلہ میں دے دو پس شوہر نے اسے ایک طلاق دیا تو شوہر کے لیے ثلث الالف یعنی ہزار کا ایک تہائی ہوگا اور عورت وجوب مال کی وجہ سے ایک طلاق کے ساتھ بائہ ہو جائے گی، ایک تہائی اس لیے لازم ہوگا کہ جب عورت نے تین طلاقیں کا ہزار کے بدلہ میں مطالبہ کیا تو اس نے ہر طلاق کو ایک ثلث کے عوض چاہا اس لیے کہ باء اعراض کی مصاحبت کے لیے ہے اور عوض معوض پر منقسم ہوتا ہے، یہ حکم سابق تب ہے جب اس نے مجلس درخواست میں ہی طلاق دی ہو، پس اگر شوہر عورت کے **طَلَّقْنِي ثَلَاثًا بِأَلْفٍ** کہنے کے بعد مجلس سے کھڑا ہو گیا پھر طلاق دیا تو عورت پر کچھ لازم نہ ہوگا۔

وفی علی وقع رجعی مجانا: اگر عورت نے شوہر سے کہا **طَلَّقْنِي ثَلَاثًا عَلَى الْفِ** پس شوہر نے ایک طلاق دے دیا تو ایک رجعی مفت میں واقع ہوگی یہ رائے امام اعظمؒ کی ہے اس لیے کہ علی امام اعظمؒ کے نزدیک شرط کے لیے ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **عَلَىٰ أَنْ لَا يُشْرِكَ بِاللَّهِ شَيْئًا** اسی طرح وہ شخص جس نے اپنی بیوی سے کہا انت طالق علی ان تدخلی الدار شرط ہے اور طلاق اس کی شرط کے ساتھ تعلیق صحیح ہے اور مشروط اجزاء شرط پر تقسیم نہیں ہوتا اور یہاں زیر بحث مسئلہ میں تین طلاقیں کا واقع کرنا لزوم الف کی شرط ہو کر جائز ہے، اور بدل اجزائے شرط پر تقسیم نہیں ہوتا پس طلاق رجعی بغیر کسی بدل کے واقع ہوگی۔

اور صاحبین کے نزدیک اور یہی امام شافعیؒ کا بھی قول ہے کہ عورت ثلث الف کے ساتھ بائہ ہو جائے گی اس لیے کہ علیٰ مثل باء کے معاوضات میں ہے جیسے **بَعَثَ عَبْدًا بِالْفِ** یا **بَعَثَ عَبْدًا عَلَى الْفِ** اور امام صاحبؒ کا کہنا یہ ہے کہ بیع کی تعلیق بالشرط درست نہیں، پس اسے عوض پر ضرورتاً محمول کیا جائے گا اور طلاق میں تعلیق بالشرط کے صحیح ہونے کی وجہ کوئی ضرورت نہیں ہے، لہذا جب مال واجب نہ ہو تو زوج مبتدی ہوگا پس رجعی واقع ہوگی اور مالکؒ کے نزدیک پورا کا پورا الف لازم ہوگا۔

طلقى نفسك ثلاث بالف: شوہر نے بیوی سے کہا **طَلَّقْ نَفْسَكَ ثَلَاثًا بِالْفِ** کہ اپنے آپ کو ہزار کے عوض تین طلاقیں دے لے یا کہا **طَلَّقْ نَفْسَكَ ثَلَاثًا عَلَى الْفِ** کہ اپنے آپ کو ہزار پر تین طلاق دے لے پس عورت نے ایک طلاق دیا تو کچھ واقع نہ ہوگا اس لیے کہ شوہر اس صورت میں بغیر پورے الف کے حوالہ کئے بیوقوف پر راضی نہیں ہے پس اگر ہم ثلث الف کے بدلے ایک طلاق کے وقوع کا حکم لگاتے ہیں تو

یہ شوہر کو نقصان پہنچانا ہوگا، بخلاف عورت کے قول طلقی ثلاثا بالف کہ جس کے جواب میں شوہر نے ایک طلاق دیا ہو اس لیے کہ جب عورت الف کے بدلہ بیونہ پر راضی ہوگئی تو ثلث الف کے بدلہ بدرجہ اولیٰ بیونہ پر راضی ہوگی۔

انت طالق بالف او علی: شوہر نے بیوی سے کہا انت طالق بالف یا انت طالق علی الف پس عورت نے اسی مجلس میں اس کو قبول کر لیا تو الف عورت کے ذمہ واجب ہو جائے گا اور عورت ہائے ہو جائے گی، اس لیے کہ یہ پہلی صورت میں مبادلہ ہے جو بدل کی سلامتی کا تقاضا کرتا ہے اور دوسری صورت میں تعلیق ہے جو وجود شرط کا تقاضا کرتا ہے بشرطیکہ عورت مجلس میں منظور کر لے اور وہ مکروہ، مریضہ اور سفیہ نہ ہو اور اگر عورت نے قبول نہیں کیا تو نہ طلاق واقع ہوگی اور نہ عورت پر کچھ لازم ہوگا، قبول کرنا دونوں وجہوں میں ضروری ہے اس لیے کہ انت طالق بالف کے معنی ہیں انت طالق بعوض یجب لی علیک اور عوض بغیر قبول کئے واجب نہیں ہوا کرتا، اور بلاشبہ وقوع قبول پر معلق ہوگا اس لیے کہ معلق بالشرط کا نزول وجود شرط سے پہلے نہیں ہوتا، اور طلاق ہائے ہوگی اس لیے کہ عورت مال حوالہ نہیں کرے گی تاوقتیکہ اس کی ذات اس کے حوالہ شوہر نہ کر دے۔

انت طالق وعلیک الف: اگر شوہر نے بیوی سے کہا انت طالق الف یا آقاء نے غلام سے کہا انت حر وعلیک الف تو عورت خلع میں بغیر کسی شی کے مطلقہ اور غلام آزاد ہو جائے گا ابوحنیفہؒ کے نزدیک خواہ دونوں نے الف قبول کیا ہو یا نہ قبول کیا ہو، اور صاحبین کے نزدیک دونوں پر الف بصورت قبول لازم ہوگا، اور اگر قبول نہیں کیا تو طلاق وعتاق بھی واقع نہیں ہوں گے اس لیے کہ یہ کلام معاوضہ کے لیے استعمال ہوتا ہے پس احمِلْ هَذَا الطَّعَامَ وَلَكَ دَرَاهِمٌ كَهَذَا بَمَنْزِلَةِ بَدْرَبِهِمْ کہنا ہوا۔

امام صاحبؒ کا کہنا یہ ہے کہ اصل یہ ہے کہ ہر جملہ مستقل بالذات ہو اور دو جملوں میں باہم اتصال دلالت عارضی کی وجہ سے ہوتا ہے اور علیک الف جملہ تامہ ہے پس یہ اپنے ماقبل انت طالق اور انت حر سے بغیر دلالت حال کے مربوط نہیں ہوگا اور یہاں کوئی دلالت نہیں ہے اس لیے کہ طلاق وعتاق مال سے منفک اور جدا ہوتے ہیں جب کہ بیع اور اجارہ بغیر مال کے پائے ہی نہیں جاسکتے، لیکن فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے اور مالکؒ وشافعیؒ احمدؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔

وصح شرط الخيار لها فی الخلع: خلع میں عورت کے لیے خیار شرط درست ہے شوہر کے لیے نہیں یعنی جب شوہر نے عورت سے کہا انت طالق بالف علی انک بالخيار ثلاثة ايام پس عورت نے قبول کر لیا تو یہ صحیح ہے اور اگر شوہر نے کہا انت طالق بالف علی انی بالخيار ثلاثة ايام تو صحیح نہیں ہے

اسی طرح جب مرد نے عورت سے خلع کیا ہزار کے بدلہ میں اس شرط پر کہ عورت کو اختیار ہوگا پس عورت نے قبول کر لیا پس شرط صحیح ہو جائے گا پس اگر عورت نے مدت کے اندر ہی اختیار رد کر دیا تو خلع باطل ہو جائے گا اور طلاق واقع نہ ہوگی اور اگر عورت نے اختیار کو اختیار کیا تو طلاق واقع ہو جائے گی اور مال لازم ہو جائے گا یہ امام اعظم کا قول ہے اس لیے کہ خلع عورت کی جانب سے معاوضہ ہے اور شوہر کی جانب سے یمین ہے، اور صاحبین فرماتے ہیں کہ مرد کی طرح عورت کے لیے بھی اختیار شرط صحیح نہیں ہے اس لیے کہ یہ عورت کی جانب سے یمین ہے، جیسا کہ مرد کی جانب سے یمین ہے اور طلاق فی الحال واقع ہو جائے گی اور مال عورت کے ذمہ لازم ہو جائے گا، امام مالک، شافعی احمد بھی اسی کے قائل ہیں۔

امام اعظم کا کہنا یہ ہے کہ خلع عورت کی جانب سے بمنزلہ بیع کے ہے حتیٰ کہ عورت قبول زوج سے قبل رجوع کر سکتی ہے لہذا عورت کے لیے شرط اختیار درست ہے اور شوہر کی جانب سے خلع یمین ہے چنانچہ شوہر کے لیے خلع سے رجوع کا حق نہیں ہوتا اور ایمان میں اختیار نہیں ہوتا، اور فرق خلع اور بیع کے درمیان یہ ہے کہ اختیار شرط بیع میں خلاف قیاس ہے کیوں کہ بیع از قبیل تملیکات ہے پس وہ حدود و نص پر منحصر رہے گا اور خلع میں موافق قیاس ہے اس لیے کہ یہ اسقاطات میں سے ہے۔

طلقتک امس الخ: اگر شوہر نے بیوی سے کہا طلقک امس بالف فلم تقبل یعنی میں نے گذشتہ کل تمہیں ہزار کے بدلہ میں طلاق دیا تھا تو تم نے منظور نہیں کیا تھا اور عورت کہتی ہے کہ صاحب میں نے قبول کر لیا تھا تو یمین کے ساتھ شوہر کی بات مانی جائے گی اور طلاق نہ واقع ہوگی اس لیے کہ طلاق بمال شوہر کی جانب سے یمین ہے اور عورت کا قبول کرنا حائث ہونے کی شرط ہے پس اس مسئلہ میں شوہر کا قول قابل اعتبار ہوگا اس لیے کہ وہ وجود شرط کا منکر ہے اور اس لیے بھی کہ اقرار بالیمین اقرار بالشرط نہیں ہوتا ہے کیوں کہ یمین بغیر شرط کے بھی صحیح ہوتی ہے۔

بخلاف البیع: بخلاف بیع کے یعنی اگر کسی سے کہا بعث منک هذا العبد بالف امس پس تم نے قبول نہیں کیا تھا اور مشتری کہہ رہا ہے میں نے قبول کر لیا تھا تو مشتری کا قول معتبر ہوگا اس لیے کہ بیع بغیر قبول کے پوری نہیں ہوتی اقرار بالبیع یہ اقرار بالقبول ہے پس بائع کا قبول کرنے سے انکار کرنا بیع سے رجوع کرنا ہوا پس بائع کا قول قابل سماعت نہ ہوگا۔

ويسقط الخلع والمباراة: مباراة مصدر ہے اس کا معنی ہے ایک کا دوسرے کو بری کرنا اسکی صورت یہ ہے کہ عورت شوہر سے کہے کہ اتنا پیسہ لے لے اور مجھے بری کر دے اور شوہر اس کو منظور کر لے اور کہے کہ میں نے بری کر دیا پس وہ دونوں ایک دوسرے کے حقوق سے بری ہو جائیں گے۔

پس مبارات اور خلع دونوں اس امر میں برابر ہیں کہ دونوں سے وہ تمام حقوق واجبہ ساقط ہو جاتے ہیں جو متعلق بالنکاح ہوتے ہیں یعنی مہر، نان نفقہ، سکنی وغیرہ اور نکاح سے مراد وہ نکاح ہے جس کے بعد خلع یا مبارات ہو۔ پس اگر شوہر نے عورت سے خلع کیا یا عورت سے مبارات کی مال معلوم کے بدلہ میں خواہ وہ مال عین ہو یا دین، کپڑا ہو یا غلام، دراہم ہو یا کچھ اور تو کسی شوہر کے لیے ہوگا، اور فریقین میں سے کسی کو اپنے ساتھی کے خلاف مہر کے بارے میں دعویٰ کا اختیار نہ ہوگا خواہ مہر مقبوض ہو یا غیر مقبوض دخول سے پہلے ہو یا دخول کے بعد، یہ مسلک امام ابو حنیفہؒ کا ہے، امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ خلع اور مبارات دونوں سے صرف وہی حق ساقط ہوگا جس کی زوجین نے صراحت کی ہے لہذا عورت کے لیے شوہر پر مہر واجب الاداء ہوگا اگر اب تک شوہر نے مہر نہیں دیا ہے اور شوہر کو نصف مہر کے رجوع کا حق ہوگا جب وہ مہر پورا دے چکا ہو اور خلع اور مبارات کی نوبت دخول سے پہلے آگئی ہو اور عدت کا نفقہ شوہر سے بغیر صراحۃً بیان کئے ہوئے ساقط نہ ہوگا اور امام مالکؒ و شافعیؒ اور احمدؒ بھی اسی کے قائل ہیں امام ابو یوسفؒ ابر خلع میں امام محمدؒ کے ساتھ ہیں اور امر مبارات میں امام اعظمؒ کے ساتھ یعنی خلع سے زوجین کے صرف وہی حقوق ساقط ہوں گے جن کو دونوں نے صراحۃً بیان کیا ہوگا، اور مبارات سے ہر طرح کے حقوق واجبہ متعلق بالنکاح ساقط ہو جائیں گے امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ خلع اور مبارات عقد معاوضہ ہیں جیسے کہ تمام معاوضات ہیں مثل ابلۃ اور طلاق بمال وغیرہ اور ایسا اس لیے ہے کہ عقد معاوضہ مشروط کے استحقاق میں تاثیر ہوتی ہے اسی وجہ سے خلع اور مبارات کی وجہ سے دونوں سے وہ دین ساقط نہیں ہوتا جو نکاح کے علاوہ کسی دوسرے اور سبب سے ہو اور عدت کا نفقہ ساقط نہیں ہوتا حالاں کہ وہ نکاح سے متعلق ہے اور مہر سے اضعف ہے۔

امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ مبارات جانبین سے علی الاطلاق برأت کا تقاضا کرتا ہے اس لیے کہ وہ باب مفاعلتہ سے ہے جو برأت سے مشتق ہے، اور ہم نے برأت علی الاطلاق کے انتضاء کو حقوق نکاح کے ساتھ دلالت حال کی وجہ سے مقید کر دیا اور وہ یہ ہے کہ معاشرۃ کی وجہ سے جو حقوق دونوں کو لازم ہوتے ہیں وہ دونوں ایک دوسرے کو اس سے بری کر دیں ان حقوق سے نہیں جو معاملہ کی وجہ سے ایک دوسرے پر ایک دوسرے کے لازم ہوں پس زوجین میں سے ہر ایک کو ان حقوق کے بارے میں حق رجوع ہوگا جو معاشرۃ سے قبل ایک کے دوسرے پر واجب ہوئے ہوں۔

امام اعظمؒ کی دلیل یہ ہے کہ خلع بھی مبارات کی طرح علی الاطلاق برأت کا تقاضا کرتا ہے کیوں کہ وہ خلع کے معنی فصل پر دلالت کرتا ہے اور برأت علی الاطلاق تبھی ثابت ہوگا جب زوجین میں سے کسی کا کسی پر کوئی حق دعویٰ نہ رہ جائے ورنہ خلع اور مبارات کے بعد بھی ان میں باہم منازعت پیدا ہوگی۔

وإن خلع صغیرہ بمالها: اگر باپ نے اپنی چھوٹی نابالغ بچی کا اس کے مال کے عوض اس کے شوہر سے خلع کرایا تو یہ مال بچی پر لازم نہ ہوگا اور باپ کے قبول کرنے سے بچی مطلقہ بھی ہو جائے گی اور مہر بھی ساقط نہ ہوگا، اس لیے کہ صغیرہ کے مال پر خلع تبرع کی طرح ہوا پس مال جسے باپ نے متعین کیا تھا وہ عورت پر نافذ نہ ہوگا۔

اور اگر باپ نے خلع کیا ہزار روپیہ پر اس شرط کے ساتھ کہ باپ اس رقم یعنی بدل خلع کا ضامن ہوگا تو صغیرہ مطلقہ ہو جائے گی اور الف باپ پر لازم ہو جائے گا اس لیے کہ بدل خلع کی اجنبی پر شرط لگانا صحیح ہے پس باپ پر بیٹی کے بدل خلع کی شرط لگانا بدرجہ اولیٰ صحیح ہوگا اور وقوع طلاق باپ کے قبول کرنے کی وجہ سے ہے۔

باب الظہار

هُوَ تَشْبِيهِ الْمُنْكَوحَةِ بِمَحْرَمَةٍ عَلَيْهِ عَلَى التَّائِيدِ حَرَمُ الْوَطْئِ وَدَوَاعِيهِ بَانَتِ عَلَى كَظْهِرِ أُمِّي حَتَّى يُكَفِّرَ قَلْوُ وَطْئِ قَبْلَهُ اسْتَغْفَرَ رَبَّهُ فَقَطَّ وَعُودُهُ عَزَمَهُ عَلَى وَطْئِهَا وَبَطْنِهَا وَفَخْلُهَا وَفَرْجُهَا كَظْهِرِهَا وَاخْتَهُ وَعَمَتُهُ وَامَهُ رِضَاعاً كَامِماً وَرَأْسُكَ وَفَرْجُكَ وَوَجْهَكَ وَرَقَبَتِكَ وَنِصْفُكَ وَتِلْكَ كَانَتْ وَإِنْ نَوَى بَانَتِ عَلَى مِثْلِ أُمِّي بَرَأَ أَوْ ظَهَاراً أَوْ طَلَاقاً لَكَمَا نَوَى وَإِلَّا لَفَا وَبَانَتِ عَلَى حَرَامٍ كَأُمِّي ظَهَاراً أَوْ طَلَاقاً لَكَمَا نَوَى وَبَانَتِ عَلَى حَرَامٍ كَظْهِرِ أُمِّي طَلَاقاً أَوْ إِيلَاءً فَظَهَارٌ وَلَا ظَهَارٌ إِلَّا مِنْ زَوْجَتِهِ قَلْوُ نِكَاحِ امْرَأَةٍ بِلَا امْرِئٍ فَظَاهِرٌ مِنْهَا فَاجَازَتُهُ بَطْلَ اتْنِ كَظْهِرِ أُمِّي ظَهَارٌ مِنْهُنَّ وَكَفَرٌ لِكُلِّ.

ترجمہ: ظہار تشبیہ دینا ہے بیوی کو ایسی عورت کے ساتھ جو اس پر حرام ہو ہمیشہ کے لیے، حرام ہو جاتی ہے شوہر پر وطی اور اس کے اسباب (اس قول سے کہ) تو مجھ پر مثل میری ماں کی پشت کے ہے یہاں تک کہ کفارہ دے اگر کفارہ سے قبل وطی کر لی تو صرف استغفار کرے اور عود سے مراد شوہر کا عزم وطی ہے عورت کا پیٹ اور اس کی ران اور اس کی شرمگاہ اس کی پیٹھ کے حکم میں ہے، شوہر کی بہن اس کی پھوپھی اور رضاعی ماں اس کی حقیقی ماں کی طرح ہیں (شوہر کا عورت کو یہ کہنا) کہ تیرا سر، تیری شرمگاہ، تیرا چہرہ، تیری گردن، تیرا نصف تیری تہائی ایسا ہے جیسے کوئی انت کہے، اگر کوئی انت علی مثل امی سے اچھے سلوک یا ظہار یا طلاق کی نیت کرے تو نیت کے مطابق ہوگا ورنہ لغو ہو جائے گا اور انت علی حرام کامی سے ظہار یا طلاق کی نیت کرے تب بھی نیت کے مطابق ہوگا اور انت علی حرام کظہر امی سے طلاق یا ظہار کی نیت کی تو

ظہار ہوگا اور ظہار نہیں ہوتا ہے مگر اپنی بیوی سے پس اگر نکاح کیا کسی عورت سے اس کے حکم کے بغیر پھر اس سے ظہار کیا اور اس کے بعد عورت نے نکاح کو جائز کیا تو ظہار باطل ہوگا تم سب مجھ پر مثل میری ماں کی پشت کے ہو یہ سب ظہار ہے اور ہر ایک کے لیے کفارہ ہے۔

تشریح: باب الخلع اور باب الظہار دونوں میں مناسبت یہ ہے کہ دونوں کا ظہور بطریق نشوز ہوتا ہے خلع میں نشوز عورت کی جانب سے ہوتا ہے اور ظہار میں مرد کی جانب سے، اور خلع کو مقدم کیا اس لیے کہ وہ تحریم میں اکمل ہے نکاح کو ختم کر دیتا ہے اور ظہار میں تحریم ہے لیکن بقائے نکاح کے ساتھ اور ظہار لفظ مقابلۃ الظہر بالظہر کو کہتے ہیں کیوں کہ دو شخص جب ان کے درمیان عداوت ہوتی ہے تو ان میں کا ہر کوئی اپنی پشت دوسرے کی طرف کر لیتا ہے بولا جاتا ہے ظاہر من امر انہ من کے ساتھ متعدی لا کر حالاں کہ ظہار اپنے مفعول کی طرف براہ راست متعدی ہوتا ہے کیوں کہ ظہار معنی تبعید کو متضمن اور شامل ہوتا ہے۔

تشبیہ المنکوحۃ اضافۃ المصدر الی المفعول: کے قبیل سے ہے یعنی شوہر کا اپنی منکوحہ کو تشبیہ دینا یعنی مسلمان عاقل بالغ شوہر کو حکماً سہی لہذا ذمی اور مجنون اور معتوہ اور مدہوش، مغنی علیہ، نائم اور صبی کا ظہار صحیح نہ ہوگا، البتہ سکران کا ظہار صحیح ہے اسی طرح مکروہ اور خطی نیز اخرس یعنی گونگا کا ظہار اشارہ سے جو سمجھا جاسکے صحیح ہے، ظہار کا رکن انت علی کظہر امی یا جو جملہ اس کا قائم مقام ہو، ہے اور اس کا حکم وطی اور اسباب وطی کی کفارہ پائے جانے تک حرمت ہے المنکوحۃ مطلق کہا لہذا یہ کتابیہ، صغیرہ، مجنونہ، موطوہ، غیر موطوہ سب کو عام ہے لہذا ظہار باندی، مدبرہ، مکاتبہ اور اجنبیہ اور مبانہ بواحدۃ اور مبانہ ثلاث سے صحیح نہیں ہے۔

بمحرمۃ علیہ: ظہار کی شرط کا بیان ہے کہ مظاہر بہ عورتوں کی جنس ہو پس اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا انت علی کظہر امی یا ابنی تو ظہار صحیح نہ ہوگا، اس لیے کہ باپ اور بیٹے کی پیٹھ ان اعضاء میں سے نہیں ہے جن کا دیکھنا حرام ہو۔

تابید الحرمة: سے مراد یہ ہے کہ حرمت ایسے وصف کے اعتبار سے ہو جس کا زوال ممکن نہ ہو خواہ وہ حرمت مظاہر نسب یا رضاع یا مصاہرت کی وجہ سے ہو پس تابید کی قید سے سالی اور مطلقۃ ثلاث سے احتراز ہو گیا کیوں یہ گواہ ہیں لیکن ان کی حرمت مؤبدہ نہیں بلکہ موقتہ ہے۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہاں اتفاقاً کی قید بھی مناسب تھی تاکہ مزینہ کی ماں اور اس کی لڑکی سے احتراز ہو جاتا کیوں کہ ان کی حرمت بالاتفاق نہیں ہے لہذا اگر کسی نے ان کے ساتھ بیوی کو تشبیہ دیا تو وہ مظاہر نہ ہوگا۔

خلاصہ یہ ہے کہ ظہار کہتے ہیں مسلمان عاقل بالغ شوہر کا اپنی بیوی کو ایسی خاتون سے تشبیہ دینا جو شوہر پر دوانا حرام ہو پس اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے انت علیٰ کظہر امی کہتا ہے تو اس آدمی پر بیوی سے جماع بوس و کنار سب حرام ہوگا تا آنکہ وہ کفارہ ادا کر دے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے والذین یظاہرون من نسائهم لم یعدون لِمَا قَالُوا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَتَمَاسَا کہ وہ لوگ جو اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں پھر وہ جماع کرنا چاہتے ہیں تو ایک غلام آزاد کرنا ہے جماع کرنے سے پہلے، امام شافعی کا قول جدید اور امام احمدی کی ایک روایت ہے کہ وداعی وطی حرام نہیں ہے کیوں کہ حرمت کا ثبوت آیت مذکور سے ہے اور آیت میں تماس جماع سے کنایہ ہے جواب یہ ہے کہ تماس کے حقیقی معنی ہاتھ سے چھونا ہے اور جب حقیقت کا امکان ہے تو مجاز پر محمول کرنے کی ضرورت نہیں ہاں بلا شہوت بوس و کنار کی اجازت ہے یہ روایت امام محمد کی ہے۔

فلو وهی استغفر ربہ الخ: اگر آدمی نے کفارہ کی ادائیگی سے قبل ہی وطی کر لیا تو وہ اپنے رب سے اس گناہ پر استغفار کرے دوسرا کفارہ اس کی وجہ سے اس پر واجب نہ ہوگا سعید بن جبیر مسئلہ مذکور میں دو کفارہ اور ابراہیم نخعی تین کفاروں کے قائل ہیں، لیکن ان دونوں حضرات کے خلاف یہ روایت حجت ہے ان صحیحہ بن مسلمہ حین وقع امراته وقد ظاهز منها اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ انی ظاہرت من امرائی فوقع علیہا قبل ان اکفر فقال ما حملک علی ذلک یرحمک اللہ فقال رأیت خلخالها فی ضوء القمر فقال فلا تقربہا حتی تفعل ما امرک اللہ وفی روایة استغفر ربک ولا تعد حتی تکفر یعنی حضرت صخرہ بن سلمہ نے اپنی بیوی سے ادائیگی کفارہ سے قبل وطی کر لی حالاں کہ انہوں نے بیوی سے ظہار کر رکھا تھا آنحضرت..... کے پاس حاضر ہوئے اور واقعہ بیان کیا آپ..... نے فرمایا ایسا کیوں کیا کہنے لگے یا رسول اللہ چاند کی روشنی میں بیوی کی پازیب کی چمک دیکھ کر صبر نہ ہو سکا آپ نے فرمایا کفارہ ادا کرنے تک علیحدہ رہو اب دوبارہ ایسا فعل نہ ہو اور استغفار کرو پس اگر استغفار کے سوا کوئی اور چیز لازم ہوتی تو آپ..... اس کا بھی حکم کرتے۔

وعودہ عزمہ الخ: مصنف اس عبارت سے وجوب کفارہ کا سبب بیان کر رہے ہیں، سبب وجوب کفارہ کیا ہے؟ اس میں مختلف اقوال ہیں سبب وجوب مجموعہ ظہار و عود ہے اکثر علماء کی یہی رائے ہے، کیوں کہ آیت میں فاسیہ سے قبل یہی مذکور ہے، نیز کفارہ عقوبت اور عبادت کے درمیان دائر ہے پس اس کے سبب کا ظہر اور اباحت کے درمیان دائر ہونا ضروری ہے سو عقوبت کا تعلق محظور یعنی ظہار کے ساتھ ہے اور عبادت کا تعلق مباح یعنی عزم وطی سے ہے دوسرا قول ہے ظہار سبب ہے اور عود شرط ہے تیسرا قول اس کا برعکس ہے چوتھا قول ان میں سے ہر ایک سبب بھی ہے اور شرط بھی، حاصل یہ ہے کہ آیت ظہار میں عود سے مراد مظاہر منہا کے

ساتھ دلی کا عزم و ارادہ ہے۔

و بطنها و فخلها الخ: مظاہر کی بہن اور چھوٹی اور رضاعی ماں بسبی ماں کی طرح ہے یعنی جس طرح بسبی ماں کے ساتھ تشبیہ دینے سے بیوی حرام ہو جاتی ہے، اسی طرح ان مذکورہ خواتین کے ساتھ تشبیہ دینے سے بیوی حرام ہوگی، اور ادائیگی کفارہ سے پہلے دلی کی اجازت نہ ہوگی۔

ورأسك و فرجك و وجهك الخ: اعضاء جن سے پوری ذات مراد ہوتی ہے اگر عورت کے ان اعضاء کو ماں یا محرمات ابدیہ کے ان اعضاء کے ساتھ تشبیہ دی گئی جن کا دیکھنا درست نہیں ہے تو ظہار ثابت ہو جائے گا، پس رأس اور فرج اور وجہ اور رقبہ وغیرہ ایسے ہی اعضاء میں سے ہیں اور نصف اور ٹٹ جڑ شائع ہیں اس لیے حرمت ان سے پوری ذات کی طرف متعدی ہو جاتی ہے پس حاصل یہ نکلا کہ وہ اعضاء جن سے پوری شخصیت کی تعبیر ہوتی ہے وہ عورت کے حق میں شرط ہیں اور تشبیہ کا ایسے اعضاء کے ساتھ ہونا جن کا دیکھنا درست نہ ہو محرم کی جانب میں شرط ہے، پس مثلاً رأسك علی سکر اس امی ایسے ہی محرم ہے جیسے کہ انت علی کظہر امی سے ظہار ہو جاتا ہے اور حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔

وان نوى بالنّ علی الخ: اگر شوہر نے انت علی مثل امی کہا اور اس سے حسن سلوک یا ظہار یا طلاق کی نیت کی تو معاملہ حسب نیت ہوگا اور اگر کسی چیز کی نیت نہیں کیا تو یہ کلام لغو ہو جائے گا۔

معلوم ہونا چاہئے کہ مصنفؒ یہاں سے ظہار کے کنایات شروع کر رہے ہیں کہ جو نیت پر موقوف ہوتے ہیں پس انت علی مثل امی کنایات ظہار سے ہے اسی طرح و انت علی مثل امی بھی کنایات میں سے ہے۔ مگر ظہار صریح وہ ہے جس میں عضو مشبہ بہ کو ذکر کیا جائے اور صریح میں ادات تشبیہ کا ذکر بھی ضروری ہوتا ہے، اس لیے کہ اگر کلام ادات تشبیہ سے خالی ہو جیسے انت امی انت اختی تو وہ مظاہر نہ ہوگا۔

پس ظہار صریح میں نیت کی ضرورت نہیں ہوتی جیسے طلاق صریح میں احتیاج الی الذیہ نہیں ہوتا اور اگر ظہار الفاظ کنائی سے ہو تو نیت ضروری ہوگی پس انت علی مثل امی میں حسب نیت معاملہ ہوگا یعنی حکم نیت کی طرف رجوع کرے گا تاکہ نیت کے معلوم ہونے سے حکم کا پتہ چل سکے پس اگر اس نے جملہ سابق سے حسن سلوک کو مراد لیا ہے تو مظاہر نہ ہوگا، کیوں کہ تکریم بالتشبیہ کلام میں عام اور رائج ہے اور اگر ظہار کی نیت کی تو ظہار ہوگا کیوں کہ اس میں کل ماں کے ساتھ تشبیہ پائی جاتی ہے، جب کہ جڑ ماں کے ساتھ تشبیہ دینے سے ظہار کا ثبوت ہو جاتا ہے پس یہاں تو بدرجہ اولیٰ ظہار ہوگا البتہ یہ کہ یہ صریح نہیں ہے لہذا حکم نیت پر منحصر ہوگا اور اگر کہا کہ میں نے طلاق کا ارادہ کیا ہے تو طلاق بائن ہوگی اس لیے کہا اس نے زوجہ کو ام کے ساتھ حرمت میں تشبیہ دی ہے، پس گویا کہا انت علی حواء اور طلاق کی نیت کی اور اس کہنے کی صورت میں طلاق بانیہ

ہوتی ہے لہذا انت علی مثل امی میں اگر طلاق کی نیت کی تو طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔
 اور اگر بالکل کسی طرح کی نیت نہیں کی تو کلام لغو ہو جائے گا، کیوں کہ یہ مجمل ہے تشبیہ کے حق میں جب
 تک مراد مخصوص واضح اور بیان نہ کیا جائے اس پر کسی نوع کا حکم نہیں لگایا جاسکتا، اور امام محمدؒ کے نزدیک ظہار
 ہوگا اس لیے کہ شکلم نے بیوی کو جمیع ام کے ساتھ تشبیہ دی ہے پس تشبیہ میں ماں کا حضونی الجملہ داخل ہو جائے گا
 کہ جس کا دیکھنا درست نہیں اور امام ابو یوسفؒ کی بھی یہی رائے ہے جب یہ کہنا حالت غضب میں ہو اور ان کی
 دوسری روایت یہ ہے کہ یہ ایلاء ہوگا اس لیے کہ شوہر پر ام نص کی وجہ سے حرام ہے پس ایلاء پر محمول کیا جائے گا
 اس لیے کہ حرام نص کی وجہ سے یقین ہے اور امام صاحبؒ کا کہنا یہ ہے کہ حسن سلوک اور کرامت پر محمول کرنا
 ممکن ہے لہذا اسے ظہار قرار دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

وبانت علی کامی الخ: اگر شوہر نے بیوی سے انت علی حرام کامی کہا اور ظہار یا طلاق
 کی نیت کی تو حکم حسب نیت ہوگا، اس لیے کہ انت علی حرام کنایات میں سے ہے پس یہ نیت طلاق
 کرنے پر طلاق ہو جائے گی اور لفظ کامی اس حرمت کی تاکید کے لیے ہو جائے گا لہذا یہ اس لفظ کی وجہ
 سے طلاق ہونے سے خارج نہیں ہوگا اور اگر اس قول سے ظہار کی نیت کی تو ظہار ہوگا اس لیے کہ شوہر نے
 بیوی کو حرمت میں ماں سے تشبیہ دی ہے اور اگر ماں کی پشت کے ساتھ تشبیہ دیتا تو یہ ظہار ہوتا پس جمیع ام کے
 ساتھ تشبیہ کی صورت میں بدرجہ اولیٰ ظہار ہوگا، اور حسن سلوک و کرامت کا احتمال منفی ہے کیوں کہ اس مسئلہ
 میں حرمت کی تصریح ہے اور اگر شوہر نے انت علی حرام کامی سے کسی قسم کی کوئی نیت نہیں کی تو
 ظہار ہوگا اس لیے کہ لفظ اس کا احتمال رکھتا ہے پس اس لفظ سے ادنیٰ محتمل تو ثابت ہی ہو جائے گا اور
 امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ایلاء ہوگا۔

وبانت علی کظہر امی الخ: اگر شوہر نے بیوی سے کہا انت علی حرام کظہر امی اور
 طلاق یا ایلاء کی نیت کی تو طلاق اور ایلاء نہ ہو کر وہ ظہار ہی ہوگا یہ رائے امام اعظمؒ کی ہے، اس لیے کہ یہ لفظ
 ظہار میں صریح ہے، کیوں کہ انت علی حرام کظہر امی معنی میں ہے انت علی کظہر امی کے
 پس لفظ حرام ظہار کی تفسیر ہوگا لہذا اس میں نیت عمل نہیں کرے گی، اس لیے کہ کوئی بھی چیز اپنی تفسیر کی وجہ
 سے نہیں بدلا کرتی۔

صاحبینؒ کہتے ہیں کہ اگر شوہر نے اس لفظ سے ظہار کی نیت کی ہے یا کسی طرح کی کوئی نیت کی تو یہ ظہار
 ہوگا اور اگر اس نے طلاق کی نیت کی تو طلاق ہوگا اور اگر ایلاء کی نیت کیا تو ایلاء ہوگا اس لیے کہ ان تین باتوں
 میں سے ہر ایک اس کے کلام کا محتمل ہے اس لیے کہ تحریم، ظہار، طلاق، ایلاء سبھی معنوں کا احتمال رکھتی ہے۔

ولا ظہار الا من زوجہ الخ: ظہار فقط اپنی بیوی سے ہوگا خواہ بیوی آزاد ہو یا کسی کی باندی مسلمہ ہو یا کتابیہ پس اگر آقا نے اپنی باندی سے ظہار کیا تو وہ مظاہر نہ ہوگا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے واللہین یظاہرون من نسائہم اور لفظ نساء فقط منکوحات کو شامل ہوتا ہے، کیوں کہ لفظ نساء آیت میں ازدواج کی طرف مضاف ہے لہذا یہ لفظ ما یعنی باندیوں کو جو غیر منکوحہ ہوں کو شامل نہیں ہو سکتا۔

دوسرے اس لیے کہ حلت باندی میں متصور نہیں ہے باندی میں تو خدمت طلبی متصور ہے حتیٰ کہ ملک یحییٰ ان لوگوں میں بھی ثابت ہوتی ہے جن سے وطی درست نہیں ہوتی، پس باندی مقصود بالتحريم نہیں ہوگی کیوں کہ حلت باندی میں ملک یحییٰ کے تابع ہوتی ہے، مقصود نہیں ہوتی جبکہ منکوحہ میں اصل حلت ہے پس الحاق ممتنع ہو گیا، مالک کا اختلاف ہے کہ ان کے نزدیک باندی سے بھی ظہار ہوتا ہے، اور نص امام مالک کے خلاف حجت ہے، دوسرے اس لیے بھی کہ ظہار جاہلیت میں طلاق سمجھا جاتا تھا، پس شریعت نے اس کا حکم تحریم موقت بالکفارہ کی طرف منتقل کر دیا اور باندی محل طلاق نہیں ہے پس وہ محل ظہار بھی نہ ہوگی۔

فلو نکح امرأة الخ: لہذا اگر کسی شخص نے کسی خاتون سے اس کی اجازت کے بغیر ایک طرفہ نکاح کر لیا پھر اس خاتون سے ظہار بھی کر لیا اب محل ظہار کے بعد عورت نکاح کی منظوری دیتی ہے تو ظہار باطل ہوگا، کیوں کہ وہ آدمی اس وقت ماں کے ساتھ اس عورت کو حرمت کے اندر تشبیہ دینے میں حق بجانب ہے، کیوں کہ عدم نکاح کی وجہ سے وہ عورت اس پر حرام ہی ہے پس اس آدمی پر جزا واجب نہ ہوگی کیوں کہ آدمی تشبیہ میں مہموم نہیں ہے۔

الئن علی کظہر امی الخ: اگر کسی شخص کی متعدد بیویاں ہوں اور وہ یوں کہے الئن علی کظہر امی تو سب عورتوں سے ظہار ہو جائیگا اور شوہر کو سب عورتوں کی جانب سے کفارہ دینا پڑے گا، کیوں کہ رکن ظہار یعنی تشبیہ سب عورتوں کے حق میں پائی گئی اس لیے کہ ظہار کی نسبت اس نے سب عورتوں کی طرف کی ہے۔

فصل وهو تحریر رقبة ولم یجز الاعمی ومقطوع البدین او ابہا میہما او الرجلین والمجنون والمدر و أم الولد والمکاتب الذی اذی شیئا فان لم یؤد شیئا او اشتری قرینہ ناولیا بالشراۃ او حرر نصف عبده عن کفارتہ ثم حرر باقیہ عنہا صح وان حرر نصف عبد مشترک وضمن باقیہ عنہا او حرر نصف عبده ثم وطی الی ظاہر منها ثم حرر باقیہ لا فان یجد ما یعتق صام شهرین متتابعین لیس فیہما رمضان وایام منہیۃ فان وطیہا فیہما لیلاً او یوماً ناسیاً او افطر استأنف الصوم ولم یجز للعبد الا الصوم وان اطعم او اعتق عنه سیئدہ فان لم یستطع الصوم اطعم ستین

فَقِيرًا كَالْفَطْرَةِ أَوْ قِيمَتِهِ فَلَوْ أَمَرَ غَيْرَهُ أَنْ يُطْعِمَ عَنْهُ مِنْ ظَهَارِهِ ففَعَلَ صَحٌّ وَتَصَحُّ
الْإِبَاحَةُ فِي الْكَفَارَاتِ وَالْفَدْيَةِ دُونَ الصَّدَقَاتِ وَالْعَشْرِ وَالشَّرْطُ غَدَاءُ أَوْ
عِشَاءُ أَوْ مُشْبَعَانِ أَوْ غَدَاءٌ أَوْ عِشَاءٌ وَإِنْ أُعْطِيَ فَقِيرًا شَهْرَيْنِ صَحٌّ وَلَوْ فِي يَوْمٍ لَا
إِلَّا عَنْ يَوْمِهِ وَلَا يَسْتَأْنِفُ بَوَاطِنَهَا فِي خِلَالِ الْإِطْعَامِ وَلَوْ أُطْعِمَ عَنْ ظَهَارَيْنِ سِتِّينَ فَقِيرًا
لِكُلِّ فَقِيرٍ صَاعًا صَحٌّ عَنْ وَاحِدٍ وَعَنْ الْفَطْرِ وَظَهَارٍ أَوْ حَرَّرَ عَبْدَيْنِ عَنْ ظَهَارَيْنِ وَلَمْ
يُعَيِّنْ صَحٌّ عَنْهُمَا وَمِثْلُهُ الصِّيَامُ وَالْإِطْعَامُ وَإِنْ حَرَّرَ عَنْهُمَا رَقَبَةً أَوْ صَامَ شَهْرَيْنِ صَحٌّ
عَنْ وَاحِدٍ وَعَنْ ظَهَارٍ وَقَتْلُ لَا.

ترجمہ: وہ یعنی کفارہ ظہار آزاد کرنا ہے ایک غلام کو اور نہیں جائز ہے دونوں ہاتھوں یا دونوں
انگوٹھے یا دونوں پاؤں کٹا ہوا اور دیوانہ اور مدبر اور ام ولد اور وہ مکاتب جس نے کچھ ادا کر دیا ہو پس اگر کچھ ادا
نہ کیا ہو یا اپنے کسی قریبی رشتہ دار کو بہ نیت کفارہ خریدایا اپنا نصف غلام کفارہ کی طرف سے آزاد کیا پھر نصف باقی
کو بھی کفارہ کی طرف سے آزاد کر دیا تو صحیح ہے اور اگر مشترک غلام کے نصف کو آزاد کیا اور باقی کا ضامن ہو گیا
یا اپنا نصف غلام آزاد کیا پھر وطی کر لی اس عورت سے جس سے ظہار کیا تھا پھر باقی کو آزاد کیا تو صحیح نہیں پس اگر
نہ پائے ایسا غلام جس کو آزاد کرے تو دو ماہ پے بہ پے روزے رکھے جن میں رمضان اور ایام منہیہ نہ ہوں اگر
ان دو ماہ میں رات کو یا دن کو بھول کر وطی کر لی یا روزہ افطار کر لیا تو از سر نو روزہ رکھے، اور نہیں جائز ہے غلام
کے لیے مگر روزہ اگر چہ کھلا دے یا آزاد کرے اس کی طرف سے اس کا آقا، پس اگر وہ روزہ نہ رکھ سکتا ہو تو
ساتھ مسکینوں کو کھلائے فطرہ کی طرح یا اسکی قیمت دے۔ اگر کسی دوسرے کو اپنے کفارہ کی طرف سے کھلانے کا
حکم کیا اور اس نے کھلا دیا تب بھی کافی ہے اور صحیح ہے اباحت کفارات اور فدیہ میں نہ کہ صدقات اور عشر میں
اور شرط یہ ہے کہ ہر فقیر کو پیٹ بھر کر دو صبح یا دو شام یا ایک صبح اور ایک شام کھانا کھلائے اور اگر دیتا رہا ایک ہی
فقیر کو دو ماہ تک تو صحیح ہے مگر ایک دن میں پوری مقدار دینا صحیح نہیں مگر اس دن کی طرف سے اور از سر نو نہ کھلائے
گا کھانے کے درمیان وطی کرنے سے اگر کھلایا دو ظہاروں کی طرف سے ساتھ فقیروں میں سے ہر ایک کو ایک
صاع تو ایک ظہار کی طرف سے ہوگا اور اگر کفارہ افطار اور کفارہ ظہار کی طرف سے کھلایا یا دو غلام دو ظہاروں
کی طرف سے آزاد کئے اور معین نہیں کیا تو دونوں کی طرف سے ہو جائے گا یہی حکم روزہ رکھنے اور کھانا کھلانے
کا ہے۔ اور اگر دونوں کی طرف سے ایک غلام آزاد کیا یا دو ماہ کے روزے رکھے تو ایک کفارہ ادا ہوگا اور اگر
کفارہ ظہار اور کفارہ قتل کی طرف سے ہو تو صحیح نہ ہوگا۔

تشریح: کفارہ لغت میں کفر اللہ عنہ الذنب سے مشتق ہے معنی ہیں مٹانا اور مراد یہاں

کفارہ دینا ہے، کفارہ مظاہر پر اس لیے واجب ہوتا ہے کہ اس نے گناہ اور جھوٹ کا ارتکاب کیا، کیوں کہ اس نے اعلیٰ درجہ کی اور آخری درجہ کی حلال چیز کو اعلیٰ درجہ کی محترم اور آخری درجہ کی حرام کے ساتھ تشبیہ دی پس اسے کفارہ کے ذریعہ سزا دینا موزوں ہوا کفارہ کی آیت ظہار والذین یظاہرون من نساءہم کی تصریح کے بموجب ترتیب یہ ہے کہ کفارہ ظہار غلام آزاد کرنا ہے اور اگر غلام پر قدرت نہ ہو تو ساٹھ روزے لگانا رکھنا ہے اور اگر اس کی بھی تاب و طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔

تحریر رقبہ یعنی غلام آزاد کرنا عام ہے خواہ مسلمان ہو یا کافر، چھوٹا ہو یا بڑا، مذکر ہو یا مؤنث امام شافعی کے نزدیک کافر کا کفارہ ظہار میں آزاد کرنا درست نہیں ہے جیسا کہ قتلِ خطاء کے کفارہ میں کافر کو آزاد کرنا درست نہیں ہے، چنانچہ ارشاد باری ہے ومن قتل مؤمناً خطاءً افتحروا رقبۃ مؤمنۃ امام مالکؒ اور امام احمد بھی اسی کے قائل ہیں، دوسرے اس لیے بھی کہ کفارہ اللہ کا حق ہے پس اس کو اللہ کے دشمن پر صرف کرنا جائز نہیں، ہماری دلیل یہ ہے کہ آیت ظہار میں لفظ رقبۃ مطلق ہے جس کا مصداق وہ ذات ہے جو ہر اعتبار سے مملوک ہو اور یہ چیز رقبہ کافرہ میں موجود ہے، پس ایمان کی قید لگانا زیادتی علی الکتاب ہے جو جائز نہیں، اور اللہ کا دشمن ہونا اس پر احسان کرنے سے مانع نہیں ہے، خود ارشاد باری تعالیٰ ہے لا ینہاکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم ینخرجوکم من دیارکم ان تبرؤہم۔

ولم یجز الا عمیو مقطوع الیدین الخ: ایسا غلام آزاد کرنا جس کی جنس منفعت فوت ہو گئی ہو اس کا آزاد کرنا صحیح نہیں ہے، جیسے نابینا جس کو بالکل دکھائی نہ پڑتا ہو اسی طرح مقطوع الید کو اس لیے کہ صلاحیت قطع ید کی وجہ سے ختم ہو گئی اسی طرح وہ غلام جس کا پیر کٹا ہوا ہو کیوں کہ اب وہ چل نہیں سکتا، اور اگر ایسا غلام ہو کہ جس کی کچھ منفعت متاثر ہو تو اس کا آزاد کرنا کفارہ ظہار ہو سکتا ہے، جیسے کہ وہ غلام جس کا ایک ہاتھ اور ایک پیر مخالف جانب سے کٹا ہوا ہو پس اگر ایک ہی جانب کا ہاتھ اور پیر کٹا ہوا ہے تو وہ چلنے سے معذور ہو گیا ڈس بیلنس ہونے کی وجہ سے، تو اسے کفارہ میں نہیں آزاد کیا جاسکتا ہے، اور اگر کوئی ایسا بہرا ہے کہ کان میں چلانے سے وہ سن لیتا ہے یا ایک انگوٹھا کٹا ہوا ہے یا پیر کے دونوں انگوٹھے کٹے ہوئے ہیں یہ وہ آختہ ہے یا محبوب ہے (یعنی عضو تناسل اور خصیتین کٹے ہوئے ہیں) یا دونوں کان کٹے ہوئے ہیں تو ان کو کفارہ ظہار میں آزاد کیا جاسکتا ہے، اور امام زفرؒ کہتے ہیں کہ درست نہیں ہے کیوں کہ یہ سب من وجہ ہلاک کے سے ہیں منفعت جمال اور ایلا کے فوت ہونے کی وجہ سے، احناف کا کہنا یہ ہے کہ یہ منفعت، منفعت زائدہ ہے پس اس کے فوت ہونے کی وجہ سے ذات ہالک کے حکم میں نہیں ہوں گے، جیسے کہ ذات، لحمیہ کے فوت ہونے کی وجہ سے فوت نہیں سمجھی جاتی، اور گونگا کو کفارہ میں دینا نیز جائز نہیں، کیوں کہ جنس منفعت اس میں فوت ہے۔

وہ مجنون جو کچھ نہ سمجھتا ہو اس کو کفارہ میں آزاد کرنا درست نہیں اس لیے کہ انقطاع بالجوارح عقل سے ہوتی ہے پس مجنون لا یعقل جلس منفعت سے محروم ہوا پس اس کی تحریر درست نہیں ہے، البتہ اگر جنون سے افاقہ ہو جاتا ہے تو کفارہ میں آزادی دینا روا ہوگا۔

مدبر اور ام ولد کو بھی کفارہ میں آزاد کرنا درست نہیں ہے کیوں کہ یہ دونوں دوسری جہت سے مستحق حریت ہو چکے ہیں پس ان میں رقیۃ ناقص ہوئی اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد فتحریر رقبۃ کمال کا تقاضا کرتا ہے، اور من کل الوجہ آزاد کرنے کا متقاضی ہے۔

اور اس مکاتب کا کہ جو بدل کتابت ادا کر چکا ہو تو اس کا کفارہ میں آزاد کرنا درست نہیں ہے، کیوں کہ اس مکاتب کا اعتاق بدل کے ساتھ ہے اور امام ابو حنیفہؒ کی ایک روایت کے بموجب درست ہے کیوں کہ من کل الوجہ اسمیں رقیۃ موجود ہے، کیوں کہ بدل فسخ ہونے کو قبول کرتا ہے یعنی بدل کتابت کو فسخ کیا جاسکتا ہے جب کہ ام ولد اور مدبر ہونا انفساخ کو قبول نہیں کرتے، پس اگر مکاتب نے بدل کتابت ادا نہیں کیا تھا یا مظاہر نے اپنے کسی قریبی رشتہ دار غلام کو کفارہ میں آزاد کرنے کی نیت سے خریدا یا مظاہر نے اپنے غلام کا نصف آزاد کیا پھر باقی حصہ نصف کو بھی آزاد کر دیا تو صحیح ہے، کیوں کہ اس نے غلام کو مکمل آزاد کر دیا گو دو غلاموں میں ایسا کیا پس مقصود حاصل ہو گیا۔

وہ مکاتب جس نے بدل کتابت ادا نہیں کیا تو اس کا کفارہ ظہار میں آزاد کرنا درست ہے امام شافعیؒ کے نزدیک درست نہیں ہے یہی رائے امام زفرؒ کی بھی ہے اس لیے کہ وہ مکاتب جہت کتابت سے حریت کا مستحق ہو چکا ہے لہذا وہ ام ولد اور مدبر کے مشابہ ہو گیا۔

ہمارا کہنا یہ ہے کہ رقیۃ من کل الوجہ قائم ہے اور واجب تحریر رقبہ ہے اور تحریر رقبہ کہتے ہیں فخص مرقوق کے آزاد کرنے کو اور یہ بات مکاتب میں پائی گئی، نیز کتابت کی وجہ سے ذات مکاتب کی رقیۃ میں کوئی نقصان بھی نہیں پیدا ہوا۔

مسئلہ ثانیہ میں اگر قریبی رشتہ دار اور غلام کو کفارہ کی نیت سے خریدا تو امام صاحبؒ کے نزدیک درست ہے اور شافعیؒ کے نزدیک درست نہیں ہے امام زفرؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ بھی اسی کے قائل ہیں، اسی طرح کا اختلاف کفارہ یمین میں بھی ہے، یعنی کفارہ یمین میں قریبی کو کفارہ یمین کی نیت سے خریدا تو امام اعظمؒ کے نزدیک درست ہے جب کہ دوسرے حضرات مذکورین کے نزدیک صحیح نہیں ہے، کیوں کہ سبب عتق قرابت ہے پس شرائع تحریر مطلق نہیں ہوئی اور ایسا اس لیے ہے کہ شرائع ملک کو ثابت کرنا ہے اور اعتاق اس کا ازالہ ہے لہذا دونوں تضاد کی وجہ سے جمع نہیں ہو سکتے۔

امام اعظمؒ کا کہنا یہ ہے کہ شراء القریب آزاد کرنا ہے کیوں کہ نبی..... کا ارشاد ہے لن یجزی والد والدہ إلا ان یجده مملوکاً فیستبریہ فیعتقه کہ بیٹا باپ کا کبھی بھی حق ادا نہیں کر سکتا مگر یہ کہ وہ باپ کو کسی کا مملوک پائے پس باپ کو خرید کر آزاد کر دے پس اس روایت میں فاء برائے تعقیب ہے لہذا باپ کا آزاد ہونا سبب شراء کے ہوگا، عربوں کا مقولہ ہے سقاء فارواہ اس نے پلایا تو اس کو سیراب کر دیا، یعنی فاء برائے تعقیب ہے کہ سیرابی پلانے سے ہوئی ہے، پس حدیث مذکور میں نبی..... نے نفس شراء کو اعتاق قرار دیا اور کوئی دوسری شرط نہ لگائی، حاصل یہ ہے کہ ہمارے نزدیک علت حق شراء ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک قرابت ہے۔

تیسرے مسئلہ میں یہ بات ملحوظ ہے کہ نصف آزاد کرنے کے بعد نصف آخر کے آزاد کرنے سے پہلے مظاہر نے بیوی سے جماع نہ کیا ہو ورنہ اگر نصف اول کے آزاد کرنے کے بعد بیوی سے جماع کر لیا پھر دوسرا والا نصف آزاد کیا تو کفارہ نہ سمجھا جائے گا البتہ صاحبین کے نزدیک مطلقاً اسی طرح آزاد کرنا کفارہ کے لیے کافی ہو جائے گا۔

وان حرد نصف عبد مشترك الخ: اگر مظاہر نے کفارہ میں ایسے غلام کا نصف آزاد کیا جو اس کے اور دوسرے کے درمیان مشترک ہے اور خود مالدار ہے اب اس شخص نے اپنے پانچ کے حصہ کی ضمانت لے لی یعنی قیمت دینے کا وعدہ کر لیا اور دوسرا نصف بھی کفارہ میں آزاد کر دیا تو یہ امام اعظمؒ کے نزدیک کفارہ صحیح نہ ہوگا اور صاحبین کے نزدیک درست ہے، کیوں کہ اعتاق میں تجزی نہیں ہوتی لہذا غلام کے کسی جز کے آزاد ہونے سے اس کا سراپا آزاد ہو جائے گا کیوں کہ آزاد کرنے والا ضمانت لے لینے کی وجہ سے اپنے شریک کے حصہ کا بھی مالک ہو گیا، یہ تب ہے جب معتق مالدار ہو اور ضمانت شریک کو دے دی ہو تو یہ حق بغیر عوض ہوگا اور کفارہ سے کفایت کرے گا اور اگر معتق تنگ دست ہو تو غلام سعا یہ کرے گا یعنی دوسرے شریک کے حصہ کی قیمت کما کر اس کو ادا کرے گا یہ حق بعوض ہوگا پس کفارہ ادا نہ ہوگا۔

امام صاحبؒ کا کہنا یہ ہے کہ نصف آخر میں نقصان پیدا ہو گیا کیوں کہ امام کے نزدیک عتق میں تجزی ہو سکتی ہے لہذا اس غلام میں رقیق کا طلب دوام معتذر ہو گیا اور یہ نقصان شریک کی ملک میں حاصل ہوا کیوں کہ اب وہ شریک اس کو فروخت نہیں کر سکتا پس رقبہ کاملہ کا اعتاق نہ پایا گیا، لہذا یہ کفارہ سے کافی نہ ہوگا یعنی کفارہ ادا نہ ہوگا۔

او حرد نصف عبده ثم وطی التي ظاهر منها الخ: اور اگر مظاہر نے اپنا آدھا غلام آزاد کیا پھر اس عورت سے کہ جس سے ظہار کیا تھا وطی کر لی جماع کے بعد دوسرا نصف بھی آزاد کر دیا تو اس طرح

آزادی عہد سے کفارہ ادا نہ ہوگا، صاحبینؒ کے نزدیک کفارہ ادا ہو جائے گا، امام کے نزدیک کفارہ اس لیے ادا نہ ہوگا کہ حقیق میں تجزی ہوتی ہے اور حکم جماع سے پہلے کفارہ کا ہے پس جماع سے پہلے کفارہ نہیں پایا گیا کیوں کہ غلام مکمل آزاد جماع کے بعد ہوا ہے، اور صاحبینؒ کہتے ہیں کہ چوں کہ حقیق میں تجزی نہیں ہوتی ہے لہذا نصف اول کے آزاد ہونے کے ساتھ ہی پورا غلام آزاد ہو جائے گا پس غلام کا آزاد ہونا جماع سے قبل متحقق ہو گیا۔

فإن لم یجد ما یعتقد صام شہرین الخ: اگر مظاہر غلام کے آزاد کرنے پر قادر ہو تب تو اس پر غلام ہی آزاد کرے گا اور اگر غلام کے آزاد کرنے پر قدرت نہیں باس طور کہ اس کے ملک میں کوئی غلام نہ ہو یا وقت ادا کفارہ غلام کے ثمن پر قدرت نہیں تو لگاتار دو ماہ روزے رکھے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فمن لم یجد فصیام شہرین متابعین اور روزوں کا لگاتار ہونا منصوص ہے، بشرطیکہ دو مہینے کے روزوں میں رمضان کا مہینہ اور ایام منہیہ یعنی یوم الفطر اور یوم الاضحیٰ اور ایام تشریق نہ ہوں رمضان کا مہینہ تو اس لیے نہ ہو کہ رمضان کے ماہ میں کوئی بھی روزہ رمضان کا ہی ہوگا ورنہ بصورت دیگر اللہ تعالیٰ کے واجب کردہ عمل کا ابطال لازم آتا ہے، اور ایام عیدین اور ایام تشریق سے خالی ہونا اس لیے شرط ہے کہ ان ایام میں روزہ شرعاً منع ہے پس یہ واجب کامل کے قائم مقام نہیں ہو سکتا، جب کہ وجوب کامل ہوا ہے۔

فإن وطیها الخ: اگر مظاہر نے روزوں کے درمیان رات میں یا دن میں بھول کر یا جان بوجھ کر مظاہر منہا سے وطی کر لی یا کسی عذر، مرض یا سفر کی وجہ سے افطار کر لیا تو طرفین کے نزدیک از سر نو روزہ رکھنے پڑیں گے، کیوں کہ ترتیب منصوص فوت ہو گئی، اور قبل الکفارہ وطی سے کفارہ کی تقدیم فوت ہو گئی، امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر رات میں وطی کی ہے تو استیناف یعنی از سر نو روزہ رکھنے کی ضرورت نہیں ہے کیوں کہ رات میں وطی کرنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا پس روزوں کی ترتیب علی حالہ باقی رہی نیز روزوں کا وطی سے پہلے ہونا ضروری ہے اگر استیناف ضروری قرار دیا جائے تو کل روزوں کا مؤخر ہونا لازم آتا ہے اور عدم استیناف کی صورت میں بعض روزوں کی تاخیر لازم آتی ہے، اس لیے عدم استیناف بہتر ہوگا۔

طرفین یہ فرماتے ہیں کہ جس طرح روزوں کا وطی سے پہلے ہونا نصاً شرط ہے اسی طرح انکا وطی سے خالی ہونا بھی شرط ہے اب اگر شرط تقدیم فوت ہو گئی تو کم از کم شرط ثانی کی تعمیل ہونا چاہئے، امام مالکؒ اور احمدؒ کے نزدیک اگر افطار عذر کی وجہ سے ہو تو استیناف کی ضرورت نہیں۔

ولم یجز للعبد الا الصوم الخ: اگر غلام نے اپنی بیوی سے ظہار کیا تو غلام کفارہ ظہار فقط روزہ سے ہی ادا کر سکتا ہے، کیوں کہ اس کے پاس مال نہیں ہے جب کہ تکفیر بالمال، مال کے بغیر نہیں ہوتی، حتیٰ کہ اگر اس کے آقا نے اس کی جانب سے مسکینوں کو کھانا کھلا دیا یا غلام کی جانب سے کسی رقبہ کو آزاد کر دیا تو بھی

درست نہ ہوگا اور غلام کے کفارہ سے کافی نہ ہوگا، کیوں کہ غلام اہل ملک سے نہیں ہے لہذا وہ مال کے ذریعہ کفارہ ادا کرنے کا اہل نہیں ہوتا۔

آقا کو حق نہیں ہے کہ وہ غلام کو تکفیر بالصوم سے روک دے کیوں کہ اس کے ساتھ عورت کا حق متعلق ہے، بخلاف دیگر کفارات جیسے کفارۃ افطار و کفارۃ قتل اور یمین کہ ان سے آقا منع کر سکتا ہے۔

اگر کوئی حرجس نے دو ماہ روزہ رکھا پس آخری دن غروب شمس سے پہلے غلام آزاد کرنے پر قادر ہو گیا تو آزاد کرنا واجب ہو جائے گا اور روزہ نفل ہو جائے گا اور بہتر ہوگا کہ اس دن کا روزہ پورا کر لے اور اگر افطار کر لیا تو اس کی قضاء اس پر نہ ہوگی، امام زفرؒ کے نزدیک جس کے پاس ایک بھی خادم ہو تو اس کے لیے کفارہ میں روزہ درست نہیں اور امام شافعیؒ کے نزدیک درست ہے۔

فان لم يستطع الصوم اطعم ستين فقير الخ: اگر مظاہر روزہ کی تاب و طاقت نہیں رکھتا تو ساٹھ مسکین کو کھانا کھلا دے، صدقہ فطر کی بقدر یا نصف صاع غلہ کی قیمت دے دے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فمن لم يستطع فاطعام ستين مسکینا اور قدر واجب نصف صاع گیہوں یا ایک صاع کھجور یا جو ہے، قال علیہ الصلوٰۃ والسلام لاوس فلیطعم ستین مسکینا وسقا من تمر رواہ احمد و ابو داؤد نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سے کہا کہ ساٹھ مسکینوں کو ایک وسق کھجور کھلاؤ، وعن ابن عمر قال اطعم صاعاً من تمر او شعیر او نصف صاع من بُز. ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک صاع کھجور یا جو یا آدھا صاع گیہوں کھلاؤ۔

قیمت کی ادائیگی کی گنجائش اس لیے ہے کہ قیمت قدر واجب گیہوں یا کھجور کی قائم مقام ہوتی ہے جیسا کہ کتاب الزکوٰۃ میں تفصیل گزر چکی ہے، امام شافعیؒ اور مالکؒ و احمدؒ کے نزدیک کفارہ طعام کی قیمت کی صورت میں اداء نہیں ہو سکتا۔

فلو امره غیره ان يطعم عنه الخ: اگر مظاہر نے نیلۂ دوسرے کو اپنی جانب سے کفارۃ ظہار کے طور پر مسکینوں کو کھانا کھلا دینے کے لیے کہا پس اس نے حکم کی تعمیل کر دی تو یہ کفارہ صحیح ہوگا، کیوں کہ اس نے غیر سے معنی تملیک کو طلب کیا اور فقیر نے اولاً اس کے لیے قبضہ کیا پھر اپنے لیے پس امر کے حق میں اس مال کا مالک ہونا پھر فقراء کو مالک بنانا متحقق ہو گیا، اور ما مور امر پر رجوع نہیں کر سکتا، ظاہر الروایۃ کے مطابق کیوں کہ یہاں احتمال ہے کہ ما مور نے امر کو ہدیہ کر دیا ہو اور قرض کا بھی احتمال ہے پس ما مور اس شک کی وجہ سے رجوع نہیں کرے گا اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک رجوع کر سکتا ہے گوہبہ کا احتمال بھی ہے، اس لیے کہ قرض میں دونوں کے مقابلہ کم از کم ضرر ہے پس اسی پر محمول کیا جائے گا۔

اچھا نیا بت اطعام کے ساتھ مقید ہے اس لیے کہ اگر مظاہر نے غیر سے کہا اعتق عبدک عن ظہاری پس اس نے غلام اس کی جانب سے آزاد کر دیا تو طرفین کے نزدیک کفارہ ساقط نہ ہوگا البتہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک کفارہ ساقط ہو جائیگا اور اگر غیر نے بغیر مظاہر کے امر کے اپنا غلام کفارہ ظہار میں آزاد کیا ہے تو بالاتفاق کفارہ کے طور پر غلام کا آزاد کرنا صحیح نہ ہوگا کیوں کہ یہ حق عبد آزاد کرنے والے کی جانب سے ہوئی نہ کہ مظاہر کی جانب سے۔ عدم سقوط کفارہ کی وجہ جب کہ حق مظاہر کے حکم سے ہو یہ ہے کہ تملیک بغیر بدل ہبہ پر دلالت کرتا ہے اور ہدیہ بغیر قبضہ کے درست نہیں ہوتا اور یہاں اعتاق میں قبضہ معدوم ہے، جب کہ اطعام میں موجود ہے، لہذا اگر غیر نے نیا بت مظاہر کے کہنے پر کھانا کفارہ ظہار کے طور پر کھلایا تو وہ درست ہے۔

وتصح الاباحۃ فی الکفارات الخ: اباحۃ کفارات اور فدیہ (جیسے حج میں جنایات کی جزاؤں میں اور شیخ فانی کے روزہ کا فدیہ) میں درست ہے صدقات واجبہ اور عشر میں نہیں صحیح ہے بلکہ تملیک ضروری ہے۔ اس مسئلہ میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جس کی مشروعیت لفظ اطعام یا لفظ طعام کے ساتھ ہو اس میں اباحت جائز ہے جیسے کفارہ ظہار، کفارہ یمین، کفارہ افطار، کفارہ صید اور فدیہ اور جس کی مشروعیت لفظ اداء کے ساتھ ہو اس میں تملیک شرط ہے اباحت کافی نہیں جیسے زکوٰۃ، عشر، صدقۃ الفطر۔

پس کفارات میں منصوص اطعام ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد کفارہ ظہار کے بارے میں فمن لم يستطع فاطعام ستین مسکیناً اور فدیہ کے بارے میں ارشاد خدوندی و علی الذین یطیقونہ فدبۃ طعام مسکین جب کہ صدقات اور عشر میں منصوص ایتاء ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد زکوٰۃ کی نسبت ہے ائو الزکوٰۃ اور عشر کی نسبت رسول اللہ..... کا ارشاد ہے وادوا العشر۔

امام شافعیؒ کے نزدیک کفارات اور فدیہ میں بھی اباحت درست نہیں ہے، بلکہ تملیک ضروری ہے اس لیے کہ تملیک ضرورت کو زیادہ پوری کرتا ہے، اور اطعام عرفاً تملیک کے لیے ہی ذکر کیا جاتا ہے بولا جاتا ہے اَطْعَمْتُكَ هَذَا الطَّعَامُ یعنی ملکتک لہذا اطعام کو تملیک پر محمول کیا جائے گا، ہمارا کہنا یہ ہے کہ کفارات اور فدیہ میں منصوص اطعام ہے اور یہ قدرت دینے میں حقیقت ہے اس لیے کہ اطعام نام ہے غیر کو طاعم کرنا اور یہ مقصد اباحت سے حاصل ہوتا ہے اور رہی بات اطعام سے تملیک کا ثبوت تو وہ دلالت النص سے ہے اور عمل بدلالة النص عمل بالحقیقہ سے مانع نہیں ہوتا، اباحت میں فقیر کھانا کھا سکتا ہے اس کو بیچ یا کسی دوسرے کو دے نہیں سکتا، جب کہ تملیک میں وہ آزادانہ ہر طرح کا تصرف کر سکتا ہے۔

والشرط غذا ان او عشاء ان الخ: کفارہ اطعام میں دو صبح یا دو شام شکم سیر ہو کر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھانا شرط ہے یا ایک صبح و شام غرضیکہ دو وقت آسودہ ہو کر کھانا ضروری ہے اس لیے کہ اعتبار ایک دن کی

فقیر کی ضرورت پوری کرنا ہے اور مقصد دو وقت کھانا کھلانے سے حاصل ہو جاتا ہے، پس اگر کسی نے ساٹھ مسکینوں کو صبح شکم سیر ہو کر کھلایا اور شام دوسرے ساٹھ جو پہلے ساٹھ کے علاوہ ہیں کو کھلایا تو کفارہ ادا نہ ہوگا جب تک ان دو ساٹھوں میں سے کسی ایک ساٹھ کو دوبارہ صبح و شام کھانا نہیں کھلا دیتا، اسی طرح اگر یہ ساٹھ کھانے والے مسکین آسودہ تھے پھر ان کو بلا کر کھلایا یا دودھ چھوڑے ہوئے بچے ہیں تو بھی کفارہ ادا نہ ہوگا کیوں کہ آسودہ ہونا متحقق نہ ہوگا۔

وان اعطی فقیر اشھز الخ: ہر روز نئے فقیر کو کھانا کھلانا ضروری نہیں اگر ایک ہی فقیر کو دو ماہ تک کھلاتا رہا تب بھی کفارہ ادا ہو جائے گا، امام شافعیؒ کے یہاں متفرق ساٹھ مسکینوں کو کھلانا ضروری ہے، کیوں کہ آیت میں ”ستین مسکینا“ کی تصریح ہے ہمارا کہنا یہ ہے کہ اطعام کا مقصد محتاج کی حاجت کو رفع کرنا ہے اور حاجت میں ہر روز تجدد ہے یعنی ہر روز آدمی کھانے کا محتاج ہے پس ہر دن ایک ہی فقیر کو کھانا کھلانا ایسا ہے جیسے ہر روز ایک نئے فقیر کو کھلانا، ہاں اگر ایک فقیر کو ایک ہی دن میں تیس صاع غلہ دے دیا تو جائز نہ ہوگا، بلکہ صرف ایک ہی دن کا کفارہ ادا ہوگا کیوں کہ یہاں نہ حقیقتہً تجدد ہے نہ حکماً۔

ولا یستناف بو طیھا: اگر مظاہر دوران اطعام بیوی سے ہم بستر ہو گیا، مثلاً ایک ہفتہ کسی فقیر کو کھانا کھلایا تھا کہ بیوی سے ہم بستر ہو گیا تو از سرے نو پھر سے کھانا کھلانا نہیں شروع کرے گا، بلکہ حسب سابق اطعام کا سلسلہ ساٹھ یوم تک جاری رہے گا، اور جماعت سے قبل کے یوم اطعام میں شمار ہوں گے کیوں کہ نص مطلق ہے اطعام کو عدم جماعت کے ساتھ مشروط نہیں کیا ہے پس یہ اپنے اطلاق پر جاری رہے گا اعتناق اور صوم پر (جو کہ عدم جماعت کے ساتھ مقید ہیں) پر قیاس نہیں کریں گے۔

ولو اطعم عن ظہارین ستین فقیر الخ: اگر مظاہر نے دو ظہاروں کی جانب سے (خواہ دونوں ظہار ایک ہی عورت سے ہوئے ہوں یا دو عورتوں سے) ساٹھ محتاجوں کو کھانا کھلایا یعنی کچا غلہ فی محتاج ایک صاع نصف صاع کی جگہ دے دیا تو یہ ایک ہی ظہار کی جانب سے کافی ہو سکے گا کیوں کہ اس نے جو مقدار میں زیادتی کی ہے لیکن عدد میں کمی کر دی جب کہ عدد میں کمی درست نہیں ہے، پس اسے ۱۲۰ مسکینوں کو کھلانا تھا اور اس نے فقط ساٹھ پر اکتفا کیا۔

نیز اتحاد جنس کی صورت میں نیت کا اعتبار نہیں ہوتا اس لحاظ سے دو کفاروں کی نیت کرنا لغو ہوگا اور مطلق ظہار کی نیت باقی رہی اور اس نے جو مقدار اداء کی ہے وہ ایک ظہار کا کفارہ بن سکتی ہے لہذا ایک کفارہ ادا ہو جائے گا یہ سوال کہ اس نے ہر ایک کو نصف صاع کے بجائے ایک صاع دیا ہے سو اس کا اعتبار نہیں کیوں کہ نصف صاع کی جو مقدار مقرر کی گئی ہے وہ اس لیے نہیں کہ نصف صاع سے زائد جائز نہیں بلکہ اس لیے ہے کہ

نصف صاع سے کم نہیں ہونا چاہئے یہ تفصیل شیخین کے مسلک پر ہے۔

امام محمدؒ کے نزدیک دونوں ظہاروں کی طرف سے کافی ہو جائے گا، اس لیے کہ جو کچھ مظاہر نے ادا کیا ہے اس میں دونوں کفاروں کی وفاء ہے کیوں کہ اس پر واجب نصف صاع تھا جب کہ اس نے ہر فقیر کو ایک صاع گےہوں دیا ہے اور فقیر، ان دونوں نصف صاعوں کا مصرف ہے، پس ایسے ہو گیا جیسے اس نے ساٹھ فقیروں کو آدھا آدھا صاع دو مرتبہ دیا ہو یا یہ کہ ایسا ہوگا جیسے جنس کفارہ بدل گیا ہو تو صحیح ہوتا اور شیخین کا کہنا یہ ہے کہ مظاہر نے قدر واجب میں اضافہ کیا اور محل میں کمی کر دی پس یہ بقدر محل درست ہوگا لہذا ایک ہی ظہار کا کفارہ ہوگا۔

وعن افطار و ظہار: صورت مذکورہ میں اگر ایک صاع گندم کی ادائیگی ایک کفارہ ظہار اور ایک کفارہ افطار کی طرف سے ہو تو یہ ساٹھ لوگوں کو ایک صاع دینا دونوں کفاروں کی طرف سے کافی ہو جائے گا بالاتفاق کیوں کہ جنس کفارہ مختلف ہو گئے، پس دو کفاروں کی نیت لغو نہ ہوگی۔

او حرد عیدین عن ظہارین الخ: اگر مظاہر نے دو ظہاروں کی طرف سے دو غلام آزاد کئے اور یہ متعین نہیں کیا کہ فلاں غلام فلاں ظہار پہلے یا بعد والے کی طرف سے ہے اسی طرح چار ماہ روزے دو ظہاروں کی طرف سے رکھایا ایک سو بیس مسکینوں کو کھانا کھلایا لیکن تعین نہیں کیا کہ فلاں دو ماہ یا فلاں ساٹھ مسکینوں کا اطعام اول ظہار کا کفارہ ہے یا ثانی کا تو بھی دونوں ظہاروں کا کفارہ ادا ہو جائے گا کیوں کہ اتحاد جنس کی وجہ سے نیت کی تعین ضروری نہیں۔

وان حرد عنها رقبة او صام شہرین الخ: اور اگر مظاہر نے دو ظہاروں کے کفارہ میں ایک غلام صرف آزاد کیا یا فقط دو ماہ روزے رکھے تو فقط ایک ظہار سے کفارہ ادا ہو جائے گا اب مظاہر کو اختیار ہے کہ ان دونوں ظہاروں میں سے جس کا چاہے کفارہ قرار دے دے۔

امام مالکؒ اور زفرؒ مارتے ہیں کہ کسی ظہار کا کفارہ نہ ہوگا، کیوں کہ یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے آدھا آدھا غلام ہر ظہار کا کفارہ قرار دیا اسی طرح ایک ایک ماہ کا روزہ دونوں ظہاروں کا کفارہ بنایا پس کسی ایک کفارہ کا نصاب مکمل نہ ہوا، لہذا اب مظاہر کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ اس عتق یا صوم کو کسی ایک ظہار کا کفارہ قرار دیدے، کیوں کہ معاملہ اس کے ہاتھ سے نکل چکا ہے۔

اور ہمارا کہنا یہ ہے کہ جنس متحد میں تعین نیت غیر مفید ہے پس نیت لغو ہوگی لہذا وہ کسی ایک ظہار کا کفارہ جس کو مظاہر چاہے ہو سکتا ہے، کیوں کہ جب تعین نیت لغو ہوگئی تو مطلق نیت باقی رہی پس مظاہر کو حق خیار ہوگا۔

وعن ظہار و قتل لا یجوز: اور اگر ایک غلام کا آزاد کرنا دو ماہ کا روزہ ایک کفارہ ظہار ایک کفارہ قتل کی جانب سے ہو تو کسی کا بھی کفارہ نہ ہوگا امام شافعیؒ کے نزدیک اس صورت اور سابقہ صورت دونوں میں

مظاہر کو حق ہوگا کہ کسی ایک کا کفارہ قرار دیدے، کیوں کہ تمام کفارات ان کے نزدیک جنس واحد کے حکم میں ہوتے ہیں، کیوں کہ مقصود سب کا ایک ہے اور وہ ہے ستر اور امام زکر کے نزدیک کسی صورت میں ظہار اور قتل میں سے کسی کا کفارہ نہ ہوگا، کیوں کہ اس نے ہر کفارہ کی طرف سے نصف غلام آزاد کیا پس یہ لغو عمل ہوا اس کے بعد کسی ایک کا کفارہ قرار دینے کی اس کو اجازت اور حق نہیں ہے۔

اور ہمارا کہنا یہ ہے کہ تعین نیت متحد الجنس میں تو لغو ہے اور مختلف الجنس میں مفید ہے، پس اس شکل ثانی میں دوسری والی بات ہے پس گویا نصف عبد کفارہ اور نصف باقی کفارہ قتل خطاء ہوا اور ظاہری بات ہے کہ نصف رقبہ کی تحریر کفارہ کی ادائیگی میں ناکافی اور لغو ہے۔

باب اللعان

ہی شہادات مؤکدات بالایمان مَقْرُونَةٌ بِاللَعْنِ قَائِمَةٌ مَقَامَ حَدِ الْقَذْفِ فِي حَقِّهِ وَمَقَامَ حَدِّ الزَّوْنِ فِي حَقِّهَا فَلَوْ قَذَفَ زَوْجَتَهُ بِالزَّوْنِ وَصَلَحَا شَاهِدَيْنِ مِمَّنْ يُحَدُّ قَاضِيهَا أَوْ نَفَى نَسَبَ الْوَلَدِ وَطَالَبَتْهُ بِمَوْجِبِ الْقَذْفِ وَجَبَ اللَّعَانُ فَإِنْ أَبَى حُبْسَ حَتَّى يُلَاعِنَ أَوْ يَكْذِبَ نَفْسَهُ فَيُحَدُّ فَإِنْ لَا عَنْ أَوْ جَبَ عَلَيْهَا اللَّعَانُ فَإِنْ أَبَتْ حُبْسَتْ حَتَّى تُلَاعِنَ أَوْ تُصَدِّقَهُ فَإِنْ لَمْ يَصْلَحْ شَاهِدًا حُدَّ وَإِنْ صَلَحَ وَهِيَ مِمَّنْ لَا يُحَدُّ قَاضِيهَا فَلَا حَدَّ عَلَيْهِ وَلَا لِعَانَ وَصِفَتُهُ مَا نَطَقَ بِهِ النَّصُّ فَإِنْ اِلْتَعَنَا بَالَتْ بِتَفْرِيقِ الْحَاكِمِ وَإِنْ قَذَفَ بَوْلًا نَفَى نَسَبَهُ وَالْحَقُّ بِأَمِّهِ وَإِنْ اكْذَبَ نَفْسَهُ حُدَّوْا لَهُ إِنْ يَنْكِحُهَا وَكَذَا إِنْ قَذَفَ غَيْرَهَا فُحِدَّ أَوْ زَنَتْ فَحُدَّتْ وَلَا لِعَانَ بِقَذْفِ الْآخَرِ وَنَفَى الْحَمْلِ وَتَلَاعَنَّا بِزَنَيْتٍ وَهَذَا الْحَمْلُ مِنْهُ وَلَمْ يَنْفِ الْحَمْلَ وَلَوْ نَفَى الْوَلَدَ عِنْدَ التَّهْنِئَةِ أَوْ ابْتِیَاحِ الْإِلَهِ الْوِلَادَةَ صَحَّ وَبَعْدَهُ لَا وَلَا عَنْ فِيهِمَا وَإِنْ نَفَى أَوَّلَ التَّوَامِينِ وَأَقْرَبَ الثَّانِي حُدَّوْا وَإِنْ عَكَسَ لَا عَنْ وَبَلَّتْ نَسَبُهُمَا فِيهِمَا.

ترجمہ: لعان چند گواہیاں ہیں جو مؤکد ہوتی ہیں قسموں کے ساتھ مشتمل ہوتی ہیں، لعنت پر

لعان مرد کے حق میں حد قذف کے قائم مقام ہوتا ہے، اور عورت کے حق میں حد زنا کے، پس اگر اپنی بیوی کو زنا کی تہمت لگائی اور مرد و عورت گواہی کے لائق ہوں اور عورت ان لوگوں میں سے ہو جس کے تہمت لگانے والے کو سزا ملتی ہو یا بچہ کے نسب کی نفی کردی اور عورت تہمت کی سزا کا مطالبہ کرے تو لعان واجب ہوگا، پس اگر شوہر انکار کرے تو اس کو قید کر دیا جائے گا یہاں تک کہ لعان کرے یا اپنی تکذیب کرے پس اس کو سزا دی

جائے گی، پس اگر مرد لعان کرے تو لعان عورت پر بھی واجب ہے، پس اگر عورت انکار کرتی ہے تو قید کر دی جائے گی یہاں تک کہ لعان کرے یا شوہر کی تصدیق کرے، اور اگر شوہر گواہی کے لائق نہ ہو تو اس کو سزا دی جائے گی اور اگر شوہر تو لائق شہادت ہے لیکن عورت ان میں سے نہ ہو کہ جس کے تہمت لگانے والے کو سزا دی جاتی ہے تو اس پر نہ حد ہے اور نہ لعان اور لعان کا طریقہ وہ ہے جو قرآن میں بیان ہوا ہے پس اگر وہ دونوں لعان کر چکیں تو عورت حاکم کی تفریق سے بایں ہو جائے گی اور اگر بچہ کے ذریعہ تہمت لگائی تو حاکم اس کا نسب ختم کر دے اور بچہ کو ماں کے ساتھ لگا دے اور اگر شوہر نے اپنی تکذیب کر دی تو شوہر کو سزا دی جائے گی اور شوہر اس عورت سے نکاح کر سکتا ہے، اسی طرح اگر بیوی کے علاوہ کسی اور کو تہمت لگائے تو اس کو سزا ہوگی، یا عورت زنا کرے تو اس کو سزا ہوگی اور لعان نہیں ہے گو نگے کے تہمت لگانے اور حمل کی نفی سے اور میاں بیوی دونوں لعان کریں گے شوہر کے عورت سے) زَنیت کہنے کی وجہ سے اور (یہ کہ) یہ حمل زنا سے ہے اور قاضی حمل کی نفی نہیں کریگا اور اگر شوہر نے بچے کی نفی (پیدائش پر) مبارکبادی کے وقت اور سامانِ ولادت کی خریداری کی وقت کی توضیح ہے اور اس کے بعد نہیں اور شوہر ان دونوں صورتوں میں لعان کرے گا اور اگر شوہر نے جڑوں میں سے پہلے کی نفی کر دی اور دوسرے بچہ کا اقرار کیا تو حد لگائی جائے گی اور اگر اس کے الٹا کیا تو شوہر لعان کرے گا اور دونوں بچوں کا نسب دونوں صورتوں میں ثابت ہو جائے گا۔

تشریح: لعان لفظ مفاعلة کا مصدر ہے، بمعنی پھٹکارنا اور رحمت خداوندی سے دور کرنا، اصطلاح میں لعان چار شہادتوں کا نام ہے جو قسموں کے ساتھ مؤکد ہوں امام مالک وشافعی کے یہاں چار قسموں کا نام ہے جو شہادتوں کے ساتھ مؤکد ہوں پس ان کے یہاں اہل لعان وہی ہوگا جو اہل یمنین ہے اور ہمارے یہاں اہل لعان وہ ہوگا جو اہل شہادت بھی ہو اور اہل یمنین بھی ہو یعنی آزاد مسلمان، عاقل بالغ پس غلام، کافر، صبی، مجنون اہل لعان نہیں امام شافعی کا استدلال اللہ تعالیٰ کے ارشاد فِشْهَادَةِ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَہَادَاتٍ بِاللّٰہِ سے ہے کہ اس آیت میں ”لفظ باللہ“ یمنین کے اندر محکم ہے اور لفظ شہادت محتمل یمنین سے ہے پس محتمل کو محکم پر محمول کیا جائے گا، ہماری دلیل حضور..... کا ارشاد ہے کہ اہل کفر اور اہل اسلام اور غلام اور اس کی عورت کے درمیان لعان نہیں ہے، اس میں آنحضرت..... نے شرائطِ الہیت شہادت کی تصریح فرمائی ہے اور یہی اس آیت سے بھی مفہوم ہوتا ہے وَالَّذِينَ يَرْمُونَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَمْ شَہَدَاءَ اِلَّا اَنْفُسُهُمْ پس اس آیت پاک میں شہداء سے انفسہم کا استثناء ہے معلوم ہوا کہ زوج شاہد ہے پھر ”فِشْهَادَةِ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَہَادَاتٍ بِاللّٰہِ“ میں اور تصریح کی گئی ہے، معلوم ہوا کہ رکن لعان شہادت ہے جو مؤکد بالیمنین ہو اب یہ شہادت زوج کی جانب سے مقرون بہ لعنت اور اس کے حق میں بد قذف کے قائم

مقام ہوگی اور زوجہ کجانب سے مقرون بالغضب اور اس کے حق میں حد زنا کے قائم مقام ہوگی، لعان کا حکم سلاعن کے بعد حرمیت ہے۔ فَلَوْ قَذَفَ زَوْجَتَهُ بِالزَّوْنَاءِ پس اگر شوہر نے اپنی اس بیوی بڑ جو زندہ ہے اور نکاح میں باقی ہے، کو زنا کی تہمت لگائی اور میاں بیوی دونوں میں شہادت کی اہلیت یعنی دونوں آزاد عاقل بالغ مسلمان ہیں اور عورت ان لوگوں میں سے ہے جس پر تہمت لگانے والے کو حد زنا لگائی جاتی ہے یعنی وہ فعل زنا اور تہمت زنا سے پاک ہے یا شوہر نے بچہ کے اپنا ہونے سے منع کر دیا اور کہہ رہا ہے کہ یہ بچہ جو اس عورت سے میری زوجیت میں ہوا میرے نطفہ سے نہیں ہے بلکہ غیر کے نطفہ سے ہے اور عورت اس وجہ سے حد قذف کا مطالبہ کرے تو لعان واجب ہوگا۔

آگے بڑھنے سے پہلے جو قیدی ہیں ان کا فائدہ معلوم کرتے چلیں پس شوہر کی جانب سے عورت کو زنا کی تہمت لگے پس اگر زنا کے علاوہ کسی اور چیز کی تہمت لگائی تو لعان واجب نہ ہوگا، اس لیے کہ لعان حد کے قائم مقام ہوتا ہے پس لعان اسی چیز سے واجب ہوگا جس سے کہ حد واجب اور ضروری ہوتی ہے اور لعان کا موجب اصلی حد ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ کہ جو لوگ پاک دامن عورتوں کو تہمت لگائیں اور پھر چار گواہ نہ پیش کر سکیں تو ان کو کوڑے لگائے جائیں گے، نیز حضرت ابن مسعود سے روایت ہے اِنَّهُ قَالَ كُنَّا جُلُوسًا فِي الْمَسْجِدِ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ اِذْ دَخَلَ اَنْصَارِي فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ اَرَأَيْتُمُ الرَّجُلَ يَجِدُ مَعَ زَوْجَتِهِ رَجُلًا فَاِنْ قَتَلَ قَتَلْتُمُوهُ وَاِنْ تَكَلَّمْتَ جَلَدْتُمُوهُ وَاِنْ سَكَتَ سَكَتَ عَلَيَّ غِيْظٌ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ افْتَحْ فَنَزَلَتْ آيَةُ اللَّعَانِ کہ ہم لوگ بروز جمعہ مسجد بنوی میں بیٹھے تھے کہ ایک انصاری در اقدس..... میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ..... آپ بتائے کہ وہ شخص جو اپنے اہل خانہ کے ساتھ غیروں کو دیکھتا ہے اگر شوہر اس کو مار ڈالے تو آپ لوگ اس کو قتل کر دیں گے اور اگر کچھ کہتا ہے تو (تہمت قرار دے کر) کوڑے لگائیں گے اور اگر خاموش رہتا ہے تو گھٹ گھٹ کر جینا ہوگا پھر اس نے کہا اے اللہ تو ہی فیصلہ فرما پس یہ آیت لعان نازل ہوئی، معلوم ہوا کہ اس کا موجب اصلی حد ہے، اسی طرح ایک دوسری روایت ہے قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لَهْلَالٍ حِينَ قَذَفَ امْرَأَتَهُ اَنْتَ بَارِبَعَةٍ يَشْهَدُونَ عَلَى صَدَقٍ مَقَالَتِكَ وَاِلَّا فَحَدْ عَلَى ظَهْرِكَ فَقَالَتِ الصَّحَابَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ الْاَن يُحْدِثَ هَلَالٌ بَنِ اَمِيَةٍ فَتَبْطُلُ شَهَادَتُهُ فِي الْمُسْلِمِينَ یعنی رسول اللہ..... نے حضرت ہلال سے فرمایا جس وقت کہ انہوں نے اپنی بیوی کو تہمت لگائی کی چار گواہ لاؤ ورنہ تمہاری پیٹھ پر کوڑے برسائے جائیں گے تو صحابہ کہنے لگے کہ ہلال کو کوڑے لگیں گے اور ان کی شہادت غیر مقبول قرار دے دی جائے گی پس اس حدیث سے یہ امر ثابت ہوا کہ اس کا موجب اصل حد تھا پھر زوجات کے حق میں لعان

کی وجہ سے ساقط ہو گیا، اور شوہر پر باقی رہا اور شافعی کا کہنا یہ ہے کہ لعان کا موجب حد ہی ہے لیکن لعان سے اس کو حد ساقط کرنے پر قدرت ہوتی ہے۔

اور دونوں اہل شہادت سے ہوں یعنی وہ دونوں مسلمان پر گواہی دینے کے اہل ہوں، پس لعان میں شہادت رکن کا درجہ رکھتا ہے، اور اداء شہادت کی اہلیت شرط ہے، لہذا اگر میاں بیوی صبیہ ہوں یا غلام اور باندی ہوں یا دونوں محدود فی القذف ہوں یا دونوں کافر ہوں یا کوئی ایک کافر ہو تو ان میں لعان نہ ہوگا البتہ قاسق اور اس کی بیوی میں لعان ہو سکتا ہے کیوں کہ قاسق اداء شہادت کا اہل ہوتا ہے البتہ تہمت فسق کی وجہ سے اکثر جگہوں پر اس کی شہادت مقبول نہیں ہوتی پس شرط لعان متحقق ہے اسی طرح اندھا اور اس کی بیوی کے درمیان نیز لعان ہو سکتا ہے گو بیوی بھی اندھی ہو کیوں کہ اندھا اہل شہادت میں سے ہے اگرچہ اس کی گواہی تمام معاملات میں مقبول نہیں ہوتی، کیوں کہ وہ مشہود اور مشہود علیہ میں فرق پر قادر نہیں ہوتا، لیکن وہ اپنے اور بیوی کے درمیان امتیاز کرنے پر قادر ہوتا ہے۔

عورت عقیفہ پاکدامن ہو اس پر زنا کی تہمت نہ لگی ہو اس لیے کہ لعان شوہر کے حق میں حد قذف کے قائم مقام ہوتا ہے پس عورت کا عقیفہ ہونا ضروری ہے اور اس وصف عفت کے ساتھ عورت کے تخصیص ذکر کی وجہ یہ ہے کہ حد قذف تبھی واجب ہوتا ہے جب مقذف یعنی جس پر تہمت لگائی گئی ہے عقیف ہو اور لعان کا بھی یہی حکم ہے کیوں کہ وہ حد قذف کے قائم مقام ہوتا ہے، لہذا جب عورت عقیفہ نہ ہوگی تو اس کو مطالبہ لعان کا حق نہ ہوگا شرط مطالبہ لعان کے فوت ہونے کی وجہ سے پس لعان مقصود نہ ہوگا اور یہ بات شوہر کے حق میں نہیں پائی جاتی پس اسی لیے صفت عفت کے ساتھ عورت کے اختصاص کو بیان کیا۔

نقی نسب عام ہے خواہ وہ بچہ جس کے نسب کی نفی شوہر نے کی ہے اس کے نطفہ سے ہو یا مثلاً شوہر سابق کے نطفہ سے ہو اور شوہر سابق کے نطفہ سے ہونے کو شوہر موجود نے مطعون کیا دونوں صورتوں میں شوہر قاذف یعنی تہمت زنا لگانے والا ہوگا، جیسا کہ کوئی دوسرا شخص عورت کے بچہ کے ثابت النسب ہونے پر سوالیہ نشان لگائے تو وہ متہم ہوتا۔

اور قذف کے بعد برائے لعان مطالبہ لعان عورت کی جانب سے ضروری ہے اس لیے کہ یہ اس کا حق ہے، لہذا عورت کا مطالبہ کرنا ضروری ہوگا پس اگر تمام شرائط موجود ہوں تو لعان واجب ہوگا، کیوں کہ یہ حق عورت کے لیے ثابت ہو چکا، لہذا اس کا قائم کرنا ضروری ہے، پس اگر شوہر لعان سے انکار کرتا ہے تو قاضی اس کو اس وقت تک کے لیے قید کر دے گا تا آنکہ شوہر لعان کے لیے تیار ہو جائے یا اپنی تکذیب کرے تو اس پر حد قذف جاری ہو، کیوں کہ لعان سے انکار کرنا درحقیقت اس حق کے ایفاء سے انکار ہے جس کا استحقاق اس پر

ہو چکا ہے اور قاضی اس کے وصول کرنے پر قادر ہے، لہذا قید کر دے گا، امام شافعی فرماتے ہیں کہ شوہر جب لعان سے انکار کر دے تو اب اس پر حد قذف جاری ہوگی قید نہیں کیا جائے گا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **لَا جُنْدُ لَهُمْ** کہ ان پر حد جاری کرو، دوسرے اس لیے بھی کہ لعان کے ذریعہ اپنے اوپر تخفیف کے لیے وہ قذف کو دفع کر سکتا تھا جب نہیں دفع کیا تو حد جاری ہوگی ہمارا کہنا یہ ہے کہ آدمی کا عورت کو تہمت لگانا شرائط لعان کے اجتماع کے وقت حد کو واجب نہیں کرتا اور جو آیت اوپر ذکر کی گئی وہ آیت لعان کی وجہ سے منسوخ ہے۔

فان لاعن: پس اگر شوہر لعان کے لیے تیار ہو گیا تو عورت پر ضروری ہوگا کہ وہ بھی لعان کرے پس اگر عورت لعان سے انکار کرے تو عورت کو قید کر دیا جائے گا، تا آنکہ عورت لعان کے لیے تیار ہو جائے یا شوہر کی تصدیق کرے پس اگر عورت شوہر کی تصدیق ایک مرتبہ کر دیتی ہے تو اس تصدیق کی وجہ سے عورت پر حد زنا جاری نہیں کی جائے گی، اس لیے کہ جب عورت پر ایک مرتبہ زنا کے اقرار سے حد زنا واجب نہیں ہوتی تو ایک مرتبہ تصدیق سے کیسے حد جاری ہو سکتی ہے، البتہ چار مرتبہ تصدیق سے حد جاری ہوگی کیوں کہ تصدیق تصدرا اقرار نہیں ہے، لہذا وجوب حد کے حق میں تصدیق واحد کا اعتبار نہ ہوگا تا آنکہ چار مرتبہ ہو جائے، البتہ حد کے علاوہ میں تصدیق مرأۃ معتبر ہے پس لعان اس سے ختم ہو جاتا ہے۔

امام شافعی کے نزدیک عورت کی تصدیق سے لعان ختم نہیں ہوتا، بلکہ جیسے شوہر کے لعان سے انکار پر حد جاری ہوتی ہے اسی طرح عورت کے لعان سے منع کرنے پر حد جاری ہوگی، لیکن امام شافعی کی یہ بات عجیب تر ہے کیوں کہ وہ عورت کے خلاف شوہر کی زنا سے متعلق گواہی کو قبول نہیں کرتے گو اس کے ساتھ دیگر تین گواہ معتبر اور عادل ہوں پھر وہ تھا شوہر کے کہنے پر عورت پر حد کے اجراء کے وجوب کے کیسے قائل ہو گئے، گو شوہر غلام، فاسق یا کافر ہو اس سے تعجب تر یہ ہے کہ لعان شافعی کے نزدیک یحیٰ ہے اور یحیٰ نہ ایجاب مال کی صلاحیت رکھتی ہے اور نہ وجود کے بعد اسقاط کی جب کہ شوہر اور عورت دونوں لعان کے ذریعہ اپنے سے حد کو ساقط کرتے ہیں۔

اور اگر عورت نے نفی ولد میں شوہر کی تکذیب کی تو نہ حد ہوگی اور نہ لعان اور وہ بچہ دونوں کا قرار دیا جائے گا، اس لیے کہ نسب لعان کی وجہ سے حکما کٹ جاتا ہے، اور وہ یہاں نہیں پایا گیا اور وہ ہے حق ولد میں میاں بیوی دونوں اس کے حق کے ابطال میں سچ نہیں سمجھے جائیں گے۔

فان لم یصلح شہدا حد الخ: اگر عورت تو گواہ ہو سکتی ہو لیکن شوہر گواہ نہ ہو سکتا ہو بایں طور کہ وہ کافر یا غلام ہو یا محدود فی القذف ہو تو شوہر پر حد جاری کی جائے گی اس لیے کہ لعان ایسے معنی کی وجہ سے مصدر ہے جو شوہر کی جانب سے ہے، لہذا موجب اصلی یعنی حد کی طرف رجوع کیا جائے گا، اس سلسلے میں

ضابطہ یہ ہے کہ جب لعان ایسے معنی کی وجہ سے ساقط ہوں جو شوہر کی جانب سے ہو تو اگر تہمت صحیح ہو تو حد ہے ورنہ نہ تو حد ہے اور نہ لعان۔

اور اگر شوہر تو ادائے شہادت کے لائق ہو لیکن عورت ان لوگوں میں سے نہ ہو کہ جس پر تہمت لگانے والے کو حد لگائی جاتی ہے بایں طور کہ عورت زانیہ ہو یا صبیہ ہو یا مجنونہ ہو تو شوہر پر حد نہ ہوگی اس لیے کہ عورت ال شہادت میں سے نہیں ہے، کیوں کہ یہ امتناع ایسے معنی کی وجہ سے ہوگا جو عورت میں ہیں پس اس کی وجہ سے حد واجب نہ ہوگی، اور چوں کہ لعان حد کا خلیفہ ہے پس جب حد نہیں تو لعان بھی ساقط ہے، البتہ امام شافعی کے نزدیک دونوں صورتوں میں کہ خواہ مرد ال شہادت سے نہ ہو یا عورت نہ ہو لعان ہوگا۔

وصفته فانطلق به النص الخ: لعان کا طریقہ جس کی قرآن وحدیث میں صراحت آئی ہے یہ ہے کہ قاضی مرد وعورت سے شہادتیں طلب کرے گا جس کی ابتداء شوہر سے ہوگی پس شوہر چار مرتبہ گواہی دے گا اشهد باللہ انی لمن الصادقین فیما رمیتها به من الزناء کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں بلاشبہ اس تہمت زنا میں سچا ہوں جو میں نے اس عورت کو لگائی ہے اور پانچویں مرتبہ کہے گا لعنة اللہ علیہ ان کان من الکاذبین فیما رماها به من الزنا کہ اللہ کی پھٹکار ہو اس پر اگر وہ اس امر زنا میں جھوٹا ہو جس کی نسبت اس نے عورت کی طرف کی ہے اور ہر مرتبہ شوہر عورت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شہادت دے گا اور قسم کھائے گا، پھر چار مرتبہ عورت گواہی دے گی وہ بھی شوہر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہے گی اشهد باللہ انی لمن الکاذبین فیما رمانی به من الزنا یعنی میں گواہی دیتی ہوں کہ بخدا میرا شوہر جھوٹا ہے اس الزام میں جو اس نے مجھ پر لگایا اور پانچویں مرتبہ کہے گی غضب اللہ علیہا ان کان من الصادقین یعنی اللہ کی اس پر پھٹکار ہو اگر شوہر اپنے دعویٰ میں سچا ہو، نو اور میں الحسن نے امام اعظم سے روایت کیا ہے کہ مرد کے لیے بوقت شہادت یہ بھی کہنا ضروری ہے انی لمن الصادقین فیما رمیتک به من الزنا اور عورت کے لیے کہنا لازم ہے کہ انت من الکاذبین فیما رمیتنی به من الزنا۔

فان التعنا بالت بتفریق الحاکم: پس اگر میاں بیوی نے لعان کر لیا تو اب عورت تفریق حاکم سے باندہ ہو جائے گی اور امام شافعی کے نزدیک شوہر کے لعان سے فارغ ہوتے ہی بیوی اپنے لعان سے پہلے ہی جدا ہو جائے گی، تفریق حاکم کی کوئی ضرورت نہیں ہے، فرماتے ہیں کہ شوہر کے لعان سے چار چیزیں متعلق ہوتی ہیں: (۱) قطع النسب (۲) شوہر سے حد کا ساقط ہونا (۳) اور عورت پر حد کا واجب ہونا (۴) اور دونوں کے مابین فرقت کا ثابت ہونا، اس لیے کہ شوہر نے جب عورت کے خلاف زنا کی چار مرتبہ گواہی اور لعان سے اس کو مؤکد کیا تو یہ بات کا نفرم ہوگئی کہ اب دونوں ایک ساتھ نہیں رہ سکیں گے، لہذا ان کے باہم نکاح کی بقاء

میں کوئی فائدہ نہیں سب سے بڑھ کر نبی..... کا ارشاد ہے کہ ”لعان کرنے والوں میں کبھی اجتماع نہیں ہو سکتا“ ہماری دلیل حصرت پہل کی طویل حدیث ہے جس کے آخر میں عویر عجلانی کا قول ہے کہ انہوں نے لعان سے فارغ ہونے کے بعد عرض کیا کہ کذب علیہا یا رسول اللہ کہ حضور..... میں نے اس عورت پر جھوٹ کہا آپ نے فرمایا روک لے عویرؓ نے کہا اگر میں اس کو روکوں تو اس پر تین طلاق وجہ استدلال یہ ہے کہ عویرؓ نے آنحضرت..... کے پاس لعان کے بعد کہا کذب علیہا یا رسول اللہ اگر محض لعان سے فرقت ہو جاتی تو آپ ضرور نکیر فرماتے۔

امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ شوہر اور بیوی کے لعان کے بعد از خود فرقت واقع ہو جاتی ہے قضاء قاضی کی ضرورت نہیں ہے، دلیل ہے نبی..... کا ارشاد گرامی المتلاعنان لا یجتمعان رواہ ابو داؤد پس اس روایت میں تلاحن کے بعد دونوں کے درمیان فرقت پر صراحت ہے اور مالکؒ و احمدؒ کے نزدیک ایک روایت میں اور ہمارے نزدیک فرقت قضاء قاضی سے ہوگی، قال عمر المتلاعنان یفرق بینہما کہ لعان کرنے والوں میں تفریق کی جائے گی، پس معلوم ہوا کہ اگر لعان سے از خود تفریق ہو جاتی تو ایقاع فرقت کی ضرورت ہی کیوں ہے؟ اور تفریق لعان طرفین کے نزدیک طلاق بائن ہے حتیٰ کہ اگر شوہر نے اپنی تکذیب کر لی تو دوبارہ اس عورت سے اس کا نکاح درست ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تحریم دائمی ہوگی امام شافعیؒ زفرؒ، مالکؒ اور امام احمدؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔

وإن کذب بولد الخ: اگر شوہر نے بچہ کی نفی کر کے بیوی کو تہمت لگائی تھی تو قاضی بچہ کے باپ سے نسب کی نفی کر دے اور اس کا نسب اس کی ماں سے ثابت کر دے، کیوں کہ رسول اللہ..... نے ہلال بن امیہ سے بچہ کے نسب کی نفی کر کے اس کی ماں کے ساتھ لاحق فرمادیا تھا اس لیے کہ مقصود لعان سے بچہ کی نفی ہی ہے لہذا شوہر پر اس کے مقصود کا حکم ہوگا اور اگر لعان کے بعد شوہر اپنی تکذیب کر دے تو اس پر حد جاری کی جائے گی کیوں کہ اپنی ذات کی تکذیب کرنا خود پر وجوب حد کا اقرار کرنا ہے۔

وله ان ینکحہا الخ: اگر زوج لہ عن نے اپنی تکذیب کر دی تو وہ تفریق کے بعد طرفین کے نزدیک اس عورت سے نکاح کر سکتا ہے امام زفرؒ ابو یوسفؒ، مالکؒ، شافعیؒ کے نزدیک نکاح جائز نہ ہوگا، کیوں کہ حدیث سے ثابت ہے کہ لعان کرنے والے کبھی بھی تفریق کے بعد جمع نہیں ہو سکتے، طرفین فرماتے ہیں کہ لعان شہادت ہے اور رجوع کے بعد شہادت باطل ہو جاتی ہے، نیز تکذیب کے بعد لعان باقی نہیں رہا تو جو حرمت لعان کے سبب سے طاری ہوئی تھی وہ زائل بھی ہو گئی۔

اسی طرح اگر کسی نے اجنبیہ کو تہمت لگائی اور اس کی وجہ سے اس پر حد جاری کی گئی یا عورت نے زنا کیا

اور اس پر حد جاری کی گئی تو اس سے بھی نکاح درست ہے۔

ولا لعان بقذف الا خسوس الخ: اگر گونگا آدمی نے اشارہ سے بیوی پر تہمت لگائی تو لعان نہ ہوگا امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر اس کا اشارہ سمجھا جاسکتا ہو تو لعان واجب ہوگا یہ حضرات کہتے ہیں کہ جس طرح گونگوں کے دیگر تصرفات بیع اور طلاق اشارہ سے صحیح ہیں اسی طرح تہمت قذف بھی صحیح ہے ہم یہ کہتے ہیں کہ لعان میں تلفظ شہادت رکن ہے اور گونگے سے شہادت کا تلفظ ممکن نہیں، نیز یہ کہ لعان صراحت سے متعلق ہوتا ہے جب کہ گونگے کا قذف عدم صراحت کی وجہ سے شبہ سے خالی نہیں ہے اور حدود شہادت سے ساقط ہو جاتے ہیں۔

اسی طرح اگر کسی شوہر نے حمل کی نفی کی تو اس سے بھی لعان نہ ہوگا کیوں کہ وضع حمل سے پہلے ولادت متیقن نہیں ہے ہو سکتا ہے ہوا اور بیماری کی وجہ سے پیٹ پھولا ہوا ہو صاحبینؒ کے نزدیک لعان ہوگا، بشرطیکہ چھ ماہ قبل بچہ پیدا ہو، کیوں کہ اس صورت میں زنا سے قیام حمل متیقن ہو جاتا ہے، لہذا اس سے قذف بھی ثابت ہو جائے گا، مالکؒ اور احمدؒ اسی کے قائل ہیں اور امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ لعان فی الحال واجب ہوگا۔

امام اعظم ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ شوہر کا یہ کہنا ہذا الحمل لیس منی قذف کو شرط کے ساتھ معلق کرنا ہے، گویا شوہر نے کہا ان کان ہک حمل فہو من الزنا اور اس طرح قذف متحقق نہیں ہوتا لہذا لعان بھی نہ ہوگا۔

وتلاعنا بزینت الخ: جب شوہر نے اپنی بیوی سے کہا زینت وهذا الحمل منہ یعنی تو نے زنا کیا ہے اور یہ حمل زنا کا ہے تو لعان واجب ہوگا، اسلیے کہ شوہر نے صراحتاً زنا کا الزام لگا دیا ہے پس دونوں میاں بیوی لعان کریں گے اور بعد اللعان قاضی بچہ کی شوہر سے نفی نہیں کرے گا البتہ شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مسئلہ مذکور میں قاضی بچہ کی نفی شوہر سے کر دے گا کیوں کہ حضرت ہلال بن امیہ نے اپنی بیوی پر شریک بن السجاء کے ساتھ حالت حمل میں زنا کا الزام لگایا تھا تو لعان کے بعد نبی علیہ السلام نے بچہ کی حضرت ہلال سے نفی فرمادی تھی، امام مالکؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔

ہمارا کہنا یہ ہے کہ حمل پر احکام ولادت کے بعد مرتب ہوتے ہیں اور حدیث اس بات پر محمول ہے کہ نبی..... کو حضرت ہلال کے بیوی کا حمل بطریق وحی معلوم ہو گیا تھا۔

ولو نفی لولد عند التہتة الخ: اور اگر شوہر نے بچہ کی نفی مبارک بادی کے وقت کر دی یعنی جب اعزہ اور دوست احباب بچہ پیدا ہونے کی اسے مبارک باد دے رہے ہوں کہ اللہ تمہاری آنکھ اس نو نہال سے ٹھنڈی کرے، تبھی اس نے بجائے مبارک باد قبول کرنے کے بچہ کے باپ ہونے سے انکار کر دیا اور کہہ دیا کہ بچہ میرا نہیں ہے، مجھے کا ہے کی مبارکباد اسی طرح جب گھروالے آلات اور ولادت کے وقت ساز و سامان خرید

رہے ہوں یا اسے خریدنے کے لیے کہیں اور یہ اس وقت بچہ سے نسب کا انکار کر دے تو اس کی نفی صحیح ہے اور اس وقت کے انکار سے لعان ہوگا اور لعان کے بعد بچہ کی نفی قاضی اس سے کر کے ماں کے ساتھ لاحق کر دے گا۔

اور اگر شوہر نے بچہ کی نفی مبارکہادی قبول کرنے اور احباب کا منہ خوشی میں بیٹھا کرنے کے بعد یا آلات ولادت مثلاً کرسی وغیرہ جسمیں عورت کو ولادت کی سہولت کے لیے بیٹھاتے ہیں کی خریداری کے بعد کیا تو نفی نسب صحیح نہ ہوگا، البتہ لعان ہو کر بیوی بائینہ ہو جائے گی، لیکن بچہ ثابت النسب ہی مانا جائے گا، اس لیے کہ مہر کا تقادم التزام کی دلیل ہے، لہذا اس کے بعد نفی نسب کا کوئی مطلب نہیں۔

اب رہی یہ بات کہ مدت تہمت کتنی ہے تو امام اعظمؒ کی ایک رائے سات یوم اور دوسری رائے تین یوم کی ہے صاحبینؒ کے نزدیک مدت نفاس ہے امام شافعیؒ کا ایک قول علی الفور کا ہے اور دوسرا تین یوم کا، خلاصہ یہ ہے کہ تہمت کی کوئی حد بندی نہیں کی جاسکتی اصل معاملہ عرف کا ہے، پس امام کے نزدیک قبول تہمت کی حالت ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک مدت نفاس ہے اس لیے کہ وہ اثر ولادت ہے

لاعن فیہا: یعنی شوہر دونوں صورتوں میں یعنی جب نفی نسب صحیح ہو اور جب صحیح نہ ہو لعان کرے گا کیوں کہ نسب کی نفی کی صورت میں صراحۃً قذف موجود ہے۔

وان نفی اول التوأمین: کسی کے جڑواں بچہ پیدا ہوئے شوہر نے پہلے پیدا ہونے بچہ کے نسب کا انکار کر دیا اور دوسرے نمبر پر پیدا ہونے والے کے نسب کا اقرار کیا تو شوہر کو سزا دیجاء گی، کیوں کہ اس نے دوسرے کا اقرار کر کے خود اپنے پر اول کی نفی میں جھوٹا ثابت کر دیا اس لیے کہ جب یہ دونوں بچے ایک بطن کا ثمرہ ہیں تو دونوں کی تخلیق ماہ واحد سے ہے، پس ثانی کا اقرار اول کا بھی اقرار ہے، لہذا اول کی نفی کرنا غلط ہوگا۔

اور اگر ثانی کا انکار اور اول کا اقرار کیا تو لعان کرے گا اس لیے کہ ثانی کی نفی سے عورت کو تہمت لگانے والا ہوا کیوں کہ اول کے نسب کا اقرار کر کے اس نے بیوی کے پاک دامن ہونے کا اعتراف کیا اور دوسرے بچہ کی نفی کر کے اس کو جہمت زنا لگا دی لہذا لعان واجب ہے، البتہ دونوں مسکوں میں دونوں بچوں کا نسب ثابت ہوگا، اس لیے کہ تو ائین میں سے ایک بچہ کے نسب کا ثبوت دوسرے کے نسب کے ثبوت کو مستلزم ہے۔

باب العنین

هو من لا یصل إلى النساء أو یصل إلى الثیب دون الابکار وحدث زوجها مجبوا
لوق فی الحال وأجل سنة لو عینا أو خصیا فإن وطی وإلا بالث بالتفریق إن طلث

فَلَوْ قَالَ وَطَلَّتْ وَانْكَرَتْ وَقُلْنَ بِكَرٍّ خَيْرٌ وَإِنْ كَانَتْ ثَيِّبًا صَدَّقَ بِحَلْفِهِ وَإِنْ
اخْتَارَتْهُ بَطَلَ حَقُّهَا وَلَمْ يُخَيَّرْ أَحَدُهُمَا بِعَيْبٍ.

ترجمہ: نامرد وہ ہے جو عورتوں تک نہ پہنچ سکے (یعنی صحبت نہ کر سکے) یا بیاہی عورت سے
صحبت پر قادر ہو، نہ کہ کنواریوں سے، ایک عورت نے اپنے شوہر کو مقطوع الذکر پایا تو فی الحال تفریق کی جائے
گی، اور ایک سال کی مہلت دی جائے گی اگر نامرد یا آختہ ہو پس اگر وہ وطی پر قادر ہو جائے تو بہتر ہے ورنہ
عورت قاضی کی تفریق سے بائیں ہو جائے گی، بشرطیکہ وہ طلب کرے پس اگر شوہر کہے کہ میں نے وطی کر لی اور
عورت انکار کرے اور دوسری عورتیں کہیں کہ وہ باکرہ ہے تو بیوی کو اختیار دیا جائے گا، اور اگر وہ ثیبہ یعنی مرد
رسیدہ ہو تو شوہر کی تصدیق کی جائے گی اس کی قسم کے ساتھ اور اگر عورت نے شوہر کو پسند کر لیا تو عورت کا حق
باطل ہو جائے گا اور ان میں سے کسی ایک کو اختیار نہ کیا جائے گا عیب کی وجہ سے۔

تشریح: عنین کو نکاح اور فرقت دونوں کے ساتھ نسبت ہے اس لیے مصنفؒ نکاح اور طلاق
دونوں سے فارغ ہو کر عنین وغیرہ کے احکام بیان کر رہی ہیں، بعض نسخوں میں باب العنین وغیرہ ہے اور ملا
مسکین کے نسخہ میں باب العنین والمحبوب والخصی ہے عنین کہتے ہیں جو عورت سے جماع پر
قدرت نہ رکھتا ہو، مشتق ہے عَنْ الرجل آدمی کا نامرد ہونا عنة اونٹ کے باڑے کو کہتے ہیں جو درخت وغیرہ
گھاس پوس بانس سے بنایا جاتا ہے تاکہ اونٹ گرمی سردی سے محفوظ رہیں۔

الحاصل عنین بروزن فعلیل ایسے شخص کو کہتے ہیں جو عضو تناسل کی سلامتی کے باوجود اس کے ڈھیلا ہونے
کی وجہ سے عورت سے صحبت نہ کر سکتا ہو اور ایسا شخص بھی عنین کہلاتا ہے جو ثیبہ یعنی مرد رسیدہ سے تو مجامعت
کر لیتا ہو لیکن کنواری سے مجامعت کرنے پر قدرت نہ ہو پس یہ بکر یعنی کنواری کے حق میں عنین ہوا، اب جماع
پر عدم قدرت خواہ مرض کی وجہ سے ہو یا عضو تناسل میں پیدائشی کجی اور ضعف کی وجہ سے یا درازی عمر یا سحر کی
وجہ سے ہو۔

وحدث زوجها محبوبا: وہ شخص جس کی ذکر اور نصیبے دونوں کٹے ہوئے ہوں پس اس نے نکاح
کر لیا اب عورت کو اس کا حال معلوم ہوا تو عورت کے مطالبہ پر قاضی فوراً تفریق کر دے گا، کیوں کہ شوہر کے
وطی پر قدرت کی کوئی گنجائش معلوم نہیں ہوتی، عورت کے معلوم ہوتے ہی طلاق نہ ہوگی بلکہ قاضی کے لیے نکاح
ختم کرنے سے نکاح کا تعلق ختم ہوگا، یہ حکم تب ہے جب عورت کو بوقت نکاح شوہر کا حال معلوم نہیں تھا اور اگر
معلوم بھی تھا لیکن وہ مجبور تھی پس عنین کی بیوی کی خاموشی رضا مندی کی علامت نہیں ہے گو وہ اس کے ساتھ
برسبہا برس رہی ہو ہاں اگر عورت کو پہلے سے شوہر کا معذور عن الوطی ہونا معلوم تھا اور وہ مجبور بھی نہیں تھی تو اسے

تفریق کے مطالبہ کا حق نہیں، اگر محبوب کی بیوی کے بچہ پیدا ہوا تو نسب محبوب سے ثابت ہو جائے گا، کیوں کہ مرد کی منی عورت کی فرج کے ساتھ رگڑ کے نتیجہ میں رحم میں پہنچ کر طوق کا سبب بن سکتی ہے۔

ورجل سنة الخ: اگر شوہر عینین ہے یعنی عضو تناسل ڈھیلا ہے یا اس کا فوطہ نکال دیا گیا ہے یعنی آختہ ہے تو اس کو علاج کے لیے سال بھر کا موقع دیا جائے گا، کیوں کہ عضو تناسل سلامت ہے لہذا امید ہے کہ وہ صحبت پر قادر ہو جائے گا، سال بھر کا موقع اس لیے ہے کہ سال چار فصلوں پر مشتمل ہوتا ہے، لہذا اگر معذور پیدا نہیں نہ ہو تو موسموں کی تبدیلی سے صحت یاب ہو جائے گا، یہ حکم تب ہے جب آکھ تناسل میں انتشار نہ ہوتا ہو اور اگر آکھ تناسل میں خیزی اور انتشار ہے تو عورت کو مطالبہ تفریق کا حق نہیں ہے ظاہر یہ تو علی الاطلاق عدم تحجر کے قائل ہیں، ان کا استدلال عبدالرحمن ابن الزہیر کی حدیث سے ہے، اور ہمارا استدلال اجماع صحابہ سے ہے، سال سے مراد قمری سال ہے بعض لوگ سال شمسی کے قائل ہیں لیکن اول اصح ہے۔

پس اگر شوہر نے سال کے اندر اندر ایک مرتبہ عورت سے وطی کر لیا تو تا جیل باطل ہو جائے گی اور عورت کا حق تفریق کا مطالبہ ختم ہو جائے گا، کیوں کہ عورت کو اس کا حق مل گیا سال میں ایک مرتبہ سے زائد وطی کا استحقاق وجوباً نہیں ہے ہاں دیلہ ہے، اسی وجہ سے اگر شوہر قدرت کے باوجود شرارتاً وطی نہیں کرتا تو گناہگار ہوگا۔

والا بانث بالتفریق: اور اگر عینین اور خواجہ اور آختہ نے سال بھر میں ایک مرتبہ بھی عورت سے مجامعت نہیں کی تو استمرار عجز کی وجہ سے قاضی کی تفریق سے عورت بائنتہ ہو جائے گی، بشرطیکہ شوہر برضا و رغبت طلاق سے انکار کر دے ورنہ اگر وہ خود طلاق پر آمادہ ہو تو تفریق قاضی کی کوئی ضرورت نہیں، یہ امام اعظم کا مسلک ہے ایسا اس لیے ہے کہ جب شوہر کے لیے امساک بالمعروف یعنی خوش اسلوبی کے ساتھ بیوی روکنا معذور ہو گیا تو اب اس پر تسریح بالاحسان واجب ہوگا، یعنی خوش عنوانی کے ساتھ بیوی کو چھوڑ دینا پس اگر وہ اپنی ذمہ داری سمجھتا ہے اور طلاق دیتا ہے تو بہت خوب ورنہ دفع ظلم کے لیے قاضی آگے بڑھے گا اور دونوں کے درمیان تفریق کر دے گا، اور صاحبین کے نزدیک اور یہی امام اعظم کی بھی ایک روایت ہے کہ عورت بلا تفریق قاضی سال پورا ہونے کے ساتھ از خود بائنتہ ہو جائے گی اس لیے کہ شرع نے عورت کو سال پورا ہونے کے وقت مختار بنایا ہے۔

ان طلبت کا تعلق تفریق، تا جیل، بینوئہ سب سے ہے یعنی یہ سارے امور عورت کے مطالبہ پر نافذ کئے جائیں گے اور شوہر اور بیوی کے وکیلوں کا مطالبہ تفریق انہیں دونوں کے حکم میں ہے بشرطیکہ میاں بیوی موجود نہ ہوں، اور حق مطالبہ حرہ ہونے کی صورت میں ہے ورنہ اگر بیوی باندی ہو تو اس کا حق اس کے

مولیٰ کو ہوگا، پھر فرقت ہمارے نزدیک طلاق بائنہ ہوگی اور شافعی اور احمد کے نزدیک فسخ ہے اس لیے کہ فرقت عورت کی جانب سے ہے اور جو فرقت عورت کی جانب سے ہو وہ فسخ ہوتی ہے، ہمارا کہنا یہ ہے کہ یہ فرقت شوہر کی جانب سے ہے کیوں کہ شوہر پر تو امساک واجب تھا پس جب امساک فوت ہو گیا تو تسریح واجب ہو گئی، پس جب شوہر عورت کے چھوڑ دینے سے باز رہا تو قاضی شوہر کا قائم مقام ہو گیا، اور اس نے عورت کو قید نکاح سے آزاد کر دیا، لہذا یہ فعل شوہر کی جانب سے ہی منسوب ہوگا، پس یہ طلاق بائن ہوگی، تاکہ دفع ظلم عورت سے متحقق ہو سکے جبکہ نکاح صحیح لازم اور نافذہ فسخ کا احتمال نہیں رکھتا۔

فلو قال وطئت الخ: سال پورا ہونے کے بعد کہہ رہا ہے کہ میں نے عورت سے وطی کی ہے اور عورت وطی کا انکار کرتی ہے اور دوسری عورتیں جنہوں نے عورت کو دیکھا اور اس کا معاملہ سمجھا وہ کہہ رہی ہیں کہ یہ عورت تو باکرہ یعنی کنواری ہے تو عورت کو اختیار دیا جائے گا کہ وہ اس وقت فرقت اور نکاح میں باقی رہنے میں سے جو چاہے پسند کرے اگر وہ اسی مجلس میں فرقت اختیار کر لیتی ہے تو قاضی شوہر سے طلاق دینے کو کہے گا اگر وہ طلاق دے دیتا ہے تو بہت خوب ورنہ قاضی تفریق کر دے گا۔

قلن: جمع کے صیغہ کے ساتھ بیان اولیت کے لیے لائے ہیں ورنہ ایک ثقہ عورت کا بکارت کی گواہی دینا کافی ہے اور دو عورتوں کا قول احوط ہے اور بیوی کو اختیار عورتوں کی شہادت پر دیا گیا اس لیے کہ ان کی شہادت مؤید کی تائید ہے اور وہ بکارت ہے جس میں اصل عورتیں ہی ہیں لہذا ان کے قول سے ثابت ہوگا۔
 ان كانت فیہا: یعنی عورتیں مسئلہ مذکور میں اگر یہ گواہی دیں کہ عورت باکرہ نہیں بلکہ مرد رسیدہ ہے یعنی اس کی ملاقات کسی مرد سے ہو چکی ہے یعنی اس سے ہم بستری کی جا چکی ہے تو مرد کی بات قسم کے ساتھ مان لی جائے گی اس لیے کہ شوہر معنی عورت کے لیے ثبوت حق فرقت کا منکر ہے۔

وان اختارته: اور اگر عورت نے اپنے شوہر عنین سے راضی رہنا چاہا تو اب عورت کو مطالبہ تفریق کا حق نہ رہے گا اس لیے کہ منخیر بین شینین کے لیے صرف ان دو میں سے کوئی ایک ہی ہوگا نیز وہ اپنے حق کے بطلان پر خود ہی راضی ہو گئی ہے، اسی طرح اگر شوہر ایک مرتبہ وطی کے بعد عاجز ہو جائے تو بھی حق اختیار نہ ہوگا۔
 ولم یخیر احدھما: اگر میاں بیوی میں کوئی بیمار ہے کوئی عیب ہے خواہ جنون ہو تو کسی کو بھی حق فرقت نہیں ہے البتہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ شوہر عورت کے مجنونہ ہونے کی صورت میں اسی طرح جذام اور برص اور رتق وغیرہ کا شکار ہونے کی حالت میں حق رکھتا ہے کہ بیوی کو رد کر دے کیوں کہ حسیا یا طبعا استیفاء محال ہے، دوسرے اس لیے بھی کہ نکاح بیع کے مشابہ ہے اور بیع عیب کی وجہ سے واپس کر دی جاتی ہے اسی کے امام مالک اور امام احمد بھی قائل ہیں۔

ہمارا کہنا یہ ہے کہ عقد نکاح سے استحقاق وطی کا حاصل ہوتا ہے اور ان عیوب سے وطی فوت نہیں ہوتی ہاں خلل پیدا ہوتا ہے ففوراً بالہلاک قبل التسليم لا یوجب الفسخ لاختلاله اولی ان لا یوجب۔

باب العدة

ہی تَرَبُّصٌ تَلْزِمُ الْمَرْأَةَ وَعِدَّةُ الْحُرَّةِ لِلطَّلَاقِ أَوْ الْفَسْخِ ثَلَاثَةُ أَقْرَاءٍ أَوْ خِيضٍ أَوْ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ إِنْ لَمْ تَحِضْ وَلِلْمَوْتِ أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ وَعَشْرٌ وَالْأَمَةِ قُرْءَانٍ وَنِصْفُ الْمَقْدَرِ وَالْحَامِلِ وَضَعُهُ وَزَوْجَةُ الْفَارِّ أَبَعَدَ الْأَجْلَيْنِ وَمَنْ عَتَقَتْ فِي عِدَّةِ الرَّجْعِيِّ لَا الْبَائِنِ وَالْمَوْتِ كَالْحُرَّةِ وَمَنْ عَادَ ذِمَّهَا بَعْدَ أَشْهُرِ الْخِيضِ وَالْمَنْكُوحَةِ يَكَاحًا فَلَمَبْدًا وَالْمَوْطُورَةِ بِشُبْهَةِ وَأُمِّ الْوَلَدِ الْخِيضُ لِلْمَوْتِ وَغَيْرِهِ وَزَوْجَةُ الصَّغِيرِ الْحَامِلِ عِنْدَ مَوْتِهِ وَضَعُهُ وَالْحَامِلُ بَعْدَ الشُّهُورِ وَالنِّسْبُ مُتَقَبٌّ فِيهِمَا وَلَمْ تَعْتَدْ بِخِيضٍ طَلَّقَتْ فِيهِ وَتَجِبُ عِدَّةٌ أُخْرَى بِوَطْيِ الْمُعْتَدَةِ بِشُبْهَةِ وَتَدَاخُلَا وَالْمَرْئِيُّ مِنْهُمَا وَتُنْتَمِ الثَّانِيَةُ إِنْ تَمَّتِ الْأُولَى وَمَبْدًا الْعِدَّةُ بَعْدَ الطَّلَاقِ وَالْمَوْتِ وَفِي النِّكَاحِ الْفَاسِدِ بَعْدَ التَّصْرِيقِ أَوْ الْعَزْمِ عَلَى تَرْكِ وَطْيِهَا وَإِنْ قَالَتْ مَضَتْ عِدَّتِي وَكَذَّبَهَا الزَّوْجُ فَالْقَوْلُ لَهَا مَعَ الْحَلْفِ وَلَوْ نَكَحَ مُعْتَدَتَهُ فطَلَّقَهَا قَبْلَ الْوَطْيِ وَجَبَ مَهْرٌ تَامٌ وَعِدَّةٌ مَبْتَدَأَةٌ وَلَوْ طَلَّقَ ذِمِّيٌّ ذِمِّيَّةً لَمْ تَعْتَدْ.

ترجمہ: وہ انتظار ہے جو عورت کو لازم ہوتا ہے عورت کی عدت طلاق یا فسخ نکاح کے لیے تین قر و یعنی تین حیض ہیں یا تین ماہ ہیں اگر اس کو حیض نہ آتا ہو اور وفات کے لیے چار ماہ دس دن ہیں اور باندی کی عدت دو قر و ہیں اور (حیض نہ آتا ہو تو) حرہ کی عدت کا نصف ہے اور حاملہ کی عدت وضع حمل ہے اور زوجہ الفار کی عدت دو مدتوں میں سے بعید تر ہے، اور جو عورت آزاد ہو جائے طلاق رجعی کی عدت میں نہ کہ بائن اور موت کی اس کا حکم مثل حرہ کے ہے، اور جس عورت کو خون آنے لگے مہینوں کے بعد اس کی عدت حیض ہیں اور جس عورت کا نکاح فاسد ہوا ہو اور جس سے وطی بالشبہ ہوئی ہو اور ام ولد کی عدت حیض ہیں موت اور غیر موت ہر دو کے لیے اور بچہ کی بیوی کی عدت جو اس کے موت کے وقت حاملہ ہو وضع حمل ہے اور موت کے بعد حاملہ کی عدت مہینے ہیں اور نسب دونوں صورت میں منثی ہوگا اور نہ شمار کرے اس حیض کو جس میں طلاق دی گئی ہے اور واجب ہوگی دوسری عدت اگر معتدہ سے وطی بالشبہ ہوگئی ہو اور دونوں عدتیں متداخل ہو جائیں گی اور جو خون دکھائی دے گا وہ دونوں سے شمار ہوگا اور پوری کر لے گی دوسری عدت اگر پہلی پوری کر چکی اور عدت کا

آغاز طلاق اور موت کے بعد سے ہوتا ہے اور نکاح فاسد میں تفریق یا ترک وطی پر عزم کے بعد سے ہوتا ہے، اگر عورت نے کہا کہ میری عدت گزر چکی اور شوہر نے اس کی تکذیب کی تو قول عورت کا معتبر ہوگا اس کی قسم کے ساتھ اگر نکاح کیا اپنی معتدہ سے اور طلاق دے دی اس کو وطی سے پیشتر تو پورا مہر اور مستقل عدت واجب ہوگی اور اگر طلاق دی ذی نے ذمیہ کو تو وہ عدت نہ گزارے۔

تشریح: عدت جو کہ فرقت کا اثر ہے، اس لیے فرقت کی جمیع انواع بیان کرنے کے بعد عدت کے احکام بیان کر رہے ہیں کیوں کہ اثر مؤثر کے بعد ہی ہوتا ہے، عدت شمار اور گنتی کو کہتے ہیں بولا جاتا ہے عددت الشئ میں نے اس کو شمار کیا، شریعت میں عدت اس انتظار کو جو عورت یا مرد کو اسباب انتظار پائے جانے کے وقت لازم ہوتے ہیں، اسباب انتظار سے مراد وہ بیس مواضع ہیں جو مرد کو وطی کرنے سے مانع ہوتے ہیں، اصطلاح میں عدت اس توقف کو کہتے ہیں جو عورت کے زوال نکاح کے بعد لازم ہوتا ہے۔

عدة الحرة: اگر کوئی شخص اپنی حرہ بیوی کو رجعی یا بائن طلاق دے دے یا ان میں بلا طلاق فرقت ہو جائے اور عورت کو حیض آتا ہے تو اسکی عدت تین قروء ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے والمطلقات یتربصن بانفسهن ثلاثة قروء اس آیت میں ثلاثة قروء سے مراد ہمارے نزدیک تین حیض ہیں اور امام احمد قول اصح پر اسی کے قائل ہیں اور مالک و شافعی کے نزدیک تین طہر ہے اور امام احمد بن حنبل بھی اسی کے قائل تھے، لیکن بعد میں رجوع کر لیا امام شافعی وغیرہ کا مستدل حضرت ابن عمر کی حدیث ہے اور وہ یہ ہے کہ انہ امر علیہ الصلاة والسلام امرہ ان یرجعہا ثم لیترکھا حتی تطهر ثم لیطلقھا ثم قال فتلک العدة التي امر اللہ ان تطلق لھا النساء نبی..... نے ابن عمر کو حکم دیا کہ وہ بیوی سے رجوع کر لیں پھر اس کو چھوڑ دیں تا آنکہ وہ حیض سے پاک ہو جائے پھر اس کو طلاق دیں پھر ارشاد فرمایا پس یہ وہ عدت ہے کہ جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو طلاق دینے کا حکم فرمایا، پس یہ نص ہے اس بات پر کہ عدت طہر ہے، دوسری دلیل یہ ہے کہ ثلاثہ قروء میں لفظ ثلاثہ مؤنث ہے ہے جو مذکر معدود کے لیے استعمال ہوتا ہے، کیوں کہ عدد تین اور تین سے اوپر خلاف قیاس استعمال ہوتا ہے پس معلوم ہوا کہ آیت میں ثلاثہ مذکر معدود کے لیے استعمال ہوا ہے اور معدود مذکر تبھی ہوگا جب قروء سے طہر مراد ہو حیض نہیں۔

ہمارا کہنا یہ ہے کہ قروء سے مراد آیت میں حیض ہے جس کی متعدد وجہیں ہیں پہلی وجہ یہ ہے کہ لفظ قروء حیض اور طہر دونوں میں مشترک ہے اور دونوں میں حقیقت ہے اور مشترک لفظ بیک وقت اپنے ہر دو معنی کو شامل نہیں ہوتا لامحالہ کسی ایک پر محمول ہوگا اب طہر پر تو محمول نہیں ہو سکتا کیوں کہ طلاق مشروع یہ ہے کہ وہ طہر میں ہو اب جس طہر میں طلاق ہوگی یا تو اس کو شمار کیا جائے گا یا نہیں اگر شمار کیا جائے گا تو تین طہر کامل نہیں رہتے اور

شمار نہ کیا جائے تو تین پر زیادتی لازم آتی ہے، حالاں کہ لفظ قروہ خاص ہے جس میں کمی زیادتی جائز نہیں پس لامحالہ حیض پر محمول کیا جائے گا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اعتداد بالشہر کو اعتداد بالاقراء کا بدل قرار دیا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے وَاللّٰہِیْ یَسْنَنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مَنْ نِّسَائِکُمْ اِنْ اُرْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ اَشْهُرٍ پس اللہ تعالیٰ نے عدم حیض کے وقت عدت مہینوں کو قرار دیا پس یہ بات اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ عدت میں اصل حیض ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ نبی نے ارشاد فرمایا طلاق الامۃ ثنتان وعدتھا حیضتان پس روایت بتلاتی ہے کہ حرہ کی عدت تین حیض ہوں گے، رہا امام شافعی کا استدلال تانیث عدد کے ساتھ سو اس کا جواب یہ ہے کہ جب کسی شئی کے لیے دو اسم ہوں ایک مذکر دوسرا مؤنث جیسے بُرّ اور حطہ اور تانیث حقیقی نہ ہو تو مذکر لفظ کی طرف اضافت کے وقت عدد کو مؤنث لاتے ہیں اور مؤنث لفظ کی طرف اضافت کے وقت عدد مذکر لاتے ہیں، اور آیت میں لفظ ثلاثہ، قروہ کی طرف مضاف ہے جو مذکر ہے اور حضرت ابن عمرؓ زید بن ثابتؓ سے جو طہر مروی ہے سو امام طحاویؒ نے ان حضرات سے اس کے خلاف روایت کیا ہے لہذا ان دونوں حضرات سے مروی روایت میں تعارض ہو گیا۔

او ثلثة اشهر الخ: اور تین ماہ عدت ہوگی اگر عورت کو عمر رسیدہ ہونے کی وجہ سے حیض نہیں آتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَاللّٰہِیْ یَسْنَنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مَنْ نِّسَائِکُمْ اِنْ اُرْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ اَشْهُرٍ یا صغیر یعنی کم عمری کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو کہ ابھی نو سال کی بھی نہ ہوئی ہو تو اس کی عدت آیت مذکورہ کی وجہ سے تین ماہ ہوگی، آئسہ کی عمر کے بارے میں مختلف اقوال ہیں: ۷۰ اور ۶۳ اور ۶۰ سال کا بھی قول ہے، ۵۰ سال کا بھی قول ہے اور اسی پر آج کل فتویٰ ہے اس قول کا انتساب حضرت عائشہؓ کی طرف ہے۔

وللموت اربعة اشهر الخ: وہ عورت جس کے شوہر کا انتقال ہو گیا ہو تو اس کی عدت چار ماہ دس یوم ہوگی، بشرطیکہ وہ آزاد عورت ہو اور غیر حامل ہو خواہ نابالغ ہو یا بالغ ذمیہ ہو یا مسلمان، موطؤۃ ہو یا غیر موطؤہ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَالَّذِیْنَ یَتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ وَیَلْزَمُوْنَ اَزْوَاجًا یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَعَشْرًا نیز حضور کا ارشاد ہے کہ جو عورت اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہے اس کے لیے حلال نہیں کہ وہ کسی میت پر تین دن سے زائد سوگ منائے، بجز اپنے شوہر کے کہ اس پر چار ماہ دس دن سوگ منائے، الفاظ حدیث یہ ہیں قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم لَا یَحِلُّ لِامْرَاَةٍ تَوَمَّنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ تَحْذَّ عَلٰی مِیْتٍ فَوْقَ ثَلَاثِ اِلَّا عَلٰی زَوْجِہَا اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَعَشْرًا۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر عورت کتابیہ اور مدخولہ ہو تو اس پر صرف استبراء واجب ہے اور اگر مدخولہ

ہوں گے، حضرت عمرؓ نے فرمایا لو استطعت لجعلتها حیضة ونصفاً یعنی اگر میرے بس میں ہوتا تو میں ڈیڑھ حیض باندی کی عدت کر دیتا حکم مذکور طلاق بعد الدخول کے وقت ہے ورنہ مطلقہ غیر مدخولہ حرہ ہو یا مائتہ اس کی کوئی عدت نہیں ہوتی۔

ونصف المقلد: باندی اگر اس کو حیض نہیں آتا خواہ صغریٰ یا کبریٰ کی وجہ سے ہو یا وہ متوفیٰ عنہا زوجہا ہے تو اس کی عدت اس عدت کے آدمی ہوگی جو حرہ کے لیے طے قرار پائی ہے یعنی ڈیڑھ ماہ طلاق کی صورت میں اور دو ماہ پانچ دن شوہر کے انتقال کی صورت میں اور اس پر امت کا اجماع ہے، اس لیے کہ شہر یعنی ماہ کی تقسیم ہو سکتی ہے اور رقیۃ سے تنصیف ہو جاتی ہے۔

والحاصل وضعہ: حاملہ خاتون کی عدت وضع حمل ہے خواہ حاملہ عدت طلاق میں ہو یا عدت فسخ یا عدت وفات میں ہو کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن** اور حمل والیاں ان کی عدت یہ ہے کہ وہ بچہ جن دیں، یہی ابن مسعودؓ اور ابن عمرؓ کا قول ہے، حضرت علیؓ فرماتے ہیں حاملہ متوفیٰ عنہا زوجہا کی عدت بعد الاجلین ہے اس لیے کہ نصوص متعارض ہیں کیوں کہ بعض سے تین قروہ کا انتظار ثابت ہوتا ہے اور بعض سے چار ماہ دس دن جیسا کہ یہ دونوں طرح کی آیتیں بقرہ میں ہی ہیں اور بعض نصوص سے وضع حمل جیسا کہ سورۃ الطلاق میں ہے لہذا ہم وضع حمل اور چار ماہ دس دن میں جو لمبی مدت ہو اس کے بطور عدت کے احتیاطاً وجوب کے قائل ہو گئے، ہمارا جواب یہ ہے کہ آیت الحمل یعنی سورۃ طلاق والی آیت سب سے بعد میں نازل ہوئی ہے پس اس کے سوا جو آیتیں ہیں وہ سب متوفیٰ حاملہ کے حق میں منسوخ ہیں اور یہ آیت ان آیات بقرہ کے حق میں ناسخ ہے۔

وزوجة انکار العبد الاجلین: زوجہ فار اس عورت کو کہتے ہیں جس کی رضا کے بغیر اس کے شوہر نے مرض الموت میں طلاق دے دی ہو ایسی عورت کی عدت بعد الاجلین ہے بایں طور کہ موت کے وقت سے دس دن چار ماہ تک انتظار کرے اور انہیں ایام میں شروع شروع طلاق سے تین حیض بھی گذر جائیں، امام ابو یوسفؒ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی عدت تین حیض ہیں کیوں کہ عدت وفات تو اس وقت واجب ہوتی جب نکاح کا زوال نکاح میں ہوا ہو اور یہاں طلاق کی وجہ سے نکاح قبل از موت زائل ہو چکا، صرف حق ارث میں باقی ہے طرفین کی دلیل یہ ہے کہ جب نکاح حق ارث میں باقی ہے تو احتیاطاً حق عدت میں بھی باقی رکھا جائے گا یہ تفصیل اس وقت ہے جب طلاق بائن یا تین طلاقیں دی ہوں اور اگر طلاق رجعی شوہر نے دی ہو تو بالاتفاق اس کی عدت چار ماہ دس دن ہوگی، خواہ ان ایام میں تین حیض ہوں یا نہ ہوں۔

ومن عتقت فی عدة الرجعی لا البائن الخ: وہ باندی جو طلاق رجعی کی عدت گزار رہی تھی کہ

آقا نے اس کو آزاد کر دیا تو اب اس کی عدت حرہ کی عدت کی طرف منتقل ہو جائے گی، یعنی عدت تین حیض ہو جائے گی، اور اگر وہ طلاق بائن یا موت زوج کی عدت میں تھی اور پھر آزاد ہو گئی تو اب عدت حرہ کی عدت کی طرف نہیں منتقل ہوگی بلکہ وہی باندی والی عدت رہے گی اس لیے کہ طلاق رجعی سے نکاح باقی رہتا ہے اور طلاق بائن اور موت زوج سے نکاح اذائل ہو جاتا ہے۔

ومن عاد دمها بعد اشهر الحيض الخ: آئندہ عورت مہینوں سے عدت گزار رہی تھی کہ اس نے دوران عدت خون اپنی عادت کے مطابق دیکھ لیا تو جو عدت اس نے گذاری تھی وہ ختم سمجھی جائے گی اور از سرے نو حیضوں سے اسے عدت گزارنا ہوگا، کیوں کہ عدت بالحيض اصل ہے اور عدت بالاشهر نائب اور نائب ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ تا مرگ اصل سے ناامید ہو اور حیض آنے کے بعد ناامیدی نہیں رہی اس لیے عدت بالاشهر کا نائب ہونا باطل ہو گیا۔

والمنكوحه نكاحا فاسدا الخ: جس عورت سے نکاح فاسد کیا گیا ہو یا اس طور کہ نکاح بلا گواہ ہوا ہو یا عدم حلت کا علم ہوتے ہوئے ذورحم محرم سے نکاح ہوا ہو، نیز جس عورت سے وطی بالشبہ ہوئی جس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ نادانستہ غیر سے نکاح کر لیا گیا ہو یا غیر بیوی اس کی چار پائی پریٹ گئی ہو اور اس نے بیوی سمجھ کر وطی کر لی اور ام ولد جس کا آقا انتقال کر گیا ہو یا آقا نے اس کو آزاد کر دیا ہو ان سب طرح کی خواتین کی عدت تین حیض ہیں اور باندی ہو تو دو حیض اور حاملہ ہو تو وضع حمل اور آئندہ ہو تو عدت مہینوں کے اعتبار سے ہوگی کہ حرہ کی تین ماہ اور باندی کی ڈیڑھ ماہ۔

امام شافعیؒ اور مالکؒ کے نزدیک ام ولد کی عدت ایک حیض ہوگی اس لیے کہ یہ عدت ملک یمین کے زوال کی وجہ سے واجب ہوئی ہے پس یہ استبراء کے مشابہ ہو گئی اور اوزاعی کہتے ہیں ام ولد کی عدت آقاء کے مرنے پر چار ماہ اور دس یوم ہوگی عمرو بن العاصؓ نے رسول اللہؐ سے اس کو روایت کیا ہے لیکن ابو داؤد نے اس کی تخریج کی ہے اور ضعیف بتایا ہے، ہمارا کہنا یہ ہے کہ ام ولد کی عدت زوال فرش کی وجہ سے واجب ہوئی ہے لہذا یہ عدت نکاح کے مشابہ ہوئی حضرت عمر بن الخطابؓ فرماتے ہیں عدة ام الولد ثلاث حیض کہ ام ولد کی عدت تین حیض ہوتی ہے، جب کہ وہ حیض والی ہو، اور اگر اسے حیض نہ آتا ہو تو اس کی عدت تین ماہ ہوگی جیسا کہ نکاح میں ہوتا ہے، اور یہی حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کا بھی قول ہے، یہ تفصیل تب ہے جب ام ولد معتدہ اور شادی شدہ نہ ہو، بہر حال جب وہ ام ولد معتدہ ہو یا شادی شدہ ہو تو اس پر مولیٰ کی موت اور اس کے آزاد کر دینے سے عدت واجب نہ ہوگی، کیوں کہ وہ مولیٰ کی فراش نہیں ہے۔

وزوجة الصغير الحامل الخ: بچہ کی عورت جو حاملہ تھی اور بچہ کا انتقال ہو گیا تو اس عورت کی عدت

طرفین کے نزدیک وضع حمل ہے، امام ابو یوسفؒ، احمدؒ اور امام مالکؒ وشافعیؒ فرماتے ہیں کہ چار ماہ دس دن ہے، کیوں کہ اس کا حمل ثابت النسب نہیں ہے، اس واسطے کہ بچہ سے علوق انہیں ہو سکتا پس یہ ایسا ہو گیا جیسے زوج صغیر کے انتقال کے بعد حاملہ ہو گئی ہو یعنی اس کی موت کے چھ ماہ بعد یا اس سے زیادہ مدت کے بعد بچہ جننے کہ اس صورت میں بالا جماع عدت وفات لازم ہے۔

طرفین کی دلیل آیت اولاث الاحمال الخ ہے جو مطلق ہے کہ حمل شوہر سے ہے یا غیر شوہر سے عدت وفات کی ہو یا طلاق کی اس کی کوئی تفصیل نہیں، پس ہم اتنا جانتے ہیں کہ حاملہ کی عدت قرآن میں وضع حمل ہے لہذا زوجہ صغیر کی بیوی کی عدت بھی بعد از مرگ شوہر وضع حمل ہوگی۔

اور زوجہ صغیر کی بیوی جس کو حمل بچہ کی وفات کے بعد ہوا یا اس طور کہ وفات کے چھ ماہ یا اس سے زیادہ عرصہ کے بعد اس نے بچہ جنا تو اس کی عدت چار ماہ دس یوم ہوگی بالا اتفاق اس لیے کہ وجود حمل بچہ کی موت کے وقت نہ حقیقہ ہوا اور نہ حکماً ہی لہذا بوقت موت عدت بالا شہر متعین ہو گئی، پس اس میں موت کے بعد حمل کے ظاہر ہونے سے کوئی تبدیلی نہ ہوگی، بخلاف اگر بالغ کی عدت کے بعد اس کی بیوی کا حمل ظاہر ہوا تو اس کی عدت وضع حمل ہوگی، کیوں کہ بالغ کی بیوی کا حمل اس کی وفات کے بعد دو سال تک ثابت النسب ہوتا ہے۔

والنسب منتف فیہا الخ: اور دونوں صورتوں میں اولاد کا نسب مرحوم بچہ نابالغ سے نہیں ثابت ہوگا، خواہ حمل بچہ کی موت سے قبل ظاہر ہوا ہو یا بچہ شوہر کی وفات کے بعد کیوں کہ ثبوت نسب نابالغ سے محال ہے کیوں کہ نسب کا دار و مدار نطفہ پر ہوتا ہے اور بچہ کے لیے کوئی نطفہ نہیں ہوتا پس اس کے حق میں تصور ولد بھی ممکن نہیں ہے البتہ مراہق جو قریب البلوغ ہوتا ہے اس سے ثبوت نسب ممکن ہے۔

ولم تعد بحیض طلقت فیہ الخ: عورت کو جس حیض میں طلاق دی گئی ہو تو اس کا عدت میں شمار نہیں ہو سکتا، کیوں کہ اگر اس کا شمار عدت میں ہوتا ہے تو ظاہر سی بات ہے کہ کچھ لمحہ لازماً اس حیض کا وقوع طلاق سے قبل گذر چکا ہوگا پس حرہ ہونے کی صورت میں تین کامل حیض اور باندی ہونے کی صورت میں دو کامل حیض نہیں متحقق ہو سکتے، جب کہ حرہ کا تین حیض اور باندی کا دو حیض کامل نص صریح کی وجہ سے عدت قرار دیا گیا ہے۔

وتجب عدة اخرى بوطی المعتدة بشبهة الخ: ایک عورت کسی کی عدت گزار رہی تھی کہ اس سے وطی بالشبه ہو گئی مثلاً عورت بستر پر تھی کسی نے کہہ دیا کہ یہ تیری بیوی ہے اس نے اس سے وطی کر لی یا وہ کسی کی عدت میں تھی اس سے نکاح کر لیا گیا شوہر کو یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ عدت میں ہے بہر کیف اس عورت پر دوسری عدت بھی واجب ہوگی اور دونوں عدتیں متداخل ہو جائیں گی اور جو حیض عدت ثانیہ واجب ہونے کے

بعد دکھائی دے گا وہ دونوں عدتوں میں شمار ہوگا اور اگر پہلی عدت پوری ہوگئی ہو تو دوسری عدت کا پورا کرنا ضروری ہوگا، مثلاً عورت کو طلاق بائن ہوگئی اور اس کو ایک بار حیض آیا پھر اس نے دوسرے شوہر سے نکاح کیا اور وطی کے بعد تفریق ہوگئی پھر دوبارہ حیض آیا تو یہ تینوں حیض دونوں عدتوں میں شمار ہوں گے پس پہلا حیض اور بعد کے دو حیض مل کر پہلے شوہر کی عدت پوری ہوگئی اور دوسرے شوہر کی عدت کے فقط دو حیض ہوئے تو جب ایک اور حیض آئے گا تب دوسرے شوہر کی عدت پوری ہوگی، خلاصہ یہ ہوا ایک پہلا حیض پہلی عدت کے ساتھ اور آخری حیض دوسری عدت کے ساتھ مخصوص ہے اور درمیان کے دو حیض دونوں عدتوں میں مشترک اور متداخل ہیں، نیز اگر دونوں عدتیں مہینوں کے ذریعہ ہوں تب بھی متداخل ہوگا، مثلاً آئہ کی عدت میں وطی بالشبہ ہوگئی تو اگر پہلی عدت دوسری عدت کے قبل پوری ہوگئی ہو تو دوسری عدت کو بھی مہینوں کے ذریعہ پورا کرنا ضروری ہے اور اگر عورت معتدة الوفا ہو اور اس سے وطی بالشبہ ہو جائے تو اس کی پہلی عدت مہینوں کے ذریعہ سے ہے یعنی چار ماہ دس دن اور دوسری عدت حیض کے ذریعہ اب اگر چاہ ماہ دس میں تین حیض بھی آجائیں تو بسبب متداخل دونوں عدتیں پوری ہو جائیں گی، اور اگر اس مدت میں حیض جاری نہ ہو تو اس مدت کے بعد تین حیض کی عدت ثانیہ علیحدہ واجب ہوگی۔

ومبدأ العدة بعد الطلاق الخ: اور عدت کی ابتداء شوہر کے طلاق دینے کے وقت سے ہوتی ہے، جب عورت مطلقہ ہو اور شوہر کی وفات کے وقت سے ہوتی ہے جب وہ متوفی عنہا نہ ہو جہاں اس لیے کہ طلاق اور موت دونوں سبب عدت ہیں لہذا ان کے ابتداء کا اعتبار وجود سبب کے وقت سے ہوگا اور اگر عورت کو شوہر کے طلاق دینے یا اس کی وفات کا علم نہ ہو اور عدت گزر جائے تو اس کی عدت گزر جائے گی یعنی انقضاء عدت کا اعتبار ہو جائے گا اس لیے کہ عدت اجل ہے جس میں اس کے انقضاء کا علم شرط نہیں ہے۔

وفی النکاح الفاسد بعد التفریق الخ: اور نکاح فاسد میں عدت کی شروعات قاضی کے تفریق کر دینے کے بعد سے ہوتی ہے یا واطی کے ترک واطی کا عزم مصمم کر لینے کے بعد سے ہوتی ہے، بایں طور کہ واطی عورت سے کہہ دے تو کنتک یا خلعتک سبیلک یا کہے عزمک علی ترک واطیک یعنی عزم کے ساتھ قول مذکور بھی کہے صرف عزم ترک واطی کا کافی نہ ہوگا، امام زفر فرماتے ہیں کہ عدت کی شروعات واطیوں میں آخری واطی سے ہو جاتی ہے، حتی کہ اگر عورت کو واطی کے بعد تفریق سے پہلے تین حیض آگئے تو اس کی عدت ختم ہو جائے گی، اس لیے کہ واطی ہی نکاح فاسد میں وہ سبب ہے جو موجب للعدة ہے لہذا جب واطی پائی گئی تو اس سے عدت متعلق ہو جائے گی، اور ہمارا کہنا یہ ہے کہ ہر وہ واطی جو عقد فاسد میں پائی جائے تو وہ تمام واطیاں واطی واحد کے حکم میں ہیں کیوں کہ سب کی اسناد عقد واحد کے حکم کی طرف ہے اختصاص حقیقی میں جو کہ واطی کے

قائم مقام ہوتا ہے، اس لیے کہ اس اختصاص حقیقی پر اطلاع یا بی بغیر زوجین کے ممکن نہیں، بخلاف تفریق اور رمتارکہ وطی کے کہ ان پر اطلاع یا بی زوجین کے بغیر بھی ممکن ہے، پس جب کہ وطی پر اطلاع پانا ممکن نہیں ہے تو دواعی کو وطی کے قائم مقام بنا دیا گیا اور وہ ہے اختصاص حقیقی اور فراش جو قائم مقام وطی کے ہے۔

وان قالت مضت عدتی الخ: اگر معتدہ عورت کہتی ہے کہ میری عدت پوری ہوگئی اور مدت میں اس کا احتمال ہے اور شوہر عورت کے اس دعوے کی تکذیب کر رہا کہ ابھی تمہاری عدت نہیں پوری ہوئی ہے تو عورت کی بات قسم کے ساتھ معتبر سمجھی جائے گی اس لیے کہ عورت امینہ ہے اور چوں کہ عورت کذب کے ساتھ شوہر کی جانب سے مہم کردی گئی ہے، اس لیے تحلیف ضروری ہے، البتہ یہ تحلیف صاحبین کے مسلک پر ہے ورنہ امام صاحبؒ کے نزدیک تحلیف ضروری نہیں ہے۔

اگر معتدہ بالشہور تھی تو اس کا اعتبار مہینوں سے ہی ہوگا اور اگر وہ معتدہ بالحیض تھی تو کم از کم وقت محتمل حرہ کے لیے ساٹھ یوم اور باندی کے لیے چالیس یوم ہیں۔

ولو نکح معتدة مطلقها: اگر کس آدمی نے اپنی معتدہ سے (بایں طور کہ تین سے کم طلاق دیا تھا) عدت کے اندر ہی نکاح کر لیا پھر وطی سے پہلے طلاق دے دیا تو شوہر پر مہر اول کے علاوہ پوری مہر واجب ہوگی نیز عدت اولیٰ کے علاوہ مستقل عدت از سر نو عورت پر لازم ہوگی یہ رائے شیخینؒ کی ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک نصف مہر واجب ہوگا اور عدت اولیٰ کی تکمیل واجب ہوگی، اس لیے کہ یہ طلاق قبل الدخول ہے، لہذا کمال مہر واجب نہیں ہوگا اور نہ ہی استیناف عدت کا ہی وجوب ہوگا، البتہ اس عدت اولیٰ کی تکمیل واجب ہوگی کہ جس کا وجوب طلاق اول کی وجہ سے ہوا تھا پس یہ وجوب طلاق ثانی میں مرتفع اور ختم نہیں ہوگا۔

اور امام زفرؒ کے نزدیک سرے سے اس عورت پر عدت ہی نہ ہوگی کیوں کہ عدت اولیٰ تزوج ثانی کی وجہ سے ساقط ہوگئی پس وہ نہیں لوٹے گی اور ثانی عدت واجب ہی نہیں ہوئی اس لیے کہ طلاق قبل الدخول ہوئی ہے اور یہی قیاس کا بھی تقاضا ہے، اور شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ وطی قبضہ ہے جب کہ عورت قبضہ اول کی وجہ سے شوہر کے ہاتھ میں مقبوض ہے قبضہ سابق کے اثر کے باقی ہونے کی وجہ سے اور وہ ہے عدت پس جب اس نے عورت پر دوسرا عقد کیا اور انحالیکہ عورت شوہر کے ہاتھ میں مقبوض ہے تو قبضہ اول باز آ گیا اس قبضہ کی وجہ سے جس کا استحقاق عقد ثانی کی وجہ سے ہوا، جیسے کہ غاصب جب اس نے مقصوب کو اس حال میں خریدا کہ شی مقصوب اس کے قبضہ میں ہے پس غاصب محض عقد کی وجہ سے شی مقصوب پر قبضہ کرنے والا ہو جاتا ہے کہ جس کا استحقاق اس کو عقد ثانی کی وجہ سے ہوا تھا، پس اسی طرح عقد ثانی کے بعد جو طلاق ہوگی وہ بعد الدخول ہو جائے گی لہذا مہر تام واجب ہوگا۔

زوج ثانی کو نکاح صحیح کے ساتھ اس لیے مقید کیا کہ جب عقد اول صحیح ہو اور عقد ثانی فاسد ہو تو اس صورت میں طلاق کی وجہ سے نہ شوہر پر مہر اور نہ عورت پر عدت لازم ہوتی ہے، بخلاف اس کے کہ عقد ثانی فاسد ہو اور عقد اول صحیح ہو تو یہ حکم میں اس کے ہوگا کہ دونوں عقد صحیح ہوں۔

ولو طلق ذی ذمۃ النخ: اگر ذمی شوہر نے ذمیہ بیوی کو طلاق دیا یا ذمی شوہر کا انتقال ہوا تو اس ذمیہ پر عدت نہیں ہوگی بشرطیکہ ان کا اعتقاد عدم عدت کا ہو یہ امام اعظمؒ کی رائے ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک اس پر عدت ہوگی امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ عدت کے وجوب کی دو وجہیں ہو سکتی تھیں ایک تو یہ کہ عدت کا وجوب حق شرع کی وجہ سے ہو تو عورت ذمیہ حقوق شرع کی مخاطب نہیں، دوسری صورت یہ تھی کہ وجوب عدت حق زوج کی وجہ سے ہو تو شوہر اس کا معتقد نہیں اور ہمیں اہل ذمہ اور ان کے دین و اعتقاد کے ترک کا حکم ہوا ہے یہ تب ہے جب غیر حاملہ ہو اور اگر ذمیہ مطلقہ حاملہ ہو تو بالاتفاق اس کی عدت وضع حمل ہوگی کیوں کہ حمل ذمی سے ثابت النسب ہے۔

صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ فرقت در الاسلام میں دخول کے بعد ہوئی ہے تبائین کی وجہ سے لہذا عورت پر عدت واجب ہوگی، جیسے کہ اگر کسی اور وجہ سے فرقت واقع ہوتی مثلاً موت وغیرہ تو عدت ہوتی لہذا شوہر ذمی کے طلاق کی صورت میں بھی طلاق واقع ہوگی، اور امام صاحبؒ کا کہنا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ولا جناح علیکم ان تنکحواھن مطلق ہے جو بغیر کسی قید کے ہے لہذا ذمیہ مطلقہ پر جس کو طلاق زوج ذمی نے دیا ہے عدت نہیں ہے اور اگر شوہر مسلمان ہو جس کے نکاح میں ذمیہ ہو تو اگر مسلمان شوہر اس ذمیہ کو طلاق دیتا ہے یا شوہر کی وفات ہوتی ہے تو بالاتفاق عدت ہوگی۔

فصل تُحدُّ معتدة البت والموت بترك الزينة والطيب والكحل والدھن إلا بغدر والحناء ولبس المعصفر والمزغفر ان كانت بالغة مسلمة ولو امة لا معتدة العتي والنكاح الفاسد ولا تُخطب معتدة وصح التعريض ولا تخرج معتدة الطلاق من بيتها ومعتدة الموت تخرج يوماً وبعض الليل وتعتد ان في بيت وجبت فيه إلا ان تخرج أو ينهدم بآنت أو مات عنها في سفر بينها وبين مصرها أقل من ثلاثة رجعت إليه ولو ثلاثة رجعت أو مضت معها ولي أو لا ولو في مصر تعتد ثمة فتخرج بمحرم.

ترجمہ: سوگ منائے وہ عورت جس کو طلاق بائن ملی ہو یا شوہر مر گیا ہو زیب و زینت، خوشبو،

سرمہ، تیل ترک کرنے کے ساتھ مگر عذر کی وجہ سے اور مہندی اور سرخ و زرد کپڑے کو ترک کرنے کے ساتھ اگر عورت بالغہ مسلمہ ہونہ سوگ منائے وہ عورت جو آزادی اور نکاح فاسد کی عدت میں ہو اور معتدہ کو پیام نکاح نہ دیا جائے (ہاں) تعریض صحیح ہے اور طلاق کی عدت والی گھر سے نہ نکلے اور وفات کی عدت والی دن میں گھر سے نکل سکتی ہے نیز رات کے بعض حصہ میں (بھی) اور یہ دونوں اسی گھر میں عدت گزاریں جس میں عدت واجب ہوئی ہے الا یہ کہ گھر سے نکال دی جائے یا وہ منہدم ہو جائے، عورت سفر میں بایسہ ہو گئی یا اس کا شوہر مر گیا اور اسکے اور شہر کے درمیان تین دن سے کم کی مسافت ہے تو اپنے شہر کو واپس آ جائے اور اگر تین دن کا فاصلہ ہو تو چاہے واپس آ جائے اور چاہے (اپنے مقصد کی طرف) چلی جائے خواہ اس کے ساتھ ولی ہو یا نہ ہو اور اگر (ایسا اتفاق) شہر میں ہو تو وہیں عدت گزارے پھر محرم کے ساتھ نکلے۔

تشریح: جب مصنف انواع عدت کے بیان اور ان خواتین کے بیان سے فارغ ہو گئے جن پر عدت واجب ہوتی ہے تو اب اس چیز کا بیان شروع کیا جو معتدات پر واجب ہوتی ہے، احدث احداً از افعال اور حدث تحلل المرأة از نهر و ضرب شوہر کے مرنے پر سوگ منانا، قاموس میں ہے کہ حاد اور محدۃ اس عورت کو کہتے ہیں کہ جو بسبب عدت زینت ترک کرے خواہ طلاق بائن ہو یا رجعی، عورت کافرہ ہو یا مسلمہ، صغیرہ ہو یا کبیرہ، لیکن شریعت میں معتدہ بایسہ یا معتدہ الوفات کے زینت اور خوشبو وغیرہ کے ترک کو حداد کہتے ہیں گویا لغوی معنی عام اور معنی شرعی خاص ہیں۔

تحد معتدة البت الخ: معتدہ بایسہ اور معتدہ الموت یعنی وہ عورت جس کے شوہر کا انتقال ہو گیا ہو وہ زینت کے اسباب و سامان آرائش ترک کر کے سوگ منائے گی یعنی وہ زمانہ عدت میں خوشبو اور سرمہ اور تیل کا استعمال بلا عذر شرعی کے نہیں کرے گی نیز وہ مہندی ہاتھوں میں اور پیروں میں نہیں بسائے گی، سرخ اور زرد رنگ کے کپڑے نہیں پہنے گی، بشرطیکہ معتدہ مسلمہ بالغہ ہو پس البت کی قید سے مطلقہ رجعیہ اور بالغہ کی قید سے نابالغہ اور مسلمہ کی قید سے کافرہ نکل گئی بحر الرائق میں ہے سات عورتوں پر سوگ نہیں کافرہ، صغیرہ، مجنونہ، معتدۃ الحق، معتدۃ الزکاح الفاسد، معتدۃ الرجعی، معتدۃ موطوہ بالشہ پس یہ عورتیں عدت تو گزاریں گی لیکن زیبائش کے ترک کی پابند نہیں ہیں۔

معتدہ بایسہ اور معتدہ متوفی عنہا زواجاً فقط ترک آرائش کی پابند ہیں حدیث میں ہے رسول اللہ..... کا ارشاد ہے لا یحل لامرأة یومین بالله والیوم الآخر أن تحد علی میت فوق ثلاثۃ ایام الا علی زوج فانها تحد علیہ اربعۃ اشهر وعشرأ ولا تکتحل ولا تلبس ثوباً مصبوغاً الا ثوب عصب ولا تمس طیباً الا اذا ظهرت نبذة من قسط أو أظفار متفق علیہ۔ یعنی وہ خاتون

جو اللہ اور آخرت کو ماننی ہو تو اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ میت پر تین دن سے زیادہ سوگ منائے ہاں شوہر کے مرنے پر چار ماہ دس یوم سوگ منائے گی اور نہ سرمہ لگائے گی نہ رنگین کپڑے پہنے گی سوائے عصب میں رنگے ہوئے کپڑے کے اور نہ خوشبو استعمال کرے گی قسط بضم القاف ایک درخت کا عرق ہے جس کے دھونی دی جاتی ہے ہندوستان میں پیدا ہونے والی ایک خوشبودار لکڑی جو بطور دوا بخود استعمال کی جاتی ہے، اظفار ناخنوں کے مثل خوشبودار پودا یعنی ایک طرح کی خوشبو پس معتمدہ کے لیے قسط اور اظفار کی خوشبو کے علاوہ دیگر خوشبوئیں منع ہیں۔

نیز نبی..... نے فرمایا المتوفی عنها زوجها لا تلبس المعصفر من الثياب ولا المشق ولا الحل ولا تحتضب ولا تكتحل رواہ احمد و ابو داؤد والنسائی امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مطلقہ پر خواہ وہ بائنا کیوں نہ ہو ترک زینت نہیں ہے اس لیے کہ حداد یعنی سوگ منانا شوہر کے فوت ہونے پر اظہار افسوس کے لیے ہے جب کہ مطلقہ کو شوہر نے طلاق دے کر وحشت زدہ کر دیا ہے، لہذا اس کو شوہر چھوٹ جانے پر کوئی افسوس نہیں ہوتا۔

ہمارا استدلال رسول اللہ..... کا ارشاد ہے نہی المعتدة ان تختضب بالحناء رواہ النسائی اور یہ حدیث مطلق ہے جو مطلقہ اور متوفی عنہا زوجہ دونوں کو شامل ہے دوسرے یہ کہ مطلقہ پر بھی نعمت نکاح کے فوت ہونے پر اظہار تاسف واجب ہے کیوں کہ نکاح اس کی حفاظت کا سبب اور اس کے اخراجات کی کفایت کا سامان تھا بلکہ ابانت موت سے بھی خطرناک ہے۔

لا معتدة العتق والنکاح الفاسد: یعنی سوگ منانا ام ولد پر واجب نہیں ہے جب اس کو آقا آزاد کر دے اور نہ اس معتمدہ پر جو نکاح فاسد کی وجہ سے عدت میں ہو، اس لیے کہ احدا تو نعمت نکاح کے فوت ہونے پر اظہار تاسف کے لیے ہوتا ہے اور ان دونوں سے نعمت نکاح فوت نہیں ہوئی اسی طرح صغیرہ اور کافرہ پر احدا نہیں ہے، کیوں کہ وہ دونوں حقوق شرع کی مخاطب نہیں ہیں، کیوں کہ احدا عبادت ہے اس کی تائید اس امر سے ہوتی ہے کہ نبی..... نے مومنہ ہونے کی شرط لگائی ہے پس اگر احدا یعنی سوگ منانا عبادت نہ ہوتا تو ایمان کی شرط نہ لگائی جاتی، بخلاف عدت کے کہ وہ حق زوج ہے پس وہ ہر ایک پر واجب ہوگی، نیز اجداد مطلقہ رجحیہ پر نہیں ہے اس لیے کہ نعمت نکاح اس کی بھی فوت نہیں ہوئی ہے اس لیے کہ طلاق رجعی میں نکاح باقی ہوتا ہے اس وجہ سے مطلقہ رجحیہ سے وطی حلال ہوتی ہے اور اس پر بیویوں کے احکام جاری ہوتے ہیں، باندی پر احدا ہے اس لیے کہ وہ حقوق رب کی مخاطب ہوتی ہے بشرطیکہ اس میں حق مولیٰ کا ابطال نہ ہو، سوائے گھر سے نکلنے کے کہ اس سے منع کی صورت میں حق مولیٰ کا ابطال ہے۔

يُبلغ الكتاب أجله: یعنی تم معتدہ سے تعلق نکاح کا عزم معمم نہ کر لو کہ پیغام نکاح بھیج دو البتہ اشارہ نکاح درست ہے ارشاد ہے ولا جناح علیکم فیما عرضتُم بہ من خطبۃ النساءِ اَوْ اَکْتَسَمْتُم فی انفسِکُم عَلَیْمَ اللّٰہِ اَنْتُمْ مَسْذُکُرُوْنَهُنَّ وَلٰکِنْ لَا تُوَاعِدُوْهُنَّ مِیْرًا اِلَّا اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا کہ اشارہ پیغام نکاح میں کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ معتدہ متوفی عنہا زوجہا ہو البتہ وعدہ نکاح صراحتاً یہ ممنوع ہے ہاں مرد یہ کہہ سکتا کہ مجھے نکاح کرنا ہے مجھے سلیقہ مند عورت کی ضرورت ہے۔

ولا تخرج معتدة الطلاق الخ: معتدہ طلاق وقوع طلاق کے وقت جس مکان میں رہتی تھی اسی مکان میں عدت گزارے گی خواہ وہ بائٹہ ہو یا ربیعہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے لا تخرجوهن من بیوتہن ولا یخرجن الا ان ینتھن بفاحشۃ مطلقات کو ان کے گھروں سے باہر نہ جانے دیا جائے اور نہ وہ خود گھر سے باہر جائیں ہاں اگر وہ کوئی نازیبا عمل کریں تو نکالا جاسکتا ہے بفاحشۃ سے بعض نے نفس خروج لیا ہے یعنی وہ اپنی مرضی سے گھر چھوڑ دیں تو تم پر کوئی گناہ نہیں اور بعض نے زنا مراد لیا ہے یعنی ارتکاب زنا کی صورت میں اقامت حد کے لیے گھر سے باہر لایا جائے گا، ابن عباس کہتے ہیں کہ اگر وہ زبان کی تیز اور گھروالوں کو اس سے اذیت ہوتی ہو تو شوہر کے گھر سے نکالی جاسکتی ہے، البتہ معتدہ الطلاق کو اگر اپنی جان یا مال کا خطرہ ہو تو وہ شوہر کے مکان کو چھوڑ سکتی ہے ورنہ تو وہ ایسے دار کے محن میں نہیں آسکتی جس میں شوہر کے علاوہ کے بھی فلیٹ وغیرہ ہوں اور طلاق شوہر دے دے تو شوہر کے مکان کہ جس میں وہ رہتی تھی واپس آکر عدت گزارے۔

ومعتدة الموت تخرج اليوم الخ: وہ معتدہ جس کے شوہر کا انتقال ہو گیا ہو تو وہ دن میں اسی طرح رات کے کچھ حصہ میں گھر سے باہر جاسکتی ہے اس لیے کہ اس کا نفقہ خود اس پر ہے، اس کے اخراجات کی ذمہ داری شوہر کے ورثہ پر نہیں ہے پس وہ اپنی روزی روٹی کی فکر اور فراہمی میں دن میں اور رات کے کچھ حصہ میں شوہر کے گھر سے باہر آجاسکتی ہے، البتہ اتنا ضرور ہے کہ رات کا اکثر حصہ اپنے گھر کے سواء دوسری جگہ گزارنا منع ہے پس اگر نصف سے زائد رات شوہر کے مکان میں گذارتی ہے تو شوہر کے مکان میں بیونہ متحقق ہو جائے گی اس لیے کہ میت کہتے ہیں کسی جگہ آدمی کے اکثر رات تک رہنے کو۔ اچھا معتدہ عن الطلاق اس کے لیے شوہر کے مکان سے اضطراری حالت کے سواء نکلنے کی اجازت نہیں ہے، کیوں کہ اس کا نفقہ شوہر پر ہوتا ہے۔

وتعتدان وجبت فیہ الخ: معتدہ مطلقہ اور معتدہ متوفی عنہا زوجہا اسی مکان میں عدت گزاریں گی کہ جس مکان میں رہتے ہوئے دونوں پر عدت واجب ہوئی، یعنی مطلقہ کو طلاق ہوئی ہے اور بیوہ کو شوہر کے انتقال کی خبر ملی ہے، الا یہ کہ بیوہ کو اس مکان سے شوہر مرحوم کے ورثہ نکال دیں یا گھر ہی منہدم ہو جائے تو اب

ان ضرورتوں کی وجہ سے اس کے لیے نقل مکانی روا ہے، اور اگر بیوہ کو شوہر کے مکان سے اتنا حصہ میراث میں مل جاتا ہے کہ جو اس کے رہنے کے لیے کافی ہو جاتا ہے یا اگر کافی نہیں ہوتا ہے لیکن دیگر ورثہ جو بالغ ہیں اور وہ رہنے کی اجازت دے دیتے ہیں یا وہ کرایہ پر رہنے کی عورت کو اجازت دے دیں اور عورت کرایہ کے محل کی ملاحیت بھی رکھتی ہے تو شوہر کے گھر میں ہی عدت گزارے کی ورنہ مجبوری کی حالت میں خواہ مکان منہدم ہو جائے یا ورثہ باہر کر دیں جیسا کہ گذرایا جان مال کا خطرہ ہو تو یکے جا کر عدت گزار سکتی ہے۔

بانت او مات فی سفر الخ: اگر میاں بیوی سفر میں تھے کہ بیوی کو تین طلاقیں دے دی یا شوہر کا انتقال ہو گیا پس اگر عورت کے اور اس کے شہر کے درمیان تین دن سے کم کی مسافت ہے تو عورت اپنے گھر جہاں رہتی تھی لوٹ آئے اس لیے کہ یہ معنی ابتداء خروج نہیں ہے بلکہ سفر مقدم پر بناء ہے اور اگر عورت اور اس کے شہر کے درمیان تین دن کی مسافت ہو تو اسے اختیار ہے چاہے شہر لوٹ آئے یا اپنے مقصد کی طرف سفر جاری رکھے خواہ اس کے ساتھ اس کا ولی ہو یا نہ ہو البتہ لوٹ آنا زیادہ مناسب ہے تاکہ اعتماد شوہر کے گھر میں ہو اور مقصد کے لیے پایہ رکاب رہنے کی اس لیے اجازت ہے کہ جنگل میں عورت کا ٹھہرنا اس کے سفر کرنے سے زیادہ خوف ناک ہے۔

ولو فی مصر تعدتہ الخ: اور اگر شہر یا گاؤں میں طلاق دیا یا شوہر کا انتقال ہوا یعنی طلاق یا شوہر کی موت کا حادثہ ایسی جگہ پیش آیا جہاں عورت قیام کر سکتی ہے تو عورت اب یہاں سے نہیں جائے گی تاکہ اسی جگہ عورت عدت پوری کر لے اور جب عدت پوری ہو جائے تو اپنے محرم کے ساتھ وہاں سے جاسکتی ہے، یہ رائے امام صاحبؒ کی ہے صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اگر اس کے ساتھ کوئی محرم مرد ہے تو اس کے لیے انقضائے عدت سے قبل ہی اس شہر سے محرم کے ساتھ نکلنے میں کوئی حرج نہیں ہے اس لیے کہ عورت کے لیے اذیت غربت اور مسافرت کے دفعہ کرنے کے لیے نفس خروج مباح ہے پس یہ تو عذر ہے اور سفر کی حرمت وجود محرم کی وجہ سے مرتفع ہو گیا، امام صاحبؒ کا کہنا یہ ہے کہ بمقابلہ محرم کے نہ ہونے سفر سے طاقتور مانع عدت ہے اس لیے کہ عورت مسافت سفر سے کم دوری کا بغیر محرم کے بھی سفر کر سکتی ہے جب کہ معتدہ کے لیے اس کی بھی اجازت نہیں ہے۔

باب ثبوت النسب

وَمَنْ قَالَ اِنْ نَكَحْتُهَا فَهِيَ طَالِقٌ فَلَدَتْ بِسِتَةِ اشْهُرٍ مُدَّ نِكَاحُهَا لَزِمَ نِسْبَةُ وَمَهْرُهَا وَيُثْبِتُ نِسْبُ وَلَدٍ مُعْتَدَّةٍ الرَّجْعِيِّ اِنْ وَلَدَتْ لِأَكْثَرِ مِنْ سَتَيْنِ مَا لَمْ تَقِرَّ بِمَضَى الْعِدَّةِ

وَكَانَتْ رَجْعَةً فِي أَكْثَرِ مَنَّهُمَا لَا فِي أَقَلِّ مَنَّهُمَا وَابْتِ لِقَلِّ مَنَّهُمَا وَإِلَّا لَا إِلَّا إِنْ
يُدْعِيَةُ وَالْمَرَاهِقَةُ لِأَقَلِّ مِنْ تِسْعَةِ أَشْهُرٍ وَإِلَّا لَا وَالْمَوْتُ لِأَقَلِّ مَنَّهُمَا وَالْمَقْرُوءَةُ
بِمَضِيِّهَا لِأَقَلِّ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ مِنْ وَقْتِ الْإِقْرَارِ وَإِلَّا لَا وَالْمُعْتَدَةُ إِنْ جَحَدَتْ وَلَادَتُهَا
بِشَهَادَةِ رَجُلَيْنِ أَوْ رَجُلٍ وَإِمْرَأَتَيْنِ أَوْ حَبْلِ ظَاهِرٍ أَوْ إِقْرَارِهِ بِهِ أَوْ تَصْدِيقِ الْوَرْدَةِ
وَالْمَنْكُوحَةِ لِسِتَّةِ أَشْهُرٍ لِفَصَاعِدَا وَإِنْ سَكَتَتْ وَإِنْ جَحَدَتْ فَبِشَهَادَةِ امْرَأَةٍ عَلَى الْوِلَادَةِ
فَإِنْ وَلَدَتْ ثُمَّ اخْتَلَفَا فَقَالَتْ لَكَحْتَنِي مِذَّ سِتَّةِ أَشْهُرٍ وَادْعَى الْأَقْلَّ فَالْقَوْلُ لَهَا
وَهُوَ ابْنُهَا وَلَوْ عُلِقَ طَلَقُهَا بِوِلَادَتِهَا وَشَهِدَتْ امْرَأَةٌ عَلَى الْوِلَادَةِ لَمْ تُطْلَقْ وَإِنْ كَانَ
اِقْرَارُ الْحَبْلِ طُلُقًا بِلَا شَهَادَةٍ وَآخِرُ مَدَّةِ الْحَمَلِ سِتَّتَانِ وَأَقْلَاهَا سِتَّةُ أَشْهُرٍ فَلَوْ لَكَح
أُمُّهُ فَطَلَقَهَا فَاشْتَرَاهَا فَوَلَدَتْ لِأَقَلِّ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ مِنْهُ لَزِمَهُ وَإِلَّا لَا وَمَنْ قَالَ لِامْرَأَتِهِ إِنْ
كَانَ فِي بَطْنِكَ وَلَدٌ فَهُوَ مِنِّي فَشَهِدَتْ امْرَأَةٌ بِالْوِلَادَةِ فَهِيَ أُمُّ وَلَدِهِ وَمَنْ قَالَ لِغُلَامٍ هُوَ
إِبْنِي وَمَاتَ فَقَالَتْ أُمُّهُ أَنَا إِمْرَأَتُهُ وَهُوَ ابْنُهَا مِنِّي يَرْتَلِيهِ وَإِنْ جُهِلَتْ حُرِّيَّتُهَا فَقَالَ وَارِثُهُ
النِّبْ أُمُّ وَلَدِ ابْنِي فَلَا مِيرَاثَ لَهَا.

ترجمہ: اور وہ شخص جس نے کہا کہ اگر میں فلاں سے نکاح کروں تو اسے طلاق ہے پھر اس
سے نکاح کیا اور چھ ماہ بعد اس کے بچہ پیدا ہوا تو اس کا نسب اور عورت کا مہر لازم ہو جائے گا، اور اس عورت
کے بچہ کا نسب ثابت ہو جائے گا جو طلاق رجعی کی عدت میں سے ہے اگرچہ وہ دو سال سے زائد میں پیدا ہوا
ہو جب تک عورت عدت گزرنے کا اقرار نہ کر لے پس یہ ولادت رجعت ہوگی دو سال سے زائد کی صورت
میں نہ کہ اس سے کم کی صورت میں اور معتدہ بانہ کا بچہ اگر دو سال سے کم میں ہو تو نسب ثابت ہوگا ورنہ نہیں مگر
یہ کہ شوہر اس کا دعویٰ کرے اور مرہقہ کے بچہ کے نسب نو ماہ سے کم میں ثابت ہوگا، ورنہ نہیں اور معتدہ وفات
کے بچہ کا نسب دو سال سے کم میں ثابت ہوگا اور جو عدت گزرنے کا اقرار کرتی ہو اس کے بچہ کا نسب چھ ماہ سے
کم میں ثابت ہوگا اقرار کے وقت سے ورنہ نہیں اور اگر معتدہ کے بچہ کی ولادت کا انکار کر دیا گیا تو اس کا نسب
دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت سے یا حمل ظاہر یا اس کے اقرار یا ورثہ کی تصدیق سے ثابت ہوگا
اور منکوحہ کے بچہ کا نسب چھ ماہ یا اس سے زائد میں ثابت ہوگا اگر شوہر خاموش رہے اور اگر وہ انکار کرے تو
ولادت پر ایک عورت کی شہادت سے ثابت ہوگا، پس اگر عورت کے بچہ ہو پھر دونوں نے اختلاف کیا پس عورت
نے کہا تو نے مجھ سے چھ ماہ ہوئے نکاح کیا ہے اور شوہر نے اس سے کم کا دعویٰ کیا تو قول عورت کا معتبر ہوگا اور
وہ بچہ شوہر کا ہوگا اور اگر شوہر نے اس کی طلاق کو بچہ ہونے پر معلق کیا اور ایک عورت نے ولادت پر گواہی دی تو

طلاق نہ ہوگی اور اگر شوہر نے حمل کا اقرار کر لیا تو طلاق بلا شہادت پڑ جائے گی، حمل کی اکثر مدت دو سال ہے اور کمتر مدت چھ ماہ پس اگر کسی باندی سے نکاح کیا اور اس کو طلاق دے دی پھر اس کو خرید لیا یا اس کے چھ ماہ سے کم میں بچہ ہوا تو وہ اس کو لازم ہو جائے گا ورنہ نہیں، جس شخص نے اپنی باندی سے کہا کہ اگر تیرے پیٹ میں بچہ ہو تو وہ مجھ سے ہے پھر ایک عورت نے ولادت پر گواہی دی تو باندی اس کی ام ولد ہوگی اور جس نے کسی لڑکے کے متعلق کہا کہ وہ میرا بیٹا ہے اور وہ (یہ کہہ کر) مر گیا پس لڑکے کی ماں نے کہا کہ میں اس کی بیوی ہوں اور یہ اس کا بیٹا ہے تو یہ دونوں اس کے وارث ہوں گے پھر اگر اس کی آزادی معلوم نہ ہو پس مرنے والے کے وارث کہیں کہ تو میرے باپ کی ام ولد ہے تو عورت کو میراث نہ ملے گی۔

تشریح: چوں کہ ثبوت نسب عدت سے متعلق ہے اس لیے عدت کے باب کے بیان کے بعد نسب کا باب لائے پس وہ شخص جس نے کہا **إِنْ نَكَحْتُهَا فَهِيَ طَالِقٌ** یعنی اگر میں اس خاتون سے نکاح کروں تو اسے طلاق پس اس آدمی نے اس عورت سے نکاح کیا اور نکاح کے وقت سے چھ ماہ پورا ہوتے ہوتے بچہ پیدا ہو گیا تو بچہ کا نسب اور عورت کا مہر دونوں لازم ہو جائے گا، نسب تو اس لیے ثابت ہوگا کہ عورت اس کی فراش ہے اور عقد نکاح کی حالت میں وطی متصور ہے کیوں کہ ممکن ہے کہ عین ایجاب و قبول کی حالت میں وطی ہوئی ہو اور اختتام نکاح اور انزال ساتھ ساتھ ہوا ہو اور ثبوت نسب کے لیے اتنا احتمال کافی ہے پس وطی طلاق کے بعد لازم نہ آئی اور مہر اس لیے لازم ہوگا کہ جب نسب ثابت ہو گیا تو حکماً وطی متحقق ہوئی لہذا مہر مؤکد ہو گیا۔

ویشب نسب ولده معتدة الرجعی: معتدة الرجعی جب اپنے عدت گذر جانے کا اقرار نہ کرے اس وقت تک اس کے بچہ کا نسب ثابت ہی مانا جائے گا اگرچہ بچہ دو سال بعد پیدا ہوا ہو اس کی تین صورتیں ہیں اول یہ کہ چھ ماہ سے کم میں پیدا ہوا ہو، دوسرے یہ کہ چھ ماہ سے زائد اور دو سال سے کم میں پیدا ہوا ہو سوم یہ کہ دو سال بعد پیدا ہوا ہو، تینوں صورتوں میں بچہ ثابت النسب ہوگا، پہلی صورت میں تو اس لیے کہ بوقت طلاق حمل موجود ہے پس علق طلاق سے قبل ہوا لہذا نسب ثابت ہوگا اور بچہ کی پیدائش کے بعد وہ بائنه ہو جائے گی کیوں کہ وضع حمل کی وجہ سے اس کی عدت ختم ہو چکی دوسری صورت میں اس لیے کہ علق یا تو حالت نکاح میں ہے یا حالت عدت میں بہر دو صورت نسب ثابت ہوگا اور وضع حمل سے بائنه ہو جائے گی، تیسری صورت میں اس لیے کہ علق بعد از طلاق ہے پس ایک مسلمان کو تہمت زنا سے بچانے کے لیے یوں سمجھا جائے گا کہ اس نے رجوع کر لیا تھا بشرطیکہ عورت نے انقضائے عدت کا اقرار نہ کیا ہو اگر اس نے اقرار کر لیا کہ میری عدت گذر گئی اور اتنی مدت میں عدت گذرنے کا احتمال بھی ہو یعنی امام صاحبؒ کے نزدیک دو ماہ اور صاحبینؒ کے نزدیک انتالیس روز بعد بچہ پیدا ہوا تو نسب ثابت نہ ہوگا، الا یہ کہ اقرار کے بعد چھ ماہ سے کم میں بچہ پیدا ہوا کہ اس

صورت میں شرعاً عورت کی تکذیب ہوگئی لہذا نسب ثابت ہو جائے گا۔

و کانت رجعة فی اکثر منہما: اور وہ ولادت جو دو سال سے زائد مدت میں ہو وہ عورت پر رجعت ہوگی اس لیے کہ علق طلاق کے بعد کا ہے پس برہنائے حق یہ سمجھا جائے گا کہ شوہر نے عدت میں عورت سے رجوع کر لیا تھا تا کہ عورت سے زنا کی نفی ہو جائے کیوں کہ یہی اصح ہے اور اگر ولادت دو سال سے کم میں ہو تو یہ ولادت اور وطی باعث رجعت نہ ہوگی اس لیے کہ جیسے احتمال ہے کہ علق طلاق کے بعد ہو اسی طرح احتمال ہے کہ طلاق سے پہلے کا ہو پس برہنائے شک شوہر مراجع نہ سمجھا جائے گا اور اس لیے بھی کہ اپنے شوہر سے وضع حمل کے ذریعہ انقضائے عدت کی وجہ سے بائنه ہوگئی۔

البت لاقل منہما: اور معتدہ بائنه اگر دو سال سے کم میں ماں بنتی ہے یعنی بچہ پیدا ہوتا تو بچہ کا نسب ثابت ہو جائے گا اس لیے کہ حمل یا تو حقیقتاً بوقت طلاق موجود ہے یا کم از کم اس کا احتمال ہے اور ثبوت نسب کے لیے اتنا احتمال کافی ہے۔

اور اگر ولادت دو سال سے کم میں نہ ہوئی بلکہ دو سال پورا ہونے پر یا اس سے بھی زیادہ مدت کے بعد بچہ ہوا تو نسب نہ ثابت ہوگا اس لیے کہ بائنه کے ساتھ عدت میں وطی حرام ہے اور حمل دو سال سے زیادہ باقی نہیں رہتا لہذا شوہر کے ساتھ نسب کے الحاق کی کوئی وجہ نہیں ہے کیوں کہ یہاں یہ بات قطعی ہے کہ علق طلاق کے بعد کا ہے البتہ اگر شوہر ہی اس بچہ کے نسب کا مدعی ہو تو اس کے اپنے اوپر لازم کرنے کی وجہ سے نسب ثابت ہو جائے گا اور یوں سمجھا جائے گا کہ شوہر نے متوتہ سے وطی عدت میں شبہ سے کر لی ہے بایں طور کہ اس نے مطلقہ بائنه کو اپنی دوسری بیوی خیال کیا یا خیال کیا کہ متوتہ سے بھی رخصت کی طرف وطی کی گنجائش ہے۔

لیکن اس میں بحث ہے ایک تو یہ کہ عدم ثبوت نسب کی علت اس صورت میں تو ظاہر ہے کہ جب ولادت دو سال کے بعد ہو اس لیے کہ حمل طلاق کے بعد کا ہے لہذا اس کا ثبوت شوہر سے نہ ہوگا، لیکن جب ولادت دو سال پورا ہونے پر ہوگئی تو عدم ثبوت نسب غیر منطقی ہے اور نامعقول ہے، کیوں کہ حمل کی اکثر مدت دو سال مسلم ہے، پس اس شکل مذکور میں نفی نسب اس ضابطہ مشہور کی خلاف ورزی ہے، کیوں کہ بچہ جب دو سال پر پیدا ہو گیا تو لازم آتا ہے کہ علق طلاق سے قبل کا ہو کیوں کہ مطلقہ بائنه سے بعد الطلاق وطی حلال نہیں ہے نیز اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ بچہ ماں کے پیٹ میں دو سال سے زیادہ عرصہ رہ سکتا ہے کیوں کہ طلاق کے بعد دو سال کا عرصہ گزر رہا ہے اور علق اس سے پہلے کا ہے، پس صاف ہو گیا کہ حمل کو دو سال سے زیادہ عرصہ ہو گیا، لیکن نہر میں ولد کے بطن ام میں دو سال سے زیادہ قیام کے لزوم کا یہ کہہ کر انکار کیا گیا ہے کہ ہو سکتا ہے دوران طلاق وطی سے علق ہوا ہو اس لیے کہ اس وقت علق زوال فراش سے قبل کا ہوگا پس مدت قیام حمل دو سال ہی

شہر اس سے زیادہ نہیں۔

وَالْمَرْأَةُ لَا قُلَّ مِنْ تِسْعَةِ أَشْهُرٍ: وہ عورت جو مطلقہ مرہقہ ہو یعنی ابھی علامات بلوغ اس میں ظاہر نہیں ہوئی ہیں اور نہ ہی وہ پندرہ سال کی ہوئی ہے البتہ جماعت کے لائق ہے، پس شوہر اس مرہقہ سے وطی کر چکا ہے تو اس کے لڑکے کا نسب ثابت ہوگا بشرطیکہ بچہ طلاق کے وقت سے نو ماہ کے اندر اندر تولد ہو رہا ہے اور اگر نو ماہ سے کم مدت میں بچہ پیدا نہیں ہوا بلکہ نو ماہ سے زیادہ مدت میں ولادت ہوئی تو نسب ثابت نہ ہوگا گو وہ مطلقہ بابت ہو یا ریحیہ یہ طرفین کی رائے ہے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک دو سال تک اگر بچہ ہوتا ہے تب بھی نسب ثابت ہو جائے گا، کیوں کہ وہ بالغہ کے حکم میں ہے یہ تو تب ہے جب وہ مطلقہ بابت ہو اور اگر مطلقہ ریحیہ ہو تو اس کے بچہ کا نسب ستائیس ماہ تک تولد کی صورت میں بھی ثابت ہو جائے گا، اس لیے کہ شوہر کو آخری عدت میں وطی کرنے والا قرار دیا جائے گا اور آخر عدت تین ماہ ہے پھر ولادت اکثر مدت حمل ۲۴ ماہ ہونے پر مانی جائے گی حاصل یہ ہے کہ مرہقہ کا حمل موہوم ہے اور اس کے انقضاء عدت کی شرط مہینوں سے یہ ہے کہ وہ حاملہ نہ ہو اور حاملہ ہونا نہ ہونا مرہقہ سے ہی معلوم ہو سکتا ہے پس جب تک اس نے عدت کے پورا ہونے کا اقرار نہیں کیا احتمال ہے کہ وہ بائن میں طلاق سے قبل علق کی وجہ سے حاملہ ہو اور رجعی میں عدت میں علق کی وجہ سے حاملہ ہو گئی ہو اور اتنا تصور ثبوت نسب کے لیے کافی ہے پس اسی پر محمول کیا جائے گا، طرفین کا کہنا یہ ہے کہ مرہقہ کے نابالغہ ہونے کا یقین ہے جو شک کی وجہ سے زائل نہیں ہو سکتا اور صغر حمل کے منافی ہے اور انقضاء عدت کے لیے جہت متعین ہے اور وہ ہے مہینوں کا گذرنا پس مہینوں کے گذرنے سے شرع انقضاء عدت کا حکم لگا دیتی ہے پس ایسے ہو گیا جیسے اس نے اس کا اقرار کیا ہو بلکہ اس سے بھی بڑھ کر کیوں کہ وہ اپنے خلاف کا احتمال نہیں رکھتا جب کہ اقرار اس کا احتمال رکھتا ہے، نو ماہ کا اعتبار اس لیے کیا کہ تین ماہ اس کی عدت ہوئی اور چھ ماہ اقل مدت حمل یہ حکم تب ہے جب وہ مدخول بہا ہو اور اگر مطلقہ مرہقہ غیر مدخول بہا ہو اور چھ ماہ وقت طلاق سے کم مدت میں ولادت ہو گئی تو بھی نسب ثابت ہو جائے گا، کیوں کہ علق اس کے فراش میں پایا گیا لیکن اگر وہ وقت طلاق سے چھ ماہ کی مدت سے زیادہ وقت کے بعد ولادت ہو تو نسب ثابت نہ ہوگا، کیوں کہ بچہ تب ہو رہا ہے جب وہ اجنبیہ ہو چکی ہے۔

سابقہ ساری تفصیلات مقید ہیں دو شرطوں کے ساتھ ایک تو یہ کہ مرہقہ نے انقضاء عدت کا اقرار نہیں کیا ہے، دوسرے یہ کہ اس نے حاملہ ہونے کا دعویٰ نہ کیا ہو، پس اگر مرہقہ عدت پوری ہو جانے کا اقرار کر لے پھر وقت اقرار سے چھ ماہ کے اندر ہی اسے بچہ پیدا ہو جائے تو نسب ثابت ہو جائے گا اور اگر وقت اقرار سے سال بھر کے یا اس سے بھی زیادہ وقت کے بعد بچہ ہوا تو نسب ثابت نہ ہوگا، کیوں کہ عدت خود اس کے اقرار سے

پوری ہو چکی ہے اور اس بچہ کا قبل العدت ہونا لازم نہیں آرہا ہے، کیوں کہ عورت کے کذب کا یقین نہیں ہے۔ اسی طرح اگر مرہقہ حاملہ ہونے کا دعویٰ کرتی ہے تو اس کا اقرار بالکمل مانع ہونے کا اقرار ہوگا پس ثبوت نسب کے معاملہ میں کبیرہ کے حکم میں ہو جائے گی۔

والموت لاقل منها: معتدہ الموت کے لڑکے کا نسب وقبہ وفات سے دو سال کے اندر اندر تولد کی صورت میں ثابت ہوگا، امام زفرؒ کہتے ہیں کہ اگر قبہ موت سے دس ماہ دس دن پورا ہونے پر ولادت ہوئی تو نسب ثابت نہ ہوگا، اس لیے کہ اس نے عدت موت چار ماہ دس گزاری ہے اور چھ ماہ پورا ہونے پر بچہ ہوا ہے پس اس کا پہلے سے حاملہ ہونا یقینی نہیں ہے لہذا نسب شک سے ثابت نہ ہوگا، جیسا کہ جب وہ انقضاء عدت کا اقرار کر لیتی اور اس کے بعد بچہ تولد ہوتا تو نسب ثابت نہ ہو پاتا، امام صاحب کا کہنا یہ ہے کہ نسب کے ثبوت کے معاملہ میں احتیاط برتی جاتی ہے کہ حتی المقدور نسب ثابت ہونے سے رہ نہ جائے اور بچہ دو سال تک ماں کے پیٹ میں رہ سکتا ہے پس جب متونی عنہا زوجہا نے انقضاء عدت کا اقرار نہیں کیا تو اس کے معاملہ کو حاملہ ہونے پر محمول کیا جائے گا پس اس کی عدت مہینوں سے نہ گزرے گی اور نسب دو سال تک پیدا ہونے والے مولود کا ثابت ہو جائے گا۔

والمقرة بمضيها الخ: وہ خاتون جس نے اپنی عدت پوری ہو جانے کا اقرار کر لیا خواہ وہ کبیرہ ہو یا صغیرہ، عدت عدت طلاق ہو یا عدت وفات تو اگر اس کے چھ ماہ کے اندر اندر وقبہ اقرار سے بچہ پیدا ہو تو اس کا نسب ثابت ہوگا ورنہ نہیں یعنی اگر وقت اقرار کے چھ ماہ پورا ہونے یا چھ ماہ کیے بعد ولادت ہوئی تو اس کا نسب نہ ثابت ہو سکے گا، کیوں کہ یہ علق عدت کے بعد کا ہے اس لیے کہ عورت کو اس کے اقرار میں ایمنہ سمجھا جاتا ہے۔

ولمعتدة ان جحدت: وہ عورت جو عدت میں ہے اور دوران عدت بچہ پیدا ہوا اور شوہر نے یا اس کے ورثہ نے اگر شوہر فوت ہو گیا ہو اس بچہ کی ولادت کا انکار کر دیا تو اس کا نسب دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت سے ثابت ہو جائے گا، صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ ایک عورت یعنی دایہ کی شہادت سے نسب ثابت ہو جائے گا، اور امام شافعیؒ کے نزدیک چار عورتوں کی شہادت سے اور امام مالکؒ کے نزدیک دو عورتوں کی شہادت سے کہ عورت نے عدت میں اس بچہ کو جنا ہے نسب ثابت ہو جائے گا۔

امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ عدت عورت کے اقرار کی وجہ سے وضع حمل سے پوری ہو گئی لہذا فراش زائل ہو گیا اور متقضى حجت نہیں ہوتی، لہذا اثبات نسب کی ابتدا سے ضرورت پیش آئی لہذا اس میں کمال حجت کو شرط قرار دیا گیا، بخلاف جب کہ حمل ظاہر ہو اس لیے کہ فراش کی وجہ سے ولادت سے پہلے نسب ثابت

ہوتا ہے، ضرورت فقط تعیین ولادت کی ہوتی ہے جو دایہ کی شہادت سے حاصل ہو جاتی ہے۔

مصنفؒ کے قول والمعتدة ان ححدث ولادتها میں تمام طرح کی معتدات داخل ہیں ظہور حمل سے مراد یہ ہے کہ حمل کی علامتیں اس درجہ کو پہنچ جائیں کہ جس سے عورت کے حاملہ ہونے کا ظن غالب ہر اس شخص کو ہو جائے جو اس عورت کو دیکھے، نیز معتدہ کا حمل شوہر کے اقرار حمل کی وجہ سے بھی ثابت المنسب مانا جاتا ہے، اس لیے کہ یہ بھی فراش کی وجہ سے ولادت سے قبل ہی ثابت ہوتا ہے۔

اور وہ معتدہ جو متونی عنہا زوجہا ہو اگر اس کے بچہ کی ولادت کا انکار کیا جائے تو اس بچہ کا نسب شوہر کے ورثہ کی تصدیق سے ثابت ہو جائے گا، خواہ سارے ورثہ تصدیق کریں یا بعض یہ ثبوت حق ارث میں تو ظاہر ہے اس لیے کہ یہ خالص اس کے ورثہ کا حق ہے اور ثبوت نسب غیر کے حق میں بھی استحساناً ہو جاتا ہے اگرچہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ ورثہ کے غیر کے حق میں اس بچہ کا نسب ثابت نہ ہو کیوں کہ اس میں حمل المنسب علی الغیر یعنی دوسرے پر نسب مسلط کرنا ہے اور غیر وہ شوہر میت ہی ہے اور وجہ استحسان یہ ہے کہ ورثہ میت کے قائم مقام ہیں لہذا ان کا قول مقبول ہوگا۔

معلوم ہونا چاہئے کہ دایہ کی شہادت تعیین ولد کے لیے اجماعاً تمام صورتوں میں ضروری ہے اور اختلاف معتدہ کے قول سے نفس ولادت کے ثبوت میں ہے پس امام صاحب کے نزدیک تینوں صورتوں میں ثبوت قول معتدہ سے ہو جاتا ہے، اور صاحبینؒ کے نزدیک قابلہ یعنی دایہ کی شہادت سے ہوتا ہے، اور بہر حال بچہ کا نسب تو بالاجماع دایہ کی شہادت سے ہی ہوگا کیوں کہ یہاں احتمال ہے کہ وہ اس معین کا غیر ہو، اس اختلاف کا نتیجہ ایک دوسرے حکم کے حق میں ظاہر ہوگا، وہ طلاق اور عتاق وغیرہ کہ اگر کسی نے عورت کے طلاق یا غلام کی آزادی کو عورت کے بچہ جننے پر معلق کر دیا پس امام کے نزدیک عورت کے انا ولدث کہتے ہی طلاق واقع اور عتاق نافذ ہو جائے گا کیوں کہ عورت امینہ ہے شوہر کے حمل کے اعتراف کی وجہ سے یا حمل کے ظاہر ہونے کی وجہ سے لہذا عورت کا قول مقبول ہوگا، اور صاحبینؒ کے نزدیک عورت کا کہنا کافی نہ ہوگا بلکہ دایہ کی شہادت ضروری ہوگی۔

والمنکوحۃ الخ: منکوحہ کے بچہ کا نسب ثابت ہو جاتا ہے جب نکاح کے وقت سے چھ ماہ پورے ہونے کے بعد یا اس سے بھی زیادہ مدت کے بعد بچہ پیدا ہوا ہو اگر شوہر خاموش ہو اور ثبوت نسب کا اقرار نہ کرے و ان مسکت بیشتر جملوں میں واؤ کے ساتھ ہے البتہ بعض نسخوں میں ان مسکت بغیر واؤ کے ہے یعنی منکوحہ کے بچہ کا نسب نکاح کے وقت سے چھ ماہ پورے ہونے یا اس سے زیادہ مدت گزر جانے کے بعد تولد ہونے پر ثابت ہوتا ہے جب کہ شوہر خاموش رہے یا وہ نسب کا اعتراف کرے کیوں کہ فراش قائم ہے اور

مدت پوری ہے اور اگر چھ ماہ سے کم مدت میں بچہ تولد ہو جاتا ہے تو نسب ثابت نہ ہوگا، اس لیے کہ اس بچہ کا مطلق نکاح سے پہلے کا ہے پس اس شوہر کا نہ ہوگا لہذا نکاح فاسد ہو جائے گا اس احتمال پر کہ ہو سکتا ہے کہ یہ بچہ دوسرے شوہر کا ہو کہ جس سے نکاح صحیح ہوا تھا یا طلی بائشہ کا فیضان ہو۔

فائدہ: فصاعداً حال ہونے کی وجہ سے منسوب ہے اور ذوالحال محذوف ہے، تقدیر عبارت ہے فللمب صاعداً۔

اور اگر شوہر نے اس بچہ کے تولد کا جو نکاح کے بعد چھ ماہ پورے ہونے پر پیدا ہوا ہے انکار کیا تو ایک عورت کی شہادت علی الولادۃ سے نسب ثابت ہو جائے گا بشرطیکہ عورت مسلمان ہو مقبولۃ الشہادۃ ہو اس لیے کہ فراش قائم ہے اور مدت پوری ہے لہذا ثبوت نسب کا قائل ہونا ضروری ہے، خواہ شوہر خوش رہے یا انکار کرے اور اگر شوہر نے نکاح کے ہوتے ہوئے نسب کی نفی کر دی تو نفی بغیر لعان کے نہیں ہو سکتی اس لیے کہ یہ منکوحہ کا بچہ ہے۔

سوال ہوتا ہے کہ ایسے نسب کی نفی سے جو ایک عورت کی شہادت سے ثابت ہوتا ہو لعان کیسے واجب ہو سکتا ہے، جب کہ لعان حد ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ نسب عورت کی شہادت سے نہیں ثابت ہوتا ہے بلکہ عورت کی شہادت سے بچہ کی تعیین کا ثبوت ہوتا ہے پھر اس کے بعد نسب فراش کی وجہ سے اس کے فراش میں بچہ کے مولود ہونے کی ضرورت سے ثابت ہوتا ہے، لہذا اس کی نفی لعان کو واجب کرتی ہے۔

فان ولدت لم تختلفا الخ: عورت کے بچہ ہوا پھر میاں بیوی کا اختلاف ہوا، بیوی نے کہا لنگختنی مڈ ستة اشهر چھ ماہ ہوئے تو نے مجھ سے نکاح کر لیا تھا اور شوہر اس سے کم مدت نکاح بیان کر رہا ہے تو اعتبار عورت کے قول کا بلا قسم کے ہوگا اور بچہ شوہر کا بیٹا قرار پائے گا صاحبین کے نزدک عورت کی بات قسم کے ساتھ معتبر ہوگی، اور یہی مفتی بہ ہے عورت کے قول کا اعتبار اس لیے ہوگا کہ ظاہر حال عورت کے قول کی شہادت دیتا ہے کیوں کہ ظاہر اچھ نکاح سے پیدا ہوتا ہے اگر کوئی کہے کہ ظاہر حال شوہر کا بھی شاہد ہے اس لیے کہ حوادث کی نسبت قریب ترین وقت کی طرف ہوتی ہے اور نکاح حادث ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ نسب ان امور سے ہے کہ جس کے اثبات کے لیے حیلہ گوارہ کیا جاتا ہے احتیاطاً بچہ کے لیے۔

امام صاحب کے نزدیک عورت سے قسم نہیں لی جائے گی اور صاحبین کے نزدیک قسم لی جائے گی نکاح اور نسب ان چھ معاملات میں سے ہیں کہ جن میں امام صاحب کے نزدیک یحیٰ نہیں ہے اور صاحبین کے نزدیک ان میں یحیٰ ہے۔

ولو علق طلقها بولادتها: اگر شوہر نے اپنی بیوی کی طلاق بچہ کی ولادت پر معلق کر دیا یا اس طور کہ

عورت سے کہہ دیا ان ولدت فالتی طالق اگر تو نے بچہ جنا تو تجھے طلاق اور ایک عورت نے ولادت کی گواہی دے دی تو طلاق نہ ہوگی اور اگر شوہر نے عورت کے حاملہ ہونے کا اقرار کر لیا تو طلاق بغیر شہادت کے ہی ہو جائے گی، عورت کی شہادت پر عدم وقوع طلاق امام صاحب کا مسلک ہے صاحبین کے نزدیک طلاق ہو جائے گی، اس لیے کہ عورتوں کی شہادت ان معاملات میں حجت ہے جن پر مرد مطلع نہیں ہوتے، کیوں کہ نبی کا ارشاد ہے شہادة النساء جائزة فيما لا يستطيع الرجال النظر اليه کہ صرف عورتوں کی شہادت ان معاملات میں کہ جن کی طرف مرد نگاہ نہیں اٹھا سکتے درست ہے، چنانچہ ولادت کے معاملہ میں صرف عورتوں کی شہادت شرعاً قبول ہے لہذا اس معاملہ میں بھی ان کی شہادت مقبول ہوگی جو ولادت پر معلق ہے اور وہ ہے طلاق۔

امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ عورت نے ولدت کہہ کر شوہر کے حائض ہونے کا دعویٰ کیا ہے اس کا ثبوت حجت تامہ کے بغیر نہیں ہو سکتا اور ایک عورت کی گواہی حجت تامہ نہیں ہے جب کہ امر ولادت میں عورتوں کی گواہی کا قبول کرنا ضرور بنا ہے لہذا حق طلاق میں اس کا قبول کرنا لازم نہ ہوگا، کیوں کہ یہ ولادت کی ضرورتوں میں سے نہیں ہے، کیوں کہ طلاق ولادت سے فی الجملہ منفک ہے اگرچہ یہاں اتفاق حال سے وہ ولادت کے لوازم سے ہو گئی ہے اور دوسری صورت یعنی شوہر نے حمل کا ولادت سے قبل ہی اقرار کر لیا تو امام صاحب کے نزدیک محض عورت کے ولدت (کہ میں نے بچہ جنا ہے) کہنے سے بغیر دایہ کی شہادت کے طلاق ہو جائے گی اور صاحبین کے نزدیک شہادت قابلہ ضروری ہے، اس لیے کہ بیوی شوہر کے حائض ہونے کا دعویٰ کر رہی ہے لہذا بیوی کا قول بغیر حجت کے نہیں مقبول ہوگا، اور قابلہ کی شہادت اس جیسے معاملات میں حجت ہے اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ حمل کا اقرار در حقیقت اس ولادت کا اقرار ہے جو حمل کا انجام ہے دوسرے یہ کہ شوہر کا حمل کا اقرار کرنا بیوی کے امانت دار ہونے کا اقرار کرنا ہے، پس مورد امانت میں بیوی کا قول معتبر ہوگا۔

واكثر مدة الحمل الخ: اکثر مدت حمل دو سال ہے اور اقل مدت حمل باجماع امت چھ ماہ ہے امام شافعی کے نزدیک اکثر مدت حمل چار سال ہے اور یہی مذہب امام مالک اور احمد سے بھی مشہور ہے، امام مالک کی ایک روایت پانچ سال اور دوسری روایت سات سال کی بھی ہے، یہی ربیعہ کا بھی قول ہے، زہری سے چھ سال کی روایت ہے اور لیث بن سعد سے تین سال کی اور ابو عبیدہ کے نزدیک اکثر مدت حمل کی کوئی حد نہیں ہے، ہمارا استدلال حدیث عائشہ سے ہے فرماتی ہیں الولد لا يبقى في البطن اكثر من سنتين ولو بظل مغزول اور یہ سب پر حجت ہے۔

اقل مدت حمل کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد و حملہ و فصالہ ثلثون شہرا ہے کہ دو سال مدت رضاعت اور چھ ماہ اقل مدت حمل ہے۔

فلو نکاح امة الخ: ایک شخص نے ایک باندی سے نکاح کیا ہے پھر اسے طلاق دے دیا اس کے بعد اس باندی کو خرید بھی لیا پس اس نے چھ ماہ سے کم مدت میں خریدنے کے وقت سے بچہ جن دیا تو بچہ اس آدمی کو بلا دعویٰ لازم ہو جائے گا کیوں کہ یہ معتدہ کا بچہ ہے اس لیے علق خریدنے سے پہلے کا ہے کیوں کہ اس کے طلاق دینے پر اس باندی پر عدت لازم ہوئی پھر شراء کی وجہ سے عدت غیر کے حق میں باطل نہیں ہوئی گو اس کے حق میں باطل ہوگئی، کیوں کہ وہ ملک یمن کی وجہ سے اس کے لیے حلال ہوگئی۔

اور اگر اس نے چھ ماہ کے اندر بچہ نہیں جتا بلکہ سال بھر کے بعد یا اس سے بھی زیادہ مدت کے بعد تو بچہ کا نسب ثابت نہ ہوگا الا یہ کہ یہ شخص جو سابقاً شوہر اور حالاً مولیٰ ہے اس کے ثبوت نسب کا دعویٰ کرے کیوں کہ یہ اب معتدہ کا بچہ نہیں بلکہ مملوک کا بچہ ہے اور اس کے ثبوت نسب کے لیے مولیٰ کا دعویٰ ضروری ہے اور یہ معتدہ کا بچہ اس لیے نہیں کہ جب چھ ماہ کے بعد بچہ پیدا ہو رہا ہے تو اب یہ سمجھا جائے گا کہ علق شراء کے بعد کا ہے، پس شوہر کو اس کا نسب بغیر دعویٰ لازم نہ ہوگا، یہ تفصیل تب ہے جب باندی کو طلاق دخول کے بعد دیا ہو خواہ ایک بائہ یا رعیہ اور اگر طلاق دخول سے پہلے ہو اور پھر باندی کو خرید لیا تو اب اگر باندی کے وقت طلاق سے چھ ماہ کے اندر بچہ پیدا ہوتا ہے تو نسب ثابت ہوگا اس لیے کہ اس صورت میں علق ہونا نکاح کے قیام کی حالت میں سمجھا جائے گا اور اگر اس نے باندی کو دو طلاقیں دے دی تھیں تو شوہر پر حرمت غلیظہ ثابت ہو جائے گی اور وقت طلاق سے دو سال تک بچہ اگر پیدا ہوتا ہے تو وہ ثابت النسب ہوگا، اس لیے کہ حرمت غلیظہ کی وجہ سے علق کی نسبت شراء کے مابعد کی طرف کرنا ممکن نہیں ہے، پس علق کی نسبت بعد الاوقات کی طرف ہوگی اور وہ ہے طلاق سے قبل کا زمانہ ایسا باندی کے معاملہ کو صلاح پر محمول کرنے کی وجہ سے کریں گے۔

ومن قال لامته ان كان في بطنك ولد الخ: اور وہ شخص جس نے اپنی باندی سے کہا کہ اگر تیرے پیٹ میں بچہ ہو تو وہ میرا ہے پس باندی نے کہا ولدت میرے ولادت ہوئی اور ایک مقبول شہادہ دایہ نے باندی سے ولادت کے ہونے پر گواہی دے دی تو وہ باندی ام ولد ہو جائے گی اور بچہ کا نسب مولیٰ سے ثابت ہو جائے گا، کیوں کہ ثبوت نسب کا سبب مولیٰ کا دعویٰ ہے جو اس کے قول فہو منیٰ کی صورت میں پایا گیا، اب ضرورت فقط تعین ولد کی ہے اور یہ امر قابلہ کی شہادت سے ثابت اور طے پایا جاتا ہے یہ تب ہے جب مولیٰ کے کہنے کے بعد چھ ماہ کے اندر ولادت ہوگئی ہو کیوں کہ اس صورت میں کہنے کے وقت بچہ کے بطن ام میں موجود ہونے کا یقین ہوتا ہے پس اگر کہنے کے چھ ماہ سال بھر پر بچہ پیدا ہو تو نسب اس کہنے کی وجہ

سے ثابت نہ ہوگا کیوں کہ اس بات کا احتمال ہے کہ اس بچہ کا طوق مولیٰ کے قول ان کان فی بطنک ولد لہو منی کے بعد ہوا ہو۔

ومن قال لفلان الخ: وہ شخص جس نے کسی بچہ سے کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے اور مرگیا (اب اس کی ماں جو آزاد اور مسلمان ہے اور یہ دونوں امر معروف بھی ہیں اور نیز اس لڑکے کا اس کا بیٹا ہونا بھی معلوم ہے) کہتی ہے کہ میں متونی کی بیوی اور یہ لڑکا اس کا میرے بیٹا ہے جو میرے بطن سے تولد ہوا ہے تو ماں اور بیٹے دونوں اس میت کے وارث ہوں گے قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ دونوں کو حق وراثت نہ ہو کیوں کہ نسب تو نکاح فاسد اور وطی بالمشہ اور امومیۃ الولد سے بھی ثابت ہو جاتا ہے لہذا اقرار بالولد اس کی ماں کی زوجیت کا اقرار نہیں ہو سکتا۔

اور وجہ استحسان یہ ہے کہ مسئلہ فرض اس صورت میں کیا گیا کہ جب وہ عورت حریت اور اسلام اور اس بچے کی ماں ہونے میں معروف اور مشہور ہو اور نکاح صحیح ہی نسب کے لیے متعین ہوتا ہے پس اس آدمی کے بیٹا ہونے کے اقرار کے وقت یہ سمجھا جائے گا کہ یہ عورت جو کہ اس لڑکے کی ماں ہے اس کی بیوی ہے تا آنکہ اس کے خلاف کوئی امر ثابت نہ ہو جائے۔

وان جہلت حریتھا الخ: اور اسی مسئلہ مذکور میں اگر اس عورت کا آزاد ہونا معلوم نہ ہو لیکن میت کے ورثہ کہتے ہیں کہ تو میرے باپ کی ام ولد ہے تو عورت کو میراث نہ ملے گی، کیوں کہ ظہور حریت دفع رقیۃ کے لیے کافی ہے نہ کہ استحقاق وراثت کے لیے۔

فائدہ: ثبوت نسب کے تین مراتب ہیں مرتبہ اولیٰ نکاح ہے اس کا حکم یہ ہے کہ اس میں نسب بلا دعویٰ کے ثابت ہوتا ہے اور صرف نفی کر دینے سے نسب ختم نہیں ہوتا مرتبہ ثانیہ ام ولد ہے اس میں حکم یہ ہے کہ ثبوت نسب بلا دعویٰ کے ہو جاتا ہے اور نسب فقط نفی سے ختم بھی ہو جاتا ہے تیسرا مرتبہ باندی خالصہ ہے اس میں حکم یہ ہے کہ باندی کے بچہ ہونے پر نسب بلا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا البتہ امام شافعی کا اس میں اختلاف ہے۔

بَابُ الْحِصَانَةِ

أَحَقُّ بِالْوَلَدِ أُمُّهُ قَبْلَ الْفَرْقَةِ وَبَعْدَهَا ثُمَّ أُمُّ الْأُمِّ ثُمَّ الْأَبُ ثُمَّ الْأَخْتُ لِأَبٍ وَأُمُّ ثُمَّ لِأُمِّ ثُمَّ لِأَبٍ ثُمَّ الْخَالَاتُ كَذَلِكَ ثُمَّ الْعَمَّاتُ كَذَلِكَ وَمَنْ نَكَحَتْ غَيْرَ مُحَرَّمَةٍ سَقَطَ حَقُّهَا ثُمَّ يَعُودُ بِالْفَرْقَةِ ثُمَّ الْعَصَبَاتُ بَنَاتُ بَنِيهِمْ وَالْأُمُّ وَالْجَدَّةُ أَحَقُّ بِهِ حَتَّى يَسْتَفْنِيَ وَقَدْ رَسَّعَ سِنِينَ وَبِهَا حَتَّى تَحِيضَ وَغَيْرُهُمَا أَحَقُّ بِهَا حَتَّى تَشْتَهِيَ وَلَا حَقَّ لِلْأَمَةِ

وَأَمَّ الْوَلَدُ مَالَهُ تَعْتِقًا وَالْذِمَّةُ أَحَقُّ بِوَلَدِهَا الْمُسْلِمِ مَالَهُ يَعْقُلُ دِينًا وَلَا خِيَارَ لِلْوَلَدِ وَلَا تَسَافِرُ مُطْلَقَةً بِوَلَدِهَا إِلَّا إِلَى وَطَنِهَا وَقَدْ نَكَحَهَا ثَمَّةٌ.

ترجمہ: بچہ کے تربیت کی سب سے زیادہ حق دار بچہ کی ماں ہے فرقت سے پہلے بھی اور فرقت کے بعد بھی پھر نانی ہے پھر دادی ہے پھر اعیانی بہن ہے پھر اخیانی بہن ہے، پھر علاقائی بہن ہے پھر خالہ ہیں اسی ترتیب پر پھر پھوپھیاں ہیں اسی طرح اور (ان مذکورہ بالا خواتین میں سے) جس نے اس بچہ کے غیر محرم سے نکاح کر لیا تو اس کا حق حضانت ساقط ہو جائے گا پھر حق حضانت فرقت سے لوٹ آئے گا پھر حق حضانت عصبات کے لیے ہے ان کی (وارثت میں) ترتیب پر اور ماں اور دادی بچہ کی حقدار ہوتی ہیں تا آنکہ بچہ (دوسروں کی معاونت سے کھانے پینے میں) بے نیاز ہو جائے اور اس کی حدسات سال طے کی گئی ہے اور (ماں اور دادی) بچی کی حقدار (حضانت) رہتی ہیں تا آنکہ بچی بالغ ہو جائے اور ان دونوں (ام اور جدہ) کے سوا کو حق ہوتا ہے تا آنکہ بچی مشہق ہو جائے اور باندی کے لیے کوئی حق حضانت نہیں ہوتا، اور ام ولد کے لیے جب تک یہ دونوں آزاد نہ ہو جائیں اور ذمیہ اپنے مسلمان بچے کی حقدار ہوتی ہے جب تک وہ دین نہ سمجھنے لگے اور بچہ کے لیے کوئی خیال نہیں ہوتا ہے اور مطلقہ اپنے بچہ کو لے کر اپنے وطن کے سوا (کسی اور جگہ کا) سفر نہیں کر سکتی دراصل ایک شوہر نے وہیں عورت سے شادی کیا تھا۔

تشریح: جب مصنفؒ نے احوال عدت کے بعد ثبوت نسب کو بیان کیا تو اب بیان فرما رہے ہیں کہ حق پرورش کس کو ہوتا ہے اور بچہ کس کے پاس رہے گا اس لیے حضانت حقوق نسب سے ہے، حضانت حاء کے ضمہ، فتح اور کسرہ کے ساتھ حضن سے مشتق ہے جو باب نصر سے پرورش کرنا گود میں لینا کے معنی میں ہے۔ بچہ کی پرورش کے سلسلے میں اس کی سب سے زیادہ حقدار اس کی ماں ہوتی ہے بشرطیکہ وہ مرتدہ اور فاسقہ نہ ہو اور دوسرے شوہر سے نکاح نہ کر لیا ہو خواہ فرقت سے پہلے حق تربیت کا معاملہ ہو یا فرقت کے بعد اس پر امت کا اجماع ہے ابو داؤد نے روایت کیا ہے إِنَّ امْرَأَةً جَاءَتْ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ ابْنِي هَذَا كَانَ بَطْنِي لَهُ وَعَاءٌ وَحَجْرِي لَهُ حَوَاءٌ وَثَدْيِي لَهُ سَقَاءٌ وَزَعَمَ أَبُوهُ أَنَّهُ يَنْتَزِعُهُ مِنِّي فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّكَ أَحَقُّ بِهِ مَالَهُ تَنْكِحِي أَبُو دَاوُدَ نے روایت کیا ہے کہ ایک خاتونؓ رسول اللہؐ کے پاس تشریف لائیں اور عرض کیا یا رسول اللہؐ..... یہ میرا بیٹا ہے میرا شکم اس کے لیے اقامت گاہ اور میری چھاتی اس کا مشکیزہ اور میری گود اس کے لیے گہوارہ رہی ہے اب بچہ کا باپ مجھے طلاق دے چکا ہے اور بچہ کو مجھ سے علیحدہ کرنا چاہتا ہے آپؐ نے ارشاد فرمایا تو بچہ کی زیادہ مستحق ہے جب تک کہ کسی دوسرے سے نکاح نہ کر لے اور اس لیے بھی کہ ماں زیادہ شفیق ہوتی ہے

اور پرورش پر وہ زیادہ قادر ہوتی ہے لہذا بچہ کو ماں کے حوالہ کرنا زیادہ قرین مصلحت ہوگا، اس لیے جب حضرت عمرؓ نے اپنی اہلیہ جمیلہ بنت ثابت کو طلاق دی اور اپنے لڑکے عاصم کو اس سے لینا چاہا جمیلہ نے انکار کیا اور معاملہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خدمت میں پیش ہوا آپؓ نے فرمایا عمر دیکھا و مسہا و مسحہا و رقیہا غمر من الشہد عندک عورت کی بوا اس کا مس، اس کا مسح اور اس کا تھوک تیرے مقابلہ میں اس بچہ کے حق میں شہد سے بھی بہتر ہے، اگر کسی وجہ سے ماں حضانت سے معذرت کر رہی ہے تو اسے مجبور نہیں کیا جائے گا کیوں کہ عورت کی شفقت اس کو حضانت کے لیے برا ہیختہ کرتی ہے اور عموماً حضانت کے بغیر اس سے رہا نہیں جاتا پس جب وہ اپنے اس فطری منصب اور ذمہ داری کے لیے آمادہ نہیں ہے تو مطلب صاف ہے کہ وہ عاجز ہے معذرت ہے شافعی احمد کا بھی یہی قول ہے، نہایت میں کہا گیا ہے کہ ام کے سوا کوئی بچہ کا ذی رحم محرم ہے تو ماں کی مجبوری پر اسے بچہ کی حضانت پر مجبور کیا جائے گا تا کہ بچہ ضائع نہ ہو، ماں کے مقابلہ میں باپ کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ بچہ کو لے اور اس کے اخراجات برداشت کرے بشرطیکہ بچہ مدت حضانت کے بعد جب ماں کے پاس رہنا نہ چاہے کیوں کہ بچہ کا نفقہ باپ پر واجب ہے۔

ثم ام الام: یعنی جب ماں مر جائے یا دوسرا عقد کر لے تو ثانی حق حضانت کی زیادہ مستحق ہے اس حدیث کی وجہ سے جس کو ابو بکر بن شیبہ نے اپنے مصنف میں روایت کیا ہے کہ ان عمر بن الخطاب طلق جمیلہ بنت عاصم فتزوجت فاختہ عمر ابنہ عاصمًا فاذا رکتہ ام جمیلہ فاخذتہ فترافعا الی ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ وھما متشہبات فقال یا عمر غلب بینھا و بین ابنھا واخذتہ کہ عمر بن الخطاب نے جمیلہ بنت عاصم کو طلاق دے دیا تو انہوں نے دوسرے آدمی سے شادی کر لیا تو حضرت عمرؓ نے ان سے اپنا بیٹا عاصم لے لیا پس عاصم ام جمیلہ یعنی اپنی ثانی کو مل گئے پس انہوں نے نواسے کو پکڑ لیا تو حضرت عمرؓ اور عاصم کی ثانی مقدمہ صدیق اکبرؓ کی خدمت میں لے گئے حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ بھائی ام جمیلہ اور نواسے کا راستہ چھوڑ دو تو ثانی نے نواسے کو لے لیا معلوم ہوا کہ ماں کے بعد ثانی کو حق حضانت حاصل ہوتا ہے، دوسرے اس لیے بھی حضانت کی ولایت ماں کی جانب سے حاصل ہوتی ہے پس وہ خواتین جو عورت کی جانب اور رشتہ سے ہوں وہ حضانت کی زیادہ حق دار ہوتی ہیں۔

ثم ام الاب: اگر ثانی بھی نہ ہو تو دادی سے اوپر تک کو حق حضانت ہوتا ہے امام زفرؒ کہتے ہیں کہ اعمیانی بہن کو ثانی کے بعد حق حضانت ہوتا ہے یا پھر خالہ کے لیے کیوں کہ دادی بچہ کے ساتھ باپ کی قرابت کی وجہ سے حسن سلوک کرے گی جب کہ اعمیانی بہن اور خالہ ماں کی قرابت کی وجہ سے محبت اور حسن سلوک کا معاملہ کریں گی، لہذا دادی کے مقابلہ میں ان کو ترجیح ہوگی اس لیے کہ حضانت کا استحقاق ماں کی قرابت کے اعتبار

سے ہوتا ہے، ہمارا کہنا یہ ہے کہ دادی ماں ہی ہوتی ہے اس لیے کہ اس کو قربت ولادت حاصل ہوتی ہے اور یہ بچہ کے حق میں زیادہ مہربان اور شفیق ہوتی ہے، لہذا دادی کو اعمیانی بہن اور خالہ پر ترجیح ہے۔

ثم الاخت لاب وام الخ: اگر دادی بھی نہ ہو تو پھر حق حضانت اعمیانی بہن کو پھر اخیانی کو پھر علاتی بہن کو ترتیب وار حق حضانت حاصل ہوگا، اس لیے کہ یہ بنات الابوین ہیں، لہذا یہ بنات الابداد سے مقدم قرار دی جائیں گی، لہذا اعمیانی پھر اخیانی پھر علاتی بہن کو حق پرورش ملے گا، امام زفرؒ کے نزدیک اعمیانی کو برابر کا حق حاصل ہوگا، کیوں کہ دونوں کو اس صغیر کے ساتھ ماں کی وجہ سے شفقت ہوگی اور جہت اب کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے، ہمارا کہنا یہ ہے کہ گوباب کو حق پرورش کے معاملہ میں کوئی دخل نہیں ہے لیکن شرکت فی الام کے ساتھ شرکت فی الاب وجہ ترجیح کی صلاحیت تو رکھتا ہی ہے۔

ایک روایت کے بموجب خالہ کو علاتی بہنوں پر فوقیت حاصل ہے کیوں کہ نبی..... کا ارشاد ہے: الخالة والدة کہ خالہ کا درجہ والدہ کا ہوتا ہے، کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد و دفع ابوہ علی العرش میں ماں کے بجائے خالہ تھیں حضرت یوسف کی جن پر والدہ کا اطلاق قرآن نے کیا دوسرے اس لیے بھی کہ خالہ کو شفقت ماں کی وجہ سے ہوگی، جب کہ بہن کو شفقت باپ کی وجہ سے ہوگی، پس مدلی بہ کے اعتبار سے خالہ کو اولیت حاصل ہے، اعمیانی اور اخیانی بھانجی خالہ سے حق حضانت میں مقدم ہے، اور علاتی بھانجی میں روایات مختلف ہیں، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ خالہ کو ترجیح حاصل ہے، اور بھانجی بھتیجی سے حق حضانت میں مقدم ہے اس لیے کہ بہن کو حق حضانت ہوتا ہے بھائی کو نہیں جب ایک ہی درجہ کی کئی خواتین ہوں تو حضانت کے حق کے سلسلے میں ترجیح اسے ہوگی جو سب میں پرہیزگار اور متقی ہو پھر اسے جو سب سے عمر رسیدہ ہو۔

ثم الخالات: بہنوں کے بعد بہنوں کی ہی ترتیب پر خالائوں کو حق حضانت ہوگا کیوں کہ باپ حضانت میں ماں کی قربت کو زیادہ ترجیح ہے، یعنی اعمیانی خالہ پھر اخیانی خالہ پھر علاتی خالہ اس لیے کہ وہ جس کا اتصال جانبین سے ہو وہ زیادہ مہربان ہوگی، پھر وہ جس کا اتصال ماں کی جانب سے ہو خالہ کو بھتیجی کے مقابلہ میں ترجیح ہے اس لیے کہ خالہ کو شفقت بچہ کے ماں کی وجہ سے ہوگی، جب کہ بھتیجی کو بچہ سے شفقت باپ کا بھائی ہونے کی وجہ سے ہوگی۔

ثم العمات: پھر خالائوں کی ترتیب پر ہی پھوپھیوں کو حق حضانت ہوگی، یعنی اعمیانی پھوپھی پھر اخیانی پھر علاتی بھتیجی کو بمقابلہ پھوپھی حق ترجیح ہے اور پھوپھی زاد اور خالہ زاد بہنوں کو حق حضانت نہیں ہے کیوں کہ یہ سب بچہ کے حق میں غیر محرم ہیں۔

ومن نکحت غیر محرمة الخ: وہ عورت جس کو حق حضانت حاصل ہے جب وہ بچہ کے کسی غیر

محرم کے ساتھ نکاح کرے تو اس کا حق حضانت ساقط ہو جاتا ہے کیوں کہ انجسب شخص اپنی زوجہ کے پہلے شوہر کی اولاد سے عموماً خوش نہیں رہتا بلکہ وہ اس کی طرف بنظر حقارت دیکھتا ہے اور اگر خرچ کرتا ہے تو بطریق شرارت پس بچہ کو اس عورت کی پرورش میں رکھنا بچہ کے لیے مضر ہے ابن المہدی نے کہا ہے کہ اس پر اہل علم کا اجماع ہے بجز حضرت حسن کے کہ ان کے نزدیک حق ساقط نہیں ہوتا ہے ایک روایت امام احمد کی بھی ہے، جمہور کی دلیل روایت مذکورہ بالا ہے جس میں ابی احق بہ ما لا تنکحی کی صراحت موجود ہے پھر اگر مستحق حضانت عورت کو اس کا شوہر طلاق دے دے تو اس کا حق پھر مود کر آتا ہے، کیوں کہ مانع زائل ہو گیا، جیسے کہ ناشزہ عورت شوہر کے گھر سے نکل جانے کی وجہ سے نفقہ کا حق ختم ہو جاتا ہے، مگر جب شوہر کے گھر واپس آ جائے تو حق خود کر آتا ہے۔

ثم العصباء بترتيبهم الخ: وہ بچہ جس کے لیے کوئی ایسی عورت نہیں ہے کہ جس کو حق حضانت حاصل ہے اور اس سلسلے میں مرد لوگ جھگڑا کریں تو پھر عصباء کو حق پرورش ہوگا، میراث کی ترتیب پر اقدم قالادہم لہذا باپ کو اولیت حاصل ہے پھر دادا پھر پردادا پھر حقیقی بھائی پھر باپ شریک بھائی اس کے بعد حقیقی بھائی کی اولاد پھر باپ شریک بھائی کی اولاد پھر حقیقی چچا پھر چچا کے بیٹے۔

والام والجدۃ احق بہ حتی یستغنی: ماں اور دادی بچہ کی پرورش اس وقت تک کرتی رہیں گی اور یہ بچہ ان کی تربیت میں اس عمر تک رہے گا کہ جہاں پیونج کر وہ اپنی ضروریات پوری کرنے سے متعلق دوسروں کا محتاج نہیں رہ جاتا یعنی وہ تنہا کھالے، پی لے، استنجاء کر لے یعنی مکمل طہارت حاصل کر سکے اور اس کی کم از کم مدت سات سال ہے، کہ عموماً سات سال کا بچہ ان ضروریات کی انجام دہی میں دوسروں کا محتاج نہیں رہ جاتا اسی لیے سات پر شرعاً بچہ کی نماز کی تلقین کا حکم ہے مروا اولادکم بالصلاۃ وہم ابناء سبع سنین امر بالصلاۃ طہارت کاملہ پر قدرت کے بعد ہی ہو سکتا ہے ابو بکر رازی نے نو سال مانتا ہے لیکن خصاف کا قول یعنی سات سال رائج ہے۔

وبہا حتی تحيض: ماں اور دادی کی تربیت میں لڑکی وقت بلوغ تک رہے گی اب بالغہ خواہ بذریعہ حیض ہو یا بذریعہ احتلام یا بذریعہ عمر ہو کیوں کہ لڑکی حیض آنے سے قبل تک آداب نساء کا تھے، سینے پر ڈبے اور کھانے پکانے وغیرہ امور کی محتاج ہوتی ہے اور بلوغ کے بعد عفت و عصمت کی محتاج ہوتی ہے اور اس پر باپ ہی زیادہ قادر ہے، اس لیے باپ کو حق تزویج حاصل ہوتا ہے کیوں کہ باپ میں ماں کے مقابلہ میں غیرت زیادہ ہوتی ہے، لہذا وہ بچی کو فاسقوں کے دھوکے سے محفوظ رکھنے میں زیادہ حساس ثابت ہوگا، جبکہ سن بلوغ کو پہونچی بچی فتنوں کا نشانہ ہوتی ہے اور لوگوں کی لچائی نظریں اس پر پڑتی ہیں۔

اور ماں اور دادی کے علاوہ خواتین جن کو حق تربیت اور حضانت ہوتی ہے وہ لڑکی کی پرورش حد ثبوت کو پہنچنے سے پہلے تک کریں گی جس کی مدت بقول ابواللیث نو برس ہے، امام محمد کی ایک روایت ہے کہ ماں یا نانی اور دادی کے پاس بھی لڑکی نو برس کی عمر سے زیادہ مدت تک نہ رہے اسی پر فتویٰ ہے اس کے بعد بچی والد کے حوالہ اور سپرد کردی جائے گی، جو اس کا مناسب رشتہ کر دینے کا مجاز اور ذمہ دار ہوگا۔

ولا حق للامة وام الولد الخ: باندی اور ام ولد کو حق حضانت اس وقت نہیں ہوگا جب تک وہ دونوں آزاد نہ ہو جائیں کیوں کہ یہ دونوں مولیٰ کی خدمت کی مشغولی کی وجہ سے حضانت سے عاجز ہیں، دوسرے اس لیے بھی کہ حضانت ایک طرح کی ولایت ہے جبکہ ان دونوں کو خود اپنے اوپر ولایت نہیں ہوتی تو اپنے غیر پر بدرجہ اولیٰ نہ ہوگی پس حضانت اس کے مولیٰ کے لیے ہوگی اگر بچہ رقیّت میں ہے اور آقا چھوٹے بچہ اور اس کی باندی ماں میں تفریق نہیں کرے گا بشرطیکہ وہ دونوں اس کی ملکیت میں ہوں اور اگر چھوٹا بچہ آزاد ہو تو حضانت بچہ کے قریبی آزاد رشتہ داروں کو حاصل ہوگی۔

ہاں جب باندی اور ام ولد آزاد ہو جائیں تو ان کو اپنی آزاد اولاد کی حق حضانت حاصل ہو جائے گی اس لیے کہ باندی اور ام ولد اور ان کے بچے سب آزاد ہیں ثبوت حق کے وقت۔

والذمۃ احق بولدھا المسلم الخ: ذمہ اپنے مسلمان چھوٹے بچہ کی تربیت اور پرورش کی مستحق ہے جب تک کہ بچہ دینی اور مذہبی شعور کے قابل نہیں ہوتا اس لیے کہ حضانت کی بنیاد شفقت پر ہے اور ماں ذمہ سہی بچہ پر سب سے زیادہ مہربان ہوگی، لہذا بچہ کا پرورش کے لیے ماں کے حوالہ کرنا بچہ کی مصلحت ہے لیکن مذہبی شعور سے پہلے پس جب بچہ کو دینی شعور ہونے لگے تو ماں ذمہ سے لے لیا جائے گا احتمال ضرر کی وجہ سے اور مرتدہ کو حق حضانت نہیں ہے، کیوں کہ مرتدہ کو جس اور ضرب ہوتی ہے لہذا حضانت کے لیے وہ فارغ نہیں ہو سکتی اور نہ ہی اس میں بچہ کی مصلحت اور خیر اندیشی ہے۔

ولا خيار للولد: بچہ کو ماں باپ میں سے کسی کو اختیار کرنے کا حق ہمارے نزدیک نہیں ہے امام مالکؒ بھی اسی کے قائل ہیں امام شافعیؒ فرماتے ہیں بچہ کو اختیار دیا جائے گا اور امام احمد کے نزدیک جب بچہ سات سال کا ہو جائے تو اس کو اختیار دیا جائے گا اور بچی کو بغیر خیار کے باپ کے حوالہ کر دیا جائے گا، ان حضرات کا استدلال حدیث ابو ہریرہ سے ہے عن ابی ہریرۃ ان امرأۃ جاءت الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقالت ان زوجی یرید ان یذهب بانبہ وقد شکانی من بشر ابی عتبۃ وقد نفعنی فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال زوجها اُتِحاقتی فی ولدی فقال علیہ الصلاة والسلام هذا ابوک وهذا اُمک فخذ بیدایہما شئت فآخذ بیدایہ فانطلقت بہ رواہ

التومذی حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک خاتون رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہؐ..... میرے شوہر میرے بچے کو لے جانا چاہتے ہیں حالاں کہ وہ مجھے پانی لاتا ہے اور آرام دیتا ہے تو رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا دونوں قرعہ اندازی کر لو تو شوہر نے کہا کیا وہ مجھ سے میرے بچے کے بارے میں جھگڑ رہی ہے آپ نے بچے سے ارشاد فرمایا کہ یہ تیرا باپ ہے اور وہ تیری ماں ہے جس کا تو چاہے ہاتھ پکڑ لے پس بچہ نے ماں کا ہاتھ پکڑا اور ماں کے ساتھ چلا گیا، پس یہ روایت تحفیر کے مسئلہ میں نص ہے اور صریح ہے امام احمدؒ کہتے ہیں کہ یہ حدیث لڑکا کے بارے میں نص ہے اور لڑکی کو اس پر نہیں قیاس کیا جائے گا کیوں کہ لڑکی حفاظت اور تزویج کی محتاج ہوتی ہے لڑکا نہیں۔

ہمارا کہنا یہ ہے کہ بچہ قصور عقل کی وجہ سے اس کو پسند کرے گا جو اس کے ناقص فہم میں راحت اور آزادی کا معاملہ ہوگا لہذا اس میں اس کی مصلحت کی رعایت نہ ہو سکے گی اور دوسری بات یہ ہے کہ وہ لڑکا چھوٹا اور نا سمجھ ہے اس کو اپنی مصلحتوں کا پتہ نہیں ہے لہذا اس کے انتخاب پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا اور صحیح سند سے ثابت ہے کہ صحابہ نے بچہ کو اختیار نہیں دیا۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس روایت سے شافعی اور احمدؒ کا مسلک ثابت نہیں ہوتا، کیوں کہ اس میں میاں بیوی کے درمیان فراق کا کوئی تذکرہ نہیں ہے پس ظاہر حال یہ ہے کہ وہ خاتون اپنے شوہر کی نکاح میں رہی ہوں گی آپ دیکھئے وہ فرماتی ہیں ان زوجی یوید معلوم ہوا طلاق اور فرقت دونوں میں نہیں ہوئی تھی ورنہ وہ خاتون زوجی کا لفظ استعمال نہ کرتیں، جب کہ زیر بحث مسئلہ کا تعلق فراق اور طلاق کے بعد سے ہے اور اس کا بھی احتمال ہے کہ بچہ بالغ ہو گیا ہو جیسا کہ ظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کیوں کہ روایت میں ہے سفانی جب کہ چھوٹا بچہ کنویں سے پانی نہیں نکال سکتا اور بلوغ کے بعد لڑکا باپ کے ساتھ رہنے کا پابند نہیں ہے بلکہ اب وہ خود مختار ہے اور بھی جوابات ہیں تبیین للربطی ملاحظہ فرمائیں۔

ولا تفساقر مطلقۃ بولدھا الخ: عورت انقضاء عدت کے بعد بچہ کو لے کر دوسرے شہر جب کہ وہ فاصلہ پر ہو نہیں جاسکتی کیوں کہ اس میں اضراہ بالاب ہے ہاں عورت ایسے شہر جاسکتی ہے کہ جو اس کا وطن ہے اور جس میں شوہر نے عورت سے نکاح کیا تھا اس لیے کہ شوہر جس شہر میں شادی کرتا ہے تو شرعاً اور عرفاً اسی شہر میں رہنے کا التزام گویا کر لیتا ہے، رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا من تزوج ببیلد فہو منہم کہ جسے جس شہر میں شادی کیا تو وہ وہاں کے باشندوں میں سے ہو گیا، پس عورت کا ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف بچے کے ساتھ نقل مکانی کرنا دو شرطوں کے ساتھ مشروط ہے ایک تو وہ شہر عورت کا وطن ہو اور دوسرے یہ کہ اس میں تزویج واقع ہوا ہو پس اگر دونوں شرطوں میں سے کوئی ایک شرط بھی فوت ہو گئی تو عورت سفر کی مجاز نہ رہ جائے گی لہذا اگر

ایسے شہر کی طرف سفر کرنا چاہتی ہے جس میں تزوج تو ہوا ہے لیکن عورت کا وہ وطن نہیں تو منع کیا جائے گا یا وہ اپنے وطن جانا چاہتی ہے لیکن نکاح دوسری جگہ ہوا تھا تو بھی بچہ کو لے کر بغیر شوہر سابق کی اجازت کے نہیں جاسکتی۔

باب النفقة

تَجِبُ النِّفْقَةُ لِلزَّوْجَةِ عَلَى زَوْجِهَا وَالْكِسْوَةُ بِقَدْرِ حَالِهَا وَلَوْ مَالِيَةً نَفْسَهَا لِلْمَهْرِ لَا نَاشِزَةً وَصَغِيرَةً لَا تُؤْطَاهُ وَمَحْبُوسَةً بِدَيْنٍ وَمَقْصُوبَةً وَحَاجَّةً مَعَ غَيْرِ الزَّوْجِ وَمَرِيضَةً لَمْ تُزَفْ وَلِخَادِمِهَا لَوْ مُوسِرًا وَلَا يُفَرِّقُ بَعْضُهُ عَنِ النِّفْقَةِ وَتُؤَمَّرُ بِالِاسْتِدَانَةِ عَلَيْهِ وَتُتَمَّ نَفَقَةُ الْيَسَارِ بِطَرَوِهِ وَإِنْ قُضِيَ بِنَفَقَةِ الْإِعْسَارِ وَلَا تَجِبُ نَفَقَةُ مَا مَضَتْ إِلَّا بِالْقَضَاءِ أَوْ الرِّضَاءِ وَبِمَوْتِ أَحَدِهِمَا تَسْقُطُ الْمَقْضِيَّةُ وَلَا تُرَدُّ الْمُعْجَلَةُ وَبِيعَ الْقِنْ فِي نَفَقَةِ زَوْجَتِهِ وَنَفَقَةِ الْأُمَةِ الْمُنْكَوحَةِ أَلَا تَجِبُ بِالتَّبَوُّيَّةِ وَالسُّكْنَى فِي بَيْتِ خَالٍ عَنْ أَهْلِهِ وَأَهْلِهَا وَلَهُمُ النَّظَرُ وَالْكَلامُ مَعَهَا وَفَرَضَ لِزَوْجَةِ الْغَائِبِ وَطِفْلِهِ وَأَبَوَيْهِ فِي مَالٍ لَهُ عِنْدَ مَنْ يَقْرَأُ بِهِ وَبِالزَّوْجِيَّةِ وَيُؤْخَذُ كَفِيلٌ مِنْهَا وَلِمُعْتَدَةِ الطَّلَاقِ لَا الْمَوْتِ وَالْمَعْصِيَةِ وَرَدُّهَا بَعْدَ الْبَتِّ تَسْقُطُ نَفَقَتُهَا لَا تَمْكِينُ ابْنِهِ وَلِطِفْلِهِ الْفَقِيرِ وَلَا تُجْبَرُ أُمُّهُ لِرَضْعٍ وَيَسْتَأْجِرُ مَنْ تُرَضِّعُهُ عِنْدَهَا لَا أُمُّهُ لَوْ مُنْكَوْحَةٌ أَوْ مُعْتَدَّةٌ وَهِيَ أَحَقُّ بِعَدْلِهَا مَا لَمْ تَطْلُبْ زِيَادَةً وَلَا بَوِيَّةً وَأَجْدَادَهُ وَجَدَّائِهِ لَوْ فَقَرَاءُ وَلَا نَفَقَةٌ مَعَ اخْتِلَافِ الدِّينِ إِلَّا بِالزَّوْجَةِ وَالْوَلَادِ وَلَا يُشَارِكُ الْأَبُ وَالْوَلَدُ فِي نَفَقَةِ وَلَدِهِ وَأَبَوَيْهِ أَحَدٌ وَلِقَرِيبٍ مَحْرَمٍ فَقِيرٍ عَاجِزٍ عَنِ الْكَسْبِ بِقَدْرِ الْأَرثِ لَوْ مُوسِرًا وَصَحَّ بَيْعُ عَرْضِ ابْنِهِ لِأَعْقَارِهِ لِنَفَقَتِهِ وَلَوْ انْفَقَ مُودَعُهُ عَلَى أَبَوَيْهِ بِلَا أَمْرِ ضَمِينٍ وَلَوْ أَنْفَقَا مَا عِنْدَ هُمَا لَا فَلَوْ قُضِيَ بِنَفَقَةِ الْوَلَادِ وَالْقَرِيبِ وَمَضَتْ مُدَّةٌ سَقَطَتْ إِلَّا أَنْ يَأْذَنَ الْقَاضِي بِالِاسْتِدَانَةِ وَلِمَمْلُوكَةٍ فَإِنْ أَبَى فَفِي كَسْبِهِ وَإِلَّا أَمْرٌ بَيْعُهُ.

ترجمہ: واجب ہے بیوی کا نفقہ اس کے شوہر پر اور پوشاک (واجب ہے شوہر پر) دونوں کی حالت کے مطابق اگرچہ عورت روکنے والی ہو خود کو مہر کے لیے نہ یہ کہ وہ سرکش ہو اور نہ ایسی چھوٹی ہو جو ناقابلِ وطی ہو اور نہ قرض کی وجہ سے قید ہو اور نہ چھین گئی ہو اور نہ غیر شوہر کے ساتھ حج کرنے والی ہو اور نہ ایسی بیمار ہو جو شوہر کے حوالہ نہ ہوئی اور (واجب ہے) عورت کے خادم کا نفقہ اگر شوہر مالدار ہے اور جدائی نہ کی جائے گی اگر شوہر نفقہ سے عاجز ہو بلکہ شوہر کے نام سے قرض لینے کا (عورت کو) حکم کیا جائے اور پورا کیا جائے گا

الداری کا نفقہ والداری پیش آنے پر کو قاضی نفقہ منطقی کا حکم کر چکا ہو اور نہیں واجب ہوتا ہے گذشتہ کا نفقہ مگر قضاء کے ساتھ یا رضاع کے ساتھ اور کسی ایک کے مرجع سے مقررہ نفقہ ساقط ہو جاتا ہے اور واپس نہیں لیا جائے گا منطقی نفقہ اور غلام کو اس کی بیوی کے نفقہ میں فروخت کیا جائے گا اور منکوحہ باندی کا نفقہ شبہ ہاشی کرانے سے واجب ہوتا ہے اور (بیوی کو ایسے) گھر میں رکھنا واجب ہے جو میاں بیوی کے الہ سے خالی اور بیوی کے گھر والوں کو اس سے بات چیت کرنے اور دیکھنے کی اجازت ہے اور قائب شخص کے بیوی بچوں اور والدین کا نفقہ مقرر کیا جائے گا اس کے مال سے جو ایسے شخص کے پاس ہو جو مال کا اور زوجیت کا اقرار کرتا ہو اور عورت سے ایک ضامن لے لیا جائے گا اور (نفقہ واجب ہے) طلاق کی عدت والی کے لیے نہ کہ وفات کی عدت والی کے لیے اور ایسی جدائی کی عدت والی کے لیے جو عورت کی طرف سے ہو اور عورت کا مرتد ہو جانا بائن ہونے کے بعد اس کے نفقہ کو ساقط کر دیتا ہے نہ کہ شوہر کے لڑکے کو قابو دے دیتا اور (نفقہ واجب ہے) اپنے محتاج بچہ کا اور ماں کو دودھ پلانے پر مجبور نہیں کیا جائے گا بلکہ ایسی خاتون کو اجرت پر لے گا جو بچہ کو ماں کے پاس دودھ پلائے نہ کہ اس کی ماں کو اگر وہ منکوحہ یا معتدہ ہو اور ماں زیادہ حقدار ہے عدت کے بعد جب تک زیادہ نہ مانگے اور (نفقہ واجب ہے) باپ، دادا، دادی کا اگر وہ محتاج ہوں اور دین کے مختلف ہو جانے سے واجب نہیں ہوتا مگر زوجیت اور باپ بیٹا ہونے کے تعلق سے اور شریک نہیں ہوگا باپ اور اولاد کی اولاد اور والدین کے نفقہ میں کوئی دوسرا شخص اور (نفقہ واجب ہے) رشتہ دار محرم کے لیے جو محتاج اور کمانے سے عاجز ہو بقدر وراثت کو مالدار ہو اور صحیح ہے اپنے بیٹے کے اسباب کو بیچنا نفقہ کے لیے نہ کہ اس کی زمین اس کے نفقہ کے لیے اور اگر مودع نے خرچ کیا صاحب مال کے والدین پر بلا اجازت تو ضامن ہوگا اور اگر والدین نے خرچ کیا تو ضامن نہ ہوں گے اگر قاضی نے ماں باپ یا بیٹے یا رشتہ دار کے لیے نفقہ کا حکم کیا اور مدت گزر گئی تو ساقط ہو جائے گا الا یہ کہ قاضی قرضہ لینے کا حکم کر دے اور (نفقہ واجب ہے) اپنے غلام کے لیے پس اگر آقا نہ دے تو غلام کی کمائی سے ہوگا ورنہ غلام کے فروختی کا آرڈر جاری کیا جائے گا۔

تشریح: نفقہ کی بحث کو کتاب النکاح کے ذیل میں اس لیے بیان کیا تا کہ نفقہ منکوحہ کا ترتب

اس کتاب مذکور پر ہو جائے بعض حضرات نے علیحدہ کتاب میں بیان کیا ہے، کیوں کہ اس میں صرف منکوحات کے نفقہ کا ہی بیان نہیں ہے، بلکہ ذوی الارحام اور ممالیک وغیرہ کے نفقات کا بھی بیان ہے، نفقہ لغت میں وہ اخراجات کہلاتے ہیں جو آدمی اپنے بال بچوں پر کرتا ہے اور شرع میں نفقہ سے مراد کھانا، کپڑا اور رہائش ہے ایک قول ہے کہ نفقہ نفوق بمعنی ہلاک ہونا سے مشتق ہے یا نفاق بمعنی رواج سے مشتق ہے۔

نفقہ غیر تین باتوں کی وجہ سے واجب ہوتا ہے ایک تو زوجیت دوسرے قرابت تیسرے ملک اسی طرح

نفقہ غیر واجب ہوتا ہے غیر کی مصالح کے لیے جیسے نفس کی وجہ سے مضارب، وصی یا مصالح عام کے لیے جس نفس کی وجہ سے جیسے قاضی اور مفتی اور عامل فی الصدقات وغیرہ۔

يجب النفقة للزوجة: بیوی کا نفقہ اس کے شوہر پر واجب ہوتا ہے، خواہ بیوی کی رخصتی ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو اور خواہ عورت مسلمان ہو یا کافرہ مالدار ہو یا محتاج، موطوءہ ہو یا غیر موطوءہ قرآن میں ہے لِيُنْفِقَ ذُو سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهِ نِزَارِشَاد بَارِی ہے وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ان کا کھانا کپڑا سب تمہارے ذمہ ہے نیز امت کا بھی اس بات پر اجماع ہے کہ عورت کا کھانا اور کپڑا شوہر پر واجب ہے اور عقل کا بھی تقاضا ہے کہ عورتوں کو کھانا کپڑا کا استحقاق ہونا چاہئے کیوں کہ یہ جزاء احتباس ہے لیکن شرط ہے نکاح کے صحیح ہونے کی۔

والكسوة بقدر حالهما: نفقہ اور پوشاک شوہر پر دونوں کے حال کے حساب سے واجب ہوگا پس اگر میاں بیوی دونوں مالدار ہوں تو مالداروں کا نفقہ اور اگر دونوں غریب ہو تو غریبوں کا نفقہ واجب ہوگا۔ اور اگر عورت تنگ دست ہے اور شوہر خوشحال ہے تو عورت کا نفقہ تنگ دست سے بلند اور خوشحال سے کم معیار کا ہوگا یہی مصنف کا مختار ہے اور اسی پر فتویٰ ہے اور امام کرخیؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ شوہر کی حالت کا اعتبار کیا جائے گا، ان کا استدلال اللہ تعالیٰ کے ارشاد لِيُنْفِقَ ذُو سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهِ ہے کہ شوہر اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرے، ہمارا استدلال اس حدیث سے ہے جس میں رسول اللہ..... نے ابوسفیانؓ کی بیوی حضرت ہنڈ سے ارشاد فرمایا خذی من مالِ زوجكِ ما يكفيكِ وولديک بالمعروف کہ حسب ضابطہ تو اپنی اور بچوں کی کفالت بھر کا مال شوہر کے مال سے لے لے، پس نبی..... نے عورت کے حال کا اعتبار کیا جب کہ فقیر خوش حال عورتوں کی کفایت کا حاجت مند نہیں ہے پس زیادتی کا کوئی مطلب نہیں اب جہاں تک نص کا معاملہ ہے تو ہمارا کہنا یہ ہے کہ اس آیت کا مطلب ہے کہ شوہر علی الحال بقدر وسعت کا مکلف ہے اور باقی مقدار شوہر کے ذمہ دین ہوتا رہے گا اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد بالمعروف کا مطلب اوسط درجہ ہے اور یہی واجب ہے پس آیت اور حدیث کی وجہ سے میاں بیوی دونوں کے حال کا لحاظ کیا گیا تاکہ آیت اور حدیث دونوں پر عمل ہو جائے کیوں کہ آیت کا تقاضا یہ ہے کہ شوہر کا حال معتبر ہو اور حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ عورت کے حال کا اعتبار ہو پس دونوں نصوص پر عمل کرتے ہوئے ہم نے دونوں کے حال کا اعتبار کیا۔

ولو مانعة نفسها الخ: عورت کو استحقاق نفقہ اس وقت بھی ہے کہ جب وہ مہر متعل یا عموماً جتنا مال مہر مرد عورتوں کو پہلی ملاقات میں دے دیا کرتے ہیں کی وصولی کے لیے شوہر کو طلی پر قدرت نہ دے دیتی ہے۔

لاناشره الخ: وہ عورت جو ناحق شوہر کے گھر سے چلی گئی ہو تو تاواپسی اس کو نفقہ کا استحقاق نہ ہوگا نیز

ایسی چھوٹی بیوی جو ہم بستری کے لائق نہیں ہے یا ایسی عورت جو دین و غیرہ میں قید ہو بشرطیکہ وہ دین شوہر کا نہ ہو اور وہ عورت جسے کسی مرد نے غصب کر لیا ہو اور لے کر چلا گیا ہو اور ایسی عورت جو حج کرنے شوہر کے غیر کے ساتھ خواہ وہ محرم ہی ہوگی ہو یا ایسی بیمار ہو کہ جس کی وجہ سے اس کی رخصتی نہیں کی گئی ہے تو ان تمام طرح کی عورتوں کو نفقہ نہیں ملے گا، کیوں کہ نفقہ اس بات کا ہوتا ہے کہ عورت اپنے شوہر کے لیے وقف کر دیتی ہے اور ان تمام صورتوں میں احتباس للزوج نہیں ہے پس احتباس کی جزاء یعنی نفقہ بھی واجب نہ ہوگا۔

ولنخادمها لو موسرا: اگر شوہر اتنا مالدار ہو کہ اس کے لیے صدقہ لینا حرام ہے گوزکوۃ دینا اس پر واجب نہ ہو تو عورت اگر حرہ ہے تو اس پر عورت کے خادم کا نفقہ بھی واجب ہوگا، کیوں کہ عورت کے اخراجات کی کفایت شوہر کے ذمہ ہے، اور خدمت اسی کا تہہ ہے لیکن عورت کے خادم کا نفقہ شوہر پر خادم کی خدمت کے مقابلہ میں ہے پس اگر وہ خادم کھانا نہیں پکاتا اور دیگر گھریلو کام نہیں کرتا تو شوہر پر اس خادم کا نفقہ بھی واجب نہ ہوگا، بخلاف بیوی کے نفقہ کے کہ وہ بمقابلہ احتباس ہے یہ حکم تب ہے جب خادم عورت کا مملوک ہو اور اگر خادم عورت کا مملوک نہیں ہے تو پھر شوہر پر اس کا نفقہ بھی واجب نہ ہوگا اور اگر بیوی باندی ہے تو شوہر کے ذمہ اس کے خادم کا استحقاق نہ ہوگا اور طرفین کے نزدیک ایک سے زائد خادم مقرر نہیں کئے جاسکتے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تو دو خادموں کی تقرری ہو سکتی ہے ایک داخلی مصالح کے لیے اور دوسرا خارجی مصالح کے لیے۔

ولا يفرق بمعجزة عن النفقة الخ: اگر شوہر عورت کے نفقہ سے عاجز ہو جائے اور نہ دے پائے تو اس کی وجہ سے ہمارے نزدیک زوجین میں تفریق نہیں کی جائے گی بلکہ عورت سے کہا جائے گا کہ وہ شوہر کے حوالہ پر کسی سے قرض لے لیا کرے حضرت عطاء، حسن، ثوری، ابن ابی لیلیٰ رحمہم اللہ وغیرہ کا یہی قول ہے ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ اگر عورت مطالبہ کرے تو تفریق کر دی جائے گی، کیوں کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے فامساك بمعروف او تسريح باحسان اور امساك بمعروف یہی ہے کہ شوہر عورت کے تمام حقوق مہر، نان نفقہ وغیرہ ادا کرے اور جب اس سے عاجز ہو گیا تو ضابطہ کے مطابق چھوڑ دینا متعین ہو گیا پھر امام مالکؒ کے نزدیک یہ تفریق طلاق ہوگی اور امام شافعیؒ و احمدؒ کے نزدیک فسخ نکاح، ہماری دلیل یہ ہے کہ وان كان ذو عسرة فنظرة الى ميسرة سے معلوم ہوتا ہے کہ فقر و فاقہ ابتداء نکاح سے مانع نہیں تو بقاء بطریق اولیٰ مانع نہ ہوگا علاوہ ازیں تفریق میں شوہر کی ملک کا بطلان لازم آتا ہے اور قرض لینے میں اس کے حق کی تاخیر اور تاخیر حق بہ نسبت بطلان کے آسان ہے لہذا یہی بہتر ہوگا۔

وتتم نفقة اليسار بقروہ الخ: زوج تنگ دست تھا اور قاضی نے بیوی کے لیے تنگ دستی کے نفقہ کا فیصلہ بھی کر دیا بعد میں شوہر خوشحال ہو گیا تو اگر عورت مطالبہ کرتی ہے تو اسے خوشحالی کا نفقہ دلایا جائے گا یعنی

تنگدستی کے نفقہ میں بمقابلہ خوشحالی جو کی رہ گئی تھی اسے شوہر کو پورا کرنے کے لیے کہا جائے گا اور اگر عورت نفقہ سابق پر ہی خوش ہے تو اتمام نفقہ کے لیے شوہر سے نہیں کہا جائے گا، حکم اتمام نفقہ اس لیے ہے کہ نفقہ خوشحال اور بد حال کے اعتبار سے مختلف ہوتا رہتا ہے اور جس مقدار نفقہ کا اولاً عورت کے لیے فیصلہ ہوا وہ تنگدستی کی وجہ سے تھا اور تنگدستی خوش حالی کے تو آنے سے ختم ہو گئی پس جب شوہر کی حالت بدل گئی تو عورت کو اپنے حق کی تمامیت کے سلسلے میں حق مطالبہ ہے، جیسے کہ وہ شخص جو غلام پر قدرت نہ ہونے کی وجہ سے روروں سے کفارہ ادا کر رہا تھا کہ غلام پر قدرت ہو گئی تو کفارہ بالصوم باطل ہو کر کفارہ ہا لرقبہ متعین ہو جاتا ہے۔

ولا تجب نفقة ما مضت الا بالقضاء او الرضا: یعنی وہ مدت کہ جو گزر گئی اور شوہر نے چاہے موجود نہ ہونے یا کسی اور سبب سے عورت کو نفقہ نہیں دیا یعنی گزر ہوئی مدت کا نفقہ کہ جسے شوہر نے ادا نہ کیا وہ واجب نہیں رہتا، اس لیے کہ نفقہ صلتہ ہے اور عطایا اور صلوات، مملوک قبضہ کے بغیر نہیں ہوتے، ہاں دو صورتیں ہیں کہ جس میں گزری ہوئی مدت کا بھی نفقہ واجب ہوتا ہے ایک تو یہ ہے کہ قاضی نے عورت کا نفقہ متعین کیا ہو دوسرے یہ کہ میاں بیوی نے باہمی رضامندی سے کوئی مقدار نفقہ مقرر کی ہو تو ان دونوں صورتوں میں نفقہ میں وجوب مستحکم ہو جاتا پس یہ نفقہ بذمہ شوہر دین ہو جائے گا لہذا مدت کے گزر جانے کے بعد بھی اس کی ادائیگی ضروری ہوگی۔

امام شافعیؒ کے نزدیک ایام گزشتہ کا نفقہ بغیر قضاء اور رضاء کے بھی دین ہوتا ہے جیسے کہ مہر حق واجب ہونے کی وجہ سے بذمہ شوہر دین ہوتا ہے امام مالکؒ اور احمد بھی اس کے قائل ہیں لہذا وہ ایام گزشتہ جن کی شوہر نے اخراجاتی ذمہ داریاں نہیں پوری کی ہیں ان کا نفقہ شوہر کو دینا ہی ہوگا۔

ہم یہ کہتے ہیں کہ نفقہ ایک قسم کا تبرع ہے پس قضاء قاضی یا مصالحت زوجین کے بغیر اس کا وجوب مستحکم نہ ہوگا، بخلاف مہر کے کہ وہ بضع محترم کا عوض ہے پس اس میں قضاء قاضی اور تراخی کی ضرورت نہیں ذخیرہ میں ہے کہ اگر مدت گزشتہ مہینہ بھر سے کم ہے تو وہ ساقط نہ ہوگی کیوں کہ مدت قلیلہ سے گریز ممکن نہیں اس لیے کہ تھوڑی موڑی مدت کے گزرنے سے بھی نفقہ ساقط ہونے لگے تو عورت کبھی بھی نفقہ نہیں وصول پائے گی، اس لیے کہ شوہر کی ادائیگی میں کچھ نہ کچھ لیٹ لپاٹ ہو ہی جاتی ہے۔

وبموت احدهما تسقط المقضية: زوجین میں سے کسی ایک کے مرجانے سے مقرر کردہ نفقہ ساقط ہو جاتا ہے، یعنی وہ نفقہ جو قاضی نے مقرر کیا ہو لیکن مصالحتاً نہیں پس وہ مقدار جو قاضی مصالحت کے بغیر طے کر دے تو وہ کسی ایک کے مرنے سے ختم ہو جاتی ہے اس لیے کہ نفقہ عطیہ ہے اور عطیہ اور ہدایہ مرنے سے ساقط ہو جاتے ہیں اور اگر شوہر نے عورت کو قرض لینے کے لیے کہا پس جو مقدار طلب قرض کے طور پر طے ہو وہ

ہنزلہ دین کے ہے لہذا دیگر دیون کی طرح یہ بھی موت سے ساقط نہ ہوگا، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مطلقاً مقرر کردہ نفقہ ساقط نہیں ہوتا۔

ولا تُرد المعجلة: زید نے اپنی بیوی کو ایک سال کا پیشگی نفقہ دیا پھر ان میں سے کسی کا انتقال ہو گیا تو شیخین کے نزدیک پیشگی نفقہ واپس نہیں لیا جائے گا امام محمد اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ زندگی کا نفقہ وضع کر کے باقی حساب لگا کر لے لیا جائے گا، کیوں کہ نفقہ احباس کی وجہ سے واجب ہوتا ہے اور جب سال پورا ہونے سے پہلے انتقال ہو گیا تو عورت بقیہ نفقہ کی مستحق نہ ہوئی شیخین یہ فرماتے ہیں کہ نفقہ ایک قسم کا عطیہ ہے جس پر قبضہ ہو چکا اور صلوات و عطیات میں موت کے بعد رجوع نہیں ہوتا۔

وبيع القن في نفقة زوجها: یعنی جب غلام نے حرہ سے شادی کیا اور مولیٰ کی اجازت سے کیا تو عورت کا نفقہ غلام پر دین ہوگا لہذا غلام کو فروخت کر کے اس کا نفقہ ادا کیا جائے گا کیوں کہ نفقہ ایسا دین ہے جو غلام کے ذمہ میں واجب ہوا ہے اس کے سبب یعنی نکاح کے پائے جانے کی وجہ سے اور بلاشبہ اس وجوب کا ظہور حق مولیٰ میں ہوا ہے کیوں کہ غلام نے اس کا التزام اس کی اجازت سے کیا تھا لہذا نفقہ بھی دیون تجارت کی طرح غلام کے رقبہ سے متعلق ہوگا، اگر غلام پر ایک مرتبہ فروخت کرنے کے بعد دوسری مرتبہ اور تیسری مرتبہ پھر نفقہ ہو گیا تو ہر مرتبہ وہ فروخت ہوگا جب کہ دیگر دیون میں غلام فقط ایک مرتبہ فروخت ہوتا ہے پس اگر قرض خواہوں کا قرضہ پورا ہو گیا تو فیہا ورنہ حریت کے بعد اس غلام سے غرامہ قرض کا مطالبہ کریں گے۔

یہ حکم مذکور عبد خالص یعنی قن کا ہے ورنہ مدبر فروخت نہیں ہوگا بلکہ عورت کا نفقہ اس کی کمائی سے متعلق ہوگا اسی طرح مکاتب کی کمائی سے اسی کی بیوی کا نفقہ متعلق ہوتا ہے لہذا مکاتب کو بھی فروخت نہیں کیا جائے گا البتہ اگر غلام بدل کتابت سے عاجز ہو جائے تو اس کے رقبہ سے رقیق میں لوٹ جانے کی وجہ سے بیوی کا نفقہ متعلق ہو جائے گا لہذا اب فروخت ہوگا۔

اور اگر غلام نے آقا کی بغیر اجازت کے نکاح کیا تو ان پر نفقہ نہ ہوگا کیوں کہ نکاح ہی بغیر اذن مولیٰ صحیح نہیں ہے لہذا نفقہ بھی واجب نہیں ہے اور اگر بیوی سے غلام نے صحبت کر لی تو بھی مہر میں فروخت نہیں ہوگا اس لیے کہ وجوب مہر حق مولیٰ میں ظاہر نہیں ہوا کیوں کہ غلام تو مجبور تھا لہذا عورت آزاد ہونے کے بعد مہر وغیرہ کا مطالبہ کرے گی ہاں مولیٰ ندیدہ دیدے تو یہ اس کی اپنی مرضی اور احسان ہوگا۔

ونفقة الامة المنكوحه: اگر کوئی شخص باندی کے ساتھ نکاح کرے تو شوہر پر اس کا نفقہ اس وقت واجب ہوگا جب آقا ان کو علیحدہ مکان میں شب باشی کرائے اور باندی سے خدمت نہ لے ورنہ شوہر پر اس باندی بیوی کا نفقہ واجب نہیں کیوں کہ استحقاق نفقہ کے لیے باندی کو شوہر کے لیے فارغ کرنا ضروری ہے اور

یہ امر بغیر بیویہ کے پورا نہیں ہوتا پس گویا شوہر کے لیے باندی بیوی کا احساس نہ پایا گیا لہذا نفقہ بھی نہ ہوگا۔
والسکنی فی بیت حال الخ: السکنی جب النفقة پر معطوف ہے مطلب یہ ہے کہ جس طرح شوہر پر بیوی کا نفقہ ضروری ہے اسی طرح اس کو ایسے مکان میں رکھنا بھی ضروری ہے جس میں زوجین کے الی وصال ماں بہن بھائی، سر، جیٹھ اور دیور وغیرہ نہ ہوں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: أَسْكُنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وَجْدِكُمْ جب سکنی عورت کا حق ہے تو اس میں غیر کی شرکت نہیں ہو سکتی اور ایسا اس لیے ہے کہ لوگوں کے ساتھ گھلا ملارہنے سے دونوں میاں بیوی کا نقصان ہے کیوں کہ انہیں اپنے سامان اور بے تکلف رہن سہن سے متعلق امن حاصل نہ ہوگا، جب کہ علیحدہ سکنی سے یہی مطلوب ہے۔

ولهم النظر والكلام معها: اور بیوی کے گھر والوں کو اس سے بات چیت اور اسے دیکھنے کی اجازت ہے شوہر اس سے بیوی کے گھر والوں کو منع نہیں کر سکتا، کیوں کہ اس میں قطع رحمی ہے جب کہ اجازت کی صورت میں شوہر کا کوئی نقصان نہیں ہے لہذا اقامت اور ٹھہرنے سے روک سکتا ہے، کیوں کہ اس میں ضرر ہے، کہا گیا ہے کہ عورت کو والدین سے ملنے کے لیے جانے سے نہ روکا جاسکتا ہے اور نہ ہی والدین کو ملنے سے ہر جمعہ یعنی ہفتہ میں اور دیگر محرم کو سال میں ایک مرتبہ اور محمد بن مقاتل الرازی نے ایک ماہ میں دیگر محرم سے ملنے جلنے آنے جانے کی اجازت دی ہے۔

وفرض بزوجه الغائب الخ: وہ شخص جو عقد کر کے کہیں چلا گیا اور اس کا مال کسی کے پاس بطور امانت یا بطور قرض ہو تو اس کی بیوی اور چھوٹے بچوں اور اس کے والدین کا نفقہ اس کے مال سے قاضی کی جانب سے مقرر کیا جائے گا اور بیوی جو مال نفقہ میں لے گی اس پر بیوی سے ایک ضامن لے لیا جائے گا جو اس پر قسم کھائے گا کہ شوہر نے اس کو نفقہ نہیں دیا اور عورت نہ ناشزہ ہے نہ ایسی مطلقہ جس کی عدت گزر گئی ہو لیکن نفقہ مقرر کرنے کے لیے دو شرطیں ہیں ایک یہ کہ امانت دار اور مقروض اس کا اقرار کرتے ہوں کہ فلاں غائب کا مال ہمارے پاس ہے دوسرے یہ کہ اس کا بھی اقرار کرتے ہوں کہ یہ عورت اس کی بیوی ہے اور یہ بچے اس کی اولاد ہیں اس اقرار کے بغیر نفقہ اس کے مال سے مقرر نہ ہوگا۔

والمعتدة الطلاق لا الموت الخ: معتدة الطلاق کا عطف شروع باب میں مذکور للزوجیۃ پر ہے یعنی نفقہ معتدة طلاق کے لیے بھی واجب ہوتا ہے خواہ طلاق رجعی ہو یا بائن اور خواہ عورت حاملہ یا نہ ہو، البتہ استحقاق نفقہ کے لیے شرط یہ ہے کہ عورت عدت کے گھر کو لازم جانے پس اگر وہ ایک زمانہ کے لیے بغیر عذر شرعی گھر سے نکل گئی تو وہ ناشزہ متصور ہوگی اور ناشزہ کو نفقہ کا استحقاق نہیں ہوتا اور نیز شرط ہے کہ وہ معتدہ نکاح صحیح سے ہو اس لیے کہ وہ خاتون جو نکاح فاسد کی عدت میں ہو اس کے لیے نفقہ نہیں ہوتا نیز وہ خاتون

آزاد ہو کیوں کہ اگر وہ باندی ہو تو مولیٰ اس کو ٹھکانا دے گا۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ بائنہ کو نفقہ کا استحقاق نہیں ہاں اگر حاملہ ہے تو نفقہ پائے گی ورنہ نہیں، ان کا استدلال فاطمہ بنت قیسؓ کی روایت سے ہے وہ فرماتی ہیں طلقنی زوجی ثلاثاً ولم يجعل لي رسول الله صلى الله عليه وسلم سكنى ولا نفقة کہ مجھے میرے شوہر نے تین طلاقیں دیں تو رسول اللہؐ نے میرے لیے نہ تو نفقہ طے فرمایا اور نہ سکنی وعن الشعبي عن فاطمه بنت قيس عن النبي صلى الله عليه وسلم في المطلقة ثلاثا قال ليس لها نفقة ولا سكنى رواه احمد وفي رواية مسلم انه عليه الصلوة والسلام قال لا نفقة لها الا ان تكون حاملا معلوم ہوا کہ حاملہ بائنہ کو تو نفقہ ملے گا باقی دیگر بائنہ خواتین تو نہ انکے لیے نفقہ ہے اور نہ سکنی امام مالکؒ اور امام احمدؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔

ہماری دلیل حضرت عمرؓ کا قول ہے وہ فرماتے ہیں لا ندع كتاب ربنا وسنة نبينا عليه الصلوة والسلام لقول امرأة لاندري لعلها حفظت أو نسيت رواه مسلم کہ ہم اللہ کی کتاب اور اپنے محبوب نبیؐ کی سنت ایک ایسی خاتون کے کہنے کی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتے کہ جس کے بارے میں ہمیں نہیں معلوم کہ انہوں نے بات پوری محفوظ بھی کیا یا وہ بھول گئیں، فیما رواه الطحاوی والدارقطنی زیادة قوله سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول للمطلقة ثلاثا النفقة والسكنى معلوم ہوا کہ رسول اللہؐ نے مطلقہ ثلاث کے لیے نفقہ اور سکنی دونوں باتوں کا حکم فرمایا ہے۔

حضرت عمرؓ کی مراد کتاب ربنا سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد یا ایہا النبی اذا طلقتم الناس فطلقوهن لعدتهن الخ ہے وجہ استدلال یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مطلقات کے نکالنے اور خود ان کے گمروں سے نکلنے کو منع فرمایا ہے ارشاد ہے لا تخرجوهن من بیوتہن ولا ینخرجن الخ ہے اور اللہ تعالیٰ نے نفقہ اور سکنی ازواج پر واجب فرمایا ہے ارشاد ہے اسکنوهن من حیث سکنتم من وجدکم اور مصحف ابن مسعودؓ میں ہے وانفقوا علیہن من وجدکم ہے پس آیت پاک میں بائن اور رجعی کی باب نفقہ میں کوئی تفریق نہیں ہے دوسرے اس لیے بھی کہ نفقہ شوہر کے نطفہ کی حفاظت میں کچھ جزائے احتباس ہے اور یہ بات جیسے رنجیہ میں ہے ایسے ہی بائنہ میں بھی اب جہاں تک حدیث فاطمہ بنت قیسؓ کی بات ہے تو صحابہؓ نے خود اسے رد کر دیا ہے، حضرت عائشہؓ فرماتے ہیں کہ فاطمہؓ کو کیا ہوا کہ وہ (لا سکنی لك ولا نفقة کہنے میں) اللہ سے نہیں ڈرتی، اسی طرح اسامہ بن زید، زید بن ثابت، مروان ابن الحکم، ابن المسیب، شریح، شععی، حسن وغیرہ سب نے اس کو رد کیا ہے۔

لا الموت الخ: وہ خاتون جو عدت وفات میں ہو اس کے لیے نفقہ نہیں ہے اس لیے کہ اس کا

احتباس حق شرع کی وجہ سے ہے حق زوج کی وجہ سے نہیں ہے اور احتباس جو حق شرع کی وجہ ہو وہ عبادت ہے اسی وجہ سے اس میں حیض کے ذریعہ برات رحم کی معرفت کے معنی کا باوجود امکان کے لحاظ نہیں کیا گیا، لہذا شوہر پر متوفی عنہا زوجہ کا نفقہ واجب نہ ہوگا دوسرے اس لیے بھی نفقہ کا وجوب لمحہ بہ لمحہ ہوتا ہے اور شوہر کے لیے بعد الموت ملک نہیں ہوتی اور ورثہ کی ملکیت میں ایجاب نفقہ اس لیے ممکن نہیں کیوں کہ عورت کا احتباس ان کی وجہ سے نہیں ہے۔

والمعصية اور معتدہ جس کی فرقت عورت کی جانب سے کسی عصیان کی وجہ سے ہوئی ہو جیسے مرتد ہو جانا یا شوہر کے بیٹے کا سوتیلی ماں کو بشوہت بوسہ دے دینا تو اس کے لیے بھی نفقہ نہ ہوگا، کیوں کہ یہ اپنے کو روکنے والی ہے، بغیر کسی حق کے پس یہ ناشزہ بلکہ اس سے بھی گئی گزری ہوئی، اس لیے کہ اس نے تو اس حلت اور نکاح کو ختم کر دیا جو میاں بیوی کے درمیان تھا لہذا اس کو استحقاق نفقہ نہیں ہو سکتا۔

وردتها بعد البت النخ: وہ خاتون جس کو شوہر نے طلاق دے دی تھیں یا ایک بائٹہ طلاق دیا تھا پھر وہ نعوذ باللہ عنہ مرتد ہو گئی تو اس کا نفقہ ساقط ہو جائے گا، اس لیے کہ مرتد کو توبہ کے لیے قید کر دیا جاتا ہے اور مجبورہ کے لیے نفقہ نہیں ہوتا جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے اور اگر اسے شوہر کے گھر میں ہی قید کیا گیا تو حق نفقہ ہوگا۔ اور اگر تین طلاق کے بعد عورت نے شوہر کے بیٹے کو اپنے اوپر قابو دہی کے لیے دے دیا تو نفقہ ساقط نہ ہوگا، اس لیے کہ فرقت طلاق کی وجہ سے اس قدرت دینے سے پہلے ثابت ہو چکی ہے، لہذا اس میں تمکین کو کوئی اثر و دخل نہیں ہوگا اس لیے کہ قابو دینے والی خاتون جس کی حق دار نہیں ہوتی جب کہ مرتدہ کو جس ہوتا ہے، لہذا دونوں میں فرق ہو گیا۔

ولطفله الفقير: باپ پر اگر وہ آزاد ہو آزاد محتاج نابالغ بچہ اور بچی کا نفقہ واجب ہوتا ہے اور اگر باپ کافر ہو اور بیٹا مسلمان ہو تو بھی باپ پر بیٹے کا نفقہ واجب ہوگا اور اس میں باپ کے ساتھ کوئی دوسرا شریک نہ ہوگا، دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ** پس مولود لہ یعنی باپ پر عورت کا کھانا کپڑا بچوں کی وجہ سے واجب ہے پس جب مرضعات کا نفقہ باپ پر بسبب اولاد واجب ہے تو بچوں کا نفقہ بدرجہ اولیٰ واجب ہوگا، اگر باپ بچوں کا نفقہ نہیں دیتا حالاں کہ وہ کسب نفقہ پر قادر ہے تو باپ کو قید کر دیا جائے گا، بخلاف دیگر دیون کے کہ ان کی وجہ سے اس کو جس نہیں ہوگا۔

مصنفؒ نے اس حکم کو طفل اور فقیر ہونے کے ساتھ مقید کیا ہے معلوم ہوا کہ اگر بیٹا بجائے نابالغ رہنے کے بالغ ہو گیا اور وہ صحت مند ہے تو اس کا نفقہ نہ تو باپ اور نہ ہی کسی اور پر واجب ہے اپنا کمائے اور کھائے، اسی طرح بچہ نابالغ سہی لیکن محتاج نہیں مالدار ہے تب بھی اس کا نفقہ باپ پر نہ ہوگا بلکہ وہ اپنے مال سے کھائے

بچے گا، اسی طرح حکم بچہ اور باپ کے آزاد ہونے کے ساتھ مقید ہے اس لیے کہ اگر بچہ غلام ہے تو اس کا نفقہ مولیٰ پر ہوگا اور اگر باپ غلام ہے تو اس پر بچے کا نفقہ واجب نہیں ہوتا۔

ولا تجتر أمه لترضع: اور ماں کو بچہ کو دودھ پلانے پر مجبور نہیں کیا جائے گا خواہ شریفہ ہو یا نہ ہو امام مالکؒ کے نزدیک شریفہ نہ ہونے کی صورت میں مجبور کیا جائے گا، ہماری دلیل یہ ہے کہ نفقہ باپ پر ہے اور بچہ کے لیے ارضاع ایک طرح کا نفقہ ہے، لہذا یہ باپ پر ہوگا، اور ماں بہت مرتبہ بچہ کو دودھ پلانے سے معذور ہوتی ہے، پس اس کا ایسے وقت دودھ پلانے سے باز رہنا دلیل ہے کہ یہ ارضاع باپ کا حق ہے کیوں کہ عورت قدرت کے ہوتے ہوئے بچہ کو دودھ پلانے سے عموماً پیچھے نہیں ہنتی پس عورت کو اس کے بعد بھی ارضاع یعنی دودھ پلانے کا لازم کرنا اضرار ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے لَا تُضَارُّ وَالِدَةُ بِوَلَدِهَا عورت کو دودھ پلانے کے لیے کہا جائے گا قضاء اس پر لازم نہیں ہے اس لیے کہ ارضاع گھریلو کام کاج کے ذمہ میں شامل ہے، جیسے گھر میں جھاڑو، کھانا پکانا، کپڑا دھونا وغیرہ امور عورت پر دودھ پلانے کا بھی ان امور کی انجام دہی کے لیے مجبور نہیں کرے گا کیوں کہ عورت پر نکاح کے بعد اپنے نفس کو شوہر کے حوالہ استماع کے لیے دینا ضروری ہے اور بس ہاں اگر بچہ ماں کے پستان کے علاوہ کسی اور مرضہ کی چھاتی منہ میں نہ لیتا ہو اور ماں بھی دودھ نہیں پلاتی تو اسے مجبور کیا جائے گا اور اس پر سب کا اتفاق ہے، نیز اگر باپ اور بچہ کے پاس مال نہیں ہے کہ جس سے مرضہ کا انتظام ہو تو بھی اس پر دودھ پلانا واجب ہوگا بشرطیکہ اسے کوئی معقول عذر نہیں ہے اور اس کا دودھ بچہ کے لیے ضرور رساں نہیں ہے۔

ويستاجر من ترضعه الخ: اور باپ دودھ پلانے والی عورت کی اجرت پر خدمت حاصل کرے گا جو ماں کے پاس آکر دودھ پلا جایا کرے گی اس لیے کہ نفقہ باپ کے ذمہ ہے اور حضانت ماں کے ذمہ مرضہ پر ماں کے پاس ٹھہرنا ضروری نہیں ہے جب کہ مکث شرط نہ ہو تو وہ دودھ پلا کر اپنے گھر واپس چلی جائے گی یا بچہ کو اٹھائے گی اور محن دار میں دودھ پلا کر پھر ماں کو یہو نچا دے گی، یہ حکم تب ہے جب مرضہ دستیاب ہو اور بچہ ماں کی چھاتی سے پینے پر مصر نہ ہو، اگر مرضہ نہیں ملتی یا بچہ ماں کے علاوہ کسی اور کا دودھ قبول نہیں کرتا ہے تو ماں کو دودھ پلانے کے لیے مجبور کیا جائے گا، تاکہ بچہ ضائع نہ ہو، گو ظاہر الروایۃ کے مطابق مجبور نہ کیا جائے گا، بلکہ بچہ کو دیگر مائعات سے غذا دی جائے گی۔

لا أمه لو منكوحه الخ: ماں کو ارضاع ولد کے لیے کرایہ پر نہیں لیا جائے گا اگر وہ منكوحہ یا معتدہ ہے اس لیے کہ ماں پر نکاح یا عدت میں ہوتے ہوئے دودھ پلانا دینا واجب ہے پس وہ دودھ پلائی پر اجرت نہیں لے سکتی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے والوالدات يرضعن اولادهن الخ: یہ امر بصیغہ خبر ہے اور یہ زیادہ

موکد ہے، لہذا ماں کو اس پر اجرت لینا درست نہیں ہے جیسے کہ گھریلو کاموں کی انجام دہی پر عورت اجرت نہیں لے سکتی۔

وہی احق بعدھا الخ: یعنی اگر ماں کو طلاق ہوگئی اور وہ عدت بھی گزار چکی ہے اور وہ اجرت کے ساتھ دودھ پلانے کی خواہش مند ہے تو اپنے لال کو دودھ پلانے کی ماں زیادہ حقدار ہے بشرطیکہ وہ سابق شوہر سے عام عورتوں سے زیادہ اجرت نہ مانگے کیوں کہ ماں دیگر مرضعات کے مقابلہ میں کہیں زیادہ شفیق ہوتی ہے، بچہ کی مصلحت کا لحاظ جتنا ماں کرے گی کوئی اور دوسری عورت اس کا عشرہ شیر بھی نہیں کر سکتی دوسرے ماں سے اس حالت میں بچہ لینے سے اس کو تکلیف بھی ہوگی اور اللہ کا ارشاد ہے وَلَا تَصَارُ وَالِدَةٌ بَوْلِهَا هَاں ماں جو عدت سے باہر آ جانے کی وجہ سے شوہر کے لیے اجنبی کے حکم میں ہو جانے کے باعث دودھ پلانے کی اجرت لے سکتی ہے لیکن اگر مطلقہ ماں جو عدت سے باہر ہوگئی ہو اجرتہ مشکل سے زیادہ کا مطالبہ کرے تو پھر وہ ولا مولود لہ برزقہ کی وجہ سے مستحق ترجیح نہ رہ جائے گی۔

ولا بویہ واجدادہ وجدّاته الخ: والدین اور اجداد اور جدات خواہ باپ کی طرف سے ہوں یا ماں کی طرف سے اوپر تک اگر یہ محتاج ہیں اور لڑکا اور پوتا اسی طرح نواسہ والد اور خوشحال ہیں تو ان پر ان بزرگوں کا نفقہ واجب ہے خواہ یہ بزرگ مسلمان ہوں یا غیر مسلم اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَصَاحِبُهُمَا فِي الدُّنْيَا معروفًا کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرو پس یہ آیت مشرک والدین کے بارے میں نازل ہوئی کہ خلاف مروت و انسانیت ہے کہ آدمی خوشحالی میں جھولے اور والدین اور اجداد و جدات کو بھوکا پیاسا چھوڑ دے البتہ ایک شرط ہے کہ والدین اور یہ بزرگوار حربی نہ ہوں جو بحیثیت مستامن دارالاسلام میں آئے ہوں، اور اگر بچہ پوتا نواسہ خوشحال نہیں ہیں تو ان کے اوپر نفقہ نہیں واجب ہے اس لیے کہ عاجز پر نفقہ نہیں ہوتا۔

ولا نفقة مع اختلاف الدين الا بالزوجة الخ: یعنی آدمی پر ایسے آدمی کا نفقہ واجب نہیں ہوتا جو اس کا دین اسلام میں مخالف ہو یعنی وہ مسلمان نہ ہو سوائے دو قراہتوں کے کہ وہ دو قراہتیں اس قاعدے سے مستثنیٰ ہیں ایک تو زوجیت کہ شوہر پر بیوی کا نفقہ بہر صورت واجب ہے خواہ بیوی مسلمان ہو یا غیر مسلم یعنی یہودیہ ہو یا نصرانیہ اس لیے کہ اس کے نفقہ کا وجوب اس احتباس کی وجہ سے ہے کہ جو عورت کے لیے نکاح صحیح کی وجہ سے واجب ہوا ہے اتحاد دین کی وجہ سے نہیں اور دوسری قربت ہے ولاد یعنی باپ بیٹا ہونے کا رشتہ پس تمام اصول اوپر تک اور تمام فروع نیچے تک کا نفقہ نیز واجب ہوگا گو باپ اور بیٹے دادا اور پوتے نانا اور نواسے کا مذہب ایک نہ ہو اسی طرح ماں اور بیٹے نواسہ اور نانی پوتا اور دادی کا مذہب ایک نہ ہو پس بیٹے کے اوپر اپنے والدین آباء اور اجداد و جدات کا اوپر تک نفقہ واجب ہوگا اور باپ و دادا پر اپنے فروع کا نیچے تک نفقہ واجب

ہوگا ایسا اس لیے ہے کہ باپ بیٹے ماں بیٹے وغیرہ ان مذکورہ بالا تمام قرابتوں میں جزیت پائی جاتی ہے پس یہ نفقہ ان کے باہم جزیت کے پائے جانے کی وجہ سے ہے اتحاد دین کی وجہ سے نہیں، پس کفر، ان کے نفقات سے مانع نہ ہوگا، البتہ کم از کم ذی ہوتا ضروری ہے پس اگر اصول حربی ہو تو فروع پر یا فروع حربی مستان ہوں تو اصول پر نفقہ واجب نہ ہوگا اس لیے کہ نفقہ متعلق بالارث ہے پس ارث اور نفقہ ساتھ ساتھ ہیں۔

ولا یشارك الاب والولد الخ: بچوں کے نفقہ میں کوئی رشتہ دار باپ کا شریک نہیں اور باپ کے نفقہ میں کوئی دوسرا رشتہ اولاد کا شریک نہیں ہوگا، یعنی باپ کے ہوتے ہوئے اس کی اولاد کا نفقہ اس کے سواء کسی دوسرے رشتہ دار پر واجب نہیں اور بیٹا کے ہوتے ہوئے اس کے والدین کا نفقہ بیٹے کے علاوہ کسی اور رشتہ دار پر واجب نہیں جیسا کہ شوہر کے ہوتے ہوئے اس کا نفقہ شوہر کے علاوہ کسی اور پر واجب نہیں ہوتا۔

خصاف اور حسن نے روایت کیا ہے کہ وہ بچہ جو بالغ ہو گیا ہو اور کمائی پر قادر نہ ہو تو اس کا خرچہ والدین پر اٹلنا ہوگا حصہ میراث کے حساب سے یعنی ماں پر ایک حصہ اور باپ پر دو حصہ نفقہ واجب ہوگا بخلاف چھوٹے بچے کے کہ اس کا نفقہ تنہا باپ پر ہوگا کیوں کہ باپ کو تنہا صغیر یعنی بچہ کی ولایت ہوتی ہے پس اسی طرح وہ تنہا نفقہ کا بھی ذمہ دار ہوگا۔

مرد اور عورت کا نفقہ برابر ہوگا یعنی ذکر اور اثاث میں بحق مقدار نفقہ کوئی فرق نہیں ہے بعض حضرات بقدر ارث حصہ نفقہ مرد اور عورت کا مانتے ہیں امام شافعی اور احمد اسی کے قائل ہیں۔

ولقرب محوم فقیر عاجز الخ: اگر ذی رحم محرم رشتہ دار جو مسلمان ہوں اور ضرورت مند ہوں اور کمائی کی استطاعت نہ رکھتے ہوں خواہ کوڑھ یا اندھے پن یا اس جیسے امراض (کہ جن کی وجہ سے کمائی کرنا ممکن نہ ہو) کی وجہ سے تو ان کا بھی نفقہ واجب ہوگا البتہ یہ نفقہ بقدر حصہ میراث ہوگا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وعلى الوارث مثل ذلك پس وارث پر ہمیں مقدار کے اعتبار کرنے پر تنبیہ ہے اس لیے کہ حکم جب اسم مشتق پر مرتب کیا جاتا ہے تو اس اسم کا ماخذ اشتقاق اسم کے لے علت ہوتا ہے پس ارث، اشتقاق نفقہ کی علت ہوگا پس نفقہ کو بقدر ارث مقدار مانا جائے گا، بشرطیکہ یہ اعزہ محتاج اور وہ شخص جو نفقہ کا ذمہ دار ہے مالدار ہو، اور اگر مالدار نہ ہو تو محتاج پر نفقہ نہیں ہوا کرتا سوائے بیوی اور اولاد کے کہ ان کا نفقہ بہر صورت دینا ہوتا ہے۔

امام شافعی و امام مالک فرماتے ہیں کہ نفقہ فقط قرابت ولاد سے واجب ہوتا ہے، کیوں کہ ان کے باہم ہضیت اور جزیت ہوتی ہے پس ان کے ماسوا کا نفقہ آدمی پر واجب نہ ہوگا، جیسے بنی اعمام کہ ان کا نفقہ آدمی پر واجب نہ ہوگا اور بھائی بہن اور ان کی اولادیں چچا، پھوپھی، ماموں اور خالہ محتاج اور معذور ہونے پر ان کا نفقہ واجب ہوگا۔

امام احمد کے نزدیک قریبی وارث کا نفقہ واجب ہوگا اور وہ شخص جس پر ذی رحم محرم کا نفقہ واجب ہو رہا ہے یہ اس وقت ہے جب وہ آدمی خوشحال ہو ورنہ عاجز ہوگا اور عاجز پر نفقہ واجب نہیں ہوتا۔

وصح بیع عرض ابنہ الخ: باپ ضرورت مند ہے اور بیٹا غائب ہے لیکن ہے خوشحال تو چوں کہ نفقہ آب فقیر اس پر واجب تھا اور غائب ہونے کی وجہ سے بیٹا ادا نفقہ نہیں کر پارہا ہے تو باپ کو حق ہے کہ بیٹے کا سامان فروخت کر کے اپنی ضروریات کو رفع کرے یہ امام صاحب کا مسلک ہے صاحبین کے نزدیک درست نہیں ہے، کیوں کہ باپ کو بلاشبہ بیٹے پر ولایت تصرف حاصل ہوتی ہے، لیکن یہ ولایت بلوغ کے ساتھ ہی ختم ہو جاتی ہے اس وجہ سے باپ بیٹے کی موجودگی میں بیٹا کا سامان نہیں فروخت کر سکتا، امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ باپ کے لیے بوقت ضرورت بیٹے کے مال میں حق تملک ہوتا ہے اور منقول کا بیچنا از قبیل حفاظت ہے اور باپ کو اپنے غائب بیٹے کے مال کی حفاظت کی ولایت ہے البتہ غیر منقولہ جائیداد مثلاً زمین فروخت کرنا باپ کے لیے درست نہ ہوگا کیوں کہ باپ کو ولایت حفاظت ہوتی ہے اور زمین و جائیداد از خود محفوظ ہوتی ہیں، لہذا غیر منقول کے بیچنے کی کوئی ضرورت نہیں، نیز اسی طرح بالاتفاق ماں اپنے چھوٹے یا بڑے بچے کے مال کو فروخت نہیں کر سکتی۔

اچھا اگر غائب بیٹا صغیر ہو تو اس کا مال بالاتفاق باپ بیچ سکتا ہے اسی طرح باپ کے علاوہ کوئی دوسرا نفقہ میں بیٹے کا مال بالاتفاق فروخت نہیں کر سکتا۔

ولو انفق مودعه علی ابویہ بلا جمر ضمن الخ: ابن غائب کا مال کسی شخص کے پاس امانت رکھا ہوا تھا پس غائب کے مودع نے ابن غائب کے والدین پر بغیر امر قاضی اور بغیر غائب شخص کے حکم کے خرچ کیا تو مودع ضامن ہوگا کیوں کہ اس نے غیر یعنی مودع کے حکم کے بغیر اور اس کی نیابت اور ولایت کے بغیر اس کے مال میں تصرف کیا ہاں اگر مودع نے غائب یا قاضی کی اجازت سے اس کے والدین پر خرچ کیا تو مودع ضامن نہ ہوگا اس لیے کہ یہ خرچ کرنا بطور نیابت ہے۔

ولو انفقاه عندهما لا: اور اگر والدین نے وہ مال جو غائب بیٹے کا ان کے پاس تھا اپنے اوپر خرچ کر ڈالا بشرطیکہ وہ مال جنس نفقہ سے تعلق رکھتا تھا تو والدین ضامن نہ ہوں گے اس لیے کہ والدین کا نفقہ اس شخص پر قضاء سے پہلے واجب تھا پس دونوں نے اپنا حق وصول کر لیا۔

فلو قضی بنفقة الولاد الخ: والدین، بچے، بچیاں اور دیگر ذی رحم محرم اقرباء کے لیے قاضی نے نفقہ کا فیصلہ کر دیا لیکن نفقہ متعلقہ لوگوں کو نہیں ملا اور عرصہ دراز گزر گیا تو گو قاضی نے فیصلہ کر دیا پر پھر بھی ایام گذشتہ طویلہ کا نفقہ ساقط ہو جائے گا اور متعلقہ لوگوں کو گزرے ہوئے دنوں کے نفقہ کے مطالبہ کا حق نہیں ہے

اس لیے کہ ان لوگوں کا نفقہ حاجت کی کفایت کے لیے واجب ہوتا ہے پس جب ایسی لمبی مدت گزر گئی کہ کفایت حاصل ہو گئی تو نفقہ ساقط ہو گیا، بہر حال جب مدت تھوڑی گزری ہو تو نفقہ ساقط نہ ہوگا اور مدت قصیر کا اندازہ لوگوں نے ایک ماہ سے کم مقرر کیا ہے، بخلاف بیوی کے نفقہ کے کہ اس کا نفقہ قضاء قاضی کے بعد گو مدت طویلہ گزر گئی ہو ساقط نہیں ہوتا اس لیے کہ زوجہ کا نفقہ اس کے مالدار ہونے کے باوجود شوہر پر لازم ہوا کرتا ہے پس حصول استغناء سے بیوی کا نفقہ ساقط نہ ہوگا۔

الا باذن القاضي بالاستدانة: ہاں صورت مذکور میں اگر قاضی نے ذوی قریبہ الولاد یعنی ان لوگوں کو جن کا باہم باپ بیٹے کا رشتہ ہے ذی رحم محرم رشتہ داروں کو نفقہ کے لیے قرض لینے کی اجازت دے دی تو اب ایام کدہ کا نفقہ ساقط نہ ہوگا اس لیے کہ قاضی کو ولایت عامہ حاصل ہے پس استدانت یعنی قرض لینے کی اجازت سے نفقہ عزیز قریب کے ذمہ دین ہو گیا پس ساقط نہ ہوگا۔

وللمملوك: اور غلام کا نفقہ مولیٰ پر نیز واجب ہوتا ہے خواہ مولیٰ اور غلام وہ باندی تا بالغ ہوں نبی..... کا ارشاد ہے هُمْ اخوانكم وخولكم جَعَلَهُمُ اللَّهُ تَحْتَ اَيْدِيكُمْ فَمَنْ كَانَ اخوه تَحْتَ يَدِهِ فَلْيُطْعِمَهُ مِمَّا يَأْكُلُ وَلْيَلْبِسَهُ مِمَّا يَلْبَسُ وَلَا تَكْلَفُوهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ فَإِنْ كَلَفْتُمُوهُمْ فَآغِيثُوهُمْ مَطْفِقٍ عَلَيْهِ كَغُلَامٍ تَهَارَى بِهَائِي هِيَ جَنُّ كَوَالِدِهِ نَعْتَهَارَى تَحْتَ يَدِهِ هِيَ فَفَضْلٌ جَسَدِهِ فِي مِثْلِ هَذَا اس کا بھائی ہے تو اسے کھلائے جو خود کھائے اور اسے پہنائے جو خود پہنے اور ان کو ان کی طاقت سے زیادہ کا پابند مت کرو اور اگر ایسا تم نے کیا ہے تو ان کی مدد کرو وروی عن علی رضی اللہ عنہ اِنَّ قَالَ كَانَ آخِرُ كَلَامٍ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اتَّقُوا اللَّهَ فِيمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَابُو دَاوُدَ يَعْنِي نَبِي..... کی وفات کی وقت آخری کلمات آپ کی زبان مبارک پر نماز اور غلام وہ باندیوں کے متعلق رعایت اور توجہ دینے کے تھے، وقال انس كان عليه الصلوة والسلام عامة وصية ذلك حين حضرته الوفاة وَهُوَ يُغْرِغُ وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَفَى بِالْمَرْءِ الْمَا ان يَضِيعَ مِنْ يَقُوتٍ غَرِغَرُهُ كَهِ وَقَدْ أَفْرَمَ هِيَ تَحْتِ كَهِ أَدَمِي كَهِ كَنَّا كَارِ هُونِ كَهِ لِي كَافِي هِيَ كَهِ أَفْنِ مَاتَحُونِ كِي بِقَدَرِ زِيَتِ رَوَزِينِ كَهِ كَهِ انْتِظَامِ نَ كَرِ.

پس اگر آقا غلام کے نفقہ کی ادائیگی نہیں کرتا ہے تو غلام کما کر اپنے اخراجات پورا کرے گا اس میں جاہلین کی مصلحت اور رعایت ہے کہ غلام زندہ و سلامت رہے گا اور مولیٰ کی ملک بھی باقی رہے گی، اور اگر غلام نہیں کما سکا مثلاً وہ معذور ہے یا وہ ایسی باندی ہے کہ اس جیسی کم عمر کی باندیاں کمائی نہیں کر سکتیں تو مولیٰ کو غلام وہ باندی کے فروخت کرنے پر مجبور کیا جائے گا، کیوں کہ مملوک بنی آدم سے ہے جو اہل استحقاق میں سے ہے

پس بیچ میں حق مولیٰ کا ایفاء ہے اسکے حق کا ابطال نہیں ہے اس لیے کہ ثمن غلام کے قائم مقام ہو جائے گا، اور ابطال الی خلف ایسے ہے جیسے کہ اس میں کوئی ابطال حق نہیں ہے۔

بخلاف بیوی کہ اگر شوہر بیوی کا نفقہ نہیں دیتا تو میاں بیوی میں تفریق نہیں کی جائے گی اس لیے کہ اس میں حق زوج کا ابطال بغیر خلف کے ہوگا پس تفریق کو اختیار نہیں کیا جائے گا بلکہ عورت ہے قاضی کہے گا کہ شوہر کے نام پر تو قرض لیتی رہے۔

اور بخلاف دیگر تمام حیوانات کے کہ وہ اہل استحقاق میں سے ہیں پس اگر مالک ان کی واجبی ضرورتوں کا خیال نہیں رکھتا تو مالک کو انفاق پر مجبور نہیں کیا جائے گا اور نہ ان کے فروخت کر دینے پر ہی لیکن عند اللہ وہ اس کا مکلف ہے کہ وہ ان جانوروں کو فروخت کر دے۔ نہیں تو ان پر خرچ کرے۔

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ حیوانات کے انفاق پر مالک کو مجبور کیا جائے گا اور ائمہ ثلاثہ بھی اسی کے قائل ہیں اس لیے کہ حیوانات کی تعذیب ممنوع ہے، ام ولد اور مدبرا اگر ان پر مالک خرچ نہیں کرتا تو کہا جائے گا کہ کماؤ اور کھاؤ لیکن اگر یہ کمائی سے معذور ہوں تو مالک کو انفاق پر مجبور کیا جائے گا اس لیے کہ ان دونوں کی بیچ نہیں ہو سکتی نیز اگر مملوک معذور ہے کمائی کرنے کی پوزیشن میں کسی وجہ سے نہیں ہے تو اسے مال مولیٰ سے لینا درست ہے، بشرطیکہ بقدر کفاف ہو۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

قد تم الجزء الثانی بفضل اللہ وکرمہ قبیل الفجر من یوم الثلاثاء من ۱۱/۲/۱۴۲۹ھ

اللهم ربنا لك الحمد يا ذا الجلال والاكرام وعلى رسولك الصلوة والسلام الى يوم
القيامة اللهم اغفر لنا ولوالدي والمؤمنين يوم يقوم الحساب اللهم اننا مفتقرون الى
لطفك الابدی فافض شأبيب رحمتك الواسعة علينا وعلى اسرتنا وذريتنا الصغار
اللهم ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم وتب علينا انك انت التواب الرحيم.

العبد عتيق الرحمن احمد قاسمی بهرائچی

استاذ جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ